امام جعفر صادقؑ

ولادت سے شہادت تک

مشہور عربی کتاب امام جعفر صادق علیہ السلام
مِن المھد اِلی اللحد کا اردو ترجمہ

مؤلف

آیت اللہ سید محمد کاظم قزوینی اعلی اللہ مقامہ

مترجم:

حجۃ الاسلام مولانا سید عدنان نقوی دام عزہ

مصحح

حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری (دام ظلہ)

ریسرچ سکالر اسلامک یونیورسٹی ○ قم ○ ایران

اِمام جعفر صادقؑ

وِلادت سے شہادت تک

مشہور عربی کتاب اِمام جعفر صادق علیہ السلام

مِن المھدِ اِلی اللّحدِ کا اُردو ترجمہ

تالیف

آیت اللہ سید محمد کاظم قزوینی اعلی اللہ مقامہ

مترجم حجۃ الاسلام مولانا سید عدنان نقوی دام عزہ

مصحح حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری دام عزہ

ریسرچ سکالر اسلامک یونیورسٹی قم ○ ایران

ناشر: اِدارہ منہاج الصالحین

الحمد مارکیٹ فرسٹ فلور دکان نمبر 20 - غزنی سٹریٹ - اُردو بازار - لاہور

فون: 042-37225252 ، 0301-4575120

نام کتاب : امام جعفر صادقؑ ولادت سے شہادت تک

مؤلف : آیت اللہ سید محمد کاظم قزوینی اعلی اللہ مقامہ

مترجم : حجۃ الاسلام مولانا سید علی عدنان نقوی دام عزہ

مصحح : حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری

فنی اصلاح : محمد عمران حیدر

پروف ریڈر : خادم حسین جعفری

بائنڈنگ : فیاض حسین حیدری

اشاعت : ستمبر 2017ء

ہدیہ : -/825 روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ منہاج الصالحین ۔ لاہور

الحمد مارکیٹ فسٹ فلور دکان نمبر 20 ۔ غزنی سٹریٹ ۔ اردو بازار ۔ لاہور

فون: 042-37225252 ، 0301-4575120

انتساب

میں اس کتاب کو رئیسِ مذہبِ جعفریہ سرکارِ صادقِ آلِ محمد علیہ السلام کی بارگاہ میں پیش کرتا ہوں۔ اور اس کا جو ثواب حاصل ہوئے تمام محبانِ اہلِ بیتؑ بالخصوص اُن علمائے کرام کو ایصال کرتا ہوں جنہوں نے غیرِ معصوم ہونے کے باوجود اپنی زندگی کا ہر سانس پیرویِ معصومؑ میں گزارا، اور اپنے دماغ کی دانائی، زبان کی گویائی اور قلم کی روشنائی کو ساری زندگی محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لیے وقف کیے رکھا، لیکن ہماری بے توجہی کے سبب ماضی کی گرد میں یوں چھپتے چلے گئے کہ آج کی نسل اُن کے نام تک سے ناواقف ہے۔ ایسے غلامانِ آلِ محمد علیہم السلام اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کے نام کو زندہ رکھنے کی کوشش کی جائے۔

سیّد محمد عدنان نقوی

ترتیب

عرضِ ناشر

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا دورِ امامت بنی اُمیہ کی حکومت کے آخری ایام اور بنی عباس کے اوائلِ اقتدار میں شروع ہوتا ہے۔ ۱۳۲ ہجری میں بنی عباس نے رسمی طور پر اپنی حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب دو بڑی سیاسی طاقتیں (بنی اُمیہ اور بنی عباسیہ) میں اختلاف و انتشار اور ارتعاش پیدا ہو چکا تھا۔ بنی اُمیہ کا دورِ حکومت رُو بہ زوال تھا۔ ان کا اقتدار لڑکھڑا رہا تھا۔ امام علیہ السلام کے لیے سیاسی اعتبار سے یہ بہترین موقعہ تھا۔ بنی عباس نے اس موقعہ سے بھرپور سیاسی فائدہ اُٹھایا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام نے ان سنہری لمحات سے فائدہ کیوں نہ اُٹھایا؟

عربوں، ایرانیوں، دینی اور غیر دینی حلقوں میں بنی اُمیہ کے بارے میں شدید ترین مخالفت وجود میں آچکی تھی۔ دینی حلقوں میں مخالفت کی وجہ ان کا علانیہ طور پر گناہوں اور فسق و فجور کا ارتکاب کرنا تھا۔ دین دار طبقہ کے نزدیک بنی اُمیہ کے حکمران فاسق و فاجر اور نالائق و نااہل تھے۔ اس کے علاوہ اُنھوں نے بزرگانِ دین اور دیگر دینی شخصیات پر جو مظالم و مصائب ڈھائے وہ انتہائی قابلِ مذمت اور لائقِ نفرت تھے۔ اس طرح کی کئی مخالف وجوہات، نفرت و اختلاف کا باعث بن چکی تھیں۔ خاص طور پر نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام کی مظلومانہ شہادت نے بنی اُمیہ کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا تھا۔ پھر امام علیہ السلام کی ہمشیرہ حضرت زینب علیہا السلام کے خطبات جو آپؑ نے کوفہ و شام کے درباروں اور بازاروں میں دیئے تھے اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے دربارِ یزید میں پُرمغز خطبہ نے یزید کے خبثِ باطنی کو لوگوں کے سامنے عیاں کر کے رکھ دیا تھا۔ پھر رہی سہی کسر جناب زید بن علی ابن الحسینؑ اور یحییٰ بن زید کے انقلابات نے نکال دی۔ مذہبی اور دینی اعتبار سے ان کا اثر و رسوخ بالکل ناپید ہو گیا تھا۔ بنی اُمیہ علانیہ طور پر فسق و فجور کے مرتکب ہوئے تھے۔ عیاشی اور شراب خوری میں تو اُنھوں نے بڑے بڑے رنگین مزاج حکمرانوں کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ ان سے نفرین کرنے لگے تھے۔

بنو عباس نے سیاسی حالات و واقعات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے خود کو خوب مستحکم و مضبوط کیا۔ یہ تین بھائی ابراہیم، ابو العباس سفاح اور ابو جعفر منصور، جو عباس بن عبد المطلب کی اولاد میں سے تھے۔ یہ عبداللہ کے بیٹے تھے۔ عبداللہ بن عباس کا شمار حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب و انصار میں سے ہوتا ہے۔

اس کا علی نام کا ایک بیٹا تھا اور علی کے بیٹے کا نام عبداللہ تھا۔ پھر عبداللہ کے تین بیٹے ابراہیم، ابوالعباس سفاح اور ابوجعفر تھے۔ یہ تینوں بہت ہی باصلاحیت اور قابل ترین افراد تھے۔ ان تینوں افراد نے نہایت منظم اور احسن انداز میں بنی اُمیہ کے خلاف تحریک چلائی۔ انھوں نے ۱۲۹ ہجری سال کے پہلے دن مرو کے ایک قصبے سفید نج میں اپنے قیام کا رسمی طور پر اعلان کیا۔ عیدالفطر کا دن تھا۔ عیدالفطر کے بعد اس انقلاب کا اعلان کیا گیا۔ آخرکار بنی عباس برسرِ اقتدار آگئے۔ سوال یہ ہے کہ اس سنہری موقعہ سے امام علیہ السلام نے فائدہ کیوں نہ اُٹھایا اور اقتدار پر قابض کیوں نہ ہوئے؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی نگاہ اقدس میں حکومت و اقتدار کی اتنی زیادہ اہمیت و وقعت نہ تھی۔ آپؑ کی بھرپور توجہ علم و کمال اور فضل کی تبلیغ و ترویج اور وعظ و ارشاد پر مرکوز تھی۔ آپؑ نے پوری یکسوئی کے ساتھ دینی مدارس کی داغ بیل ڈالی۔ آپؑ کے علمی مراکز و مدارس سے کم از کم چار ہزار شاگرد نکلے۔ جنھوں نے امام علیہ السلام کے نظریات و آرا کو لوگوں تک پہنچایا۔ عوام الناس اَفکار و نظریات اہلِ بیتؑ سے روشناس ہوئے۔ مکتبِ جعفریہ کے بانی ہونے کا اعزاز بھی آپؑ کے سر پر ہے۔ آج دنیا میں کروڑوں شیعہ مسلمان بستے ہیں جو امامؑ کے پیرو ہیں۔

زیرِ نظر کتاب اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ مرحوم آیت اللہ سید محمد کاظم قزوینی کی تالیف ہے۔ یہ کتاب امام علیہ السلام کی زندگانی و سیرت پر مشتمل ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ حجۃ الاسلام مولانا سید محمد عدنان نقوی نے پوری دلجمعی کے ساتھ کیا ہے۔ آپ ایک صاحبِ اسلوب لکھاری ہیں۔ آپ کی روشِ تحریر نہایت عالی ہے۔ آپ ایک مکتبی و نظریاتی اور فکری عالم ہیں۔ آپ ایک گاؤں میں علوم آلِ اطہار علیہم السلام کی بستی بسائے بیٹھے ہیں۔ مولانا نے اس سے پہلے حضرت امام مہدی علیہ السلام ولادت سے ظہور تک کا اُردو ترجمہ کیا ہے۔ ادارہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس سے پہلے علامہ مرحوم کی عربی زبان میں تحریر کردہ کتب، حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام طلوع سے غروب تک، حضرت امام علی علیہ السلام ولادت سے شہادت تک اور حضرت زینب الکبریٰ علیہا السلام ولادت سے رحلت تک زیورِ طباعت سے آراستہ کر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا نقوی صاحب کو اس عملِ صالح کا اَجرِ عظیم عطا فرمائے۔ پروف ریڈنگ عزیزم خادم حسین جعفری نے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام اَحباب و اَنصار کو مزید کتبِ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس عمل کو اپنی بارگاہِ عالیہ میں قبول فرمائے۔

والسلام مع الاکرام! طالبِ دُعا

ریاض حسین جعفری، فاضل قم

پیغمبرِ خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراثِ صداقت

حمد کامل اور ثنائے تام کے لائق ہے وہ ذات جس نے پردۂ عدم میں چھپی ہوئی چیزوں کو زیورِ وجود سے آراستہ فرما کر اپنے واجب الوجود ہونے کا اظہار فرمایا۔ نہ لفظوں کے پیچ وتاب اس کی حقیقت کو بیان کر سکتے ہیں اور نہ فکر کی گہرائیاں اس کی لامحدود ربوبیت کا اِدراک کر سکتی ہیں۔ اگر اُس کے قرب کو دیکھا جائے تو وہ رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے اور اگر اُس کی دُوری پر نظر کی جائے تو وہ فکر وخیال کی سرحدوں سے بھی لامتناہی طور پر دور ہے۔ وہ اَضداد اَجناس کا خالق اور بے جان قالبوں میں جان ڈالنے والا ہے۔ اُس نے اپنی صفات کسبِ فیض کے نتیجے میں نہیں پائیں بلکہ اس کی تمام تر صفتیں اُس کی عین ذات ہیں، یعنی جب سے وہ ہے اُس کی یہ صفات اس کے ساتھ موجود ہیں۔ چنانچہ وہ ہے، ہوا نہیں، وہ سنتا اور دیکھتا ہے مگر آلہ سماعت وبصارت کا محتاج نہیں...... بلکہ وہ تو اُس وقت بھی دیکھنے والا تھا کہ جب کوئی بھی دکھائی دینے والی چیز ہی نہ تھی اور وہ اس وقت بھی سننے والا تھا کہ جب کوئی سنائی دینے والی چیز ہی نہ تھی ـــ وہ ہمیشہ سے ہے اور وہ ہمیشہ رہے گا اور اُس کی بزرگی کو زوال نہیں ـــ

اور درود وسلام ہو اُس کے ان برگزیدہ اور مصطفیٰ بندوں پر کہ جنھیں اُس نے اپنے ارادے کی زبان اور اپنی وحی کا ترجمان بنایا۔ جن کی حیاتِ مبارکہ کا لمحہ لمحہ اُس کی اطاعت اور بندگی میں گزرتا ہے۔ جن کی معرفت اُس کی معرفت کی بلندیوں تک پہنچنے کا زینہ ہے اور جو اُس کی مخلوق میں اس کے نائب اور سالکانِ راہِ حق کے مرشد وپیشوا ہیں ـــ

وہ مثلِ آفتاب اس دنیا میں طلوع ہوئے اور انھوں نے اپنی ذات سے توحید پروردگار عالم کو ظاہر کیا اور عالمین کے معلم بن کر انھیں اُس لاشریک ذات کی وحدانیت وعبادت کا درس دیا۔ اور عالمِ کُن اور اُس سے بالا جہاں بھی، جیسے بھی، جو کچھ بھی ہوا، انھیں کے طفیل اور انھیں کی

وجہ سے ہوا، یعنی اگر کسی نے ایمان کے معارج و معالی کو پایا تو وہ بھی انھیں ذواتِ مقدسہ علیہم السلام کے صدقے میں پایا، اور اگر کوئی رجیم اور ابدی لعنت کا مستحق ٹھہرا تو وہ بھی انھیں کے حق میں کوتاہی اور انھیں کی شان میں تقصیر کے سبب۔

تعریف ہے ربّ العالمین کی حکمت کے لیے جس نے انسانیت کو گمراہی کی گھاٹیوں سے بچانے کے لیے ہر دور اور ہر قوم کے لیے راہنما اِرسال فرمائے، انھیں جھوٹ کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لیے صداقت کے آفتاب منور کیے اور جہالت کی تاریکیوں کو نابود کرنے کے لیے علمِ لدنی کے چراغ روشن فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ مقرر کردہ ہادی کبھی انبیاءِ حق کی صورت میں نظر آئے، کبھی مرسلین عظام علیہم السلام کی شکل میں تو کبھی آئمۂ ہدیٰ علیہم السلام کی حیثیت سے۔ نبی اوّل حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر سرکارِ خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اور امامِ اوّل حضرتِ علی مرتضیٰ علیہ السلام سے لے کر امامِ آخر الزمان حضرت امام مہدی علیہ السلام تک، خداوند رحمان کے یہ تمام کے تمام نمائندے خدائی صداقتوں کے مبلغ، صراطِ مستقیم کے راہنما اور علمِ الٰہی کے مظہر بن کر دنیا میں جلوہ افروز ہوتے رہے۔ ان سب کا پیامِ حق، کلامِ صدق، عملِ خیر اور مشن انسانیت کی اَبدی فلاح کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ کس ہادی کو تبلیغِ حق اور نشرِ علم و دین کے لیے کتنا سازگار ماحول میسر آیا۔ وہ صداقت کا مجسم خانوادہ، جس کا دامن تھامنے کا حکم واحدہٗ لاشریک ذات نے اپنی لاریب کتاب میں دیا ہے۔ یعنی خانوادۂ محمدؐ و آلِ محمدؑ جس کے سارے کے سارے افراد صدقِ الٰہی کے مظہر ہیں۔ اور مندرجہ بالا تمہید اسی خانوادے کے ایک ایسے فرد کے تعارف کے لیے رقم کرنا پڑی کہ تاریخِ عالم جس کو نام سے زیادہ "صادقِ آلِ محمدؑ" کے لقب سے یاد کرتی ہے۔ مجھ جیسا کم مایا اور بے بساط بندہ اس آفتابِ ہدایت اور مینارۂ صداقت کا کیا تعارف کروائے گا۔ ایسی شخصیات کے تعارف کا حق ادا کرنے کے لیے لسانِ نور کی ضرورت ہوتی ہے، جس کا دعویٰ میرے جیسا گنہگار مرتے دم تک نہیں کر سکتا۔ البتہ چند سطریں سپردِ قرطاس کر کے اپنی شفاعت کا سامان ضرور کیا جا سکتا ہے۔

۱۷ ربیع الاوّل ۸۳ ہجری شبِ جمعہ، طلوعِ صبح صادق کے وقت مدینہ منورہ کی پاک و پاکیزہ سرزمین پر، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے رشکِ فردوس آنگن میں اور حضرت اُمِ فروہ بنتِ قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہا کی مقدس آغوش میں صداقت کا وہ سورج جگمگایا جس کی شعائیں آج بھی جھوٹ کے پردوں کو چاک کر رہی ہیں، علم کا ایسا چراغ روشن ہوا جس کی لَو آج بھی جہالت کی تمناؤں کو دولخت کر رہی ہے۔ وہ بچہ جس کا نام امام باپ اور امام دادا نے ''جعفر'' تجویز فرمایا۔ اسی جعفر ابنِ محمد ابنِ علی ابنِ حسین ابنِ علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زمانے نے فاضل، طاہر، قائم، صابر، مصدق، اور کاشف وغیرہ جیسے پاکیزہ القابات سے پہچانا۔ لیکن ''صادق'' کا لاحقہ امامِ ششم علیہ السلام کے نام کا یوں جزو بنا کہ حاسد چاہے بھی تو اس کو آپؑ کے نام سے جدا نہیں کر سکتا، کیوں کہ آپؑ کے نام سے لفظِ صادق کو جدا کرنے سے آپؑ کا کوئی نقصان نہ ہوگا، ہاں خود لفظِ صادق ضرور بے حیثیت ہو جائے گا۔

صادقِ آلِ محمدؐ کم و بیش ۱۲ سال تک اپنے جدِ بزرگوار سید الساجدین زین العابدین امام علی ابن الحسین علیہ السلام کے زیرِ تربیت رہے اور اس کے بعد آپؑ نے ۱۹ سال تک اپنی حیاتِ مبارکہ کے چند قیمتی سال اپنے والدِ گرامی امام محمد باقر علیہ السلام کے زیرِ سایہ گزارے۔ جھولے کی عمر کے معجزات و کرامات کی گواہی اہلِ خانہ نے دی تو لڑکپن کے علمی و عملی کمالات پر زمانہ گواہ ہوا۔ تاریخ شاہد ہے کہ امامؑ اگر جھولے میں بھی گریہ کناں ہوئے تو خوفِ خدا سے نہ کہ عام بچوں کی طرح بچگانہ فطرت کی وجہ سے۔ لڑکپن کی عمر میں شرارت یا فضولیات کا شائبہ تک نہ دیکھا گیا، اور جوانی سورج کی دھوپ کی طرح بے داغ اور لہو و لعب سے خالی نظر آئی۔

تہذیب الاسلام میں درج عمر بن ابی المقدام کے قول کے مطابق امام جعفر صادق علیہ السلام کے چہرے سے اندازہ ہوتا تھا کہ آپؑ کی شخصیت ساری نبوتوں کا خلاصہ ہے۔ تبلیغ دین اور ترویج حق امامؑ کا شیوہ رہی۔ حضرتِ امام زین العابدین اور حضرت امام محمد باقر علیہما السلام سے ملنے کے لیے آنے والے حضرات اس کم سن جانشینِ رسولؐ سے بھی فیضیاب ہو کر جاتے تھے۔ حضرتِ امام جعفر صادق علیہ السلام کھیل کود کی عمر میں بھی اپنے ہم عمر بچوں کو ایسے ہی کھیلوں کی طرف راغب فرماتے تھے جن میں علم اور درس و تدریس کا عمل شامل ہوتا تھا۔

روایات میں مذکور ہے کہ امامؑ اپنے ہم عمر بچوں کو اکٹھا کرتے اور استاد بن کر ایک جگہ تشریف فرما ہوتے اور باقی بچے طلاب کی طرح سامنے بیٹھ جاتے اور یوں امام کھیل ہی کھیل میں بچوں کے جنرل نالج میں اضافہ فرمادیتے تھے۔ گو امام جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ رنج ومحن اور مصائب وآلام سے پُر تھا لیکن ایک وقت ایسا آیا جس میں امامؑ کو وہ سہولت میسر آئی جو آپؑ سے پہلے یا بعد میں کسی امام کو میسر نہ ہوئی۔ سرکارِ صادقِ آلِ محمد علیہم السلام کی یہ خوش قسمتی ہے کہ آپؑ کو ایسا زمانہ نصیب ہوا جب بنی اُمیہ کے اقتدار کی سانسیں اُکھڑ رہی تھیں اور بنی عباس قدم جمانے کی تگ و دو میں مصروف تھے، یعنی دونوں دشمنوں کی توجہ آلِ محمد علیہم السلام سے قدرے ہٹ چکی تھی۔ چنانچہ امامؑ نے اس زمانے میں حق کی ترویج اور مذہبِ معصومینؑ کی تبلیغ اس طرح فرمائی کہ چہاردہ معصومین علیہم السلام کا مذہب ''فقہ جعفریؑ'' کے نام سے مشہور ہوگیا۔

امامِ جعفر صادق علیہ السلام جانتے تھے کہ آپؑ کے ماننے والوں کو سیاسی طاقت میسر نہیں اور نہ ہی اس کے حاصل ہو جانے کا مستقبل قریب میں کوئی امکان موجود ہے۔ لہٰذا شیعہ مذہب کی اساس کو مضبوط رکھنے اور اسے توسیع دینے کا ایک ہی راستہ تھا، اور وہ تھا آئیڈیالوجی (Idealogy) کی بنیادیں مضبوط کرنے کا اور اپنے مذہب کو ایک توانا ثقافت مہیا کرنے کا۔ چنانچہ آپؑ نے مذہبِ شیعہ کے لیے ایسی علمی، ادبی اور نظریاتی ثقافت کی بنیاد رکھی جس میں آزادانہ طور پر علمی مسائل اور نظریاتی موضوعات پر بحث ہوتی تھی اور اسی نظریاتی وعلمی ثقافت کے باعث مذہبِ شیعہ حکومتوں کے عتاب کے باوجود زندہ رہا۔

اس سلسلہ میں امامؑ نے تعلیم علم کے لیے پہلے اپنے گھر کو دار التعلیم میں بدلا اور پھر مسجدِ کوفہ اور ظہر کوفہ (نجفِ اشرف) میں باقاعدہ جامعہ کا قیام فرمایا۔ آپؑ کے مدرسۂ علمیہ کے بارے میں امیر علی ''تاریخ عرب'' میں لکھتے ہیں:

> ''اسلام میں فکر ونظر کے اعتبار سے یہ پہلا مدرسہ تھا، جسے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے قائم کیا۔ آپؑ کے درس میں علمائے فقہ وحدیث کے علاوہ بڑے بڑے فلاسفہ ومناطقہ اور صاحبانِ فکر ونظر بھی شریک ہوا کرتے تھے''۔

رسالہ "السلام" کے مطابق آپؑ کا گھر ایک دارالعلم (جامعہ) کی شکل اختیار کر گیا تھا، جہاں مختلف علمائے کبار فقہ وحدیث، حکمت وکلام اور تفسیر و بیان کے علوم حاصل کرتے تھے۔

اس کے بعد امام صادق علیہ السلام عراق تشریف لائے اور آپؑ نے کوفہ و نجف میں علمی درسگاہ قائم فرمائی۔ ظہرِ کوفہ (یعنی نجف اشرف) میں آپؑ کا قائم کردہ دارالعلم آج بھی موجود ہے اور روزِ اوّل کی طرح آج بھی حکومتی مخالفتوں کے باوجود علم کی نعمت تقسیم کرنے میں مصروف بہ عمل ہے۔ امامؑ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ آپؑ کے مدرسہ سے فیضِ علم حاصل کرنے والوں کی تاریخ نے کم سے کم تعداد چار ہزار بیان کی ہے۔ علمِ دین وفقہ ہو یا علم لسانیات ولغت، علمِ تفسیر وحدیث ہو یا علم منطق وفلسفہ، علمِ کلام ہو یا علمِ بیان، علمِ صرف ونحو ہو یا علمِ اعداد وجفر، علمِ شعر وعروض ہو یا علمِ فلکیات وسائنس کون سا ایسا علم ہے جس کی تعلیم کا آغاز صادقِ آلِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ فرمایا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے فقہ وشریعت کا درس لینے والے زمانے میں امامِ مذہب کہلائے، مثلاً ایک طرف امام ابوحنیفہ امام صادق علیہ السلام کی شاگردی کو اپنی ہلاکت سے امان کی وجہ بتاتا، تو دوسری طرف جریر طبری جیسا مورخ بھی (جسے دنیا علمِ تاریخ کا امام مانتی ہے) تاریخ پر اپنے ناقدانہ رویے کو صادقِ آلِ محمد علیہ السلام کے فیض کا نتیجہ بتاتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے معروف شاگرد

[۱] ابان بن تغلِب رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ آپؒ کا تعلق قبیلہ بکر بن وائل سے تھا۔ آپؒ انتہائی ثقہ ومعتبر انسان تھے۔ علم قرأت میں آپؒ کو نمایاں مقام حاصل تھا اور آپ کی ایک اپنی قرأت تھی جو قراء کے مابین مشہور تھی۔ آپؒ نے امام سجاد علیہ السلام سے بھی کسب فیض کیا تھا مگر امام محمد باقر علیہ السلام نے خصوصی طور پر آپؒ کو خطاب کر کے یہ فرمایا تھا:

يَاأَبَانُ اِجْلِسْ فِي مَسْجِدِ الْمَدِيْنَةِ وَافْتِ بِالنَّاسِ اِنِّي اُحِبُّ اَنْ
يُرَى فِي شِيْعَتِي مِثْلُكَ

"اے ابان"! مسجد مدینہ میں بیٹھ کر لوگوں کو فتویٰ دیا کر کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ میرے شیعوں میں مجھے تیرے جیسے افراد دکھائی دیں"۔

آپؒ نے سرکارِ صادقِ آلِ محمدؑ سے تیس ہزار حدیثیں حفظ کی تھیں اورآپؒ امامؑ کی طرف سے مناظرہ کرنے پر مامور تھے۔آپؒ نے ۱۴۱ ہجری میں وفات پائی۔

[۲] ہشام بن الحکم رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ امام صادق علیہ السلام کے سب سے کم عمر شاگرد اور صحابی تھے۔لیکن آپؒ کی عظمت کا یہ عالم تھا کہ جب بھی آپؒ امام عالی مقام علیہ السلام کی محفل میں وارد ہوتے تو امامؑ آپؒ کی عزت واحترام میں کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ایک دفعہ حج کے موسم میں فرزندِ رسولؐ مقامِ منیٰ میں تشریف فرما تھے کہ جنابِ ہشامؒ واردِ محفل ہوئے تو امامؑ حسبِ سابق آپؒ کے استقبال کے لیے اپنی جگہ کھڑے ہو گئے۔اس پر بعض لوگوں نے ناگواری ظاہر کی تو آپؑ نے فرمایا:

هٰذَا نَاصِرُنَا بِقَلْبِهٖ وَلِسَانِهٖ ...اَلْمُؤَيِّدُ لِصِدْقِنَا وَالدَّافِعُ لِبَاطِلِ اَعْدَائِنَا مَنْ تَبِعَ اَمْرَهٗ تَبِعَنَا وَمَنْ خَالَفَهٗ اَعْدَائِنَا

"یہ اپنے دل وزبان سے ہماری مدد کرنے والا ،ہمارے حق کا دفاع کرنے والا،ہماری سچائی کی تصدیق کرنے والااور ہمارے دشمنوں کے باطل دعووں کا رد کرنے والا ہے۔جس نے ہشام کے حکم کی پیروی کی اس نے ہماری پیروی کی اور جس نے ہشام کی مخالفت کی اس نے ہمارے ساتھ دشمنی کی"۔

[۳] بُرید بن معاویہ العجلی الکندی رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ کی کنیت ابو القاسم تھی۔ امامؑ کے شاگردوں میں آپؒ کو نمایاں مقام حاصل تھا۔ آپؒ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کے حواریوں میں سے تھے۔امام صادق علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ دین کے جھنڈے چار ہیں: محمد بن مسلمؒ، برید بن معاویہؒ،لیث بن بختری ابو بصیرؒ اور زُرارہ بن اعینؒ۔اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو فقہ اہلِ بیتؑ مٹ کر رہ جاتی۔

آپؒ نے ۱۵۰ ہجری میں وفات پائی اور آپؒ کے فرزند قاسم بن برید کا بھی شمار امام صادق علیہ السلام کے اصحاب اور راویوں میں ہوتا ہے۔

۴۔ ابوحمزہ ثمالی رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ امامؑ کے صفِ اوّل کے شاگردوں میں سے تھے۔ امام صادق علیہ السلام اکثر آپؒ کو دیکھ کر فرماتے تھے کہ تجھے دیکھ کر میرے دل کو سکون ملتا ہے۔ آپؒ امام سجاد علیہ السلام کی خدمت میں بھی حاضر رہے۔ آپؒ اکثر وبیشتر امیرِ کائناتؑ کے عتبہٗ عالیہ کی زیارت کو جایا کرتے تھے۔ جب شیعہ آپؒ کو وہاں دیکھتے تو آپؒ کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے اور آپؒ سے علمی استفادہ کرتے۔ اور جب آپؒ کو امام صادق علیہ السلام کی شہادت کی خبر ملی تو اس وقت بھی آپؒ حرم علویؑ کے پاس دینی محفل سجائے ہوئے تھے۔ آپؒ کی وفات ۱۵۰ ہجری میں ہوئی۔

۵۔ زُرارہ بن اعیَن رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ امام صادق علیہ السلام کے نمایاں اصحاب میں سے تھے یہاں تک کہ امامؑ نے فیض بن مختار سے فرمایا تھا: ''اگر زُرارہ نہ ہوتے تو میرے پدر بزرگوارؑ کی حدیثیں ختم ہو جاتیں''۔

یونس بن عمار نے امام صادق علیہ السلام کے سامنے زُرارہؒ کے حوالے سے امام محمد باقر علیہ السلام کی ایک حدیث نقل کی تو آپؑ نے فرمایا: ''اگر یہ روایت زُرارہؒ نے نقل کی ہے تو یقیناً صحیح ہوگی''۔

جمیل بن دراج کہتے ہیں: ہم لوگ حضرت زُرارہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے مثلِ طفلِ مکتب نظر آیا کرتے تھے۔

۶۔ فضیل بن یسار البصری رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ آپؒ امامؑ کے جلیل القدر اصحاب میں سے تھے۔ آپؒ ان لوگوں میں سے تھے جن کی روایت کی صحت پر تمام علماء کا اجماع ہے۔ آپؒ کے بارے میں امام صادق علیہ السلام نے فرمایا تھا: ''جسے اہلِ جنت کو دیکھنا ہو وہ فضیلؒ کے چہرے کو دیکھ لے۔''

۷۔ لیث بن بختری رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ ابوبصیر کے نام سے مشہور تھے۔ آپؒ کا شمار ان نیک سیرت افراد میں ہوتا ہے

جنہیں جنت کی بشارت دی گئی ہے اور جن روایات کے صحیح ہونے پر تمام علماء کا اجماع ہے۔

۸ محمد بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کے قابل شاگردوں میں سے تھے۔ آپؒ کی روایات کی صحت پر تمام علماء کا اجماع ہے۔ آپؒ نے مدینے میں قیام کر کے امام محمد باقر علیہ السلام سے تیس ہزار اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے سولہ ہزار حدیثیں حاصل کی تھیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عبداللہ بن یعفور نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اگر آپؑ تک رسائی ممکن نہ ہو تو ہم دین کے احکام کس سے حاصل کریں؟

امامؑ نے فرمایا: ''محمد بن مسلمؒ میں کیا خرابی ہے؟ وہ تو میرے پدر بزرگوار کی نظر میں بھی محترم تھے''۔

۹ نعمان بن ثابت

امام ابو حنیفہ، رئیسِ مذہبِ جعفریہ سرکارِ صادقِ آلِ محمد علیہ السلام کی شاگردی پر فخر کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''اگر میں دو سال تک امام جعفر صادق علیہ السلام کی شاگردی نہ کرتا تو ہلاک ہو جاتا''۔

۱۰ مالک بن انس

تحفہ اثنا عشریہ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے امام مالک بن انس کا قول نقل کیا ہے، آپ کہتے ہیں: ''حضرت امام جعفر بن محمد باقر علیہ السلام سے بہتر انسان آنکھوں نے نہیں دیکھا''۔

ان کے علاوہ سفیان بن عینیہ، شعبہ بن الحجاج بن الورود العتکی، فضیل بن عیاض بن سعد بن بشیر تمیمی یربوعی، حاتم بن اسماعیل، سفیان ثوری، فیض بن غیاث بن مطلق، ابوالمنذر زہیر بن محمد تمیمی خراسانی، اسماعیل بن جعفر بن ابی کثیر انصاری، ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ، ابوعاصم ضحاک بن مخلد بصری، محمد بن فلیح بن سلیمان المدنی، ابو معاذ عثمان بن فرقد البصری، عبدالعزیز بن عمران، عبداللہ رکین کوفی، زید بن عطاء بن السائب، مصعب بن سلام تمیمی رحمۃ اللہ علیہم اور ان جیسے ہزاروں افراد امام صادق علیہ السلام سے کسبِ فیض کرنے کے بعد مختلف علوم کے ماہرین اور اپنے اپنے علم و فن کے امام کہلائے۔

''مجالسِ سنیہ'' میں حسن بن علی الوشاء کا قول نقل ہوا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے مسجدِ کوفہ میں ۹۰۰ بزرگوں کو امام جعفر علیہ السلام سے روایت بیان کرتے ہوئے سنا ہے۔

''ارشاد'' میں شیخ مفیدؒ، ''اعلام الوریٰ'' میں شیخ طبرسیؒ اور ''مناقب'' میں ابنِ شہر آشوبؒ نے آپؑ سے علمی استفادہ کرنے والے علماء وفضلاء کی تعداد چار ہزار بتائی ہے۔

''دائرۃ المعارف'' میں بطرس بستانی فرماتے ہیں: امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد جابر بن حیانؒ نے امامؑ سے استفادہ کے بعد ۵۰۰ رسالے جمع فرمائے۔

امامؑ کے شاگردوں میں سے کچھ ایسے تھے جنہوں نے بعد میں اپنے اپنے مذاہب (فقہ) کی بنیاد رکھی لیکن آپؑ کے شاگردوں میں کثیر تعداد ان افراد کی تھی کہ جنہوں نے آپؑ ہی کی غلامی اور پیروی کو اپنی دنیوی اور ابدی فلاح اور نجات کا وسیلہ سمجھا اور تادمِ آخر اس ایمان پر قائم رہے۔ یہی وہ افراد تھے جن کی مرتب کردہ ۴۰۰ کتابیں بعد میں مذہب شیعہ کی چار بنیادی کتابوں کا ماخذ قرار پائیں۔

خدا بہتر جانتا ہے کہ خطۂ عرب کے کتنے ہی بچے امامؑ کی شاگردی میں آکر جابر بن حیان اور ہشام بن الحکم بنے۔ آج دنیا جن افراد کو نابغۂ روزگار مانتی ہے ان میں سے مسلکِ حنفیہ کے امام ابوحنیفہؒ ہوں یا علمِ کیمیاء کے بانی جابر بن حیانؒ، طب کے استاد بوعلی سینا ہوں یا علمِ جغرافیہ کے ماہر البیرونی، تاریخ کے امام جریر طبری ہوں یا فقہ کے امام سفیان ثوری، سفیان بن عینیہ ہوں یا حافظِ حدیث شعبہ بن الحجاج، الغرض تاریخ اسلام جن عالی دماغوں پر آج تک ناز کرتی چلی آرہی ہے وہ براہِ راست امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شاگرد تھے، یا آپؑ کے شاگردوں کے شاگرد اور یا آپؑ کے شاگردوں کے شاگردوں کے شاگرد تھے۔ تیسری صدی ہجری کا معروف مورخ ابن ابی الحدید حیرت سے بیان کرتا ہے کہ امام صادق علیہ السلام کی شہادت کے دو صدی بعد تک عرب، عراق، عجم، خراسان اور فارس میں مختلف علوم کے جتنے استاد موجود تھے، وہ اپنے کسی بھی علمی مسئلہ کی دلیل میں یہ حوالہ دیتے کہ اس کے بارے میں سرکارِ صادق آلِ محمد علیہم السلام نے یوں فرمایا ہے۔ اگر آج کا محقق اسلامی تمدن اور جدید افکار وعلوم کا نقطۂ آغاز تلاش کرنے کی تگ ودو کرے تو لازمی امر ہے کہ اُس کی تحقیق سرکارِ باقر العلومؑ کے ولی عہد اور

منبرِ رسولؐ کے حقیقی وارث امام جعفر صادق علیہ السلام کے دروازے پر جا کر ہی رکے گی۔

جو سائنسی نظریات سادس الائمہؑ نے آج سے کم و بیش ۱۳۰۰ سال پہلے بیان فرمائے تھے، آج اکیسویں صدی میں جدید سائنس ان نظریات کو اپنی تجربہ گاہوں میں پایہ ء ثبوت کو پہنچتے دیکھ رہی ہے۔امام صادق علیہ السلام ہی وہ پہلی شخصیت تھے جنہوں نے سورج کے زمین کے گرد چکر لگانے کی تردید فرمائی اور یہ بیان فرمایا:

''سورج نہیں، بلکہ زمین سورج کے گرد چکر لگا رہی ہے''۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے تیرہ سو سال پہلے نہ صرف دوسرے سیاروں پر مخلوق کی موجودگی کے امکان کا بیان فرمایا بلکہ یہاں تک کہا کہ ممکن ہے دوسرے سیاروں کی مخلوق زمین کی مخلوق یعنی انسان سے رابطے کی کوشش کرتی ہو لیکن ہم ان کے علوم کو نہیں جانتے اور ان کی زبان سے ناواقف ہیں جو رابطے میں رکاوٹ ہے۔

امام صادق علیہ السلام ہی نے یہ بیان فرمایا: ''ہوا کے اندر ایک ایسی چیز موجود ہے جو جلانے میں مدد دیتی ہے اور اسی وجہ سے دھاتیں زنگ آلود ہوتی ہیں''۔ اور آج سے ۱۳۰۰ سال پہلے یہ بیان کر دینا معمولی بات نہیں تھی کہ بظاہر روشنی کے نقطوں کی صورت میں نظر آنے والے چھوٹے چھوٹے ستاروں میں سے بعض ایسے ستارے بھی ہیں جن کے سامنے ہمارا سورج بے حیثیت ہے۔ اور آج کی جدید سائنس اس بات کی تصدیق کر رہی ہے کہ واقعتاً ایسے ستارے موجود ہیں جن کے سامنے ہمارا سورج بے نور نظر آتا ہے۔

Light theory ''روشنی کا نظریہ'' بھی سب سے پہلے صادقِ آلِ محمدؐ کی زبانِ مبارک سے ہی بیان ہوا۔ اور اگر امام صادق علیہ السلام روشنی کا نظریہ پیش نہ کرتے تو لیپرشی اور گلیلیو فلکی دوربین ایجاد کر سکتے تھے اور نہ ہی نظامِ شمسی کے سیاروں کا آسانی سے مشاہدہ کیا جا سکتا تھا۔

امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی وہ اولین شخصیت ہیں جنہوں نے طالبانِ علم الابدان کو یہ بتایا کہ ''جو کچھ زمین میں موجود ہے وہ سارا کچھ انسانی بدن میں کم یا زیادہ مقدار میں موجود ہے''۔

پھر اس کی وضاحت میں ارشاد فرمایا: ''چار عنصر زیادہ مقدار میں ہیں، آٹھ حصے ان سے کم مقدار میں اور پھر دوسرے آٹھ حصے پہلے آٹھ حصوں کی نسبت نہایت ہی کم مقدار میں

پائے جاتے ہیں"۔ آپؑ ہی نے سب سے پہلے اس حقیقت کا انکشاف فرمایا کہ: "بعض شعاعیں ایک بیمار انسان سے تندرست شخص تک پہنچتی ہیں تو اسے بیمار کر دیتی ہیں"۔

روس کے شہر روسا ئمپیرسک کے میڈیکل سائنس، کیمیا اور بیالوجی کے ریسرچ سینٹر زمیں تجربات کے بعد یہ بات ثابت کی گئی کہ بیمار شخص کے خلیات سے شعاعیں نکل کر تندرست شخص کے خلیات پر پڑتی ہیں تو اسے بیمار کر دیتی ہیں۔

آج ہم ماہرینِ طبیعات اور جیولوجسٹوں کی زبانی یہ بات سن رہے ہیں کہ طوفان، زلزلے اور آتش فشانیاں وغیرہ غیر معمولی واقعات نہیں بلکہ یہ فطری قوانین کے تابع ہیں اور چونکہ ہم اس قانون سے مطلع نہیں ہیں اس لیے یہ ہمیں معمولی نظر آتے ہیں۔ لیکن مخبرِ صادقؑ نے تیرہ سو سال پہلے اپنی علمی درس گاہ میں طالب علموں کو بتایا تھا کہ اگر تم حالات میں بد نظمی پاؤ اور دیکھو کہ اچانک طوفان یا سیلاب آگیا ہے اور زلزلہ گھروں کو برباد کر رہا ہے تو ان باتوں کو دنیا کی بد نظمی پر محمول نہ کرو اور اس بات سے آگاہ رہو کہ غیر متوقع واقعات ایک یا کئی مستقل اور نا قابلِ تغیر قواعد کی اطاعت کا نتیجہ ہوتے ہیں"۔

دنیا آج پولیشن (Pollution) کے عذاب میں مبتلا ہونے کے بعد اس کے مضر اثرات سے آگاہ ہو رہی ہے لیکن آج سے ۱۳۰۰ سال پہلے جب نہ زہریلا فضلا خارج کرتے کارخانے تھے، نہ دھواں چھوڑتی گاڑیاں اور نہ فضا کو آلودہ کرتے بھٹے، اس وقت منجی بشریت کے حقیقی وارثؑ نے زندگی گزارنے کے اصول بتاتے آپؑ نے فرمایا تھا:

"انسان کو اپنی زندگی اِس طرح گزارنی چاہیے کہ اس کا ماحول آلودہ نہ ہو، کیونکہ اگر اس کا ماحول آلودہ ہو گیا تو ایک دن ایسا آئے گا کہ جب اس کے لیے زندگی گزارنا مشکل شاید ناممکن ہو جائے۔"

خدائے واحدہٗ لاشریک کے اس نمائندے نے علم کی کوئی ایسی جہت نہ چھوڑی جو خالقِ کائنات یا اس کی مخلوق سے متعلق ہو، اور اس نے اس کے بارے میں راہنمائی نہ فرمائی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس فرزندِ رسولؐ کے علمی کمالات کا اعتراف آج صرف قاہرہ کی الازہر یونیورسٹی، لبنان کے اسلامک اسٹڈیز سنٹرز یا تہران کی یونیورسٹی آف دی ٹیکنالوجی ہی میں نہیں ہو رہا،

بلکہ بلجیم کی یونیورسٹی آف برلز اینڈ گان ہو یا فرانس کی یونیورسٹی آف پیرس اینڈ اورینٹل لینگویجز یونیورسٹی آف پیرس یا انسٹی ٹیوٹ آف نالج ریسرچ پیرس، اٹلی کی یونیورسٹی آف اٹلی ہو یا جرمنی کی یونیورسٹی آف فری برگ، امریکہ کی یونیورسٹی آف کیلی فورنیا ہو یا یونیورسٹی آف شکاگو، برطانیہ کی یونیورسٹی آف لندن ہو یا روس کے ریسرچ سنٹرز از مشرق تا مغرب کون سی مذہبی، ثقافتی، طبی یا سائنسی درس گاہ ایسی ہے جو صادق آلِ محمدؑ کی علمی برتری کو تسلیم کر کے آپؑ کے نظریات سے فیض یاب نہ ہو رہی ہو۔

امام عالی مقامؑ نے علمی کمالات کے علاوہ سیرت و کردار کے معجزات سے بھی اپنوں اور بے گانوں کو متاثر کیا۔ آپؑ نے حضرت فاطمہ بنت الحسین اور حمیدہ مصفاۃ علیہا السلام سے عقد فرمایا۔ آپؑ کی تعدادِ اولاد کے بارے میں مؤرخین میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن مؤرخین کی کثرت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام، حضرت اسماعیل، حضرت عبداللہ، حضرت اسحاق، حضرت محمد، حضرت عباس، حضرت علی، بی بی امِ فروہؑ، بی بی اسماءؑ اور بی بی صغریٰؑ کے ناموں پر اتفاق کرتی ہے۔

سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس وارثؑ نے انتہائی سادہ زندگی گزاری، نہ لاؤ لشکر نہ زر و دینار کے ظاہری خزانے لیکن اس کے باوجود تخت پر بیٹھنے والے مغرور اور فرعون نما طاغوت اس بوریہ نشین سے ہمیشہ مرعوب رہے۔ عبدالملک بن مروان جیسا بے مروت ہو یا ولید بن عبدالملک جیسا شقی، سلیمان بن عبدالملک جیسا خود سر ہو یا یزید بن عبدالملک جیسا مغرور، ہشام بن عبدالملک جیسا بدطبیعت ہو یا ولید بن یزید بن عبدالملک جیسا بدطینت، ابراہیم بن ولید بن عبدالملک جیسا مکروہ سیرت ہو یا مروان الحمار جیسا خرصفت، سفاح جیسا بداطوار ہو یا منصور جیسا بخیل، کسی کو بھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس برحق جانشینؑ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرے۔ نہ ان کے نام نہاد علماء امامِ وقتؑ کے سامنے علمی مناظروں میں ٹھہر سکے اور نہ ہی شاہی رعب و ہیبت آپؑ کے پائے استقلال میں کوئی لغزش پیدا کر سکی۔ لہٰذا آپؑ کے خلاف وہی طریقہ اختیار کیا گیا جو ہمیشہ بدطینت اور بزدل دشمن اختیار کرتا ہے۔ خفیہ سازشیں کی گئیں اور منصور دوانیقی کے حکم پر امامِ ششم علیہ السلام کو زہر کے ذریعے شہید کر دیا گیا۔ ۱۵ بروایتِ دیگر

۲۵ شوال ۱۴۲۸ھ کو روشنی کا یہ مینار اور احکام الٰہیہ کا برحق مبلغ ربّ العالمین کی طرف سے سونپے گئے فریضہ کی ادائیگی کے بعد اپنے حقیقی مقام کی طرف روانہ ہوا۔ چنانچہ جنت البقیع کی مقدس سرزمین نے عروجِ سعادت کو پاتے ہوئے اس آفتابِ ہدایت و منارۂ صدق کو اپنے سینے میں چھپا لیا اور آپ کو آپؑ کی جدہ ماجدہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے قدموں، امام حسن علیہ السلام کے پہلو میں اور آپؑ کے والد گرامی حضرت امام محمد باقر اور جدِ بزرگوار حضرت امام سجاد علیہما السلام کے ساتھ دفن کیا گیا۔ اگر آج بھی زمانے کو اور بالخصوص عالمِ اسلام کو علم کی معراج تک پہنچنا ہے تو رئیسِ مذہبِ امامیہ سرکار صادقِ آلِ محمدؐ کی دہلیز پر جبینِ نیاز کو جھکانا پڑے گا، اور فقہی مسائل کو عہدِ موجود اور زمانۂ مستقبل سے ہم آہنگ کرنے کے لیے آپؑ ہی کے فقہی صراط سے متمسک ہونا پڑے گا۔

سادس الائمہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے لیے رقم کردہ یہ چند بے قیمت سطور کسی طرح بھی امامؑ کے تعارف کا حق ادا نہیں کر سکتیں، لیکن میں اُمید کرتا ہوں کہ ربِّ محمدؐ و آلِ محمدؐ ان سطور کو میرے لیے، اراکینِ ادارہ منہاج الصالحین کے لیے اور ہر قاری کے لیے بخشش کا وسیلہ قرار دے گا۔ ''اِن شَاءَ اللہُ''

معزز قارئین! یہ کتاب اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ نادرۃ الزمن آیت اللہ سید محمد کاظم قزوینی مرحوم کی عرق ریزی کا ثمرِ مستطاب ہے۔ قبلہ موصوف نے سرکارِ صادق علیہ السلام پر ساٹھ جلدوں میں ایک موسوعہ بھی تحریر فرمایا ہے، اور اس کتاب کو اسی موسوعہ کی پہلی تین جلدوں سے انتخاب کر کے اور اس میں کچھ اضافے کر کے تیار کیا ہے۔ آنجنابؒ کا تقویٰ اور علمی شہرت عیاں را چہ بیان کی مصداق ہے۔

اس مقدمے کی وضع و ترتیب مانع ہے ورنہ ہم آپؒ کی علمی و دینی خدمات کا ایک تفصیلی خاکہ پیش کرتے، لیکن یہاں ہم صرف یہی بات کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ کسی بھی انسان کی کامیابی کا اندازہ اس کے حُسنِ اختتام سے لگایا جاتا ہے۔ چنانچہ آپؒ نے اپنی زندگی آخری سانس تک خدمت دین کی تبلیغ و ترویج اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کی محبت و اُلفت میں گزاری، جس کے صلے میں آپ کو کریمۂ اہل بیت بی بی معصومۂ قم سلام اللہ علیہا کے حرم اطہر کے احاطے میں دفن

ہونے کی اَبدی سعادت نصیب ہوئی۔اور لطف بالائے لطف یہ ہے کہ جب سترہ سال کے بعد آپؑ کی میت کو کربلا معلی لے جا کر حرم امام حسین علیہ السلام کے پہلو میں دفن کرنے کی غرض سے آپ کا تعویذِ قبر کھولا گیا تو اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود بھی آپؑ کی میت تر و تازہ نکلی۔ جیسا کہ یوٹیوب پر اس کی ویڈیو بھی موجود ہے جو ہمارے اس بیان کی شاہد ہے۔ بندۂ ناچیز کے مقدر کی یاوری اور بلند اقبالی ہے کہ ایسے بزرگ اور جید عالم کی دوسری کتاب کا اُردو ترجمہ میرے حصّے میں آیا۔ میں اس لطف و احسان پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کروں وہ کم ہے۔

میں نے اس کتاب کو ترجمہ کرنے میں اپنی تمام تر توجہ اور اپنی انسانی کوشش کو بروئے کار لانے کی اپنی سی کوشش کی۔تاہم نقص و خطا بشری تقاضا ہے جس سے میرے جیسا انسان ماورا نہیں ہو سکتا،لہٰذا اس ترجمہ میں اگر کوئی حسن و کمال ہے تو وہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لطف و کرم کی وجہ سے ہے اور کہیں کوئی کمی ہے تو وہ میری بلحاظِ بشر خطا ہے جس کے لیے میں ربِّ محمدؐ و آلِ محمدؐ سے معافی کا اور علماء سے راہنمائی کا طلب گار ہوں۔

آخر میں مجھے اپنے اُن اساتیدِ کرام کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ جن کی دعاؤں اور شبانہ روز محنتوں کی یہ دولت مجھے اس خدمتِ دین کا موقع نصیب ہوا، اور میرے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔ حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ ریاض حسین جعفری صاحب چیئرمین ادارہ منہاج الصالحین کہ جو ہمہ وقت تبلیغِ دین اور ترویج علوم آلِ محمد علیہم السلام کے لیے معروف بہ عمل ہیں۔ ان کی ذرّہ نوازی کہ انھوں نے مجھے ایسے ذرۂ بے مقدار کو اس کارِ خیر میں شریکِ سفر کیا ہے۔ دُعا ہے کہ پروردگارِ عالم محمدؐ و آلِ محمدؐ کے صدقہ میں ہماری اس زحمت کو اپنی بارگاہِ عالیہ میں قبول فرمائے، آمین!

والسلام

احقر الوریٰ

سیّد محمد عدنان نقوی

عقیدت کے پھول

عباسی خلیفہ منصور دوانیقی کے ایک خاص مقرب کا بیان ہے: میں ایک دفعہ اُس کے دربار میں گیا، وہ اکیلا بیٹھا تھا۔ اُسے حیرانی و سرگردانی نے گھیر رکھا تھا۔ اس کے چہرے کی حالت دیدنی تھی۔ ایک رنگ جاتا تو دوسرا آجاتا۔ کبھی غصے سے سرخ ہوجاتا لیکن تھوڑی دیر بعد اُس کے چہرے پر موت کی زردی چھا جاتی۔ ویسے تو وہ ایک وسیع و عریض سلطنت کا مطلق العنان بادشاہ تھا۔ لاکھوں کی تعداد پر مشتمل اُس کے لشکر تھے۔ اُس کے خزانے سیم و زر سے بھرے پڑے تھے۔ جو وہ بولتا وہ ہو ہی جاتا۔ ہر طرف خدم و حشم اُس کی خدمت کے لیے کمربستہ تھے۔ اُس وقت اُس کی حالت ایک بے بس و بے کس انسان کی سی تھی۔ جس کا نہ کوئی سہارا ہوتا ہے اور نہ آسرا۔ بے چارگی و درماندگی جسے تن تنہا کیے ہوتی ہے۔ حسرت و یاس اُس پر تازیانے برسا رہی ہوتی ہے۔ وہ زندگی نہیں چاہتا موت چاہتا ہے۔

یہی حالت منصور عباسی کی تھی۔ مَیں آگے بڑھا اور آداب بجالایا، لیکن وہ کچھ اس طرح سے خاموش و ساکت رہا جیسے وہ اندھا اور بہرا ہو۔ جیسے اُس نے مجھے دیکھا ہو اور نہ میری بات سنی ہو۔ چند لحات کے بعد وہ یوں گویا ہوا۔ میں نے اپنی سلطنت کے تحفظ کی خاطر رسولؐ اسلام کے گھرانے کے سیکڑوں جوانوں کو موت کی آغوش میں سُلایا ہے۔ صرف اس لیے کہ میرا اقتدار وسیع سے وسیع تر ہو اور دل کو سکون ملے۔ لیکن سکون نہیں ملا۔ اضطراب میں اضافہ ہوا ہے۔ نہ یہ سلطنت اچھی لگتی ہے۔ نگاہوں میں ہر طرف ویرانی ہی ویرانی لگتی ہے۔

میں نے آگے بڑھ کر اُسے کریدا آخر بات کیا ہے؟ عباسی حکمران نے کہا: جب تک جعفرؑ بن محمدؑ زندہ ہیں اس وقت تک میری دنیا تیرہ و تاریک رہے گی۔ اُس کے قتل میں ہی میرے لیے سامانِ مسرت ہے۔ میں نے کہا: جان کی امان پاؤں جعفرؑ بن محمدؑ تو ایسے شخص ہیں جو ہمیشہ عبادت اور یادِ خدا میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ دن کو اکثر روزے سے ہوتے ہیں۔

جب رات ہوتی ہے اور اُس کی تاریکی ہر طرف چھا جاتی ہے اور وہ پوری کائنات کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ جب ہر ذی روح اس کے دامن میں میٹھی اور شیریں نیند کے مزے لینے لگتا ہے۔ یا یوں کہوں کہ ہر انسان بسترِ استراحت پر راحت و چین کی پُرمسرت وادی میں ہوتا ہے۔ تو یہ اللہ کے بندے مصلّٰی بندگی و عبادت پر ہوتے ہیں۔ بادشاہ سلامت اگر تو ان کے قیام کو دیکھے تو حیرت کے سمندر میں ڈوب کر مر جائے۔ جب تو اُن کے رکوع کو دیکھے تو تیری کائنات تھرا جائے۔ اُن کے سجدے اتنے طویل کہ ملائکہ اپنے سجدے بھول جاتے ہیں۔ تمھیں اُن سے ڈر کس بات کا ہے۔ اُن کے پاس خدم و حشم ہیں اور نہ لاؤ لشکر، نہ درہم و دینار کے خزانے ہیں اور نہ ریاست۔ وہ تو فردِ واحد ہیں۔ اُن کا سارا دن عبادت و بندگی کے علاوہ تعلیم و تدریس میں گزر جاتا ہے۔ وہ علم کے بے کراں موج زن سمندر ہیں۔ انھوں نے تو فکر و فن کی کائنات آباد کی ہوئی ہے۔ اطراف و اکناف سے تشنگانِ حق و حقیقت آتے ہیں اور اپنی علمی و روحانی تشنگی کا سامان کرتے ہیں۔ آپؑ گھر میں ہوں یا مسجد نبویؐ میں ہوں فکر و نظر کے چراغ جلائے رکھتے ہیں۔ تجھے اُن سے کاہے کا ڈر ہے۔ وہ بوریا نشین ہیں تو تخت نشین ہے۔ اُن کے دروازے پر فقرا و مساکین کا ہجوم لگا رہتا ہے۔ وہ بڑھ بڑھ کر اُن کی حاجات پوری کرتے ہیں۔ تیرے دروازے پر اُمرا کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔ وہ تیری تابع داری و پرستاری کرتے ہیں۔ پریشان تو انھیں ہونا چاہیے تھا۔

عباسی بادشاہ نے کہا: ہاں میں یہ تمام باتیں جانتا ہوں۔ میرے شاندار محلات ہیں جہاں میں عیش و نشاط کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ میری حفاظت پر قوی ہیکل مسلح دربان مقرر ہیں۔ وسیع و عریض ملک میرے پاس موجود ہے لیکن جو سلطنت جعفرؑ بن محمدؑ کے پاس ہے وہ میرے پاس نہیں ہے۔ اُن کی سلطنت نے زمین و زمن کو گھیر رکھا ہے۔ میرے دائرۂ اطاعت میں تو چند نفوس ہیں۔ ان کا دائرۂ اطاعت اتنا وسیع ہے کہ کائنات کی ہر شے اُن کے سامنے سرنگوں ہے۔ میں صرف لوگوں کی زبانوں پر رہتا ہوں وہ لوگوں کے قلوب میں رہتے ہیں۔ لوگ میرا احترام شاہی خوف سے کرتے ہیں لیکن اُن کا احترام دل کی اتھاہ گہرائیوں سے کرتے ہیں۔ جب تک وہ زندہ ہیں مجھے سکون حاصل ہے نہ قرار و چین۔ میں نے قسم اُٹھا رکھی ہے کہ یہ دن

گزرنے نہ پائے اور رات آنے نہ پائے اُنھیں قتل کر دیا جائے۔

منصور نے حکم دیا کہ فوراً جعفرؑ بن محمدؑ کو اس کے دربار میں لایا جائے۔ اُس نے جلاد کو حکم دیا کہ جونہی جعفرؑ بن محمدؑ کو میرے دربار میں لایا جائے اور میں اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھوں تو فوراً انھیں قتل کر دینا۔ تھوڑی دیر بعد سلطنتِ الٰہیہ کے نائب کو دربار میں لایا گیا۔ عباسی بادشاہ کے دربار پر امامت کے جاہ و جلال کی کچھ اس طرح ہیبت طاری ہوئی کہ دربار کے دَر و دیوار امامت کو جھک جھک کر سلام کرنے لگے۔ دربار میں اُمراو فضلا صف بستہ ہو کر آداب پیش کر رہے تھے۔ اس کے خدام حشم امامؑ کا استقبال کر رہے تھے۔

اس منظر کو دیکھ کر منصور کے جسم میں لرزا پیدا ہوا۔ وہ ایک اندرونی خوف سے کانپ رہا تھا۔ فوراً تخت سے نیچے آیا، دوڑ کر امامؑ کا استقبال کیا۔ جھک کر سلام کیا، تخت پر بٹھایا اور لڑکھڑاتی زبان سے کہا: فرزندِ رسولؐ! آپؑ نے کیوں زحمت فرمائی؟

آپؑ نے فرمایا: میں خود نہیں آیا تم نے ہی بلایا ہے۔

منصور نے دست بستہ عرض کیا: حضور! کوئی کام ہو تو فرمایئے؟

آپؑ نے فرمایا: بس ایک کام ہے۔ مجھے اپنے دربار میں آیندہ نہ بلایئے گا۔

جی ہاں! ربِ کائنات نے اپنی کائنات کی ہدایت اپنے منتخب بندوں کے ہاتھ میں دی۔ ان کے انتخاب کا معیار علم کو بنایا۔ حضرت آدمؑ سے یہ سلسلہ چلا اور اس کی تکمیل سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کی۔ اس سلسلہ کی حفاظت اور توسیع کا کام آپؐ کے خلفاء کے حوالے کیا۔ آپؐ کے ہر خلیفہ نے اپنے دور میں اپنے وظیفہ پر عمل کیا اور اس سلسلہ کو بعد والے خلیفہ کے حوالے کیا۔ جب یہ ملکوتی ذمہ داری اس سلسلہ کے چھٹے تاج دارِ ولایت و امامتؑ کے پاس آئی تو آپؑ نے اپنی شبانہ روز کی محنتِ شاقہ سے علم و دانش کے دریا بہا دیے۔ اس کائنات کو ایسا نور بخشا جس سے یہ کائنات صبحِ قیامت تک روشن رہے گی۔ بالغ نظر عرب شاعر نے آپؑ کی شان میں کچھ اشعار کہے تھے جن کا مفہوم یہ ہے:

"حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام عرشِ خداوندی کے وہ ضوفشاں ستارے ہیں کہ جنھوں نے اس زمین کی تاریکیوں کو دُور کر دیا"۔

چھٹے ماہ تاب ولایت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ولادت باسعادت اُس سیاسی دور میں ہوئی جب حق و دیانت کے چراغ گل کیے جا رہے تھے۔ جزیرہ نما عرب میں مطلق العنانیت اور طوائف الملوکیت کا دور دورہ تھا۔ جگہ جگہ فتنہ انگیزی، عناد و فساد، بے چینی و بدامنی کا راج و رواج تھا۔ لوگ علم و دانش، حق و صداقت کی تحصیل و تلاش کی بجائے جاہ و منصب، سیم و زر اور تخت و تاج کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ لیلائے اقتدار کی قربان گاہ پر دیانت و امانت اور حق و صداقت کو قربان کیا جا رہا تھا۔ ایسے تیرہ و تاریک اور ظلمت کدے میں یہ نُورِ امامت پوری آب و تاب کے ساتھ چمکا۔ آپؑ کی ساری زندگی فلاح و اِصلاح میں گزری۔ آپؑ کی سیرت اسلامی کردار کی کامل اور بے نظیر تصویر ہے۔ آپؑ نے اپنی زندگی میں شعور و اِدراک کا ایک عظیم انقلاب برپا کیا۔ آپؑ نے انسانی فکر کا رُخ حقیقت پسندی اور تلاشِ حق کی طرف موڑا۔

علمی تحقیقات کے لیے جدید راہیں متعین کیں۔ آپؑ کی پاکیزہ سیرت کی قدریں قدیم و جدید کا سنگم ہیں، جو ہر دور کے تقاضوں کو پورا کرتی ہیں۔ آپؑ نے انسانی قلوب میں وہ روح پھونکی کہ لوگ ستاروں پر کمندیں ڈالنے میں مشغول ہو گئے۔ عبدالملک بن مروان کا دورِ حکومت اُموی سلطنت کا نقطۂ زوال ہے۔ یہ دور ۱۳۲ ہجری میں ہمیشہ کے لیے دفن ہو گیا اور بنوعباس کے دورِ حکومت کا آغاز ہوا۔ اُمویوں کا خاتمہ اور بنوعباس کا آغاز ہوا۔ اسی دور کو تحویل و انتقالِ اقتدارِ ملوکیت کا دور کہا جاتا ہے۔ اسی دور سے امامؑ نے اپنی حکمت عملی اور بالغ نظری سے بے پناہ فائدہ اُٹھایا۔ ہوسِ اقتدار کے پُجاری ایک دوسرے سے دست بہ گریبان تھے۔ اس عظیم مصلح اور اسلام کے جلیل القدر فرزند کے ہاتھ میں انسان کی تقدیر بدلنے کا بہترین موقعہ آیا۔ آپؑ نے اسلامی علوم و معارف، دین کی ترویج و اشاعت کا اہم کام سرانجام دیا۔ فضا خوش گوار تھی۔ اسی فضا میں آپؑ نے علم و دانش کی سلطنت کی وہ داغ بیل ڈالی کہ جس کے بل بوتے پر آج انسان چاند پر جا پہنچا اور کرّات سماوی کی تسخیر کے عمل کا آغاز ہو گیا۔

جی ہاں! آپؑ کا عہدِ حیات وہ ہے کہ جب اسلامی فتوحات اور بیرونی دنیا کے اتصال، خصوصاً یونانی اور رومی لٹریچر کی نشر و اشاعت کے باعث عربستان میں مختلف علوم و فنون اور طرح طرح کے نظریات اور نئے نئے فکری رجحانات داخل ہو رہے تھے۔ یہ اسلام کے خلاف

بیرونی محاذوں سے علمی اور ثقافتی یلغار تھی۔ یہ ایک ایسی سرد جنگ تھی کہ جس کے زہریلے اثرات اور مہلک نتائج سے اسلام اور مسلمانوں کو محفوظ رکھنا تیغ و تفنگ کی طاقت سے ممکن نہ تھا کیونکہ عقل و فکر کا مقابلہ علم و دانش سے ہی ممکن ہے۔ نسلی تعصب سے فکری اور نظریاتی طوفان پر مٹی اور پتھروں کے بند نہیں باندھے جاسکتے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے جو کارنامے سرانجام دیئے ہیں وہ تاریخِ اسلام میں سنہری حروف سے رقوم ہیں۔

مدینہ منورہ میں مسجد نبویؐ اور آپؑ کا گھر مدینۃ العلم ہی تھے، تحقیقاتی مرکز تھے۔ آپؑ کا یہ مدرسہ دنیا کی ایک عظیم الشان یونیورسٹی تھا جس کا حلقہ درس و تدریس اور تعلیم و تحقیق اَطرافِ عالم میں پھیلا ہوا تھا۔ اس میں بہ یک وقت کم از کم چار ہزار دانشور زیرِ تعلیم ہوا کرتے تھے۔ اس اسلامی یونیورسٹی سے ہزاروں کی تعداد میں ہر فن کے اسکالرز نکلے۔ پھر ان دانشوروں نے اپنی دانش کو دنیا میں پھیلایا۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کہا کرتے تھے:

”میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بڑھ کر علمِ دین کا عالم کسی اور کو نہیں پایا“۔

امام مالک کا قول ہے:

”میری آنکھوں نے علم و فضل اور تقویٰ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے برتر کسی کو نہیں دیکھا“۔

ایسا کیوں نہ ہو؟ آپؑ مدینۃ العلم کے نواسے اور باب العلم کے فرزند ہیں، جو جامع جمع علوم تھے، جن کی فکری و نظری ضوفشانیوں اور علمی و تحقیقی شعاعوں نے جہل و جہالت کی تیرگیوں کو اُجالوں میں منقلب کیا۔ آپؑ اپنے اَجداد کے راستے کے راہی تھے۔ آپؑ نے اپنی زندگی میں فکر و نظر اور علم و دانش کی راہیں کھولیں۔ وہ علوم جو قدرت کے خزانۂ غیب میں مستور تھے۔ اللہ اور اُس کی اشرف مخلوق کے درمیان رابطہ بن کر ان کے دل و دماغ کو ان علوم سے آگاہی و آشنائی دی۔ الٰہیات، ریاضیات، طبیعیات جیسے جدید علوم سے علمی دنیا میں انقلاب برپا کیا۔ اپنے فیوضات و افادات کی بارانِ رحمت سے انسانی اذہان کی بنجر زمینوں کو سیراب و شاداب کیا۔ تہذیب و تمدن، حکمتِ نظری اور حکمتِ عملی کے وہ دریا بہائے کہ جنھوں نے اس دھرتی کو

وہ ارتقائی منازل عطا کیں کہ یہ وسیع و عریض دنیا آج چھوٹی سی بستی کی مانند بن گئی ہے۔ نظامِ شمسی میں تھرتھراہٹ ہے کہ امامؑ کے تلامذہ ایک دن اُسے کامل صورت میں مسخر کریں گے۔

آپؑ کے تلامذہ میں سے عالمی شہرت کے حامل حضرت جابر بن حیانؒ کوفی نے وہ مفصل کتاب لکھی تھی کہ جس میں اُس نے آپؑ کے کیمیا پر کیے گئے پانچ سو رسالوں کو جمع کیا تھا۔ آپؑ کی اس یونیورسٹی میں علم ہیئت، منطق، طبّ، تشریح الاجسام، افعال اعضاء، طبیعیات و مابعد الطبیعیات کے شعبے قائم تھے۔

غرض آپؑ نے زندگی کے ہر شعبہ میں کام کیا۔ عقائد و نظریات ہوں یا اصلاحِ معاشرہ کے اُصول، تہذیب و تمدن کے معاملات ہوں یا طہارتِ نفس اور پاکیزہ قلبی کے رُموز۔ آپؑ علم و دانش، بصیرت و آگاہی اور عرفان و معرفت کے بحرِ بیکراں تھے۔ اتنے علوم کا حصول ہر کسب و تلمذ سے ناممکن ہے۔ امامؑ کا علم وہی ہوتا ہے جسے علمِ لدنی کہا جاتا ہے۔ اسلام نے ہمیں یہ عقیدہ دیا ہے کہ امامِ معصومؑ اپنی ماں کی جھولی میں بیٹھ کر لوحِ محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب آیت اللہ حضرت سیّد محمد کاظم قزوینیؒ کی تصنیف اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ کا اُردو ترجمہ ہے۔ آپ کی ذات محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ آپ نے معصومین علیہم السلام کی زندگیوں پر خوب صورت انداز میں کام کیا ہے۔ آپ کی یہ تمام کتابیں عظیم الشان تحقیق کا درجہ رکھتی ہیں۔ آپ کی تمام تصنیفات کوثر و سلسبیل کی آبشاریں ہیں جن کا ہر قطرہ دل و دماغ کے لیے آبِ حیات ہے۔

اس کتاب کا ترجمہ حجۃ الاسلام مولانا سیّد عدنان نقوی قبلہ کی کوشش و کاوش ہے۔ موصوف نے شبانہ روز کی محنتِ شاقہ سے اس کتاب کو عربی زبان سے اُردو زبان میں منتقل کیا ہے۔ یہ ملّت کے لیے روحانی غذا کا عظیم الشان تحفہ ہے۔ موصوف تحقیق و تدقیق سے محبت رکھنے والے اہلِ قلم ہیں۔ ان کی اس سعیِ جمیلہ کو جس قدر خراجِ تحسین پیش کیا جائے وہ بہت کم ہے۔ اس محنت کا اجر انھیں صرف اللہ رب العزت ہی دے سکتا ہے۔

اس کتاب کی نشر و اشاعت کا کام ادارہ منہاج الصالحین نے کیا ہے۔ ادارہ محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ ادارہ کے بانی حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری صاحب قبلہ ملک پاکستان کی

وہ مایہ ناز شخصیت ہیں کہ جن کا علمی و روحانی کام چہار اطرافِ عالم میں پھیلا ہوا ہے۔ ان کی سیکڑوں کتابیں لاکھوں گھروں میں موجود ہیں اور لاکھوں لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔ اتنا بڑا کام تائیدِ ایزدی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

علامہ جعفری صاحب کا اوڑھنا بچھونا، فکر و نظر، صرف اور صرف کتابوں کا انتخاب اور اُن کی اشاعت ہے۔ جی ہاں! جس طرح ایک غنچہ کی تربیت کے لیے بادِ نسیم اور قطرۂ شبنم کی ضرورت ہے اسی طرح اس کام کے لیے جہاں اہلِ قلم کی ضرورت ہے وہاں مال و زر کی ضرورت ہے۔ اگر بادِ نسیم ہو اور قطرۂ شبنم نہ ہو تو غنچہ کی تربیت ممکن نہیں ہے۔ اہلِ قلم ہوں، ناشر ہو، ادارہ ہو اور اُس کے پاس کتابوں کی اشاعت کے لیے اخراجات چاہییں۔

ملت کی تربیت کے لیے ذہنی اور روحانی، نظری اور فکری لٹریچر کی ضرورت ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ایک علمی و قلمی جماعت کی ضرورت ہے۔ ساتھ ہی مالی وسائل کی ضرورت ہے۔ مخیر حضرات سے اپیل ہے کہ وہ میدانِ عمل میں آئیں اور قوم کی پژمردہ روح کو نئی زندگی دینے کے لیے اپنا مال خرچ کریں۔ اپنی دنیا بھی سنواریں اور آخرت بھی۔

آپ کے عظیم رہبروں نے اپنی میراث میں دانش و حکمت کے جو خزانے چھوڑے ہیں وہ کسی اور کے پاس نہیں ہیں۔ اُدھر مادیت ہے اِدھر روحانیت ہے۔ اُدھر جہل ہے اِدھر علم و حکمت ہے۔ عرفان و معرفت، بصیرت و بصارت کے زُلال چشمے آپ کے پاس ہیں۔ قوم کو ان گھاٹوں سے بچاؤ جن کا پانی آلودہ اور گدلا ہے۔

ادارہ منہاج الصالحین ایک قومی ورثہ ہے۔ ملت کی میراث ہے۔ اس کی آب یاری اور توسیع کے لیے معاونت فرمائیں۔ تشنگانِ حق و حقیقت کے لیے فرات کا وہ گھاٹ تیار ہو جس سے قوم سیراب ہو کر دنیا میں حقیقی انقلاب برپا کر دے۔

والسلام

طالبِ دُعا!

(علامہ) الطاف حسین کلاچی

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام پر درود وسلام

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ الصَّادِقِ ، خَازِنِ الْعِلْمِ ، الدَّاعِی اِلَیْکَ بِالْحَقِّ النُّوْرِ الْمُبِیْنِ ، اَللّٰھُمَّ وَکَمَا جَعَلْتَهٗ مَعْدِنَ کَلَامِکَ وَوَحْیِکَ وَخَازِنَ عِلْمِکَ وَلِسَانَ تَوْحِیْدِکَ وَوَلِیَّ اَمْرِکَ وَمُسْتَحْفِظَ دِیْنِکَ، فَصَلِّ عَلَیْهِ اَفْضَلَ مَا صَلَّیْتَ عَلٰی اَحَدٍ مِنْ اَصْفِیَائِکَ وَحُجَجِکَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ

(اَلْاِمَامُ الْحَسَنُ الْعَسْکَرِی علیہ السلام)

صاحبِ کتاب کے بارے میں
علامہ قزوینیؒ کے فرزند کے تاثرات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا یفوق حَمْدَ الحَامِدِینَ وَالصَّلَاۃُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّآلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ وَلَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلٰی اَعْدَائِھِمْ اَجْمَعِیْنَ

میرے والدِ محترم کی خواہش تھی کہ وہ چودہ معصومین علیہم السلام کے بارے میں ولادت سے شہادت تک کے تمام حالات و واقعات پر مبنی تفصیلی کتابیں تحریر کریں۔ توفیقِ خداوندِ متعال اُن کے شاملِ حال رہی اور اُنھوں نے اَلْاِمَامُ عَلِیٌّ مِنَ الْمَھْدِ اِلَی اللَّحْدِ اور فَاطِمَۃُ الزَّھْرَاءُ مِنَ الْمَھْدِ اِلَی اللَّحْدِ وغیرہ تحریر کیں اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں لکھنا شروع کر دیا۔ آپؒ نے کچھ عرصہ کے بعد خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص آپؒ سے کہہ رہا ہے کہ "حضرت امام علی ابنِ موسیٰ الرضاؑ نے آپؒ سے فرمایا ہے:

"میرے بعد والے چار اماموں علیہم السلام کے بارے میں لکھو۔ میرے والد بزرگوار اس خواب سے بہت خوش ہوئے اور انھیں امام علی موسیٰ الرضا علیہ السلام کے بعد چار ائمہ علیہم السلام کے حالاتِ زندگی قلمبند کرنے میں امام علی رضا علیہ السلام کی عنایت خاصہ شاملِ حال رہی۔

آپؒ نے امام مہدی منتظرؑ (عجّل اللّٰہ فرجہ الشریف) کے موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر آپؑ کے نام کی کتاب سے آغاز کر دیا۔ پھر ان سے پہلے والے تین ائمہ علیہم السلام کے بارے میں دو بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھیں۔

① اَلْاِمَامُ الْجَوَادُ مِنَ الْمَھْدِ اِلَی اللَّحْدِ
② اَلْاِمَامُ الْھَادِی مِنَ الْمَھْدِ اِلَی اللَّحْدِ

۳ اَلْاِمَامُ الْعَسْكَرِی مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحدِ

۴ اَلْاِمَامُ الْمَهْدِیُ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى الظُّهُورِ

اس کے بعد آپؒ "حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں ایک انسائیکلوپیڈیا لکھنے لگ گئے کہ جس میں آپؒ نے امام علیہ السلام کے حالاتِ زندگی، اصحابِ باوفا (رضوان اللہ علیہم اجمعین)، احادیث اور تمام اقدامات کو تفصیل سے بیان کیا۔

آپؒ نے اپنی زندگی کے آخری سات برسوں میں یہ کام مکمل کیا اور اس کے ساتھ ساتھ کتاب زَیۡنَبُ الْکُبْرٰیؑ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحدِ بھی تحریر کی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں یہ انسائیکلوپیڈیا بہت ہی تفصیلی ہے۔ اس کی تیس جلدیں طبع ہو چکی ہیں اور باقی تیس جلدیں بھی عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ طبع ہو جائیں گی۔ یہ کتاب اس انسائیکلوپیڈیا کے پہلے تین اجزا کا خلاصہ ہے اور اس میں بہت سے مفید اضافے بھی کیے گئے ہیں، بالخصوص امام عالی مقام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت کے بارے میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ، سیرتِ طیبہ، مکارمِ اَخلاق، علوم ومعارف، معجزات وکرامات اور حکامِ وقت کے بارے میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

یہ کتاب سلسلۃ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحدِ میں امام جعفر الصادق علیہ السلام کے بارے میں کمی کو پورا کرنے کے لیے تحریر کی گئی ہے۔

مَیں خداوند متعال سے دُعا گو ہوں کہ وہ میرے والد بزرگوار کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عنایت فرمائے اور اُن کی قیمتی کتابوں کی بہ دولت اُن کے درجات بلند فرمائے۔

تحریر کنندہ!

محمد ابراہیم الموحد القزوینیؒ

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

ابتدائیہ

اسلام کی آمد سے پہلے انسان بشری جذبات اور انسانیت کے اُصولوں سے الگ تھلگ رہتا تھا اور جہالت، ظلم، انحراف اور فکری و عقیدتی تنگ نظری میں جلا تھا۔ جیسا کہ خداوند بزرگ نے سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۰۳ میں ارشاد فرمایا:

وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا

"اور اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو کہ جب تم (آپس میں) دشمن تھے۔ اس نے تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت سے (آپس میں) بھائی بھائی بن گئے۔ اور (اس وقت) تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے تو اس نے تمہیں اس (گڑھے میں گرنے) سے بچالیا"۔

اس معاشرے کی اَخلاقی حالت کے بارے میں اِن آیات میں اشارہ کیا گیا ہے:

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (سورۂ نحل: آیت ۵۸-۵۹)

"اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی (ولادت کی) خوش خبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غضب ناک ہو جاتا ہے۔ وہ اس خوش خبری کی عار کے باعث لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔ کیا وہ اسے ذلت

وخواری کے ساتھ رکھے گا یا زمین میں درگور کردے گا۔ یہ لوگ کتنا برا فیصلہ کرتے ہیں"۔

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ○ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (سورۂ تکویر: آیت ۸-۹)

"اور جب زندہ درگور کی ہوئی (لڑکی) کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اُسے کس جرم میں قتل کیا گیا ہے"۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ (سورۂ انفال: آیت ۲۶)

"اور (اس وقت کو) یاد کرو کہ جب تم تعداد میں کم اور زمین میں کمزور تھے، تمہیں ڈر تھا کہ لوگ کہیں تمہیں اُچک نہ لے جائیں"۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

"(اس جہالت کے زمانے میں) اہلِ زمین علیحدہ علیحدہ ملتوں میں بٹے ہوئے تھے، اُن کی خواہشات جدا جدا تھیں اور اُن کی راہیں ایک دوسرے سے الگ الگ تھیں۔ کوئی خدا کو اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتا تھا یا اس کے نام میں الحاد کرتا تھا اور یا اس کے غیر کی طرف میلان ظاہر کرتا تھا"۔

ایک اور مقام پر امام علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"خدا نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت بھیجا کہ جب رسولوں کی آمد کا سلسلہ رُکے ہوئے ایک خاص وقت گزر چکا تھا۔ قبائل کی سرداری کا عرصہ طویل ہو چکا تھا، فتنہ مضبوط ہو چکا تھا اور اُمور منتشر ہو چکے تھے۔ جنگ و جدال کا دور دورہ تھا۔ دنیا کی روشنی پہ پردہ پڑ چکا تھا اور اس کا غرور ظاہر ہو چکا تھا۔ اس کے پتے زرد ہو چکے تھے۔ اس کے پھلوں سے مایوسی کے آثار نمودار ہو چکے تھے اور اس کا پانی نچلی تہوں میں جا چکا تھا۔ ہدایت

کے مینار گر چکے تھے اور برائی کے آثار واضح طور پر دکھائی دے رہے تھے۔ یہ دنیا اپنے بسنے والوں کو اُداس کر چکی تھی۔ اس کے طلب گار چیں بجبیں تھے۔ اس کا ثمر فتنہ تھا۔ اس کا کھانا مردار تھا۔ اس کا شعار خوف تھا اور اس کا اُوڑھنا بچھونا تلوار تھا"۔

ایک اور مقام پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

"بے شک خداوند متعال نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جہانوں کو ڈرانے والا اور اپنی تنزیل کا امین بنا کر بھیجا۔ اے اہلِ عرب! اس وقت تم بُرے دین پر تھے اور تمھارے گھر سب گھروں سے بدترین گھر تھے۔ تم کھردرے پتھروں اور زہریلے سانپوں کے درمیان رہا کرتے تھے۔ گدلا پانی پیتے تھے اور گندی خوراک استعمال کرتے تھے۔ تم اپنے لوگوں کے خون بہاتے تھے اور رشتوں کو قطع کرتے تھے۔ تمھارے بت تمھارے درمیان رکھے ہوتے تھے اور تمھارے گناہ سخت تھے"۔

حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے خطبہ میں دورِ جاہلیت سے بات کرتے ہوئے فرمایا:

"تب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو اپنے اَدیان میں جدا جدا پایا۔ وہ لوگ اپنے اپنے حصّے کی آگ (جہنم کے گڑھے کے کنارے) پر تھے، اپنے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا پاٹ میں مصروف تھے اور خدا کی معرفت کے باوجود، اس سے منہ پھیرے ہوئے تھے۔ اور تم خود بھی جہنم کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے۔ اور جب خدا نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث بہ رسالت کیا اور اُنھوں نے لوگوں کو خدائے واحد کی طرف دعوت دی تو لوگوں نے اُن کے جواب میں کہا: تُو برباد ہو جائے اے شاعر! جادوگر! دیوانے! جھوٹے اور کاہن!"

جیسا کہ قرآن مجید کی درج ذیل آیات اس پر شاہد ہیں:

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ (سورۂ نحل: آیت ۱۰۱)

"وہ بولے کہ بے شک تم تو صرف ایک افتراء پرداز ہو"۔

اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۴۷)

"تم صرف ایک جادوگر کی پیروی کرتے ہو"۔

هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ

"یہ تمھارے جیسا ایک انسان ہے تو کیا تم دیکھنے کے باوجود اس کے جادو کی طرف آتے ہو"۔ (سورۂ انبیاء: آیت ۳)

اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ (سورۂ صافات: آیت ۳۶)

"کیا ہم اس دیوانے شاعر کے کہنے پر اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں"۔

وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ (سورۂ ص: آیت ۴)

"اور کافروں نے کہا: یہ جادوگر بہت جھوٹا ہے"۔

بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ (سورۂ قمر: آیت ۲۵)

"بلکہ یہ سخت جھوٹا شیخی باز ہے"۔

کفارِ مکہ نے ان کے ساتھ علانیہ جنگ شروع کر دی، اُنھیں پتھر مارے اور بنی ہاشم کے ساتھ مکمل بائیکاٹ کر دیا۔ حضرت ابوطالبؑ انھیں اپنے گھر والوں کے ہمراہ شعب ابی طالب میں رکھنے پر مجبور ہو گئے، وہاں اُنھوں نے غذائی قلت اور شدید خوف و ہراس کے عالم میں وہ دن گزارے اور اُنھیں رات دن دشمن کے اچانک حملے کا اندیشہ رہتا۔

تیرہ سال کے عرصے میں مکہ کے چند افراد نے اسلام قبول کیا اور اُن کی تعداد ۱۵۰ سے زیادہ نہ تھی۔ مشرکینِ مکہ ان لوگوں کو طرح طرح کی سزائیں دیتے تھے حتیٰ کہ بعض افراد یہ سزائیں جھیلتے جھیلتے اپنی زندگی کو الوداع کہہ جاتے۔

اس کے بعد مشرکینِ مکہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قتل کرنے پر ایکا کر لیا۔ آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنے بستر پہ سلایا اور خود غارِ حرا کی طرف چلے گئے۔ آپؐ نے وہاں سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اور وہاں دس سال گزارے۔ ان دس سالوں میں بہت سی جنگیں ہوئیں۔ ان میں غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، غزوۂ اَحزاب، غزوۂ حُنین، غزوۂ خیبر، غزوۂ موتہ

اور غزوۂ تبوک بہت زیادہ مشہور ہیں۔ ان جنگوں میں بہت سی جانیں ضائع ہوئیں۔ بہت سی عورتیں بیوہ ہوئیں اور بہت سے بچے یتیم ہو گئے۔

۲۳ سال کے عرصے میں اسلام پھیلا اور خدا کا یہ وعدہ پورا ہوا:

وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا (سورۂ نصر: آیت ۲)

"اور آپؐ دیکھیں گے کہ لوگ گروہ در گروہ دینِ خدا میں داخل ہوں گے"۔

زمانۂ بعثت سے ہجرت تک اور ہجرت سے وفات تک آپؐ کی ساری زندگی مصائب و آلام سے پُر تھی حتیٰ کہ آپؐ نے فرمایا:

"کسی بھی نبی کو اتنی اذیت نہیں دی گئی کہ جتنی اذیت مجھے دی گئی"۔

قرآنِ مجید میں وہ آیات موجود ہیں کہ جنھوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات اور اُن کے بعد کے حالات کی تبدیلی کے بارے میں باخبر کیا ہے، مثلاً سورۂ زمر کی آیت نمبر ۳۰ میں آیا ہے:

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ○

"بے شک آپؐ نے بھی وفات پانی ہے اور اُنھیں بھی موت آنی ہے"۔

سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۴۴ میں آیا ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ

"حضرت محمدؐ صرف خدا کے رسولؐ ہیں (اور) اُن سے پہلے بہت سے رسولؐ ہو چکے ہیں (تو) کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟"

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذاتِ خود اپنی اُمت کے مستقبل کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا تھا:

"عنقریب میرے بعد میری اُمت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی، اُن میں سے ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور باقی جہنم میں جائیں گے"۔

اس کے علاوہ آپؑ نے قیامت کے روز اپنے بعض اصحاب کے بارے میں باخبر کر دیا تھا۔ پس اب جب رسولؐ خدا خاتم النبیین ہیں، قیامت تک اُن کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، ان کی شریعت آخری شریعت ہے اور قرآن مجید آخری آسمانی کتاب ہے تو ضروری ہے کہ اُن کی شریعت ہر لحاظ سے کامل و اَکمل ہو اور وہ اپنی اُمت کے لیے ہر غلط و صحیح کو بیان فرما چکے ہوں۔

اس بنا پر ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا زندگی اور وقت کے حالات نے اُنھیں اتنی مہلت دی کہ وہ یہ سب وضاحت سے بیان کر دیں؟

کتبِ احادیث شاہد ہیں کہ بہت سے صحابہ کرامؓ پیش آنے والے شرعی اَحکام سے جاہل تھے، تو کیا رسولؐ خدا نے اُن احکام کی وضاحت نہیں کی تھی؟ یا وضاحت تو کی تھی مگر یہ لوگ بھول گئے تھے؟

اس سوال کے جواب میں ہم کہتے ہیں: بلاشبہ رسولؐ خدا نے احکامِ اسلامی کی تبلیغ میں کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑی۔ مگر اسلامی اَحکام تو تعداد میں دس بیس یا سو، ہزار نہیں ہوتے بلکہ زیادہ سے زیادہ ہوتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ کو جو عقائد و اَحکام میں منحصر ہے وہ دسیوں ہزار احادیث کی محتاج ہے، کیونکہ فقہ کے اَبواب بہت زیادہ ہیں اور اُس کی فروعات بہت سی ہیں۔ تو کیسے ممکن ہے کہ ہجرت کے بعد سے وفات تک کی مختصر مدت میں آپؐ یہ تمام احکام بیان کر دیں اور یہ سارے اَحکام محفوظ کر لیے جائیں حالانکہ اس وقت چند لوگ لکھنا جانتے تھے۔ اس سب کے باوجود، کیا رسولؐ خدا کے لیے جائز تھا کہ وہ اپنی اُمت کو بغیر کسی خلیفہ و امام کے چھوڑ کر چلے جائیں؟

اگر رسولؐ خدا ایسا کریں تو کیا عقل و شرع کی رُو سے رسولؐ خدا کے عمل پر انگشت نمائی نہیں ہو سکتی؟ ہم اپنے قارئین کو بتاتے ہیں ان سوالات کے جوابات کئی مجلدات کے متقاضی ہیں۔ گذشتہ زمانوں میں ہمارے بزرگ علمائے اعلام نے ایسے سوالات کے جوابات پر مبنی کئی کئی جلدوں میں اور کئی کئی زبانوں میں کتابیں تالیف کیں اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ ان کتابوں میں قرآن وحدیث وتاریخ وغیرہ سے مواد اکٹھا کیا گیا ہے۔ ہم اختصار کے

پیش نظر ان جوابات میں سے چند ایک کو نقل کرتے ہیں:

آیۃ الانذار (وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ)

اس واقعہ کے بارے میں جملہ مفسرین، محدثین اور مورخین کے اقوال جمع کرنا بہت مشکل ہے، کیونکہ اس واقعہ کی بہت سی اسانید ہیں اور اس کے طرق متواتر ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جب یہ آیت وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ دعوت و تبلیغ اسلام کے شروع شروع میں نازل ہوئی تو رسولؐ خدا نے اپنے تمام قریبی رشتہ داروں کو اپنے چچا حضرت ابوطالبؑ کے گھر دعوت دی۔ وہ افراد تعداد میں چالیس یا اس سے کچھ کم یا زیادہ تھے اور اُن میں آپؐ کے چار چچا، حضرت ابوطالبؑ، حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ اور ابولہب بھی تھے۔ اس اجتماع کے آخر میں رسولؐ اسلام نے فرمایا:

''اے عبدالمطلبؑ کے بیٹو! (سنو) خدا کی قسم! میں نے عرب میں کوئی ایسا جوان نہیں دیکھا کہ جو اپنی قوم کی طرف میری لائی ہوئی چیز سے بہتر کوئی چیز لایا ہو۔ میں تمھاری طرف دنیا و آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں۔ مجھے خدا نے حکم دیا کہ میں تمھیں اس طرف بلاؤں تم میں سے کون میرے اس کام میں میری مدد کرے گا؟

حضرت علی علیہ السلام نے عرض کیا: (حالانکہ آپؑ اس وقت سب سے کم عمر تھے) اے اللہ کے حبیبؐ! میں آپؐ کی اس بارے مدد کروں گا۔

رسولؐ خدا نے حضرت علی علیہ السلام کا کاندھا پکڑ کر فرمایا:

''بے شک یہ میرا بھائی، میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہے۔ اس کی بات سنو اور اطاعت کرو''۔

لوگ ہنستے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت ابوطالبؑ سے (طنزیہ طور پر) کہنے لگے: اس نے تجھے اپنے بیٹے کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے۔

خلفائے رسولؐ پر نصوص

مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر مناسب موقع پر اپنے بعد ہونے

والے خلفاء بالخصوص حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ کی خلافت و امامت کے بارے میں نصوص صادر فرماتے رہتے۔ خلافت کے بارے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث حدِ تواتر سے متجاوز ہیں۔ یہ اُن احادیث کے علاوہ ہیں کہ جنھیں سیاسی مصالح کے تحت ضائع کردیا یا اُن کی تحریف کردی گئی یا ان کی تفسیر و تاویل افکارِ مریضہ سے کی گئی۔ ان میں کچھ نصوص مجمل ہیں، کچھ مفصل، کچھ خاص ہیں اور کچھ عام۔ ان میں سے چند ایک کو ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں:

① میرے بعد بارہ امام ہوں گے اور وہ سب قریش سے ہوں گے۔

② میرے بعد بارہ خلفاء ہوں گے اور وہ سب بنی ہاشم سے ہوں گے۔

③ میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں: ایک خدا کی کتاب اور دوسری میری عترت۔

④ جس جس کا میں مولا ہوں اُس اُس کے علیؑ مولا ہیں۔

⑤ اے علیؑ! آپ کیا اس پر راضی نہیں کہ آپ کو مجھ سے وہی منزلت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی، مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

⑥ میرے بعد میرے وصی اور خلیفہ علیؑ ابنِ ابی طالبؑ ہیں۔ اُن کے بعد میرے دو بیٹے حسنؑ اور حسینؑ ہیں اور اُن کے بعد صلبِ حسینؑ میں نو نیک سیرت ائمہ علیہم السلام ہوں گے۔ جب امام حسین علیہ السلام کا زمانہ گزر جائے گا تو اُن کے بیٹے حضرت علیؑ (زین العابدینؑ) امام ہوں گے۔ جب اُن کا زمانہ گزر جائے گا تو اُن کے فرزند ارجمند حضرت محمدؑ (الباقر) امام ہوں گے، اُن کے بعد اُن کے فرزندِ ارجمند حضرت جعفرؑ (الصادق) امام ہوں گے، اُن کی امامت کا عرصہ تمام ہونے کے بعد اُن کے فرزند دلبند حضرت موسیٰؑ (الکاظم) امام ہوں گے۔ جب اُن کا زمانۂ امامت مکمل ہوجائے گا تو اُن کے بیٹے حضرت علیؑ (الرضا) امام ہوں گے۔ اُن کی امامت کی مدت مکمل ہونے کے بعد اُن کے فرزند حضرت محمدؑ (الجواد) امام ہوں گے، اُن کی امامت کا وقت پورا ہوجانے کے بعد اُن کے بیٹے حضرت علیؑ (النقی الہادی) امام ہوں گے، اُن کے بعد اُن کے بیٹے حضرت حسنؑ (العسکری) امام ہوں گے اور اُن

کی امامت کا زمانہ گزرنے کے بعد اُن کے فرزند حضرت حجت بن الحسن بن علیؑ (المہدیؑ) امام ہوں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ نے اپنے بعد حضرت علی علیہ السلام کو امام، اپنا خلیفہ و وصی اور مومنوں کا مولا معین کیا ہے اور آپؑ اور آپؑ کے گیارہ بیٹوں کی خلافت و وصایت اور امامت وولایت پر نص بھی فرما دی جس طرح کہ اُن میں سے ہر ایک نے اپنے بعد والے امام کی امامت پر نص فرمائی۔

حالات کی تبدیلی

رسولِ خدا ﷺ کی رحلت کے بعد حالات نے ایسے پلٹا کھایا کہ حضرت علی علیہ السلام ابھی رسولِ خدا کے غسل وکفن میں ہی مشغول تھے کہ کچھ لوگ مقامِ سقیفہ میں اکٹھے ہوئے اور کافی بحث وتکرار کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنالیا اور اُن کی بیعت کرنے لگے۔ عمر بن خطابؓ کے قول کے مطابق اُن کی بیعت ہنگامی حالات میں ہوئی تھی۔ اُن کی حکومت دو سال اور چند ماہ تک رہی۔ پھر اُنھوں نے اپنے بعد حضرت عمرؓ کو خلیفہ معین کر دیا۔ اُنھوں نے دس سال اور کچھ ماہ تک حکومت کی اور اُن کے بعد پھر شوریٰ کے ذریعے نئے خلیفہ کا انتخاب ہوا۔

آپ کے قوم وقبیلہ اور کنبے والوں نے مالِ خدا کو اس طرح کھایا جس طرح اُونٹ فصلِ ربیع کو نگلتا ہے۔ اُنھوں نے اسلامی اصول کے خلاف کام کیے۔ لوگوں کے اَموال میں تلاعب کیا، جلیل القدر صحابہ کو جلاوطن کیا، اُنھیں مارا پیٹا، اُن کی توہین وتحقیر کی، اُن پر فاسقوں کو مسلط کیا اور مقدساتِ اسلامیہ کی تذلیل کی۔

آخرکار مسلمان خلیفہ کے مقابل آ کھڑے ہوئے اور اُن کے ساتھ شدید غم وغصے کا اظہار کیا۔ لوگوں کو قتلِ عثمانؓ پر وادار کرنے والوں میں ایک محترمہ بی بی اور طلحہؓ پیش پیش تھے اور وہ محترمہ بی بی اُنھیں "نعثل" نامی یہودی سے تشبیہ دیتی تھیں اور کہا کرتی تھیں: "خدا اسے مارے، اس نعثل کو قتل کر دو"۔

حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا۔ اُنھوں نے بارہ سال اور چند ماہ حکومت کی۔

ان تینوں خلیفوں کے ۲۵ سالہ دورِ حکومت میں رسولِ خدا ﷺ کے شرعی خلیفہ حضرت امیر المومنین علی ابنِ ابی طالبؑ کو مسلمانوں کے تمام معاملات میں ایک طرف رکھا گیا اور اُنھیں مسلمانوں کے اُمور میں تصرف نہ کرنے دیا گیا۔

خلافتِ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام

حضرت عثمانؓ کے قتل ہوجانے کے بعد مسلمانوں نے اس اَمر پر ایکا کرلیا اور وہ مصر تھے کہ حضرت علی بن ابی طالب علیہما السلام خلافت کی باگ ڈور سنبھالیں، لیکن امام علیہ السلام جانتے تھے کہ سابقہ حکمرانوں کے تصرفات کی وجہ سے اُنھیں اس سلسلے میں بہت سی مشکلات اور کٹھن مراحل کا سامنا کرنا پڑے گا، اس لیے آپؑ نے اُن کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور فرمایا:

"(اب) مجھے چھوڑ دو اور (اس کام کے لیے) کسی اور کو تلاش کرو"۔

لیکن مسلمانوں نے بہت ہی اصرار کیا۔ آخرکار آپؑ نے یہ ذمہ داری اپنے کاندھوں پر لے لی۔

نہج البلاغہ میں "خطبہ شقشقیہ" میں امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اُس ذات کی قسم کہ جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور ذی روح چیزیں پیدا کیں، اگر بیعت کرنے والوں کی موجودگی اور مدد کرنے والوں کے موجود ہونے سے مجھ پر حجت تمام نہ ہوئی ہوتی اور خدا کا وہ عہد نہ ہوتا کہ جو اس نے علماء سے لیا ہے کہ (وہ ظالم کی شکم پُری اور مظلوم کی گرسنگی پر خاموش نہ رہیں) تو میں خلافت کی باگ ڈور اسی کے کاندھے پہ ڈال دیتا، اُسے اسی پیالے سے سیراب کرتا کہ جس سے اوّل کو سیراب کیا تھا اور تم اپنی دنیا کو میری نظر میں بکری کی چھینک سے بھی زیادہ ناقابلِ اعتنا پاتے"۔

آخرکار لوگوں نے مکمل آزادی و اختیار سے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کی، اس بارے میں کسی کو تنگ کیا گیا نہ کسی کو مجبور کیا گیا اور نہ ہی کسی کو آگ میں جلانے کی دھمکی دی گئی......!!

ناکثین، قاسطین اور مارقین

کچھ عرصہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کی بیعت پر قائم رہے، پھر حضرت عائشہؓ، طلحہؓ و زبیرؓ اور چند دیگر لوگوں کے ہمراہ حضرت امیر المومنینؑ کے سامنے آگئے اور حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص لینے کے لیے بصرہ کا رُخ کیا، حالانکہ وہ مدینہ میں قتل ہوئے تھے نہ کہ بصرہ میں۔ ان دونوں جگہوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔

ان لوگوں نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی بیعت توڑ ڈالی اور اُن کی اطاعت سے نکل گئے۔ امام علیہ السلام نے اُنھیں فساد سے روکنے کے لیے مدینہ سے بصرہ کی جانب سفر کیا اور جنگ سے بچاؤ کی ہر ممکن تدبیر کی، مگر وہ لوگ قتل و قتال پر مصر رہے۔ اوّلِ ظہر سے جنگ شروع ہوئی اور مغرب سے پہلے ختم ہوگئی۔ اس جنگ میں دونوں فوجوں کے پچیس ہزار افراد مارے گئے۔

کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ایک باغی ٹولا سامنے آیا، جس کا کرتا دھرتا فرزندِ جگر خوار معاویہ بن ابی سفیان تھا۔ "صفین" کے مقام پر دونوں لشکروں کے مابین مڈبھیڑ میں ۹۰ ہزار یا اس سے زائد افراد مارے گئے۔ اس کے بعد جنگِ نہروان وقوع پذیر ہوئی اور اس میں چار ہزار افراد قتل ہوئے۔

بالآخر ان خارجیوں نے مسجدِ کوفہ کے محراب میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے ضرب لگائی اور آپؑ شہید ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔

ائمہ طاہرین علیہم السلام کے مقابل ظالم حکومتیں

جیسا کہ بیان ہوچکا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کی امامت پر بھی نص فرمائی تھی، لیکن وہ معاویہ کہ جو حضرت علی علیہ السلام سے جنگ کرچکا تھا اُس نے امام حسن علیہ السلام سے بھی جنگ کی اور امام علیہ السلام کے بعض ہمراہیوں نے امام علیہ السلام کا ساتھ چھوڑ دیا تو مجبوراً آپؑ کو جنگ روکنا پڑی اور امیرِ شام سے صلح کرنا پڑی۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے بڑی مظلومیت کی زندگی گزاری حتیٰ کہ امیرِ شام نے زہر دلوا کر آپؑ کو شہید کردیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ!

حضرت امام حسن علیہ السلام کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے دس سال گزارے اور یہ معاویہ کی حکومت کا آخری عرصہ تھا۔ پھر وہ چل بسا اور اُس کا بیٹا یزید ملعون کرسیٔ خلافت پر متمکن ہوگیا، لیکن مسلمان ایسے شخص کو خلیفہ ماننے پہ آمادہ نہ تھے کہ "جو شراب پیتا ہو، جوئے کا عادی ہو، کتوں اور بندروں سے کھیلتا ہو اور ملحدوں و زندیقوں کا سا عقیدہ رکھتا ہو"۔

اس بنا پر اہلِ کوفہ نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپؑ عراق آئیں اور اُنھیں اس فاسد نظام سے نجات دلائیں۔ اہلِ کوفہ نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے نصرت کا وعدہ بھی کیا تھا، لیکن جب امام عالی مقام علیہ السلام نے اُن کی دعوت قبول فرمائی اور اُن کے شہروں کا رُخ کیا تو وہ اپنے وعدوں سے پھر گئے اور امام علیہ السلام کے مخالفوں کے ساتھ ہوگئے۔ پھر سانحۂ کربلا رُونما ہوا۔ اس واقعہ کی دلوں میں ایسی حرارت پیدا ہوگئی ہے کہ جو قیامت تک ٹھنڈی نہیں ہوگی۔

اس زمانے میں اُموی حکومت عروج پر تھی اور اس بُرے زمانے میں ائمہ اہلِ بیتؑ کے لیے اُمت کی قیادت کے فرائض انجام دینا ممکن نہ تھا۔ حضرت امام علی بن الحسین زین العابدین علیہ السلام کہ جو نصِ رسولؐ کے مطابق چوتھے امامِ برحق ہیں۔ آپؑ ظاہر بہ ظاہر اپنی امامت و خلافت کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے اور آپؑ کے ماننے والے تعداد میں بہت ہی کم تھے۔ آپؑ کی شہادت کے بعد آپؑ کے بیٹے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے منصبِ امامت کو زینت بخشی۔ آپؑ کے زمانے میں حالات یکسر تبدیل ہو چکے تھے اور آپؑ کو احکامِ شریعت اور ترویج و اشاعت کا بہترین موقع ملا۔ آپؑ کے بعد آپؑ کے فرزند حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس عہدے پر فائز ہوئے اور زیرِ نظر کتاب بھی اسی عظیم ہستی کے بارے میں ہے۔

مَیں خداوند ذوالجلال سے دعا گو ہوں کہ وہ اس بارے میں میری مدد فرمائے اور میری توفیق میں اضافہ کرے۔ آمین! کیونکہ اس کی توفیق کے بغیر کوئی بھی کام نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

مقصدِ تالیف

اس کتاب کی تالیف کے بہت سے اسباب اور بہت سے اہداف ہیں کہ جن کے حصول

کی خاطر یہ کوشش کی گئی ہے۔ ان میں سے چند مقاصد کو ہم ذیل میں بیان کر رہے ہیں:

① شریعتِ اسلامیہ کی اشاعت، خدمتِ دین اور تقربِ خداوندی۔

② امام جعفر صادق علیہ السلام کے حالاتِ زندگی کے اہم پہلوؤں کو بیان کرنا اور اسلامی معاشرے کے لیے اُن کی خدمات کا ذکر کرنا۔

③ مذہبِ شیعہ کے ماننے والوں کو ان ائمہ علیہم السلام کی عظمت بتانا کہ جنھیں تبلیغ و اشاعت کا اس قدر موقع نہ ملا کہ جتنا امامین صادقین علیہما السلام کو ملا۔

اس کتاب میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی عظیم شخصیت کے بارے میں وہ باتیں بیان کی جائیں گی کہ جو لوگوں کے دلوں میں سمائیں، جو اہلِ زبان اور اہلِ قلم نے اُن سے نقل کیا، جو ان سے محدثین نے نقل کر کے بیان کیا اور جو کچھ بہت سی تصنیفات و تالیفات میں اُن کے بارے میں ملتا ہے۔

لیکن یہ بات میں یقینِ کامل کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ جو آثار آج ہمیں اُن کے بارے میں ملتے ہیں ان سے کئی گنا زیادہ آثار حوادثِ زمانہ کی نذر ہو چکے ہیں۔ بے شک اَصحابِ ائمہؑ نے اپنے وقت کے ائمہ علیہم السلام کی خدمت میں رہ کر ہزاروں کتابیں تالیف کیں تھیں، لیکن اُن میں سے اِکا دُکا ابھی تک موجود ہیں اور باقی حوادثِ زمانہ کا شکار ہو گئی ہیں۔ اگر تمام امکانات حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زیرِ تصرف ہوتے، حالات سازگار ہوتے، رکاوٹیں حائل نہ ہوتیں اور وہ بلند پایہ کتابیں اب موجود ہوتیں تو عالمِ اسلام حقائق، علومِ دینیہ، معارفِ اسلامیہ اور اَخلاقی اَقدار سے مالا مال ہوتا اور وہ کتابیں ایسا فکری سرمایہ اور علمی و ثقافتی خزانہ ہوتیں کہ جن کی قیمت لگانا محال ہوتی۔

آج کا معاشرہ اس معاشرہ سے یکسر تبدیل شدہ ہے اور آج کی زندگی ہر لحاظ سے اُس زمانے کی زندگی سے علیحدہ ہے۔ میں یہاں صرف شیعوں کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں کیونکہ دوسرے مسالک کے پیروکار بعض اعتقادات میں ہمارے ساتھ متفق نہیں ہیں، بلکہ بعض کو تو اس کائنات میں ہمارا وجود ہی پسند نہیں۔

چودہ سو سال سے شیعہ و تشیع حکومتوں کے مظالم کی زد پر ہیں اور چودہ سو سال سے ہی

شیعہ اپنے جان و مال کی قربانی دیتے چلے آ رہے ہیں۔ اس عرصے میں کئی لوگوں کے خون بہائے گئے، لاکھوں افراد کو موت کے گھاٹ اُتارا گیا، ہزاروں عزتیں لوٹی گئیں، کئی کئی ہزار خاندانوں کو گھروں سے بے گھر کر دیا گیا۔ ہر طرف فضا رنج و الم سے بھری ہوئی تھی۔ بہت سی عورتیں بیوہ ہو گئیں اور بہت سے بچے یتیم ہو گئے۔ ان کے مال و اسباب لوٹ لیے گئے اور اُن کے گھروں کو گرا دیا گیا۔ ان مظالم کو شمار کرنا بہت محال ہے، کیونکہ ان کی تاریخ بہت پرانی ہے اور یہ ہر زمانے میں ہوتے چلے آ رہے ہیں۔

چودہ سو سال سے شیعہ حضرات اپنے موقف و اعتقاد کا دفاع عقلِ سلیم، حجتِ واضحہ اور بُرہانِ قاطع سے کرتے چلے آ رہے ہیں، لیکن مقابل گوشِ شنوا اور آزاد ضمیر نہیں رکھتے کہ وہ کسی بات کو صحیح سمجھ کر اس کی تصدیق کریں؟!!

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ان برسوں میں شیعوں اور مذہبِ شیعہ کے خلاف کتنی کتابیں لکھی گئیں؟ وہ ساری کتابیں جھوٹ کا پلندہ تھیں اور بے بنیاد الزامات و تہمتوں پر مبنی تھیں۔ ان میں سے بعض کتابیں صرف اس مظلوم مذہب کے خلاف نہ تھیں، بلکہ ان میں ائمہ اہلِ بیت رسولؐ کو بُرا بھلا کہا گیا۔ رسولِ خدا کے یومِ وفات پر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت تک کے اڑھائی سو سال کے عرصے میں اُموی و عباسی حکمرانوں نے ائمہ اہلِ بیتؑ کے خلاف اپنا سارا زور صرف کیا اور اُن کے خاندان والوں اور شیعوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ کسی بھی امامؑ کی طبعی موت واقع نہیں ہوئی بلکہ ہر امامؑ کو تلوار سے یا زہر دے کر شہید کیا گیا۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کی توہین و تحقیر کی گئی، اُنھیں سب و شتم کیا گیا، اُنھیں بدنام کرنے کی حد درجہ کوشش کی گئی، اُن کے فضائل کو مسخ کیا گیا، اُن کی شان میں گستاخیاں کی گئیں اور ہر ممکنہ ظلم و زیادتی اُن کے ساتھ روا رکھی گئی۔

اس صدی میں بھی مذہبِ اہلِ بیتؑ کے خلاف کچھ ایسی گندی و غلیظ کتابیں پھیل چکی ہیں کہ جو اگلی کتابوں کا چربہ و سرقہ معلوم ہوتی ہیں۔ ان کے اِستدلالات و احتجاجات غلط ہیں اور دعوے باطل ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کتابوں کے مؤلفین حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنا چاہتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ان شبہات کے جوابات کئی صدیوں سے

ہمارے علماء دیتے چلے آرہے ہیں، لیکن ان کے کان تو ہیں مگر یہ سنتے نہیں، آنکھیں تو ہیں مگر دیکھتے نہیں اور دل تو ہیں مگر سمجھتے نہیں۔

اور جب ہم ان کے شبہات کا جواب دینے لگتے ہیں تو وہ وحدت واتحاد کا واویلا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ اس وحدت کا چکر چلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ جو چودہ سو سال سے متحقق نہیں ہو سکی۔ اب کیسے ہو سکتی ہے؟!

مضحکہ خیز امر یہ ہے کہ وہ صرف شیعوں سے چاہتے ہیں کہ وہ وحدت کے پابند رہیں جبکہ غیر شیعہ تمام فرقِ اسلامیہ کو قلم اور زبان چلانے کی مکمل آزادی ہے اور وہ وحدتِ اُمت کی پرواہ کیے بغیر ہر کام کر سکتے ہیں۔

وقتاً فوقتاً حکومتیں ایسی سم پاش کتابیں چھاپتی رہتی ہیں اور دوسری زبانوں میں اُن کے ترجمے کروا کر اُنھیں بلاقیمت فروخت کرتی رہتی ہیں۔ جبکہ شیعہ مذہب کی کتابوں پر سخت پابندیاں عائد کی جاتی ہیں، حالانکہ اُنھی اسلامی ممالک میں خلافِ اسلام تعلیمات پر مبنی لٹریچر پر کوئی پابندی نہیں لگائی جاتی اور شیوعیہ، وجودیہ اور مسیحیوں کی کتابیں آزادانہ طور پر پھیلائی جاتی ہیں۔

بعض اسلامی ممالک میں گرجا گھروں کی تعمیر کی اجازت تو دی جاتی ہے، مگر شیعوں کی مساجد بنانے پر پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔ مقامِ افسوس ہے کہ بعض شیعوں میں بھی دینی غیرت وحمیت اور اپنے مذہب کی قدر موجود نہیں ہے۔ وہ سیاسی چکروں میں پڑے رہتے ہیں اور اُن کا عمل وکردار تعلیماتِ مذہب سے لاپرواہی کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ باخدا! مذہب شیعہ کو سب سے زیادہ ایسے لوگوں سے خطرہ ہے۔

بعض شیعہ تو سرے سے ہی مذہب کی تعلیمات سے ہی بے خبر ہیں اور اُن کا کوئی واضح تشخص نہیں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ کوئی ایسی قوم ہیں کہ جس کا کوئی قائد وراہنما نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی دینی اساس وبنیاد ہے۔

ہم دسیوں برسوں سے ان لوگوں کے افکار، آرا اور روش وکردار کے زیرسایہ زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ لوگ دین کا نام لے کر دین کو ہی گزند پہنچاتے ہیں۔ وہ اپنی شیطانی

بدعات سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور اُنھیں چاہِ ضلالت میں گراتے ہیں۔ لیکن عنقریب ہی اِن جہلاء کی حقیقت طشت اَز بام ہوجائے گی اور ان کی اصلیت لوگوں کے سامنے آجائے گی۔ پھر کوئی جائے پناہ نہیں ملے گی اور عوام پر واضح ہوجائے گا کہ اُن کے اِن کاموں کے "پسِ پردہ" ذاتی مفاد تھے۔ ان کا ظاہر ان کے باطن کے ۱۰۰ فی صد برعکس تھا۔ ان کی راہیں مشکوک تھیں اور ان میں تقویٰ وخوفِ خدا نام کی کوئی چیز نہ تھی۔

آج کل کے دور میں بہت سے اسلامی ممالک میں شراب، جوا، سود اور فحاشی و بدکاری جیسی برائیاں عام ہیں۔ اُنھیں روکنے کے لیے کوئی بھی آگے نہیں بڑھتا مگر مجالس وجلوس عزا سیّدالشہداؑ اور دیگر شعائرِ حسینیہ کو ختم کرنے کے لیے ہر کوئی اپنے نجس ہاتھ بڑھا رہا ہے اور اپنے مکروہ عزائم کو حاصل کرنے میں سرگرمِ عمل ہے۔

اس کے نتیجے میں بعض کمزور عقیدے والے ان کے اَباطیل کے آگے ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور اُن کی گمراہ کن سازشوں سے دھوکا کھا جاتے ہیں اور خود کو ذبیحہ کی طرح اُن کے سامنے پیش کردیتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر سوائے کفِ افسوس ملنے کے اور کیا کیا جاسکتا ہے؟

اس انسان کی حماقت کا کیا کہنا کہ جو خود کو دوسروں کے حوالے کردے اور وہ جو چاہیں اس کے ساتھ کریں اور اُس کی حیثیت ایک ایسے ناتواں جانور کی سی ہے کہ جس کا بس نہ چلتا ہو، جس کی کوئی وقعت نہ ہو اور وہ اپنے نفع ونقصان کا مالک نہ ہو۔ وہ موجود تو ہوتا ہے مگر اُسے اِظہارِ رائے اور اپنی عقل کے مطابق فیصلہ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہوتا، گویا کہ وہ ایک غلام کی مانند ہے اور اُس کے پاس کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں۔ یہ ان لوگوں کی منطق ہے کہ جن کے ساتھ دسیوں سالوں سے ہمارا پالا پڑا ہوا ہے۔

آج سے کوئی چالیس سال پہلے کی بات ہے کہ میں نے عراق میں "صوت الشیعہ" نامی ایک رسالہ جاری کیا اور اس میں شیعوں کی طرف سے مقابلین دیئے جانے والے جوابات میں بعض کو ذکر کیا تو مجھ سے مطالبہ کیا گیا کہ میں اپنے اس جریدے کا نام "صوت الشیعہ" کی بجائے "صوت الاسلام" رکھوں۔ اور یوں جب اس رسالے کا نام بدل جائے گا تو اس میں مذہبِ شیعہ کے موقف کو واضح کرنے والا مواد بھی لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہے گا۔

بالفاظِ دیگر یوں لگتا ہے کہ ان لوگوں کی نظر میں اسلام کی صدا اور ہے اور مذہبِ شیعہ کی آواز اور ہے اور مذہب کے بنیادی عقائد، اسلام کے بنیادی عقائد کے برعکس ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ حساس نام ہے اور اس سے حساسیت جنم لیتی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ میں اپنے شیعہ دوستوں سے سوال کرتا ہوں کہ کیا مذہبِ شیعہ، اسلام کی اساس نہیں؟ کیا اس کا بیج رسولِ خدا نے نہیں بویا تھا اور کیا رسولِ خدا نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اے علیؑ! آپؑ اور آپؑ کے شیعہ فوز وفلاح پانے والے ہیں؟

رسولِ خدا نے اس حساسیت کا لحاظ کیوں نہیں رکھا؟ آپؐ نے کیوں گروہی نعرے بلند فرمائے اور فرمایا:

> ''جس جس کا میں مولا ہوں اُس اُس کے علیؑ مولا ہیں۔ خدایا! تو اُسے دوست رکھ جو اِسے دوست رکھے، اُسے دشمن رکھ جو اِس کے ساتھ دشمنی رکھے، تو اُس کی مدد کر جو اِس کی مدد کرے اور اُسے رُسوا کر جو اِس کا ساتھ چھوڑ دے''۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام اور اُن کی اولاد میں سے ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے سینکڑوں فضائل کیوں بیان فرمائے؟ رسولِ خدا نے اس وحدت کا خیال کیوں نہ رکھا کہ صبح و شام جس کا رونا رویا جاتا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ائمہ اہلِ بیتؑ کے فضائل و مواقف کو بیان کرنا سنتِ رسولؐ ہے اور رسولِ خدا کی زندگی بالنص القرآن ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے ـــ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

ہم اپنے قارئین سے پوچھتے ہیں کہ جب مذہبِ شیعہ ایسے داخلی و خارجی دشمنوں کے ظلم و زیادتی کے نشانے پر ہے تو کس طرح اُمید کی جاسکتی ہے کہ مذہبِ شیعہ اپنا بلند مقام حاصل کرلے، حالانکہ اُس کے ساتھ دشمنی کا مظاہر کرنے والے افراد بعض نادان اَبنائے مسلک بھی شامل ہیں، جیسا کہ ایک شاعر نے کہا: ؎

قَوْمِي هُمْ قَتَلُوا أُمَيْمَ أَخِي
فَإِذَا رَمَيْتُ يُصِيبُنِي سَهْمِي

"میری قوم نے میرا بھائی اُمیم قتل کر دیا ہے تو جب میں اس کا بدلہ لینے کے لیے تیر چلاؤں گا تو وہ تیر مجھے ہی لگے گا (کیونکہ جس کو تیر لگے گا وہ میری ہی قوم کا ایک فرد ہوگا۔ اس بنا پر بھائی کے قتل کا بدلہ لینا یا خاموش بیٹھنا دونوں باتیں میرے لیے گراں ہیں"۔

منہجِ تالیفِ کتابِ ہٰذا

کتاب کے شروع میں ہم ایک مقدمہ ذکر کریں گے، اُس کے بعد حدیثِ ثقلین کی طرف رُخ بیان موڑیں گے، پھر ہم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی امامت ثابت کرنے کے لیے ائمہ اطہار علیہم السلام کی امامت کے بارے میں عمومی و خصوصی روایات درج کریں گے اور امام علیہ السلام کی ولادت، آبائے کرام اور اُن کی اَزواج و اَولاد کا بیان کریں گے۔

اس کے بعد امام علیہ السلام کی تعلیمی و تربیتی حوالے سے خدمات اور زندگی کی اقتصادی، علمی، اجتماعی اور دیگر پہلوؤں پر روشنی ڈالیں گے۔ پھر امام علیہ السلام کے عہد، روشِ تبلیغ، مکتب اور معجزات کے بارے میں بیان کریں گے۔

پھر امام علیہ السلام کا زمانۂ امامت، آپؑ کی سیاسی زندگی اور اُموی و عباسی حکومتوں کے بارے میں ان کا موقف بیان کریں گے۔ اور اسی طرح آپؑ کے معاصرین مذاہب، غالیوں اور زنادقہ کے بارے میں آپؑ کا موقف ذکر کریں گے۔ ہم کتاب کے اختتام پر امام علیہ السلام کی شہادت، آپؑ کا مدفن اور آپؑ کی قبر مبارک کو گرانے میں نواصب کی کارروائیوں کا بیان کریں گے۔

اَلَا لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

ابتدائیہ

ہم اپنے معزز اور آزاد فکر قارئین کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ ہم نے ایک طویل دینی، عقیدتی، روحانی، علمی، ثقافتی اور فقہی سفر کرنا ہے اور ہم یہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمارا یہ سفر ادراک کی صعوبتوں اور فکری تنگی سے خالی نہیں ہوگا۔

سب سے پہلے یہ واضح ہونا چاہیے کہ میں کوئی خرافات لکھنے والا اور عقل وفہم سے عاری انسان نہیں ہوں کہ عقلِ سلیم کے برعکس فیصلہ کروں۔

اس بنا پر میرا کلام غلو ومبالغہ پر حمل نہ کیا جائے اور نہ ہی مجھے کمزور عقیدے والا سمجھا جائے۔ ہم یہاں پر اس ذاتِ عالی صفات علیہ التحیہ والصلوات کے بارے میں بیان کرنے لگے ہیں کہ جن کی شخصیت مظلوم ہے۔ اُن کی قدر لوگوں کو معلوم نہیں۔ وہ عزت وعظمت کے بلندترین مقامات پر فائز ہیں، لیکن آپؑ کے شرف کو گھٹانے کے لیے ہر حیلہ آزمایا گیا۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ اس سفر میں ہمارے قارئین ہمارا ساتھ نہیں چھوڑیں گے اور اس سفر کے مکمل ہونے سے پہلے ہمارے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کریں گے۔

اگر آپ کو کسی سمندر کے ساحل پر کھڑے ہونے کا اتفاق ہوا ہو تو آپ کو سمندر تو نظر آیا ہوگا، مگر اس کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی، اُس کے متعلقات، اُس کی تہوں میں موجود کائنات اور اُس کے پانی میں موجود خدا کی خلق کردہ عجیب وغریب مخلوقات یقیناً آپ کی نظروں سے اوجھل رہی ہوں گی۔

آپ نے سمندر کو تو دیکھا، مگر اُس کے بواطن و اُعماق آپ کے اِدراک سے ماورا رہے......؟!

ایک اور مثال کے ذریعے ہم آپ کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اگر ایک بلند وبالا پہاڑ

دیکھیں تو کیا آپ اس میں موجود معادن و مواد کے بارے میں کچھ کہہ سکتے ہیں؟ مثلاً اگر آپ سے کہا جائے کہ اس پہاڑ میں دسیوں طرح کی معادن موجود ہیں تو کیا آپ اس بیان کی تصدیق کریں گے؟ یا اُسے جھٹلا دیں گے؟ آپ کس طرح اس بیان کی تصدیق یا تکذیب کر سکتے ہیں؟

ممکن ہے کہ آپ اس قول کی تصدیق کر دیں، کیونکہ یہ ممکن ہے محال نہیں ہے اور آپ اس چیز کو کیسے جھٹلا سکتے ہیں جسے آپ نہیں جانتے؟ کیا جس چیز کا علم نہ ہو اُس کا اِنکار کر دیا جاتا ہے؟

جس بلند پایہ شخصیت کے حالات و واقعات پر یہ کتاب لکھی جا رہی ہے وہ نوادرِ دہر اور اَعاجیب کائنات میں سے ہے۔ اگر ہم یہ کہیں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ تاریخ کی عظیم شخصیات میں جتنے فضائل و محامد اہلِ بیت نبوی علیہم السلام کی بزرگ شخصیات کے ہیں اتنے فضائل کسی کے نہیں۔

اور ہمارا یہ کہنا بلا سوچ و سمجھ اور عجلت پہ مبنی نہیں ہوگا کہ یہ شخصیت اس قدرتِ الٰہیہ کے عجیب ترین مظاہر میں سے ہے کہ جو اولیاء اللہ کے نفوس و اَرواح کو تزکیہ وجلا بخشتی ہیں۔ آیا یہ ممکن ہے کہ ایک انسان ایسے فضائل و مراتب کے درجاتِ عالیہ کو پا سکے؟!!

آیا ممکن ہے کہ انسان کی روح آسمان کے پانی سے بھی زیادہ پاک و شفاف اور آئینے سے بھی زیادہ اُجلی اور صاف ہو اور کیا یہ ممکن ہے کہ انسان کا دل اس قدر وسیع ہو کہ اس میں صبر و ایمان، نصیحت و خیر خواہی اور علم و حکمت کے دریا موجزن ہوں اور مصائب و شدائد کے مقابلے میں اُس میں تنگی پیدا نہ ہو؟

ایسے قلب و روح کے مالک وہ انسان حضرت امام جعفر الصادق بن امام محمد الباقر بن امام زین العابدین بن امام حسینؑ السبط بن امام علیؑ ابنِ ابی طالبؑ و سیّدۃ فاطمۃ الزہراء سیّدۃ نساء العالمین بنتِ سیّدالانبیاءؐ والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلوات اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ یہ اُن کا پاک و پاکیزہ، اعلیٰ و اَرفع اور مقدس ترین نسب ہے۔

ہم اور حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام

حضرت امام جعفر الصادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالاتِ زندگی بیان کرنے سے پہلے ہم کہتے ہیں کہ امام عالی مقام علیہ السلام اس اُمت کے علماء اور تاریخی عظیم شخصیات میں ایک عظیم اور

باکمال شخصیت اور آسمانِ معرفت میں روشن ترین نام اور مقام رکھتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا ہماری دینی زندگی کو اس ہستی کے ساتھ کوئی ربط ہے؟ آیا ہم پر اس شخصیت کی معرفت واجب ہے؟ آیا کوئی ایسا حکم موجود ہے کہ جس کی بنا پر شرعاً ہم اُن کی تاسّی و پیروی کے پابند ہیں؟ اور کیا ہمارے لیے مناسب و جائز ہے کہ ہم ان سے صرفِ نظر کریں اور اُن کے اقوال و اَحکام کو قبول نہ کریں؟

کیونکہ دنیا میں بہت سے علماء ہیں اور بڑی بڑی تاریخی شخصیات ہیں لیکن اُن کے اور ہمارے درمیان کوئی ربط و تعلق نہیں، اُن کے حالاتِ زندگی کے مطالعہ سے صرف ہماری معلوماتِ تاریخیہ میں اضافہ ہوتا ہے۔ اُن کے اقوال ہم پر حجت نہیں اور نہ ہی اُن کے اقوال کو قبول کرنا ہم پر واجب ہے۔

امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی طرح کی ایک شخصیت ہیں؟ ان سوالات کے حوالہ سے ہم عرض کرتے ہیں:

ہم مسلمان ہیں اور اُمتِ محمدیہ میں سے ہیں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ قرآنِ مجید ایک آسمانی کتاب ہے۔ اسے خداوند متعال نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا۔ ہم پر اُس کے اَحکام کی اطاعت کرنا فرض ہے، خواہ اُس کے اَحکام واَوامر ہماری خواہشات، رجحانات، آرا اور میلانات کے برعکس ہی کیوں نہ ہوں۔ وگرنہ ہم مومن و مسلمان نہیں ہو سکتے؟! جیسا کہ سورۂ نساء کی ۶۵ ویں آیتِ کریمہ میں خداوند کریم نے ارشاد فرمایا:

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

"آپؐ کے رب کی قسم، وہ لوگ اس وقت تک (صحیح) مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے اختلافات میں آپؐ کو حَکَم (فیصلہ کرنے والا) نہ بنالیں، پھر وہ آپؐ کے فیصلے پر دل تنگ نہ کریں اور اُسے بخوشی قبول کرلیں"۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ خداوند متعال نے اپنی ذاتِ مقدس کی قسم کھا کر فرمایا کہ لوگ اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے کہ جب تک اپنے جھگڑوں اور اختلافات میں آپؐ کو حَکَم

نہ بنالیں۔ پھر آپؐ کے کیے ہوئے فیصلے پر شک یا دلوں کو تنگ نہ کریں اور آپؐ کے فیصلے پر سرِ تسلیم خم کرلیں۔

یہاں اور بھی بہت سی آیات ہیں کہ جو اس حقیقت یعنی خدا کے ساتھ ساتھ رسولؐ خدا کی اطاعت کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں، جیسے:

مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ (سورۂ نساء: آیت ۸۰)

"جس نے رسولؐ اللہ کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی"۔

اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوۡلَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۳۲)

"اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔

وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوۡا فَتَفۡشَلُوۡا

"اور اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تم پھسل جاؤ گے"۔ (سورۂ انفال: آیت ۴۶)

• درج بالا آیات اور ان کے علاوہ اطاعتِ رسولؐ کو واجب بتاتی ہیں اور یہ بھی بتاتی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت عینِ خدا کی اطاعت ہے۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ کیا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد اپنی اُمت کو کسی سے معالمِ دینی اُخذ کرنے کا حکم دیا ہے، یا نہیں؟ یعنی مستقلاً مسلمانوں کا کوئی دینی راہنما مقرر کیا ہے یا نہیں؟ جواب یہ کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکیم مطلق خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ آپؐ اپنی اُمت کو ہر قسم کے انحراف سے بچانے کے لیے ہر طرح حکمت کو بروئے کار لاتے اور ہر حوالے سے حجت تمام فرماتے۔

اس موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر آپؐ نے بعثت کے آغاز سے اپنی حیاتِ مبارکہ آخری لمحات تک اس موضوع کو مناسب مقام پر بیان فرمایا اور آپؐ ایسا کیوں نہ کرتے، کیونکہ آپؐ اس امر یعنی بقائے دینِ اسلام کو سب لوگوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اس کی خاطر آپؐ نے بہت بڑی بڑی قربانیاں دی تھیں اور اس کے نام پر ہر طرح کے مصائب و آلام کو برداشت کیا تھا۔

اس باب میں رسولِ خدا ﷺ سے مروی احادیث حدِ تواتر سے متجاوز ہیں۔ ہم ان میں سے صرف ایک حدیثِ مبارکہ کو لیتے ہیں اور تھوڑی شرح و تفصیل خدمتِ قارئین میں پیش کرتے ہیں۔

حدیثِ ثقلین

رسولِ خدا ﷺ سے مروی سب سے زیادہ صحیح اور اکثر التواتر حدیث "حدیثِ ثقلین" ہے۔ یہ حدیث شیعہ اور سُنّی دونوں کے مصادرِ حدیث میں موجود ہے۔ یہ حدیثِ مبارکہ مختلف کلمات کے ساتھ مروی ہے۔ بعض میں اِنِّی تَارِکٌ کا لفظ آیا ہے۔ بعض میں تَرَکْتُ، بعض میں اِنِّی مُخَلِّفٌ اور بعض میں اِنِّی خَلَّفْتُ آیا ہے۔

یہ حدیث بعض مقامات پر مجمل طور پر بیان ہوئی ہے اور بعض مقامات پر تفصیل کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔ انھی نصوص میں سے ایک نص یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> اِنِّی تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ، کِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِی اَهْلَ بَیْتِی مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِی اَبَدًا. اَلَا وَ اِنَّهُمَا لَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ
>
> "میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں: (اُن میں سے ایک) خدا کی کتاب اور (دوسری) میری عترتِ اہلِ بیتؑ ہیں۔ تم جب تک ان کے ساتھ تمسک رکھو گے میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے (اور) آگاہ رہو کہ یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں گے"۔

حدیثِ ثقلین کے راویوں کی قلت

یہ بالکل یقینی اور حتمی بات ہے کہ رسولِ خدا ﷺ کا یہ کلام سننے والے دسیوں ہزار صحابۂ کرام علیہم الرضوان تھے، کیونکہ رسولِ خدا ﷺ نے یہ کلام اپنی زندگی میں کئی مرتبہ اور کئی مناسبتوں سے صادر فرمایا تھا۔ جب بھی حکمتِ نبویہ کا تقاضا ہوتا آپؐ اس موضوع

کو بیان فرماتے، کیونکہ یہ موضوع بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ اسلام کے لیے آبِ حیات اور شریعتِ مقدسہ کے لیے قلب و نابض کی مثل ہے، کیونکہ یہ تشریع اسلامی کا مصدر، اُحکامِ خدا کا منبع اور قیامت تک اُمت اسلامیہ کی ہر گمراہی سے نجات کا ضامن ہے۔

اس مختصر سے مقدمے کے بعد ہم پوچھتے ہیں کہ اس حدیث کو صرف تیس سے کچھ اُوپر صحابہ نے کیوں روایت کیا؟ حالانکہ ہزاروں صحابہ علیہم الرضوان کو کرنا چاہیے تھا۔

اس کے راوی اتنے کم کیوں ہو گئے جبکہ اس وقت تو ہزاروں کی تعداد صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اس حدیث کو رسولؐ خدا سے سنا تھا؟!

اس سوال کا جواب اتنا پریشان کن ہے کہ اُسے بیان کرتے وقت لہجے میں تلخی آجاتی ہے۔ افسوس چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے، دل غیظ و غضب سے اور سینہ پیپ سے بھر جاتا ہے۔ حق تو یہ بنتا ہے کہ اس حدیث اور اس کے علاوہ دوسری اَحادیث نبویہ کو بہت سے صحابہ کرام علیہم الرضوان روایت کرتے، لیکن کیا کہا جائے ان بری حکمتوں کے بارے میں کہ جنھوں نے ان احادیثِ شریفہ کے راویوں کو قید و بند اور طرح طرح کے مصائب و نوائب کی صعوبتوں میں مبتلا کر رکھا تھا، کیونکہ رسولِ خدا کی اَحادیث، اُن کی ظالمانہ حکومت کے بالکل خلاف تھیں اور اُنھیں عام کرنے کا اس وقت موقع دیا گیا کہ جب بہت سے بزرگ صحابہ کرام و حاملینِ احادیث رسولؐ اس دارِفانی سے کوچ کر چکے تھے اور احادیث کے بہت سے مصادر فاقد ہو چکے تھے۔ ذیل میں اس کی تفصیل پیش کی جارہی ہے:

اس امر میں ذرا برابر بھی شک کی گنجائش نہیں کہ صادق و مصدق رسولؐ نے اپنی کم و بیش ۲۳ سالہ نبوت کے عرصے میں اپنے اہلِ بیت عصمت و طہارتؑ کے وہ فضائل و مناقب بیان فرمائے کہ جن میں کوئی دوسرا اُن کا ثانی نہ تھا۔ ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس امر کا آغاز دعوتِ ذی العشیرہ سے ہوا تھا، جیسا کہ یہ واقعہ اسی کتاب میں سابقاً بیان ہو چکا ہے۔ اس دن سے اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری دن تک آپؐ نے ہر مناسب موقع پر اپنے اہلِ بیت علیہم السلام کے فضائل و محامد بیان فرمائے، ان کی امامت، ولایت، اور خلافت پر نصوص بیان کیں اور آخرت میں خدا کے نزدیک ان کے قرب و منازل کو ذکر کیا۔ مسلمانوں کے پاس ان احادیث

کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہوگیا کہ جو اُنھوں نے رسالت مآبؐ سے سنیں تھیں۔

ان احادیثِ شریفہ کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم میں وہ احادیث آتی ہیں کہ جو اہلِ بیت علیہم السلام کے عمومی فضائل بیان کرتی ہیں، جیسا کہ آپؐ نے فرمایا: اَھْلُ بَیْتِی (میرے اہلِ بیتؑ) عِتْرَتِی (میری عترت)، ذُرِّیَّتِی (میری ذُریت) اور اَلْاَئِمَّةُ مِنْ بَعْدِی (میرے بعد ہونے والے ائمہ علیہم الصلوٰۃ والسلام)۔

جبکہ دوسری قسم میں وہ احادیث شامل ہیں کہ جو اہلِ بیت علیہم السلام میں سے ہر فرد کے علیحدہ علیحدہ فضائل بیان کرتی ہیں جیسا کہ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے فضائل میں مروی احادیث یا امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی شان میں واردہ احادیث یا حسنین کریمین علیہما السلام کی شان میں احادیث یا صُلبِ امام حسینؑ میں سے ہونے والے ائمہ علیہم السلام خصوصاً امام مہدی عجّل اللہ فرجہُ الشریف کی عظمت شان وجلالتِ مقام کے بارے میں صادر شدہ احادیث۔

ان احادیث کی بنا پر لوگوں کے دلوں میں محبتِ اہلِ بیت علیہم السلام کا جاگزیں ہونا ایک واضح اَمر تھا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انتقال کے بعد تمام معاملات اہلِ بیت علیہم السلام کے خلاف ہوگئے اور یہ سلسلہ سقیفہ سے شروع ہوا اور آج تک جاری ہے اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ سلسلہ کب تک رہے؟ شاید یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے؟

اس میں شک نہیں کہ یہ احادیث مسلمانوں کے پاس حق و باطل کو پرکھنے کا معیار اور کسوٹی تھیں، مگر ہر عہد کی حکومتوں نے لوگوں کو تذبذب وتشویش اور شک وتردید میں ڈال دیا تھا اور لوگوں کی توجہ اہلِ بیت علیہم السلام سے ہٹانے کے لیے اُنھوں نے مختلف طرح کے حربے استعمال کیے، جن میں سے ایک حربہ روایتِ حدیث سے منع کرنا تھا۔

احادیثِ نبویہ کی روایت کی ممانعت

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی احادیث بیان کرنے سے منع کیا گیا، جیسا کہ شمس الدین الذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں لکھا ہے کہ رسولِؐ خدا کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور اُنھیں کہا: تم رسولِؐ خدا سے احادیث بیان کرتے ہو اور ان احادیث میں

اختلاف کرتے ہو، یوں تو تمھارے بعد آنے والے لوگ اس سے زیادہ اختلاف و پراگندگی کا شکار ہو جائیں گے۔ تم رسولِ خدا کی احادیث بیان نہ کرو اور جو تم سے اس کے بارے میں پوچھے تو کہو: ہمارے اور تمھارے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب موجود ہے۔ اس کے حلال کو حلال جانو اور حرام کو حرام سمجھو۔ (تذکرۃ الحفاظ، جلد اوّل، ص ۳)

اب اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ اپنے اس فرمان میں تمام احادیثِ رسولؐ سے منع فرما رہے ہیں۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتی ہیں: میرے والد نے احادیث جمع کیں اور اُن کی تعداد پانچ صد تھی ہے۔ وہ رات کے وقت اُن کو اُلٹ پلٹ کر رہے تھے تو میں نے سمجھا کہ شاید وہ بیماری کی وجہ سے یوں کر رہے ہیں یا اُنھیں کوئی مسئلہ درپیش ہے۔ جب صبح ہوئی تو مجھ سے کہنے لگے: بیٹی! وہ احادیث لاؤ جو تمھارے پاس ہیں، جب میں نے اُنھیں وہ احادیث پیش کیں تو اُنھوں نے اُنھیں جلا ڈالا۔ (کنز العمال: جلد ۵، ص ۲۳۷، تذکرۃ الحفاظ: جلد اوّل: ص ۵)

حالانکہ یہ رسولِ خدا کی احادیث تھیں کہ جن کے بارے میں روایت کرنے اور دوسروں سے بیان کرنے کا حکم ہے، مثلاً رسولِ خدا نے فرمایا: ''خدا اُس شخص کو سرسبز رکھے کہ جس نے میرا قول سنا، اُسے سینے میں محفوظ کیا اور اُس کا حق ادا کیا''۔

ایک مقام پر فرمایا: ''جو شخص علم سیکھے اور اُسے آگے بیان نہ کرے تو اُس کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جسے خدا مال عطا کرے تو وہ اُسے ذخیرہ کر کے رکھے اور خرچ نہ کرے''۔

ایک اور مقام پر فرمایا: ''جو میری سنت سے منہ موڑ لے وہ مجھ سے نہیں''۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ بھی پہلے خلیفہ کے نقش قدم پر چلے اور ابوہریرہؓ، ابومسعودؓ، ابنِ مسعودؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ کو حدیث کی تدوین سے روکا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک جماعت (کہ جن میں حضرت ابودرداءؓ، حضرت ابوذرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ شامل تھے) کو قید کر دیا اور اُن سے کہا: تم بہت زیادہ رسولِ خدا کی احادیث بیان کرنے لگے ہو، یا یہ کہا: یہ رسول اللہ کی حدیث نہیں ہے (الالماع لقاضی عیاض: ص ۲۱۷، تذکرۃ الحفاظ، جلد اوّل: ص ۷)

ایک دن حضرت عمرؓ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''خبردار! تم میں سے ہر ایک اپنی لکھی ہوئی احادیث میرے پاس لائے، پھر میں اُس کے متعلق اپنی رائے پیش کروں گا۔ تو لوگوں نے سمجھا کہ شاید وہ لوگوں کو اختلاف سے بچانے کے لیے اس بابت ہماری رہنمائی کرے گا۔ جب وہ لوگ اپنی تحریریں اُن کے پاس لائے تو اُنھوں نے ان تحریروں کو آگ میں جلا دیا۔ (طبقاتِ ابنِ سعد، جلد ۵، ص ۱۸۸، تقیید العلم الخطیب بغدادی)

پھر اُنھوں نے تمام شہروں میں پیغام بھیجا کہ جس کے پاس بھی کچھ لکھا ہوا موجود ہے وہ اُسے مٹا دے۔ (جامع بیان العلم لابن عبدالبر الاندلسی)

اس کے بعد حضرت عثمان بن عفانؓ نے بھی انھی دونوں کے طریقے کو اپنایا۔ محمود بن لبید نے کہا: میں عثمان کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا، وہ کہہ رہا تھا: ''کسی بھی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ رسولِ خدا کی وہ حدیث بیان کرے، جو میں نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانے میں نہیں سنی''۔ (طبقاتِ ابنِ سعد: جلد ۲، ص ۲، مسند احمد: جلد ۱، ص ۲)

اس کے بعد معاویہ نے بھی اُنھی کے طریقے کو اختیار کیا اور معاویہ کے بعد حجاج بن یوسف الثقفی بھی اُنھی حضرات کے نقشِ قدم پر چلا۔

اب ہم اس طویل بحث میں نہیں پڑتے، مگر اپنے قارئین سے ایک سوال ضرور کرتے ہیں کہ خدا کی قسم! کیا اس میں تعجب کی بات نہیں کہ خلافت کے دعویدار لوگوں کو احادیثِ رسولؐ بیان کرنے سے منع کرتے تھے؟! کیا اس کے بعد بھی ایسی حکومتوں میں رسولِ خدا کے فرامین، اَوامر و نواہی اور اَحکام و ارشادات کی کوئی قدر و منزلت باقی رہ جاتی ہے؟ جب رسولِ خدا کی احادیث کو نہیں مانا جاتا تو ان لوگوں کے نزدیک بعثتِ رسولؐ کا کیا فائدہ باقی رہ جاتا ہے؟ مسلمانوں کو رسولِ خدا کی تعلیمات کی برکتوں سے کیوں محروم رکھا جاتا ہے؟

ان لوگوں کا خیال تھا کہ احادیثِ نبویہ، قرآن کریم سے مشابہ ہیں اور یوں مسلمان قرآن و حدیث میں فرق نہیں کر سکیں گے۔ سبحان اللہ! یہ عجیب منطق ہے۔ کیا رسولِ خدا کو اس خطرے کا لحاظ نہ تھا؟ تو آپؐ نے اپنی اُمت کو ان احادیث پر کیوں اُبھارا؟ اور اپنی حیاتِ مبارکہ میں اس خطرے اور شبے کے بارے میں کیوں نہ بتایا؟

کیا مسلمان رسولِ خدا ﷺ کے زمانے میں صرف قرآنِ مجید پڑھتے تھے اور آپؐ کی احادیث نہیں سنتے تھے؟ اگر یہ دونوں کام کرتے تھے تو کیا اس وقت بھی قرآنِ مجید، احادیث کے ساتھ ملتبس ہوا تھا؟ اگر یہ بھی نہیں ہوا تھا تو آپ کے اطاعتِ رسولؐ کا کیا مطلب؟ اس کے علاوہ یہ بھی کہ کیا قرآن و حدیث کا اُسلوب، بلاغت اور طرزِ بیان ایک جیسا ہے؟ اور کیا خالق و مخلوق کے کلام میں کوئی فرق نہیں کہ لوگ شبہے میں پڑ جائیں گے؟ پھر تو کفار و مشرکین کو اسلامی تعلیمات کی اس پابندی پر خوش ہونا چاہیے اور یہود و نصاریٰ کو مسلمانوں کے اس علمی خسارے اور دینی، علمی اور فکری میراث سے محرومیت کے موقع پر جشن منانا چاہیے۔

حدیثِ ثقلین کی بحث کا خلاصہ

معزز قارئین! حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام عترتِ نبویہ علیہم السلام کے ایک فرد ہیں کہ جنھیں رسول اللہ ﷺ نے ثقلین میں سے ایک اور قرآنِ مجید کا ہم پلہ وعدل قرار دیا ہے، اس لیے آپؑ کا فرمان رسولِ خدا کا فرمان ہے: آپؑ کی اطاعت، رسولؐ اللہ کی اطاعت ہے، آپؑ کی مخالفت رسولؐ اللہ کی مخالفت ہے اور آپؑ کی ولایت رسولِؐ خدا کی ولایت ہے۔ مسلمان اور صاحبِ ایمان ہونے کے ناطے ہم سب پر واجب ہے کہ ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کی امامت پر ایمان رکھیں اور آپؑ کی ولایت کو خدا اور رسولِؐ خدا کی جانب سے فرض و لازم جانیں۔

جس طرح خداوند متعال نے روزِ آخرت کے اُمیدوار کے لیے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اُسوۂ حسنہ قرار دیا ہے، اسی طرح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو ہر مومن و مومنہ کے لیے قدوہ اور نمونہ کامل قرار دیا ہے۔

اس بنا پر ہم پر واجب ہے کہ ہم اس امام عالی مقام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حیاتِ مبارکہ سے درس لیں اور آپؑ کی سیرت و کردار کو اپنا کر دنیا و آخرت کی کامیابی کے حق دار بنیں۔

اس طرح ہمارے قارئین کو اس ربط و تعلق کا علم ہو جائے گا کہ جو ہمیں امام عالی مقام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مربوط کرتا ہے۔

حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام
کی شخصیت کے بارے میں
چند کلمات

① کلام شیخ محمد بن نعمان المعروف شیخ مفیدؒ

حضرت امام الصادق، جعفر بن محمد بن علی بن الحسین علیہم السلام اپنے بھائیوں میں سے اپنے پدرِ بزرگوار حضرت محمد بن علی علیہما السلام کے خلیفہ و جانشین، اُن کے وصی اور اُن کے بعد امامت میں اُن کے قائم مقام، اپنے تمام بھائیوں سے افضل، نامور، عظیم القدر اور سُنّی و شیعہ دونوں کے ہاں بلند مقام رکھتے تھے۔

لوگوں نے آپؑ سے اتنے علوم نقل کیے کہ جن کو لے کر قافلے چلے اور شہر بہ شہر آپؑ کا ذکر پھیلا۔ علماء نے آپؑ کے خاندان سے کسی سے اتنے علوم نقل نہیں کیے جتنے آپؑ سے نقل کیے۔ اہلِ آثار و ناقلین اخبار میں سے ایسا کوئی بھی دوسرے ائمہ علیہم السلام کو نہیں ملا اور نہ اس طرح کسی نے ان سے نقل کیا کہ جس طرح امام ابوعبداللہ حضرت جعفر الصادق علیہ السلام کو ملے اور نقل کیا۔ محدثین نے آپؑ سے روایت کرنے والے راویوں کے نام (کہ جو باوجود اختلافِ آراء و اعتقادات معتبر ہیں) چار ہزار شمار کیے ہیں۔

آپؑ کی امامت کی اتنی واضح دلیلیں ہیں کہ جو دلوں کو اپنی طرف جھکا لیتی ہیں اور مخالفین کو زبانِ طعن دراز کرنے اور شبہات کا اِظہار کرنے سے روکتی ہیں۔ (الارشاد: ص ۴۱۵)

② کلامِ شیخ طبرسی (طاب ثراہ)

آپ علیہ الصلوٰۃ اپنے زمانے میں بالاتفاق تمام اولادِ رسولؐ میں سے سب سے زیادہ علم و شہرت کے مالک تھے اور شیعہ و سُنّی دونوں مسالک میں آپؑ کو بلند مرتبہ و مقام حاصل تھا۔ تمام علوم میں جتنا زیادہ آپؑ سے نقل کیا گیا اتنا کسی سے بھی نہیں نقل کیا گیا۔ آپؑ سے روایات لینے والے مختلف اَدیان و مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں اور محدثین کے اعداد و شمار کے مطابق ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ (اعلام الورٰی)

③ الشیخ الاربلی کا کلام

کمال الدین محمد بن طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ (حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام) اہل بیت وسادات میں سے ایک ہستی ہیں۔ آپؑ بہت سے علوم وفنون جانتے تھے۔ عبادت واذکارِ الٰہی کرنے والوں میں آپؑ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ آپؑ بہت بڑے زاہد تھے اور اکثر طور پر تلاوتِ قرآنِ مجید میں مصروف رہتے۔ لوگوں نے اس کی تفسیر ومعانی بیان کرتے، اس کے بحر سے موتی نکال کر پیش کرتے اور اس کے عجائبات ورُموز سے پردہ اُٹھاتے۔ آپؑ اپنے اوقات کو مختلف طرح کے اچھے کاموں میں تقسیم کرتے تھے اور اس پر کاربند رہتے تھے جو آپؑ کو دیکھتا تھا اُسے آخرت یاد آجاتی تھی۔ جو ان کا کلام سنتا تھا وہ دنیا سے بے رغبتی کرنے لگتا تھا اور جو آپؑ کی پیروی وتاسی کرتا تھا وہ یقیناً جنّت کا حق دار بنتا تھا۔

آپؑ کے چہرۂ انور کے نُور سے پتا چلتا تھا کہ آپؑ ذرّیتِ انبیاءؑ میں سے ہیں۔ بہت سے مذاہب کے ائمہ واَعلام نے آپؑ کے علم سے فیض حاصل کیا۔ یحییٰ بن سعید انصاری، ابنِ جریج، مالک بن انس، سفیان ثوری اور ابنِ عیینہ وغیرہ ان میں پیش پیش تھے۔ (مطالب السئول: ص ۸۱)

④ الشیخ مصطفےٰ رُشدی کا کلام

حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام میدانِ علوم کے شاہسوار اور مفہوم ومنطوق بحروں کے غواص تھے۔ بہت سے لوگوں نے باوجود اختلافِ مذاہب آپؑ سے اتنے علوم نقل کیے گویا علم کے کاروان بن گئے۔ ہر گوش وکنار میں آپؑ کا ذکر پھیل گیا اور آپؑ کی شہرت عام ہوگئی اور جب آپؑ سے روایت کرنے والوں کے نام جمع کیے گئے تو وہ چار ہزار افراد بنے۔ (الروضۃ الندیہ: ص ۱۲)

کتاب ''الموسوعۃ العربیہ المیسرۃ'' سے اقتباس

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام شیعہ امامیہ کے چھٹے امام ہیں۔ آپؑ مدینہ میں پیدا ہوئے اور آپؑ نے ایک طویل عرصہ عراق میں گزارا۔ آپؑ اُموی وعباسی حکومتوں کے معاصر تھے، مگر

ان کے مظالم سے بچے رہے۔ اسماعیلی ان کے بعد ان کے بیٹے اسماعیل کو امام مانتے ہیں کہ جو ان کی زندگی میں ہی وفات پا گئے تھے جبکہ شیعہ اثنا عشریہ ان کے بعد ان کے فرزند حضرت امام موسیٰ الکاظمؑ کو امام مانتے ہیں۔

آپؑ بہت بڑے عالم، زاہد، دانا اور علومِ دین کا بے کراں سمندر تھے۔ آپؑ کا یہ نظریہ بہت مشہور تھا کہ تمام چیزوں کی اصل اباحت ہے جب تک کہ اس کے بارے میں نہی وارد نہ ہو۔ آپؑ حدیث کے نقل بالمعنی کے قائل تھے۔ آپؑ حضرت جابر بن حیانؓ کے استاد تھے۔

کتاب مناقبِ آلِ ابی طالبؑ کی عبارت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے جتنے علوم نقل کیے گئے ہیں اتنے کسی اور سے نقل نہیں کیے گئے۔ آپؑ سے روایات لینے والے مختلف اُدیان و مذاہب سے تعلق رکھتے تھے اور اُن کی تعداد چار ہزار تھی۔ یہ تعداد امام جعفر صادق علیہ السلام کی کتاب الرجال کے مصنف ابنِ عقدہ نے اسی کتاب میں لکھی ہے۔ حفص بن غیاث جب ان سے روایت کرتے تو کہتے:

حَدَّثَنِي خَيْرُ الْجَعَافِرِ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ

"یعنی مجھ سے خیر الجعافر جعفر بن محمد علیہما السلام نے بیان کیا"۔

اور علی بن غراب جب امام علیہ السلام سے روایت کرتے تو کہتے:

حَدَّثَنِي الصَّادِقُ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ

"یعنی مجھ سے صادق (سچ کہنے والے) جعفر بن محمد علیہما السلام نے بیان کیا"۔

اسی کتاب میں ابو نعیم الاصفہانی کی کتاب "حلیۃ الاولیاء" سے نقل کیا ہے:

حضرت امام جعفر بن محمد علیہما السلام سے بہت ائمہ مسالک و علماء و مذاہب نے کسبِ فیض کیا جیسے امام بن انس، شعبہ ابنِ الحجاج، سفیان الثوری، ابنِ جریج، عبداللہ بن عمرو، روح بن القاسم، سفیان بن عیینہ، سلیمان بن ہلال، اسماعیل بن جعفر، حاتم بن اسماعیل، عبدالعزیز بن المختار، وہب بن خالد اور ابراہیم بن طہمان وغیرہ۔

ابو نعیم کہتے ہیں: امام مسلم بن الحجاج نیشاپوری نے اپنی صحیح میں ان کی بتائی ہوئی حدیث

سے استدلال کیا ہے۔ اسی کتاب میں ایک اور جگہ آپؑ سے روایت لینے والوں کے یہ نام تحریر ہیں: مالک بن انس، الشافعی، حسن بن صالح، ابوایوب السجستانی، عمرو بن دینار اور احمد بن حنبل۔

امام مالک بن انس کہتے ہیں: علم و فضل اور عبادت و ورع میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے بڑھ کر نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی کے دل و دماغ میں آیا۔

آپؑ کی امامت پر عمومی نصوص

لفظ ''نصوص'' نص کی جمع ہے اور نص اس کلام کو کہا جاتا ہے کہ جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، اور اہلِ علم کی اصطلاح میں ''نص'' وہ لفظ ہوتا ہے کہ جو ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جس کے مخالف معنی پر اس کی دلالت کا شائبہ تک نہیں ہوتا، بالفاظ دیگر نص، اُسے کہتے ہیں کہ جو مرادِ متکلم کو زیادہ واضح کرے یعنی متکلم اپنے معنی کو ثابت کرنے کے لیے جو کلام لاتا ہے اُسے ''نص'' کہتے ہیں۔

قرآن و سنت کی ''نص'' سے مراد وہ اَحکام ہیں کہ جن پر اُن کے ظاہری الفاظ دلالت کرتے ہیں۔ یہاں کلمہ ''نص'' کی کچھ اور بھی تعریفات ہیں، جو درج بالا تعریفات سے ملتی جلتی ہیں۔

اس کے بعد ہم کہتے ہیں: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد ائمہ علیہم السلام کی امامت پر عمومی و خصوصی ہر دو صورتوں میں نصوص صادر فرمائیں۔ اور ہم نے اپنے موسوعۃ الامام الصادق علیہ السلام کی ساتویں اور آٹھویں جلد میں امامت کے بارے میں بحث کی ہے اور اس ضمن میں احادیث بھی ذکر کی ہیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ غیر شیعہ پر یہ امر واضح ہو جائے کہ صرف شیعہ امامیہ بارہ ائمہؑ کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ اس لیے ہم یہاں درج ذیل حدیث کو اہلِ سنت کے مصادر سے پیش کر رہے ہیں۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْاَئِمَّةُ بَعْدِیْ اِثْنَا عَشَرَ، کُلُّهُمْ مِنْ قُرَیْشٍ، اَوْمِنْ بَنِیْ هَاشِمٍ

''میرے بعد بارہ امام علیہم السلام ہوں گے اور وہ سب قریش سے ہوں گے، یا یہ فرمایا: وہ سب بنی ہاشم سے ہوں گے''۔

یہ حدیث مبارکہ صحاح و مسانید میں مختلف الفاظ کے ساتھ ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث متعدد ازمان میں مختلف الفاظ کے ساتھ نقل ہوئی ہوں یا کچھ خائنوں نے اپنے ذاتی مقاصد کے ان میں تصرف کر دیا ہو۔ بہرحال یہ حدیث درج ذیل مصادر میں اجمالاً یا تفصیلاً ذکر ہے۔

١. صحیح المسلم، کتاب الامارت
٢. المعجم الکبیر للطبرانی: ص ٥٦
٣. البدایہ والنہایہ، لابن کثیر الدمشقی: ج ٦ ص ٢٣٨
٤. تفسیر القرآن لابن کثیر الدمشقی: ج ٧، ص ١١٠
٥. قصص الانبیاء علیہم السلام لابن کثیر الدمشقی، ج ١، ص ٣٠١
٦. مسند احمد بن حنبل: ج ٥، ص ٩٧
٧. شرح البخاری لبدر الدین ابو محمود بن احمد العینی: ج ٢٤، ص ٢٨١
٨. فرائد السمطین للشیخ ابراہیم الجوینی: ج ٢ ص ١٤٨
٩. مسند ابی عوانہ، ج ٤، ص ٣٩٥
١٠. فتح الباری بشرح البخاری: ج ١٣، ص ١٧٩
١١. اضواء علی السنۃ المحمدیہ، للشیخ محمود ابوریہ المصری، ص ٢١٠
١٢. جامع الترمذی للحافظ محمد بن عیسٰی الترمذی: ج ٩، ص ٦٦
١٣. صحیح البخاری
١٤. تاریخ الکبیر لامام البخاری: ج ١، ص ٤٤٦
١٥. جامع الاصول للحافظ ابن الاثیر الجزری: ج ٤، ص ٤٤٠
١٦. تحفۃ الاشراف لمعرفۃ الاطراف، یوسف بن الزکی، ج ٢، ص ١٤٨
١٧. تاریخ بغداد لابی بکر البغدادی: ج ١٤، ص ٣٥٣
١٨. الکفایہ فی علم الدرایۃ لابی بکر البغدادی: ص ٧٣
١٩. الصواعق المحرقۃ لابن حجر مکی: ص ١٨٦
٢٠. کنوز الحقائق للمناوی حرف الیاء

۲۱) ینابیع المودة لسلیمان بن اشعث القندوزی: ص ۴۴۴

۲۲) سنن ابوداؤد السجستانی: ج ۴، ص ۱۵۰

۲۳) الحاوی للفتاوی، لجلال الدین السیوطی: ص ۸۵

۲۴) تاریخ الخلفاء، لجلال الدین السیوطی: ص ۸

۲۵) ذیل اللئالی لجلال الدین السیوطی: ص ۶۰

۲۶) مسند ابوداؤد الطیالسی: ص ۱۰۵

۲۷) ارشاد الساری فی شرح البخاری: ج ۱۰، ص ۳۲۸

۲۸) مجمع الزوائد للحافظ نور الدین بن ابی بکر الہیثمی: ج ۹، ص ۱۹۰

۲۹) الفصول المہمہ لابن الصباغ المالکی: ص ۲۳۲

۳۰) مقتل الحسین للخطیب الخوارزمی: ص ۹۴

۳۱) شرف النبی لابی سعید الخرکوشی: ص ۲۸۷

۳۲) رشفة الصادی لابی بکر الحضرمی: ص ۱۷

۳۳) مسند ابی داؤد الطیالسی: ص ۲۵۹

۳۴) ذخائر العقبیٰ لمحب الدین الطبری: ص ۱۷

معزز قارئین! ہم یہاں صرف انہی مصادر کو ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، درحال آنکہ کتاب "احقاق الحق" میں قاضی نور اللہ الشوستریؒ نے ان مصادر کی تعداد یکصد بتائی ہے۔

اس بنا پر واضح ہے کہ حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام اس حدیث پاک کے مصادیق میں سے مصداق ہیں، کیونکہ وہ ائمہ اہل بیتؑ میں سے چھٹے امام ہیں۔

اہمیت منصب امامت

ہوسکتا ہے کہ کوئی کہے: اس بحث کو اتنا لمبا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا کوئی فائدہ بھی ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں ہم عرض کرتے ہیں: اہمیت کے لحاظ سے منصب امامت، منصب نبوت کے بعد سب سے بڑا منصب ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ فصل میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

کی نصوصِ خاصہ کے بیان ہم منصب امامت کے بارے میں تفصیلی بحث کریں گے۔

علمائے اہلِ سنت بارہ اماموںؑ کو کیوں نہیں مانتے؟

بعض اوقات سوال کرنے والے پوچھتے ہیں کہ جب علمائے اہلِ سنت کے بزرگان نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے تو وہ ان لوگوں کی امامت کے قائل کیوں نہیں ہوتے اور انھیں اپنا امام و پیشوا تسلیم کیوں نہیں کرتے؟

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں: اس کا جواب تو خود اُنھی سے ہی لینا چاہیے اور واضح ہے کہ اس کا جواب اُن کے پاس نہیں ہے۔ اس سے بڑھ کر مصیبت یہ ہے کہ ان کے بعض علما نے جب دیکھا کہ اس حدیث پر عمل کر کے تو انھیں مذہب اہلِ بیتؑ قبول کرنا پڑ جائے گا اور یہ اُنھیں پسند نہیں تو اُنھوں نے اس حدیث کے غلط توجیہات و باطل تاویلات کرنا شروع کر دیں اور اسے بنی اُمیہ اور بنی عباسیہ کے حکمرانوں پر منطبق کرنا شروع کر دیا۔ جب اُنھوں نے دیکھا کہ یہ حدیث بنی اُمیہ کے حکمرانوں پر صادق نہیں آتی، کیونکہ اُن کی تعداد بارہ سے کم ہے اور بنی عباس کے حکمرانوں پر بھی صادق نہیں آتی، کیونکہ اُن کے حکمرانوں کی تعداد بارہ سے زیادہ ہے، تو اس حدیث کے ساتھ شیطنت کا کھیل کھیلنا شروع کر دیا اور ابوالائمہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام اور حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے اسمائے مبارکہ، ائمہ کی فہرست سے نکال دیے اور اُن کی جگہ معاویہ، یزید اور آلِ مروان کو لے آئے، لیکن اس سب کارروائی کے باوجود بھی بارہ کا عدد پورا نہ ہوا۔

اسی معنی کی طرف اہلِ سنت کے جلیل القدر عالم سلیمان بن اشعث القندوزی الحنفی نے اپنی کتاب ''ینابیع المودۃ'' میں اشارہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ بعض محققین کا کہنا ہے: جو حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بارہ خلفا ہوں گے، بہت سے طرق کے ساتھ مشہور ہے کہ ظروف مکانیہ و زمانیہ یہ بتاتے ہیں کہ اس حدیث سے مراد رسولؐ، اہلِ بیتؑ میں سے بارہ امام مراد ہیں۔ اس کو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہونے والے خلفا پر منطبق نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اُن کی تعداد کم ہے اور اس حدیث کو بنی اُمیہ کے بادشاہوں پر بھی حمل

نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ایک تو اُن کی تعداد بارہ سے اُوپر ہے اور دوسرا یہ کہ وہ بنی ہاشم سے نہ تھے اور عمر بن عبدالعزیز کے علاوہ سب کے سب ظالم تھے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ سب بنی ہاشم سے ہوں گے''۔ یہ بیان اس روایت میں موجود ہے کہ جو عبدالملک نے حضرت جابرؓ سے کی ہے اور آپؐ کا اس قول میں اپنی آواز کو آہستہ کرلینا، اس روایت کے لیے ایک مرجع کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ وہ لوگ بنی ہاشم کی خلافت کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور اس حدیث کو بنوعباس کے حکمرانوں پر بھی منطبق نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اُن کی تعداد بھی بارہ سے اُوپر تھی اور اہلِ بیت علیہم السلام کے بارے میں آیتِ مودت اور حدیثِ کساء کا لحاظ نہیں رکھا۔

پس ضروری ہے کہ اس حدیث کو عترت و اہلِ بیتِ رسولؐ میں سے بارہ ائمہؑ پر منطبق کیا جائے، کیونکہ وہ اپنے زمانے کے سب سے بزرگ عالم، جلیل القدر، باتقویٰ، اعلیٰ حسب و نسب کے مالک اور خدا کے نزدیک سب سے زیادہ معزز و مکرم تھے اور وراثتِ لدنیہ کے ذریعے اُن کے علوم اُن کے جدِّ امجد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ متصل تھے۔ اسی طرح اہلِ علم و تحقیق اور اہلِ کشف و تدقیق کے نزدیک اُن کے اسمائے گرامی بہت مشہور تھے۔

مزید یہ کہ حدیثِ ثقلین بھی اسی معنی کی طرف شاہد و مؤید ہے۔

احادیثِ رسولؐ میں بارہ ائمہؑ کے اسما کی صراحت

ہم اپنے معزز قارئین کو بتاتے ہیں کہ دفاترِ احادیث میں کچھ ایسی بھی احادیث موجود ہیں کہ جن میں بارہ اماموںؑ کے اسما بالصراحت بتائے گئے ہیں اور ایسی احادیث اہلِ سنت کے مصادرِ علمی میں بھی موجود ہیں۔ ہم ان میں سے صرف دو کو اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

کتاب ینابیع المودۃ میں آیا ہے کہ کتاب مناقب میں واثلہ بن الاسقع بن قرحاب سے روایت ہے، اس نے حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

''جندل بن جنادہ بن جبیر یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے محمدؐ! مجھے اس چیز کے بارے میں بتائیں کہ جو خدا کے لیے نہیں، خدا کے پاس نہیں اور جسے خدا

نہیں جانتا"۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو چیز خدا کے لیے نہیں تو وہ "شریک" ہے کہ جو خدا کے لیے کوئی بھی نہیں۔ جو چیز خدا کے پاس نہیں وہ اُس کا اپنے بندوں پر ظلم کرنا ہے اور جو چیز خدا نہیں جانتا اور مانتا وہ اے یہودیو! تمھارا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عزیرؑ خدا کے بیٹے ہیں۔ خداوند متعال اُنھیں اپنا بیٹا نہیں جانتا بلکہ اُنھیں اپنی مخلوق اور بندہ سمجھتا ہے"۔

اس پر وہ یہودی پکار اُٹھا:

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ حَقًّا وَصِدْقًا

"یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی بھی لائق عبادت نہیں اور آپؐ خداوند بزرگ و برتر کے سچے اور برحق رسولؐ ہیں"۔

پھر کہنے لگا: کل رات میں نے خواب میں حضرت موسیٰ بن عمرانؑ کو دیکھا، وہ مجھ سے فرما رہے تھے: اے جندل! حضرت محمد خاتم الانبیا علیہم السلام کے ہاتھ پر اسلام لے آ اور اُن کے بعد اُن کے اوصیاء علیہم السلام سے تمسک رکھ۔

اس کے بعد جندل نے کہا: الحمدللہ! اب میں اسلام لے آیا ہوں اور خدا نے مجھے آپؐ کے ذریعے ہدایت دی ہے۔ پھر کہنے لگا: اے رسولؐ خدا! آپؐ کے بعد آپؐ کے اوصیاء کون ہیں تاکہ میں اُن کے ساتھ تمسک کرسکوں؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے اوصیاء بارہ ہیں۔

جندل نے کہا: ہم نے تورات میں اسی طرح لکھا ہوا پایا (کہ آخری پیغمبرؐ کے اوصیاء کی تعداد بارہ ہوگی)۔ پھر کہا: اے رسولؐ خدا! مجھے ان کے اسمائے گرامی تو بتائیں؟

رسولؐ اللہ ﷺ نے فرمایا: ان میں سب سے پہلے اوصیاء کے سردار اور اماموں کے والدگرامی حضرت علی علیہ السلام ہیں، پھر اُن کے دو بیٹے حسنؑ اور حسینؑ ہیں۔ اُن کے ساتھ تمسک رکھو گے تو تمھیں جاہلوں کی جہالت دھوکے میں نہ ڈالے گی۔ حضرت علی بن الحسینؑ زین العابدینؑ کی ولادت ہوگی تو تمھاری زندگی ختم ہوجائے گی اور اس دنیا سے جاتے وقت تمھاری آخری خوراک دودھ ہوگی جسے تو پیئے گا۔

جندل نے عرض کیا: ہم نے تورات اور انبیاءؑ کی کتابوں میں، اُن کے اسمایوں لکھے پائے: ایلیا، شبر اُو شبیراً۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ حضرت علیؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کے اسمائے گرامی ہیں۔

جندل نے سوال کیا: امام حسین علیہ السلام کے بعد ہونے والے اماموں کے نام کیا ہیں؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب حضرت امام حسین علیہ السلام کا زمانۂ امامت مکمل ہو جائے گا تو اُن کے فرزند علی بن الحسینؑ امام ہوں گے اور اُن کا لقب "زین العابدین" ہوگا۔ اُن کے بعد اُن کے بیٹے حضرت محمدؑ امام ہوں گے اور اُن کا لقب "الباقر" ہوگا۔ اُن کے بعد اُن کے فرزند حضرت جعفرؑ امام ہوں گے اور ان کا لقب "الصادق" ہوگا۔ اُن کے بعد اُن کے نُورِ نظر حضرت موسیٰؑ امام ہوں گے اور اُن کا لقبِ مبارک "الکاظم" ہوگا۔ اُن کے بعد اُن کے صاحبزادے حضرت علیؑ امام ہوں گے اور ان کا لقب "الرضا" ہوگا۔ اُن کے بعد اُن کے بیٹے حضرت محمدؑ امام ہوں گے اور اُنھیں "التقی والزکی" کہا جائے گا۔ اُن کے بعد اُن کے نُورِ عین حضرت علیؑ ہوں گے اور اُن کا لقب "النقی والہادی" مشہور ہوگا۔ اُن کے بعد اُن کے بیٹے حضرت امام حسنؑ امام ہوں گے اور اُنھیں "العسکری" کہا جائے گا اور اُن کے بعد اُن کے فرزند ارجمند حضرت محمدؑ ہوں گے اور اُنھیں "المہدی"، "الحجہ" اور "القائم" کہا جائے گا۔ وہ کچھ عرصہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہوں گے، پھر ظاہر ہوں گے اور زمین کو اس طرح عدل وانصاف سے بھر دیں گے کہ جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ اُن کی غیبت کے زمانے میں صابرین کے لیے طوبیٰ ہے اور اُن کی محبت پر قائم رہنے والوں کے لیے خوش خبری ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے بارے میں خداوند متعال نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا:

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ

پھر سورۂ مجادلہ میں فرمایا:

أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

"یعنی یہ قرآن مجید ان لوگوں کے لیے ہدایت (نامہ) ہے کہ جو غیب پر

ایمان لاتے ہیں۔ یہی لوگ خدا کی جماعت ہیں (اور) آگاہ رہو کہ خدا کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہے"۔

اس پر جندل نے کہا: لائقِ تعریف ہے وہ خدا کہ جس نے مجھے ان ذواتِ مقدسہ کی معرفت عطا کی۔

اس کے بعد جب امام علی زین العابدین علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو وہ طائف گیا اور وہاں بیمار ہوگیا۔ اس نے دودھ پیا اور کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی تھی کہ دنیا میں میری آخری خوراک دودھ ہوگی۔ اس کے بعد وہ مرگیا اور اُسے طائف میں "الکوزارۃ" کے مقام پر سپردِ خاک کیا گیا۔

کتاب فرائد السمطین میں علامہ الجوینی الشافعی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابنِ عباسؓ سے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک یہودی آیا، اُسے "نعثل" کہا جاتا تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: اے محمدؐ! میں آپؐ سے کچھ چیزوں کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ جو کافی عرصہ سے میرے سینے میں کھٹک رہی ہیں اگر آپؐ نے مجھے ان کا (تسلی بخش) جواب دے دیا تو میں آپؐ کے دستِ مبارک پر اسلام لے آؤں گا۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پوچھو اے ابوعمارہ!

پھر سوالات و جوابات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگیا یہاں تک کہ اس نے پوچھا: ہمیں اپنے وصیؑ کے بارے میں بتائیں وہ کون ہیں؟ کیونکہ ہر نبیؑ کا وصی ہوتا ہے اور ہمارے نبی حضرت موسیٰؑ بن عمران کے وصی حضرت یوشع بن نونؑ تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ہاں، سنو، میرے وصی اور میرے بعد میرے خلیفہ حضرت علیؑ ابنِ ابی طالبؑ ہیں، اُن کے بعد میرے دو بیٹے حضرت امام حسن مجتبیٰؑ اور حضرت امام حسینؑ ہیں اور اُن کے بعد صلبِ حسینؑ میں نو متقی لوگوں کے امامؑ ہیں"۔

اُس نے کہا: اے محمدؐ! مجھے ان کے اسمائے مبارکہ بتائیں؟

رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا:

''سنو! جب حضرت امام حسین علیہ السلام کا زمانہ ختم ہوجائے گا تو اُن کے بیٹے حضرت علی زین العابدینؑ امام ہوں گے۔ جب حضرت علی زین العابدینؑ کی امامت کا زمانہ مکمل ہوجائے گا تو اُن کے فرزند حضرت محمدؑ امام ہوں گے۔ یہ جب اپنا عرصۂ امامت گزار لیں گے تو اُن کے صاحبزادے حضرت جعفرؑ امام ہوں گے، جب اُن کی مدتِ امامت پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گی تو اُن کے پسر حضرت موسیٰؑ امام ہوں گے، جب اُن کا دور ختم ہوجائے گا تو اُن کے نُورِ نظر حضرت علیؑ امام ہوں گے، جب حضرت علی الرضاؑ کی امامت کا دورانیہ ختم ہوجائے گا تو اُن کے بیٹے حضرت محمدؑ امام ہوں گے۔ پھر اُن کے بیٹے حضرت علیؑ ہوں گے، پھر اُن کے فرزند عالی قدر حضرت حسن عسکریؑ امام ہوں گے۔ پھر حضرت حجت ابنِ الحسنؑ امام ہوں گے۔ تو یہ ہیں بارہ امام کہ جن کی تعداد نقبائے بنی اسرائیل کی تعداد کے برابر ہے''۔

اس بحث کو ختم کرتے ہوئے ہم اپنے قارئین کو بتاتے ہیں جس طرح رسول اللہؐ ساری کائنات سے زیادہ باشرف، تمام مخلوقات میں سب سے افضل و اعلیٰ، تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے سید و سردار اور سب سے زیادہ خدا کے قریب تھے اُسی طرح اُن کے خلفاء و اوصیاء علیہم السلام کو عصمت و طہارت، علم و تقویٰ اور آداب و اَخلاق میں سب سے ممتاز ہونا چاہیے، کیونکہ وہ صاحبِ شریعت رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مثیل، نائب اور جانشین ہیں اور مَیں نہیں سمجھتا کہ کوئی عقل مند اس بات کو اچھا سمجھے کہ عام قسم کے لوگ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین ہوسکتے ہیں۔ کیا کوئی شخص اس بات کو صحیح سمجھے گا کہ شرابی، زناکار، سفاک، جابر، خیانت کار، جہلا، کم عقل اور ملحد قسم کے لوگ رسولِ خدا کی مسندِ خلافت پر بیٹھ جائیں اور اُمتِ اسلامیہ کے دینی و دنیاوی پیشوا بن جائیں؟!!

مَیں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تاریخ نے ان غاصبوں کی کوئی ایسی خاص خوبی نہیں لکھی کہ

جس کی بنا پر یہ امامت وخلافت کے مستحق ہوں۔ اگر قارئین کو میرے بیان میں شبہ نظر آئے تو وہ تاریخ اسلام کی کتابوں کا مطالعہ کر کے دیکھ لیں کہ جن سے مارکیٹیں اور لائبریریاں بھری پڑی ہیں۔

اُموی وعباسی حکمرانوں کی تاریخ میں شاید ہی کوئی ایسا ہو کہ جو شراب نہ پیتا ہو، بلکہ اُن میں سے تو بعض حکمران ہمیشہ نشے کی حالت میں رہتے تھے اور اُن کے محلات طرح طرح کی برائیوں سے بھرے ہوئے تھے، حالانکہ یہ خود کو رسولِؐ خدا کا خلیفہ کہلواتے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ اُن کے گھر، گھر نہیں بلکہ شراب خانے اور غنا وفحاشی کے اڈے ہیں۔ یہ عیوب، ناجائز خون بہانے، اموال لوٹنے اور غریبوں کا خون چوسنے کے علاوہ ہیں۔

ایک طرف تو یہ حال ہے اور اگر دوسری جانب نظر اُٹھا کر دیکھا جائے کہ شہادتِ رسولؐ سے لے کر شہادتِ امام حسن العسکریؑ تک اڑھائی صدیوں کے دورانیے کسی بھی امامؑ کی کوئی بھی چھوٹی سے چھوٹی غلطی یا لغزش سامنے نہیں آئی، نہ اُنھوں نے حکم میں جہالت کا مظاہرہ کیا، نہ اُن کے علم کی کمزوری کبھی سامنے آئی، نہ اُن کا اَخلاق بدلا، نہ وہ دین کے معاملے میں کمزور ہوئے۔ نہ بخل کیا، نہ بزدلی دکھائی اور نہ عبادت میں سُستی دکھائی۔ حالانکہ اُن کے مخالفین نے اُن کے عیوب تلاش کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

ہاں! تہمت وکذب بیانی تو جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی کی گئی تو ائمہ ہدیٰ علیہم السلام اس کے شر سے کیسے بچ سکتے تھے کیونکہ اُن سے حسد کرنے والے بہت تھے اور ان کے دل میں تقویٰ اور خوفِ خدا نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی۔ اُن کی اس تجارت میں اُن کے لیے کچھ فائدہ نہیں اور نہ ہی یہ لوگ ہدایت پانے کے اہل ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور متعصب محدثین

حدیثِ ثقلین اور حدیثِ ائمہ اثنا عشر کی بحث میں ہم مکمل وضاحت کے ساتھ بتا چکے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس عترتِ طاہرہ علیہم السلام کے ایک فرد ہیں کہ جسے رسولؐ خدا نے ثقلین میں سے ایک قرار دیا ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ان بارہ ائمہ علیہم السلام میں سے ہیں کہ جن کی امامت پر رسولؐ خدا نے نص فرمائی ہے۔ مزید برآں ہم نے اپنے موسوعہ "موسوعۃ الامام الصادق" میں "الامام الصادق فی کتب العامۃ" کے عنوان کے تحت بارہ سو برسوں کے اہلِ سنت محدثین وحفاظ کی اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں آرا اور ان سے لی ہوئی روایات درج کی ہیں۔

ان اقوال وروایات کو پیش کرنے کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کوئی مجہول وگمنام شخصیت نہیں ہیں۔ (عیاذاً باللہ) کہ لوگوں کو ان کا تعارف کرایا جائے، بلکہ وہ اوساط علمیہ ودینیہ کی مشہور ترین شخصیات میں سے ایک ہیں۔ اسی لیے بہت سے غیر شیعہ رواۃ نے اُن سے روایات لی ہیں اور اُن کی مدح کی ہے۔

اس سب کے باوجود ہم اپنے قارئین کی توجہ کا رُخ اس موقف کی طرف کرانا چاہتے ہیں، کہ جو بعض محدثین ومؤرخین نے اس عظیم ہستی کے بارے میں بلکہ تمام ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کے بارے میں اختیار کیا۔

ان میں ایک امام بخاری ہے کہ جس کی صحیح برادرانِ اسلام میں مشہور ومعروف ہے۔ انھوں نے سوائے امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کی چند احادیث کے، ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کی کوئی حدیث نہیں بیان کی۔

علامہ السید عبدالحسین شرف الدینؒ اپنی کتاب "المراجعات" میں تحریر کرتے ہیں:

ابان بن تغلب سے بخاری کا احتجاج نہ کرنا کوئی عجیب امر نہیں کیونکہ وہ ائمہ اہلِ بیتؑ کے ساتھ نیک سلوک کرتا تھا، تو جب بخاری ان ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کی روایات کو قابلِ احتجاج نہیں سمجھتا تھا، بلکہ رسولِ خدا کے سبطِ اکبر حضرت امام حسن المجتبیٰ علیہ السلام کی روایات کو بھی اُنھوں نے لائقِ اعتنا نہیں سمجھا۔ ہاں! اس نے مروان بن الحکم، عمران بن حطان اور عکرمہ البربری وغیرہ ایسے راویوں کو قابلِ احتجاج سمجھا اور اُنھیں اپنی صحیح میں جگہ دی۔

کتاب ''النصائح الکافیہ'' میں آیا ہے کہ اہلِ سنت نے سوائے بخاری کے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی روایات سے احتجاج کیا ہے، حالانکہ اُنھوں نے مروان بن الحکم، عمران بن حطان اور حریز بن عثمان الرحبی وغیرہ ایسے لوگوں سے روایات لی ہیں جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ صحاح کے راویوں میں وہ مروان بن الحکم بھی موجود ہے کہ جس نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے کہا تھا: تم اہلِ بیتؑ ملعون ہو (کہنے والے پر لعنت ہو)۔

عمران بن حطان خارجی بھی ہے کہ جس نے اپنے مشہور اَشعار میں ابنِ ملجم ملعون کی تعریف کی ہے اور امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام پر طعن و تشنیع کی ہے۔ اور صحاح کے راویوں میں حریز بن عثمان الرحبی بھی موجود ہے کہ جس کے بارے میں صاحبِ تہذیب نے نقل کیا ہے کہ یہ حضرت علی علیہ السلام کی شان میں گستاخیاں کیا کرتا تھا۔

اس طرح کے راوی تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور ان تینوں کا تذکرہ بطورِ مثال پیش کیا گیا ہے، کیونکہ اس صحیح البخاری کے راوی ہیں کہ جس کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ کتابِ خدا کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب ''صحیح البخاری'' ہے۔

مَیں نہیں جانتا کہ امام بخاری کے اس عمل کے پسِ پردہ کیا راز پوشیدہ ہے کہ اس نے مشہورِ زمانہ افترا پردازیوں مثلِ مغیرہ بن شعبہ اور ابوہریرہ سے تو روایات لے لیں اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی احادیث سے صرفِ نظر کیا؟ نہیں معلوم کہ یحییٰ بن سعید (جو خود کو ائمہ جرح و تعدیل میں شمار کرتا ہے) کے نزدیک جرح و تعدیل کے پیمانے کیوں بدل گئے کہ وہ کہنے لگا: میں حضرت امام جعفر صادق سے مجالد کو زیادہ پسند کرتا ہوں کیونکہ میرے دل میں اُن کے بارے میں کچھ کھٹک رہا ہے؟!

نہیں معلوم کہ اس کے دل میں امام عالی مقام علیہ السلام کے بارے میں کیا کھٹک رہا تھا کہ اُس نے مجالد کو امام جعفر صادق علیہ السلام سے بہتر قرار دیا؟ شاید اس کا جواب یہ ہو کہ اُن کے دلوں میں منافقت کی بیماری ہے اور خدا نے اُن کی بیماری کو بڑھا دیا ہے۔

کیا بخاری یحییٰ بن سعید کے تمام اقوال و آراء کا پابند تو نہیں؟ اور سوچنے کا مقام ہے کہ وہ مجالد کون ہے کہ جس کو یحییٰ بن سعید حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے افضل ٹھہرا رہا ہے؟ اس کے بارے میں علمائے رجال کی آرا درج ذیل ہیں:

ذہبی نے کہا: مجالد بن سعید بن عمیر الہمدانی مشہور راوی ہے، اُس نے ایک حدیث بیان کی ہے، مگر اُس میں نرم ہے۔ ابنِ معین نے کہا: اس کی مرویات حجت نہیں ہیں اور امام محمد نے کہا ہے: وہ ان لوگوں سے مرفوع روایات لیتا تھا کہ جن سے کوئی بھی نہیں لیتا تھا۔ اس کی کوئی حیثیت و وقعت نہیں۔

امام نسائی نے کہا: یہ ضعیف ہے۔

الدارالقطنی نے کہا: یہ قوی نہیں ہے۔

امام بخاری نے کہا: یحییٰ بن سعید ضعیف روایات بیان کرتا تھا اور ابنِ مہدی اس سے روایات نہیں لیتا تھا۔

اور فلاس نے کہا: میں نے یحییٰ بن سعید کو یہ کہتے ہوئے سنا: اگر میں چاہوں کہ مجالد میرے لیے ساری روایات شعبی سے جبکہ شعبی مسروق سے اور مسروق عبداللہ سے روایت نقل کر رہا ہو تو وہ ایسا کر دے گا۔

اور خالد الطحان سے کہا گیا: جب تو کوفہ گیا تو تم نے مجالد سے روایات کیوں نہ لیں؟ اس نے کہا: کیونکہ اُس کی داڑھی بہت لمبی تھی (اور اس میں اس نے بہت سے جھوٹ چھپائے ہوئے تھے)۔

عقیدۂ امامت کا مختصر بیان

امامت مذہب شیعہ کے اُصولِ دین میں سے چوتھی اصل ہے اور اس سے مراد وہ

ولایت عظمیٰ ہے کہ جو نبوت و رسالت کے ذیل میں آتی ہے۔

اصل بحث میں داخل ہونے سے پہلے ہم لفظ "امام" کی مختصر وضاحت کرتے ہیں: لفظ "امام" قیام اور صیام کی طرح ایک مصدر ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: اَمَّ اِمَامًا. قَامَ قِیَامًا اور صَامَ صِیَامًا۔ لیکن یہاں لفظِ "امام" معنی اسمی میں استعمال ہوتا ہے نہ کہ مصدری معنی میں۔ جیسا کہ لفظ "قوام" اُس شخص کے لیے استعمال کیا جاتا ہے کہ جو کسی اُمر کو انجام دیتا ہے۔

اس بنا پر امام وہ ہے کہ جس کی اِتباع و قصد و اقتداء کی جائے۔ کبھی یہ لفظ امامِ جماعت پر بھی بولا جاتا ہے، کیونکہ نماز میں اس کے پیچھے چلا جاتا ہے۔ اسی طرح اس لفظ کا استعمال و اطلاق دین و شریعت اور آسمانی کتابوں پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ خداوند متعال نے فرمایا:

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَٰهُ فِيٓ إِمَامٍ مُّبِينٍ

"اور ہم نے ہر چیز کو امامِ مبین میں بند کر دیا ہے"۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَمِن قَبْلِهِۦ كِتَٰبُ مُوسَىٰٓ إِمَامًا وَرَحْمَةً

"اور اس حضرت موسیٰؑ کی کتاب راہنما و رحمت تھی"۔

بعض یہ لفظ (امام) دینی پیشوا پر بھی بولا جاتا ہے، کیونکہ اُس کی قوم اُس کے پیچھے چلتی ہے۔ کتاب "تاج العروس" میں ہے کہ ہر وہ شخص امام ہوتا ہے کہ جس کی پیروی کی جاتی ہے، خواہ وہ امام اور پیروکار صراطِ مستقیم پہ ہوں یا صراطِ مستقیم سے منحرف اور بھٹکے ہوئے ہوں جیسا کہ قرآنِ مجید میں آیا ہے:

فَقَٰتِلُوٓاْ أَئِمَّةَ ٱلْكُفْرِ

"کفر کے اماموں کو قتل کرو"۔

اور امام کسی اُمر کے قائم کرنے، اُس کے مُصلح، قرآنِ مجید، پیغمبرؐ خدا اور خلیفہ پر بولا جاتا ہے، کیونکہ وہ رعیت کا بزرگ اور سربراہ ہوتا ہے۔ اور امامتِ کبریٰ وہ ولایتِ عظمیٰ ہے کہ جو صرف اسی انسان کے لیے ثابت ہوتی ہے کہ جسے خدا بالتعیین اس عہدے سے نوازے جیسا کہ درج ذیل آیات میں اُسے بیان کیا گیا ہے:

يَادَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ

"اے داؤدؑ! بے شک ہم نے ہی آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا"۔

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا

"اور ہم نے اُن کو امام بنایا (تو) وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں"۔

إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا

"میں تمھیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں"۔

وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا

"اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا"۔

وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي

"اور میرے گھر والوں میں سے میرا ایک وزیر بنا (اور وہ) میرا بھائی حضرت ہارونؑ (ہو)"۔

یہ اور ان جیسی دوسری آیات کلمہ "جعل" پر مشتمل ہیں، جو اس اَمر پر دلالت کرتا ہے کہ امام کی تعیین و تنصیب خدا کی جانب سے ہوتی ہے۔اور موضوع امامت مذکورہ بالا معانی کے اعتبار سے متفرق الطرق اور معرکہ آرا ہے۔ یہیں سے مسلمانوں کے درمیان جدائی کی صورت سامنے آتی ہے۔ قلمیں اُٹھتی ہیں، مختلف اقوال سامنے آتے ہیں، مذاہب کی تشکیل پاتے ہیں اور اُمت مسلمہ اِفتراق و اِنتشار کی اس انتہا تک پہنچ جاتی ہے کہ جس تک آج پہنچی ہوئی ہے۔

اور یہ اِختلاف کوئی آج کل کا مسئلہ نہیں کہ اُسے آسانی سے ختم کیا جاسکے، بلکہ اس کی بنیاد و اَساس چودہ سو سال پرانی ہے اور یہ اختلاف وفاتِ رسولؐ کے وقت رُونما ہوا تھا اور اس کے بعد سے اب تک ہر مناسب زمان و مکان میں اس میں تازگی پیدا ہوتی رہی اور واضح ہے کہ خلاف و اِختلاف کا یہ مسئلہ اُن تمام صدیوں پر محیط ہے اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس طویل عرصے میں اس اِختلاف کی وجہ سے مسلمانوں کو کیسے کیسے مسائل سے دوچار ہونا پڑتا۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ اس سبب سے کتنے لوگ جنگوں میں موت کے گھاٹ اُتار دیے گئے؟ کتنوں کو قید و بند کی سختیاں جھیلنا پڑیں؟ کتنے ناحق خون بہائے گئے؟ کتنی جانیں موت کے منہ

میں چلی گئیں؟ اور کتنی خوشیاں، غم و غصے میں بدل گئیں؟

شروع شروع میں جن گروہوں نے اس فتنے کی آگ کو ہوا دی وہ اُموی اور عباسی حکمران اور اُن کے کاسہ لیس تھے۔ یہ حکومتیں ختم ہوئیں اور اُن کی جگہ دوسری حکومتیں آ گئیں، لیکن وہ بھی اُنھی کی ڈگر پہ چلنے لگیں گویا کہ اُنھوں نے آپس میں سمجھوتہ کیا ہوا تھا کہ اُمت اسلامیہ سے تفرقہ و اختلاف ختم نہ ہونے دیں گے۔

پس شیعوں کے نزدیک امامت وہ حلہ ہے کہ عصمت وطہارت کے دھاگوں سے بُنا گیا ہے اور وہ بلند مرتبہ اور عظیم مقام ہے کہ جو نبوت کے بعد دنیا کا سب سے بڑا منصب ہے اور مذہب شیعہ ہی صرف وہ مذہب ہے کہ جس میں امامِ جماعت کے لیے بھی عدالت شرط ہے اور اُن کے نزدیک غیر عادل امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جا سکتی جبکہ دوسرے احباب ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھنا جائز سمجھتے ہیں۔

مسئلہ یہاں تک آگے بڑھ گیا ہے کہ ابنِ تیمیہ کہتا ہے کہ خلیفہ میں سوائے شہادتین (اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ) کے کوئی دوسری شرط نہیں ہے۔ پس ابنِ تیمیہ ایسے لوگوں کے نزدیک صرف خلیفہ کا مسلمان ہونا شرط ہے اور یہی اُس کی اطاعت کے واجب ہونے کے لیے کافی ہے اور اس کے علاوہ خلیفہ میں جو بھی عیوب ہوں، وہ قابلِ اعتنا نہیں ہے، خواہ خلیفہ خود کو اسلامی قوانین سے آزاد رکھے، شراب نوشی کرے، جوا کھیلے، زنا کرے، لواطت کا عادی ہو، ناجائز خون بہاتا ہو، ظالم ہو، جھوٹا ہو، اُحکامِ شرعیہ سے جاہل ہو، مقدساتِ اسلامیہ کا مذاق اُڑاتا ہو اور یزید کی طرح اپنے اَشعار میں اپنا الحاد و زندقہ یوں پیش کرے ۔

لعبت بنی هاشم بالملك فلا
خبر جآء و لاوحی نزل

"یہ تو بنی ہاشم نے حکومت حاصل کرنے کے لیے ایک کھیل کھیلا ہے، نہ تو کوئی خبر آئی اور نہ ہی کوئی وحی نازل ہوئی ہے"۔

یا ولید بن عقبہ کی طرح قرآن مجید کو پھاڑ کر یہ کہے ۔

تھددنی بجبار عنید فھا انا ذاک جبار عنید
اذا ماجئت ربک یوم حشر فقل : یارب مزقنی الولید

"(اے قرآن!) تو مجھے ایک سخت حاکم سے ڈراتا تھا تو وہ سخت حاکم میں ہوں اور جب قیامت کے دن تو اپنے رب کے سامنے آنا تو کہہ دینا: اے رب! مجھے ولید نے پھاڑا تھا"۔

یا مقدساتِ اسلامیہ کی ہتک کرتے ہوئے ایک گانے والی عورت کے ہمراہ خانہ کعبہ کی چھت پر شراب پینے کا پروگرام بنائے اور خدا سے اعلانِ جنگ کرے؟

یا لوگوں کو نماز جماعت پڑھانے کے لیے اپنی لونڈی کو محرابِ مسجد میں بھیج دے، درحال آں کہ وہ لونڈی حالتِ جنابت میں ہو، خود بھی نشے کے عالم میں اُس کی اقتداء کرے اور لوگوں کو بھی اُس کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دے؟ اور یا وہ شراب سے بھرے ہوئے تالاب میں تیرتا ہوا اور شراب بھی پیتا ہو اور جب اُس شراب کے تالاب سے نکلے تو شراب کی مقدار میں نمایاں کمی نظر آئے؟! یا ان ایسے دوسرے اُموی و عباسی حکمران، جیسا کہ تاریخ اسلامی اُن کے فضائح و مثالب سے بھری پڑی ہے۔

مگر شیعہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ امام کو غلطیوں اور گناہوں سے معصوم، ہر قسم کے پست اَخلاقیات سے پاک، ہر اُس چیز سے منزہ کہ جو خلافِ مروّت ہو اور ہر قسم کے رجس، عیب اور شین سے دُور ہونا چاہیے۔

اور ہر طرح کی اخلاقی فضیلت سے آراستہ ہونا چاہیے، بلکہ واجب ہے کہ امام کو تمام اہلِ زمانہ سے بڑھ کر عالم، عابد اور فضائل و مکارم سے پیراستہ ہونا چاہیے؟!

ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام سے وارد شدہ احادیث میں امام کے لیے یہ شرائط واجب و لازم قرار دی گئی ہیں، بلکہ یہ امام کی قطعی اور حتمی علامات ہوتی ہیں کہ جو امامِ برحق کو امامِ باطل سے ممتاز کرتی ہیں اور ہم نے اپنے "موسوعہ" کی کئی جلدوں میں اس موضوع سے متعلقہ ائمہ اہلِ بیتؑ کی احادیث درج کی ہیں۔

اس طرح امامت تمام فضائل کا مجموعہ ہے، یعنی کوئی ایسی فضیلت سوچی ہی نہیں جاسکتی

کہ جو امام میں موجود نہ ہو، اور اگر اس میں کوئی فضیلت کم ہو یا نہ ہو تو وہ امام نہیں ہوتا۔ ہاں! اگر لفظ ''امام'' کو غیر معصوم امام کے لیے استعمال کیا جائے تو اُس کا معنی اور ہوگا۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص لغت میں امام ہے یا نحو میں امام ہے یا حدیث میں امام ہے جیسا کہ بعض فقہا کو امام کہا جاتا ہے یا امامِ جمعہ و جماعت وغیرہ تو یہاں امامت سے مراد وہ الٰہی منصب نہیں کہ جو نبوت کے ذیل میں آتا ہے۔

شیعہ مذہب میں امامت نصِ رسولؐ یا نصِ سابق بر لاحق سے ثابت ہوتی ہے۔ جبکہ غیر شیعہ امام کی شرائط کے بارے میں ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کی روایات کو تسلیم نہیں کرتے۔

جب ہم ان اَحادیث کو بیان کرتے ہیں تو اس سے ہمارا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم خواہ مخواہ اپنے عقائد لوگوں کے دل و دماغ میں ٹھونسیں، بلکہ ہم اُسے جائز نہیں سمجھتے کہ ہم کسی کو حق کے قبول کرنے پر مجبور کریں، کیونکہ دینِ خدا میں کوئی جبر نہیں ہے۔ اُنھیں بیان کرنے سے ہمارا مقصد صرف حقائق کے رُخ سے پردہ ہٹانا ہوتا ہے اور ہمارے قاری کو ہمارے دلائل قبول کرنے یا رد کرنے کا مکمل اختیار و آزادی ہوتی ہے۔

ہم نے ان حقائق کو بیان کرنے میں صرف مصادرِ صحیحہ اور منابعِ عذبہ سے استفادہ کیا ہے، تاکہ ہماری بات سادہ آسان انداز میں قارئین کے سامنے پیش ہو سکے۔

اِنَّا هَدَيۡنٰهُ السَّبِيۡلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوۡرًا۔ (سورۂ دھر: آیت ۳)

بے شک مذہب شیعہ کے اُصول و فروع کا سلسلہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور قرآنِ کریم پر ختم ہوتا ہے۔ یہ کوئی من گھڑت اَفکار و باطل عقائد اور پست قسم کے نظریات پر مبنی نہیں کہ مختلف حیلوں اور بہانوں سے ان کا دفاع کیا جائے۔ اور اس بارے میں ہر رَطب و یابس سے استعانت لی جائے، بلکہ یہ سب اُصول و فروع بالکل واضح اور دلیلِ قطعی اور برہانِ صحیح پر مبنی ہیں کہ جو بھی صاحبِ انصاف اُنھیں ملاحظہ کرتا ہے اُس کا شک ختم ہو جاتا ہے اور وہ اُنھیں برحق سمجھ کر تسلیم کر لیتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی امامت پر خصوصی نصوص

تمہید

یہ بات ہم نے اپنی بہت سی کتابوں میں درج کی ہے کہ ہر امام پر واجب ہے کہ وہ اپنے بعد میں آنے والے امامؑ کی امامت پر نص فرمائے، تاکہ ماننے والوں کو اپنے بعد والے امام کے بارے میں علم ہو جائے، حجت تمام ہو جائے، حقیقت آشکار ہو جائے اور لوگ جہالت و ضلالت میں نہ پڑیں۔

اس حکمِ شرعی کو ایسے ہی چھوڑ دینا کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ جس پر حق و باطل، ایمان و کفر، ثواب و عتاب اور جنّت و جہنّم کا مدار ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح السند حدیث میں آیا ہے:

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ إِمَامَ زَمَانِهِ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً

"یعنی جو اس عالم میں مرجائے کہ وہ اپنے زمانے کے امام کو نہ جانتا ہو تو وہ جہالت کی موت مرا"۔

یہ حدیث اہلِ سنّت کی کتابوں میں سات صحابہ کرامؓ سے مروی ہے اور ان صحابہ کرام علیہم الرضوان کی احادیث و اسماء صحاح میں موجود ہیں کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحاح کے مؤلفین کے نزدیک یہ مستند راوی ہیں اور وہ یہ ہیں: ① حضرت زید بن ارقم ② عامر بن ربیعہ ③ حضرت عبداللہ بن عباس ④ عبداللہ بن عمر بن خطاب ⑤ عویمر بن مالک المعروف ابودرداء ⑥ معاذ بن جبل ⑦ معاویہ بن ابی سفیان۔

ان کی روایات متعدد ہیں۔ ان میں تھوڑا بہت لفظی اختلاف ہے ورنہ ان سب کا معنی مطلب ایک ہے، جیسا کہ عبداللہ بن عمر سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کو یہ

فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ مَاتَ مِیتَۃً جَاھِلِیَّۃً

معاویہ نے مرفوعاً روایت کی ہے: مَنْ مَاتَ بِغَیْرِ اِمَامٍ مَاتَ مِیتَۃً جَاھِلِیَّۃً۔

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: مَنْ مَاتَ وَلَا اِمَامُ لَہٗ مَاتَ مِیتَۃً جَاھِلِیَّۃً۔

اور ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَعْرِفْ زَمَانِہٖ مَاتَ مِیتَۃً جَاھِلِیَّۃً۔

مُلّا علی قاری نے "خاتمہ الجواھر المضیئہ" میں لکھا ہے کہ صحیح مسلم شریف میں موجود رسول اللہ ﷺ کے اس قول (مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ مَاتَ مِیتَۃً جَاھِلِیَّۃً) کا معنی یہ ہے: جاہلیت کی موت وہ مرا کہ جو اپنے زمانے کے مقتداء و پیشوا کی معرفت کے بغیر مرا۔

ایک روایت کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ فَلْیَمُتْ اِنْ شَاءَ یَھُودِیًّا اِنْ شَآءَ نَصْرَانِیًّا

ایک کے الفاظ یہ ہیں:

مَنْ مَاتَ بِغَیْرِ اِمَامٍ مَاتَ مِیتَۃً جَاھِلِیَّۃً

حضرت ابنِ عباسؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

مَنْ مَاتَ لَیْسَ عَلَیْہِ اِمَامٌ مَاتَ مِیتَۃً جَاھِلِیَّۃً

اور معاویہ بن ابی سفیان سے بھی یہ حدیث انھی الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ کنز العمال میں ہے:

مَنْ مَاتَ وَلَا بَیْعَۃَ عَلَیْہِ مَاتَ مِیتَۃً جَاھِلِیَّۃً

یہ حدیث اہلِ سنت کے ستر سے زیادہ مصادر میں موجود ہے اور اس کے راوی وہ صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں کہ جن کا کلام اہلِ سنت کے نزدیک قابلِ قبول ہے۔

اُمید ہے کہ اب ہمارے قارئین پر واضح ہوگیا ہوگا کہ امامت کا عقیدہ کتنا اہم ہے اور

امام سے جہالت کفر و گمراہی شمار ہوتی ہے۔

گذشتہ مباحث میں بیان ہو چکا ہے کہ امامت آج تک جاری و ساری ہے اور ہمارے زمانے کے امام حضرت امام مہدی المنتظر علیہ السلام ہیں کہ جو قیامت سے پہلے ظہور فرمائیں گے اور زمین کو اس طرح عدل و انصاف سے بھر دیں گے کہ جس طرح یہ ظلم و جور سے بھر چکی ہو گی۔

اس طویل بحث سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ حق سب پر واضح ہو جائے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعض مسلمانوں کو اس حدیث کا علم نہ ہو اور وہ اس کے اتنے زیادہ مصادر کو نہ جانتے ہوں کہ جنھیں ملاحظہ کر کے صرف متعصب اور ہٹ دھرم ہی انکار کر سکتا ہے۔ اے کاش! اہلِ سنت اس حدیث کے مطابق موقف اختیار کرتے۔ اگر ان کا زمانے کا امام ہے تو وہ کون ہے کہ جس کی معرفت و بیعت اُنھیں جہالت و ضلالت کی موت سے بچائے گی؟

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس اس سے کہیں زیادہ بلند ہے کہ وہ لفظ ''امامِ زمانہ'' سے بنی اُمیہ کے سرکش حکمران یا بنی عباس کے فراعنہ کو مراد لیں؟

کیا اس سے مراد وہ حکمران ہیں کہ جو آج اسلامی ممالک پر حکومت کر رہے ہیں؟! میں یقین نہیں کرتا کہ کوئی مسلمان ہو اور پھر یہ اعتقاد رکھے۔

رہے شیعیانِ اہلِ بیت علیہم السلام تو وہ اس حدیث کو صحیح و ثابت شدہ احادیث میں شمار کرتے ہیں اور اس میں ذرا برابر بھی شک نہیں کرتے، اسی لیے وہ امامِ زمانہ علیہ السلام سے مختلف طرح سے اپنی عقیدت و والہانہ لگاؤ کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کی ماضی کی تاریخ بتاتی ہے کہ اُنھوں نے ہر امام علیہ السلام کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے فوراً بعد دوسرے امام کو تلاش کیا اور اُس کی ذات پر ایمان رکھا، تاکہ وہ جہالت کی موت نہ مریں۔ اور آج بھی امام مہدی علیہ السلام کے موجود ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اُنھیں اپنے زمانے کا امام مانتے ہیں۔ جیسا کہ اس پر تفصیل کے ساتھ میں اپنی کتاب اَلْاِمَامُ الْمَھْدِیُ مِنَ الْمَھْدِ اِلَی الظُّھُوْرِ میں بیان کر چکا ہوں۔

نصوصِ خاصہ

اب ہم اپنے قارئین کی خدمت میں وہ خصوصی نصوص پیش کرتے ہیں کہ جو بتاتی ہیں کہ

امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے والدِ ماجد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے بعد امام اور خلیفہ برحق ہیں۔

① سدیر الصیرفی سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے ابوجعفر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا، آپؑ فرما رہے تھے: "انسان کی خوش نصیبی ہے کہ اُس کا کوئی ایسا بیٹا ہو کہ جس میں وہ اپنی سیرت وصورت وشمائل کی جھلک دیکھتا ہو اور میں اپنے اس بیٹے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھتا ہوں کہ یہ صورت وسیرت اور شمائل میں میرے جیسا ہے"۔

② ابی الصباح الکنانی سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: "جب ابوجعفر امام محمد باقر علیہ السلام نے حضرت امام ابوعبداللہ الصادق علیہ السلام کو چلتے ہوئے دیکھا تو (مجھ سے) فرمایا: کیا تم نے اسے دیکھا؟ یہ ان لوگوں میں سے ہے کہ جن کے بارے میں خداوند متعال نے ارشاد فرمایا:

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ۔

اس حدیث کو شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الارشاد" میں بھی درج کیا ہے۔

③ حضرت جابر بن یزید جعفیؒ سے روایت ہے، اس نے امام ابوجعفر محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب آپؑ سے حضرت قائم علیہ السلام کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؑ نے اپنا دستِ مبارک حضرت ابوعبداللہ (امام جعفر الصادق علیہ السلام) پر پھیر کر فرمایا: خدا کی قسم! یہ قائمِ آلِ محمدؐ ہیں۔

عنبسہ نے کہا: جب امام محمد باقر علیہ السلام اس دنیا سے انتقال فرما گئے تو میں امام ابوعبداللہ الصادق علیہ السلام کی خدمت میں گیا اور میں نے اُنھیں یہ حدیث سنائی تو آپؑ نے فرمایا: جابرؒ نے (تم سے) سچ کہا، پھر فرمایا: "شاید تمھارا خیال یہ ہو کہ ہر پہلے سے بعد والا امام قائم نہیں ہوسکتا؟ (حالانکہ ہوتا ہے)"۔

④ ہشام بن سالم نے حضرت جابر بن یزید جعفیؒ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: امام ابوجعفر الصادق علیہ السلام سے اُن کے بعد قائم (دینِ خدا کو قائم کرنے والے) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؑ نے حضرت ابوعبدالصادق علیہ السلام پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: خدا کی قسم! "یہ قائم آلِ محمدؐ ہے"۔

⑤ حضرت محمد بن مسلمؒ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں ابوجعفر امام محمد بن علی الباقر علیہ السلام کی خدمتِ عالیہ میں موجود تھا کہ اُن کے فرزند حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام آ گئے۔ اُن کے سرِ مبارک پر چوٹی تھی اور ہاتھ میں عصا تھا اور وہ اس کے ساتھ کھیل رہے تھے تو امام محمد باقر علیہ السلام نے اُنھیں اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا:

''میرے ماں باپ آپؑ پر فدا، اس طرح نہ کھیلو۔ پھر فرمانے لگے: پھر مجھ سے فرمانے لگے: اے محمد! میرے بعد یہ تمھارے امامؑ ہیں۔ ان کی پیروی کرنا اور ان کے علم سے روشنی لینا۔ خدا کی قسم! یہ وہی صادقؑ ہیں کہ جن کی صفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بیان فرمائی ہے:

> ''ان کے شیعہ دنیا و آخرت میں منصور و ظفریاب ہوں گے اور ان کے دشمن دنیا و آخرت میں ہر نبیؑ کی زبان سے ملعون ہوں گے''

اس پر حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام مسکرائے اور آپؑ کا چہرہ خوشی کی وجہ سے گلاب کی طرح کھل اُٹھا۔ اس کے بعد حضرت ابوجعفر علیہ السلام میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ان سے سوال کرو۔

میں نے ان سے پوچھا: اے فرزندِ پیغمبرؐ! کہاں سے ہنسا جاتا ہے۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اے محمد! عقل و حکمت کے سرچشمے دل سے پھوٹتے ہیں، غم جگر میں پیدا ہوتا ہے۔ ہوا (آواز) پھیپھڑوں سے نکلتی ہے اور ہنسی تلی میں پیدا ہوتی ہے۔

اس پر میں نے کھڑے ہو کر آپؑ کے سرِ مبارک کا بوسہ لیا۔

⑥ ہمام بن نافع سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ایک دن حضرت ابوجعفر علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا: جب تم مجھے نہ پاؤ تو اُن کی اقتدا کرنا، بے شک یہی میرے بعد امام اور خلیفہ ہیں۔ آپؑ کا اشارہ اپنے بیٹے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف تھا۔

⑦ حضرت یونس بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے، اُنھوں نے عبدالاعلیٰ سے اور اُنھوں نے امام ابوعبداللہ (جعفر الصادق علیہ السلام) سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب میرے بابا (امام محمد باقر علیہ السلام) کی وفات کا وقت قریب آیا تو جو چیزیں (مواریثِ انبیاءؑ میں سے) ان

کے پاس تھیں، اُنھوں نے میرے سپرد فرمائیں اور مجھ سے فرمایا: گواہ لے آؤ تو میں قریش سے چار گواہ لے آیا۔ ان میں عبداللہ بن عمر کا غلام نافع بھی تھا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: لکھو، یہ وہ چیز ہے جس کی وصیت حضرت یعقوب نبی علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو فرمائی تھی:

يَابَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ

اور اب محمد بن علی علیہ السلام حضرت جعفر بن محمد علیہ السلام کو فرما رہے ہیں اور ان کو حکم دے رہے ہیں کہ وہ اُنھیں وہ چادر کفن میں پہنائیں کہ جس کو پہن کر وہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ اُنھیں اُن کا عمامہ بندھائیں، اُن کی قبر مبارک کو چوکور شکل میں بنائیں اور زمین سے چار اُنگشت اُونچا رکھیں اور دفن کرتے وقت کفن کی گرہ کھول دیں۔

پھر گواہوں سے فرمایا: واپس چلے جاؤ، خدا تم پر رحم کرے!

جب وہ واپس چلے گئے تو میں نے پوچھا: بابا جان! اس میں اُنھیں گواہ بنانے کی کیا ضرورت تھی؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے بیٹا! میں اُسے ناپسند کرتا ہوں کہ آپؑ پر کوئی غلبہ پالے اور آپؑ سے یہ کہا جائے: اُنھوں نے وصیت نہیں فرمائی، پس میں چاہتا ہوں یہ آپؑ کے لیے دلیل و حجت بن جائے۔

⑧ علی بن حکم سے روایت ہے، اُس نے طاہر سے روایت کی ہے، اس نے کہا: میں امام ابوجعفر (امام محمد باقر علیہ السلام) کی خدمت میں موجود تھا کہ اتنے میں امام جعفر صادق علیہ السلام تشریف لائے تو امام ابوجعفر (امام محمد الباقر علیہ السلام) نے فرمایا: یہ خیر البریہ ہیں۔ یا فرمایا: یہ سب سے بہتر ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا نسب شریف

جو سابقہ مباحث میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام عترتِ طاہرہؑ میں سے ہیں اور عترتِ طاہرہ ثقلین میں سے ایک ہے کہ جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوڑ کر گئے تھے اور آپؑ ان بارہ ائمہ علیہم السلام میں سے ایک ہیں کہ جن کی امامت وخلافت وصایت پر رسولِ خدا نص فرما گئے ہیں۔ اب ہمارے لیے راستہ ہموار ہو گیا کہ ہم اس امام عالی مقام علیہ السلام کی تاریخ کا ذکر کریں کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صادقِ آلِ محمدؐ کا لقب دیا تھا۔ سب سے پہلے ہم ان کا نسب مبارک بیان کرتے ہیں۔

نسب نامہ

آپؑ کے والد گرامی امام ابوجعفر محمد الباقر بن الامام زین العابدین علی بن الحسین، سردارِ جوانانِ جنت و سبط رسولؐ اللہ بن الامام علی امیر المومنین (علیہم صلوات اللہ وسلامہ) ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے ان آبائے کرام علیہم السلام پر جتنا فخر کریں کم ہے۔

واضح امر یہ ہے کہ اس مختصر کتاب میں آپؑ کے آبائے کرامؑ کا تعارف نہیں کرایا جاسکتا، بلکہ ان میں سے ہر ایک ہستی کے لیے ایک الگ موسوعہ درکار ہے کہ جس میں آپؑ کی حیاتِ مبارکہ پر تفصیلی بحث کی جائے۔ شاید خدا ہمیں اس اَمر کی توفیق عطا فرمائے، کیونکہ وہی ہے جو نیکی کی توفیق دیتا ہے۔

آپؑ کی والدہ محترمہ سیدہ معظمہ حضرت فاطمہ بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر سلام اللہ علیہا تھیں۔ آپؑ کی کنیت اُم فروہ تھی اور آپؑ کی والدہ اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر تھیں۔ آپؑ عالمہ، فاضلہ اور دین واَحکامِ شریعت کی معرفت رکھتی تھیں۔

عبدالاعلیٰ سے روایت کی گئی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے بی بی حضرت اُمِ فروہؑ کو طوافِ خانہ کعبہ کرتے ہوئے دیکھا۔ آپؑ نے چادر اُوڑھی ہوئی تھی۔ آپؑ نے بائیں ہاتھ سے حجرِ اسود کا بوسہ لیا تو ایک طواف کرنے والے شخص نے آپؑ سے کہا: اے کنیزِ خدا! آپؑ نے سنت میں غلطی کی ہے۔

بی بیؑ نے فرمایا: جا، ہمیں تمھارے علم کی کوئی ضرورت نہیں (ہم بہتر جانتے ہیں کہ کیا سنت ہے اور کیا سنت نہیں)"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے آپ علیہا السلام کی بہت تعریف فرمائی۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"میری والدہ اُن خواتین میں سے تھیں کہ جنھوں نے دل و جان سے ایمان قبول کیا، تقویٰ اختیار کیا اور نیکی کی، اور خدا نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔

ایک جگہ فرمایا: "میری والدہ محترمہ فرماتی ہیں:

"میرے والدِ گرامی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اے اُمِ فروہؑ! میں ایک دن اور رات میں ہزار مرتبہ اپنے گناہگار شیعوں کے لیے خدا کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں، کیونکہ ہم صبر کا ثواب دیکھ رہے ہیں۔ وہ صبر کرتے ہیں جبکہ اُنھیں صبر کا اُجر و ثواب معلوم نہیں ہوتا اور وہ صبر کرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ولادت باسعادت

بلاشبہ جس دن امام جعفر صادق علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی ہوگی اس دن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام بہت خوشی و سُرور کے عالم میں ہوں گے بالخصوص کہ جب وہ جانتے ہوں گے یہ مولود اُن کے سلسلۂ امامت کی چھٹی کڑی ہوگا۔ اپنے نانا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو زندہ کرے گا اور علوم و آثار کی وسیع پیمانے پر نشرواشاعت کا کام کرے گا۔

سیّدہ اُمِ فروہؑ کے دل میں خوشی کی کیفیت کا اندازہ خدا علام الغیوب ہی لگا سکتا ہے بالخصوص جب حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے خبر دی ہوگی کہ یہ مولود خداوند متعال کے نزدیک کیا ہی بلند مقام اور اُونچا درجہ رکھتا ہے۔

آپؑ کی ولادت کی تاریخ، مہینے اور سال میں مورخین نے شدید اختلاف ظاہر کیا ہے اور نہیں معلوم کہ اس اختلاف کا مقصد و ہدف کیا ہے؟ یا اس کا کوئی مقصد نہیں ہے......؟

بہرحال شیعوں میں مشہور ہے کہ آپؑ کی ولادت ۱۷ ربیع الاوّل کو ہوئی اور اسی تاریخ کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت بھی ہوئی تھی اور یہ رائے ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کے نزدیک صحیح و ثابت ہے اور گھر والا ہی بہتر جانتا ہے کہ گھر میں کیا ہے۔

جس طرح خداوند متعال نے اپنے حبیب سرورِ کونین و رسولِ ثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے لیے ۱۷ ربیع الاوّل کو چنا اسی طرح ۱۷ ربیع الاوّل کو امام جعفر صادق علیہ السلام کا یومِ میلاد قرار دیا کہ جنھوں نے سب ائمہ علیہم السلام سے زیادہ اپنے جدِّ امجد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو پھیلایا اور اُن کی ہمیشہ رہنے والی شریعت کا دفاع ہر زمانے میں کیا۔

آپؑ کا سِن ولادت شیعہ اور اکثر اہلِ سنت مورخین کے نزدیک ۸۰ ہجری ہے اور ایک قول کے مطابق ۸۳ ہجری ہے۔ واللہ العالم!

امام عالی مقام کا اسمِ گرامی، القاب اور کنیت

آپؑ کا اسمِ گرامی جعفر ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے "ضریس الکناسی" سے پوچھا: تیرے والد نے تیرا نام "ضریس" کیوں رکھا؟ اُس نے جواب میں کہا: جس طرح آپؑ کے والدِ گرامی نے آپؑ کا نام "جعفر" رکھا (اسی طرح میرے والد نے بھی میرا نام ضریس رکھا)۔

اس پر امام علیہ السلام نے فرمایا: تمھارے والد نے تمھارا نام "ضریس" رکھا جبکہ اُسے اس کا معنی معلوم نہ تھا کیونکہ ابلیس کا ایک بیٹا ہے جس کا نام "ضریس" ہے اور میرے والدِ گرامی نے میرا نام جعفر رکھا جب کہ وہ جانتے تھے کہ یہ جنّت میں موجود ایک نہر کا نام ہے۔

آپؑ کا لقب "الصادق" ہے۔ یہ لقب کسی اور کا نہ تھا اور یہ لقب آپؑ کو آپؑ کے جدِّ امجد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمایا تھا کہ جو بغیر وحیِ ربانی کے کلام ہی نہیں کرتے۔

حضرت امام علی ابن الحسین علیہ السلام نے اپنے والد گرامی سے اور اُنھوں نے اپنے نانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب میرے بیٹے جعفرؑ بن محمدؑ بن علی بن الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کی ولادت ہوگی تو اُن کو "الصادق" کہہ کر پکارنا۔ کچھ عرصہ بعد اُن کی اولاد میں سے ایک ان کا ہم نام پیدا ہوگا۔ وہ ناحق امامت کا دعویٰ کرے گا اور اُسے کذاب (جھوٹا) کہا جائے گا۔

ابوخالد الکابلی سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام علی ابن الحسین علیہما السلام سے پوچھا کہ آپؑ کے بعد امام کون ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: میرا بیٹا محمدؑ، ان سے علم کے چشمے پھوٹیں گے اور محمدؑ کے بعد حضرت جعفرؑ امام ہوں گے اور اہلِ آسمان میں ان کا نام "الصادق" ہے۔

راوی کہتا ہے: میں نے پوچھا اُن کا نام کیسے "الصادق" ہوا حالانکہ آپ تو سب کے سب "الصادق" ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: میرے بابا نے اپنے باباؑ سے اور اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرمایا ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"جب میرے بیٹے جعفرؑ بن محمدؑ بن علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ پیدا ہوں گے تو اُن کا نام "الصادق" رکھنا کیونکہ اُن کا پانچواں بیٹا بھی جعفر ہوگا، وہ خدا پر افتراء کرتے ہوئے اور جھوٹ باندھتے ہوئے امام ہونے کا دعویٰ کرے گا تو وہ خدا کے نزدیک جعفر کذاب اور خدا پر افتراء کرنے والا ہوگا"۔

پھر امام علی ابن الحسین علیہما السلام رو پڑے اور فرمایا:

"ایسا لگتا ہے کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں کہ ان کے زمانے کا سرکش حکمران اُن کی تفتیش کرنے کو تیار ہے، حالانکہ جن کی تفتیش کے لیے وہ بدبخت آمادہ ہے وہ خدا کے ولی اور اُس کی حفاظت میں محفوظ ہیں"۔

راوی کہتا ہے: جیسا امام علیہ السلام نے بتایا تھا ویسا ہی ہوا۔

درج بالا دو حدیثوں میں جعفر کذاب سے مراد دسویں امام علی الہادی النقی علیہ السلام کا بیٹا ہے کہ جس نے امام ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کے متعلق ہم اپنی کتاب "اَلْاِمَامُ الْمَهْدِیُ مِنَ الْمَهْدِ اِلَی الظُّهُوْرِ" میں تفصیلی طور پر بیان کر چکے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اور بھی القاب ہیں جو زیادہ مشہور نہیں اور وہ یہ ہیں: الفاضل، الطاہر، القائم، الکافل اور المنجی وغیرہ۔ اور آپؑ کی کنیت ابوعبداللہ، ابواسماعیل اور ابواسحاق تھی، لیکن ان میں سب سے زیادہ مشہور پہلی ہے کہ جو اکثر روایات و احادیث میں وارد ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تقیہ کی وجہ سے امام علیہ السلام کو ان کی غیر مشہور کنیتوں سے یاد کیا جائے، کیونکہ امام جعفر صادق علیہ السلام پر بھی وہ سخت دور آیا کہ جب آپؑ کو آپؑ کے نام و کنیت مشہورہ سے یاد کرنا بہت مشکل تھا۔ اسی لیے بعض شیعہ وقت کے تقاضوں کے پیش نظر آپؑ کو آپؑ کی غیر مشہور کنیتوں و القاب سے یاد کرتے تھے۔

امام علیہ السلام کے شمائلِ مبارکہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا قد متوسط اور چہرہ نُورانی تھا۔ سر کے بال سیاہ اور گھنگریالے تھے۔ ناک مبارک اُوپر کو اُٹھی ہوئی اور حسین و جمیل تھی۔ کنپٹیوں کے ساتھ والی جلد نرم و نازک تھی، سینہ مبارک پر تھوڑے تھوڑے بال تھے۔ آپؑ کے رُخسارِ مبارک پر سیاہ رنگ کا تِل تھا اور آپؑ کے جسدِ اقدس پر سرخ رنگ کے تِل تھے۔

یہاں میں ایک تنبیہ کے طور پر عرض کیے دیتا ہوں کہ چند مغربی شخصیات نے ایک کتاب تالیف کی ہے اور اس کا ترجمہ عربی اور فارسی زبان میں بھی ہوا۔ عربی ترجمے میں اس کا نام اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ عِنْدَ عُلَمَاءِ الْغَرْبِ رکھا گیا ہے۔ اس کتاب میں امام علیہ السلام کے شمائلِ مبارکہ کو کافی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں اور بھی بہت سی چیزیں ہیں کہ جو صرف اسی کتاب میں ہیں ان کا کوئی مصدر و حوالہ موجود نہیں، اس لیے وہ کتاب قابلِ اعتبار نہیں۔

آپؑ کی اُنگشتری کا نقش

آپؑ کی اُنگشتری کا نقش اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ تھا۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: اُنھوں نے امام ابوعبداللہ حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی انگوٹھی کی قیمت لگائی تو میرے بابا نے "سات" کی لے لی۔

راوی کہتا ہے، میں نے پوچھا: سات درہموں کی؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، سات دینار کی۔

صفوان سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام کی انگوٹھی ہمارے سامنے آئی تو اس پر اَنْتَ ثِقَتِيْ فَاعْصِمْنِيْ مِنْ خَلْقِكَ نقش تھا۔

حضرت اسماعیل بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میرے دادا حضرت امام جعفر صادق بن محمد علیہما السلام کی انگوٹھی ساری چاندی کی تھی۔ اس پر يَا ثِقَتِيْ قِنِيْ شَرَّ جَمِيْعِ خَلْقِكَ نقش تھا۔ وہ میراث میں آئی تو ۵۰ دینار کی بِکی اور میرے بابا نے حضرت

ابوعبداللہ بن جعفرؑ سے اس کو خرید لیا۔

یونس بن ظبیان اور حفص بن غیاث سے روایت ہے کہ ان دونوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: ہم آپؑ پر قربان، کیا انگوٹھی پر اپنے اور اپنے والد کے نام کے علاوہ کوئی چیز لکھنا مکروہ ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: میری انگوٹھی پر اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لکھا ہوا ہے، میرے بابا حضرت محمد بن علی علیہ السلام (اور وہ بہترین محمدی تھے کہ جنہیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا) کی انگوٹھی پر اَلْعِزَّةُ لِلّٰهِ لکھا ہوا تھا۔ حضرت علی بن الحسین علیہما السلام کی اُنگشتری پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ لکھا ہوا تھا۔ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام کی انگوٹھی پر حَسْبِيَ اللّٰهُ لکھا ہوا تھا اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی اُنگشتری مبارک پر اَللّٰهُ الْمَلِكُ کندہ تھا۔

ابراہیم بن عبدالحمید سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میرے پاس سے معتب کا گزر ہوا، اور اس کے پاس ایک اُنگوٹھی تھی۔ میں نے اُس سے کہا: یہ کیا ہے؟ اُس نے کہا: یہ امام ابوعبداللہؑ کی انگوٹھی ہے۔ میں نے اس سے وہ انگوٹھی لی، تا کہ میں اس میں کندہ کی ہوئی تحریر کو پڑھوں۔ جب میں نے دیکھا تو اُس پہ یہ کلمات درج تھے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ ثِقَتِي فَقِنِي شَرَّ خَلْقِكَ۔

احمد بن محمد بن أبی نصر سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں امام ابوالحسن علی موسیٰ الرضا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں موجود تھا تو آپؑ نے ہمیں امام ابوعبداللہ (جعفر الصادقؑ) اور امام ابوالحسن (الکاظمؑ) علیہما السلام کی اُنگوٹھیاں دکھائیں (اور جب میں نے دیکھا تو) امام ابوعبداللہ حضرت جعفر الصادق علیہ السلام کی انگوٹھی پر لکھا تھا: اَنْتَ ثِقَتِي فَاعْصِمْنِي مِنَ النَّاسِ اور امام ابوالحسن (موسیٰ کاظمؑ) کی انگوٹھی پر حَسْبِيَ اللّٰهُ لکھا ہوا تھا اور اس میں ایک پھول اور چاند بھی بنا ہوا تھا۔

اور ایک دوسرے قول کے مطابق یہ لکھا ہوا تھا: مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ

بطورِ وضاحت قارئین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ ہوسکتا ہے کہ امام علیہ السلام کی

انگشتری کی متعدد تحریروں کی وجہ انگوٹھیوں کا متعدد ہونا ہو۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زندگی کے دوسرے پہلو

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ دوسری صدی ہجری کا پہلا نصف تھا اور آج ہم پندرھویں صدی ہجری میں رہ رہے ہیں۔ ہمارے اور امام علیہ السلام کے زمانے میں ساڑھے بارہ سو سال سے زیادہ فاصلہ ہے۔ اس بنا پر ہم کس طرح امام عالی مقام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالاتِ زندگی سے آگاہی حاصل کر سکتے ہیں؟ اور وہ کون سے ذرائع ہیں کہ جن کی بدولت ہم امام علیہ السلام کی شخصیت کے متعلق بقدرِ امکان معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔

واضح رہے کہ اس سلسلے میں اس علمی اور فکری میراث سے استفادہ کیا جائے گا کہ جو تاریخ وحدیث کی صورت میں کتابوں کے بطون میں موجود ہے۔ ان کتابوں میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ کا مکمل نقشہ موجود ہے اور یہیں سے ہم امام عالی مقامؑ کے زمانے کے حالات وواقعات کا بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شخصیت کا احاطہ کرنے سے قلم عاجز ہیں، زبانیں گنگ ہیں اور عقلیں اپنی کمزوری و بے بسی کا اعتراف کرتی ہیں۔ اس بارے جس نے بھی لکھا یا لکھے گا اور جو بھی لکھا جا چکا ہے یا لکھا جائے گا وہ لکھنے والے کی قوتِ اِدراک کے مطابق ہوگا۔ اسی طرح جو بھی ان کی عظیم شخصیت کے بارے میں کچھ بیان کر چکا ہے یا کرے گا وہ اس کی اپنی سمجھ اور استطاعتِ علمی کے مطابق ہوگا۔

اس کتاب کا مؤلف بھی ادیبوں اور خطیبوں میں سے ایک ہے کہ اس عظیم ہستی کے بارے میں کچھ لکھا یا بیان کیا ہے۔ یہ چند صفحات اس شخص کی محنت کا حاصل ہیں کہ جس کا حالات نے اس طرح ساتھ دیا کہ جیسا ساتھ دینے کا حق ہے اور اسے اس طرح سے مصادر دستیاب نہ ہوئے کہ جس طرح ہونے چاہییں تھے۔ اسی لیے نکاتِ علمیہ کے اِدراک میں عجز، معرفتِ حقائق کی قلت اور قلم و بیان کا ضعف و بے بسی میرے اس سفر میں شریکِ سفر رہیں۔

بہر حال ایک مقولہ ہے:

مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهُ لَا يُتْرَكُ كُلُّهُ

"یعنی جو چیز مکمل طور پر حاصل نہ ہو سکے اُسے مکمل طور پر چھوڑ دینا بھی مناسب نہیں ہوتا"۔

میں نے خداوند متعال سے مدد کی درخواست کی اور اس کام کو شروع کر دیا۔

جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی عمر مبارک ۳۲ برس ہوئی تو آپؑ نے ولایتِ عظمٰی اور امامتِ کبریٰ کا منصب سنبھالا۔ آپؑ نے امامتِ ظاہری کا یہ عرصہ جس انداز سے گزارا ہم اُسے ہر لحاظ سے اور ہر زاویے سے دیکھیں گے اور حسبِ امکان اُسے اپنے قارئین کی خدمت میں آسان اور سہل انداز میں پیش کریں گے۔

امام علیہ السلام کا اعلیٰ نسب

واضح ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا تعلق زمینِ خدا پر موجود سب سے زیادہ شرف والے خاندان میں تھا۔ آپؑ حضرت امام محمد باقرؑ بن الامام علی زین العابدینؑ بن سید شباب اہل الجنہ، سید الشہدا امام ابوعبداللہ الحسینؑ بن امام علیؑ امیر المومنین، سید العترہ و سیدہ فاطمۃ الزہراؑ سیدہ نساء العالمین بن سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزندِ ارجمند ہیں۔

کیا اس کائنات میں ایسا کسی کا نسب ہے اور کیا اس سیادت و بزرگی سے بڑھ کر کسی اور بزرگی کا تصور کیا جا سکتا ہے؟ یقیناً دنیا میں کوئی بھی اور ایسے بلند نسب کا حامل نہیں ہے۔ قانونِ وراثت کی بنا پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام میں اپنے آباؤ اجداد اور بزرگان و اسلاف کی ساری خوبیاں موجود تھیں اور یہ انسان کامل کی تکوین ایک بہت بڑا عامل ہوتا ہے۔ اس کے بعد انسان کی تربیت میں سب سے زیادہ موثر وہ گھر ہوتا ہے کہ جس میں وہ پیدا ہوتا ہے اور پروان چڑھتا ہے۔

آپؑ کا مقدس گھرانہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے جس مقدس گھر میں آنکھ کھولی وہ روحانیت و نورانیت سے معمور عبادت خانے کی مثل تھا۔ اس میں مختلف طریقوں سے خداوند سبحان کی عبادت

ہو رہی تھی۔ اس گھر میں کوئی تو دعا و مناجات میں مصروف تھا، کوئی تسبیح و تہلیل میں مگن تھا اور کوئی تلاوتِ کلامِ الٰہی میں محو تھا اور وہ تلاوت پتھروں تک اثر انداز ہو جاتی تھی تو وہاں موجود اس انسان کی کیفیت کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے کہ جو اس تلاوتِ قرآن کو اپنے کانوں سے سن رہا ہو۔

اس گھر پر سورۃ النور کی یہ والی آیت مکمل طور پر منطبق ہوتی ہے:

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ (آیت ۳۶-۳۷)

"(اللہ کا یہ نور) اُن گھروں میں ہے کہ جن (کی قدر و منزلت) کو بلند کرنے اور اُن میں اس (اللہ) کا نام لینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور ان گھروں میں صبح و شام (اللہ والے) اس کی تسبیح کرتے ہیں۔ (اس نور کے حامل) وہی مردانِ خدا ہیں جنھیں تجارت و خرید و فروخت نہ خدا کی یاد سے روکتی ہے اور نہ ہی نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے۔ وہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں کہ جس دن (خوف کے مارے) دل اور آنکھیں اُلٹ پلٹ ہو جائیں گی"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا گھر بھی ان گھروں میں سے تھا کہ جن کی راتیں تہجد، ذکرِ الٰہی، خدا کے حضور عاجزی اور دُعا و مناجات سے منور تھیں اور اُن کی نگاہوں کو خداوند سبحان کے علاوہ سب کچھ حقیر اور فانی نظر آتا تھا۔

اور ایسا کیونکر نہ ہوتا کہ جب وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیت علیہم السلام تھے، معدنِ رسالت تھے، اُن کے پاس فرشتے آتے جاتے رہتے تھے، اُن کے گھر وحی نازل ہوئی تھی، خدا نے اُن سے ہر قسم کی نجاست کو دُور رکھا تھا اور اُنھیں کمالِ عصمت و طہارت کے مرتبے پر فائز کیا تھا۔

اور دن کے وقت یہ گھر لوگوں کی اُمیدوں کا مرکز ہوا کرتا تھا اور اس گھر کے دروازے

پر ضرورت مندوں اور محتاجوں کا ہجوم رہتا تھا۔ لوگ یہاں آ کر اپنی مرادیں پاتے تھے۔ علم و معرفت کے پیاسے اپنی علمی پیاس بجھاتے اور ہدایت کے طلب گار یہاں سے ہدایت حاصل کرتے اور مطمئن ہو کر واپس چلے جاتے۔ جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایسے گھر میں پرورش پائی کہ اُن کی تربیت کے بارے میں بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ان ذوات کے بارے میں یہ بحث ہی فضول نظر آتی ہے کیونکہ خداوند متعال نے تمام ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کو اس قدر کمال عطا فرمایا تھا کہ وہ تربیت و مربی سے بے نیاز تھے اور اُن میں کوئی کمی نہ تھی کہ جسے یہ تربیت حاصل کر کے پورا کرتے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی عائلی زندگی

امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت امام علی ابن الحسین علیہ السلام کے زمانے میں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام کے دور کے پندرہ سال پائے اور لازمی بات ہے کہ آپؑ نے اپنے جد امجد حضرت امام سجاد علیہ السلام سے بہت کچھ سنا ہوگا اور بہت سے علمی جواہر حاصل کیے ہوں گے۔

جیسا کہ صحیفہ سجادیہ کے مقدمہ میں موجود ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسماعیلؒ سے فرمایا: اے اسماعیلؒ! اٹھو اور وہ دعا میرے پاس لے آؤ کہ جسے یاد کرنے اور محفوظ رکھنے کا میں نے تمھیں حکم دیا ہے۔

حضرت اسماعیلؒ اُٹھے اور ایک صحیفہ لے آئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ وہ صحیفہ ہے کہ جو یحییٰ بن زید نے مجھے دیا تھا۔ ابوعبداللہ (حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام) نے اس کا بوسہ لیا، اپنی مبارک آنکھوں پر رکھا اور فرمایا: یہ میرے والد گرامیؒ کا لکھا ہوا ہے (انھیں) میرے جدّ امجد (حضرت امام سجاد علیہ السلام) نے لکھوایا تھا اور یہ میرے سامنے لکھا گیا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے جدِّ بزرگوار حضرت امام سجاد علیہ السلام کی مجلس درس میں شرکت فرماتے تھے اور اُن کی احادیث وغیرہ کو سنتے تھے۔

جو احادیث حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی ہیں ہم نے انھیں اپنے موسوعہ کی دسویں جلد میں ذکر کیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے والدِ بزرگوارؒ کے دورِ امامت میں

بے شک حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی شخصیت بھی باقی ائمہ طاہرین علیہم السلام کی طرح

ہر طرح کی تعظیم و تکریم کی مستحق ہے اور جس طرح ہم نے آپؑ کے بیٹے امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں تقریباً ۶۰ مجلدات پر مشتمل ایک ''موسوعہ'' تحریر کیا ویسا اُن کے بارے میں بھی لکھنا چاہیے اور ہم خدا سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں توفیق عطا کرے کہ ہم اپنی اس خواہش کو پورا کرسکیں اور خدمتِ دین ونشرِ معرفت کی خاطر ان پر ایک ''موسوعہ'' لکھیں، آمین!

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے والد گرامیؑ کے زیر سایہ چونتیس سال گزارے۔ اس وقت آپؑ امامِ صامت تھے۔ آپؑ نے اپنے والد گرامیؑ سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں، جن میں سے کچھ احادیث کو ہم نے ''موسوعۃ الامام الصادقؑ'' میں درج کیا ہے۔

آپؑ سفر و حضر ہر حال میں اپنے والد بزرگوارؑ کے ہمراہ رہتے تھے۔ اُنھوں نے آپؑ کی امامت پر نص بھی فرمائی ہے جیسا کہ اس کتاب کے آغاز میں بعض نصوص ہمارے قارئین کی نظروں سے گزر چکی ہیں۔ احادیث کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے والد گرامی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ اس طرح پیش آتے کہ جس طرح ایک طالب علم اپنے اُستاد کا اِحترام کرتا ہے۔ آپؑ کے والد بزرگوار آپؑ کو اکثر اوقات بہترین مواعظ، عمدہ نصائح اور حکمت و معرفت کے اعلیٰ دروس سے فیض یاب کرتے رہتے تھے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ امام عالی مقام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان باتوں کا علم نہیں تھا اور ان کے بابا اُنھیں سکھا رہے تھے، بلکہ اس سے امام علیہ السلام والدین کو ایک تربیتی اُصول دے رہے تھے کہ والدین کو کس طرح اپنی اولاد کی پرورش کرنی چاہیے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرائیلؑ سے فرمایا: مجھے نصیحت کرو، حالانکہ رسولِ خدا حضرت جبرائیلؑ سے زیادہ علم رکھتے تھے اور آپؑ کو حضرت جبرائیلؑ سے وہ باتیں سننے کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ جنھیں ہر عقل مند جانتا ہے۔ جیسا کہ حضرت جبرائیلؑ نے فرمایا: آپؐ جتنا چاہیں زندہ رہیں، مگر ایک دن موت نے آنا ہے۔ جس سے چاہیں محبت کریں مگر ایک دن اُس سے جدا ہونا ہے اور جو کام چاہیں انجام دیں ایک دن اس کا نتیجہ آپؐ کے سامنے ضرور آنا ہے۔

لیکن حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ رسولِ خدا ﷺ جو کہ ایک کامل انسان ہیں وہ نصیحتیں اور مواعظہ حسنہ سننے سے گریز نہ کریں تا کہ آپؐ کی پیروی میں دوسرے لوگ بھی جو نصیحت پڑھ لیں یا سن لیں اس پر عمل کریں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا اندازِ تربیت

بلاشبہ اسکولوں اور کالجوں کے اساتیذ و معلمین صرف وہی علوم پڑھاتے ہیں کہ جو اُن کے ذمے لگائے جاتے ہیں، مثلاً کوئی ریاضی پڑھاتا ہے تو کسی کے پاس تاریخ کا مضمون ہوتا ہے اور کوئی جغرافیہ کا ماہر ہوتا ہے تو کسی کا کام کیمسٹری یا فزکس وغیرہ کی تعلیم دینا ہوتا ہے۔ وہ معنویت اور تزکیۂ نفس کی تعلیم نہیں دیتے اور طالب علموں کو شائستہ اخلاق سے آراستہ نہیں کرتے۔

یہ کام صرف علمائے ربانی ہی کرتے ہیں کہ جو خدا اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور خدا کی رضا وخوشنودی کے لیے کام کرتے ہیں وہ روایتی قسم کے لوگ نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ صرف دکھاوے کے لیے کام کرتے ہیں۔

اور یہ اَمر بھی واضح ہے کہ مربی کے لیے تربیت کے تمام اُصولوں کو جاننا ضروری ہوتا ہے، مثلاً وہ لوگوں کی نفسیات کو سمجھتا ہو، اُس کی زبان میں فصاحت و بلاغت ہو، تا کہ اُس کی گفتگو موثر اور مقتضائے حال کے مطابق ہو اور اُس مربی کے اندر کوئی مانع نفسی مثلاً تعصب اور ہٹ دھرمی موجود نہ ہو، جس کی وجہ سے لوگ اُس سے منحرف ہو جائیں اور گمراہی کی تاریکیوں میں جا پڑیں۔

اب اس مختصر سے مقدمہ کے بعد ہم عرض کرتے ہیں:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا نظریہ تھا کہ امام علیہ السلام کو چاہیے کہ بالعموم انسانوں اور بالخصوص عالمِ اسلام کی اصلاح وتربیت کا کام کرے۔ اگر کوئی امام ہو کر بھی یہ کام نہ کرے تو اُس کی حکمِ خدا پر عمل کرنے میں کمزوری سمجھی جائے گی۔

جیسا کہ مخفی نہیں کہ تدریس کبھی علمی ہوتی ہے اور کبھی عملی، بالفاظِ دیگر کبھی زبان اور قوتِ

بیان سے تعلیم دی جاتی ہے اور کبھی عمل و کردار سے سمجھایا جاتا ہے، مثلاً کبھی اُستاد اپنے شاگردوں کو لوگوں کے ساتھ حُسنِ اَخلاق سے پیش آنے کی تعلیم دیتا ہے اور اس کے وہ فوائد بیان کرتا ہے جو انسان کو دنیا و آخرت میں ملتے ہیں اور کبھی اُستاد خود حُسنِ اَخلاق کا عملی مظاہرہ کرتا ہے، مثلاً وہ ملنے والوں کو گرم جوشی سے سلام کہتا ہے، اُس کے چہرے پر بشاشت رونق افروز ہوتی ہے اور وہ لائقِ احترام لوگوں کا احترام کرتا ہے اور تمام آداب کا پاس و لحاظ رکھتا ہے۔ جب شاگرد اپنے اُستاد کے وہ اوصاف ملاحظہ کرتا ہے کہ جنھیں ہر کوئی اچھا کہتا ہے تو وہ بہت جلد اُنھیں اپنا لیتا ہے۔

ہم اپنے معزز قارئین کو بتاتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی تعلیمات میں یہ دونوں صورتیں ملتی ہیں، یعنی آپؑ مکارمِ اَخلاق اور اچھی صفات اپنانے کی تلقین بھی فرماتے تھے اور خود اُن کا عملی مظاہرہ بھی پیش کرتے تھے اور اگر میں یہ کہوں تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا کہ ان دونوں قسموں پر مشتمل حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی سینکڑوں احادیث ہیں۔ ہم نے اُنھیں اپنے موسوعہ میں درج کیا ہے اور اُن کے چند نمونے اس کتاب میں پیش کر رہے ہیں، تا کہ یہ کتاب بھی ہر لحاظ سے جامع ہو۔

پہلی قسم: آداب

زیدُ الشّحام سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت امام ابوعبداللہ علیہ السلام (جعفر صادقؑ) نے مجھے فرمایا:

"لوگوں میں سے جو بھی میری اطاعت کرتا ہو اور میرا کہنا مانتا ہو، اُسے میرے سلام کے بعد کہنا کہ میں (جعفر صادقؑ) تمھیں تقویٰ الٰہی، اُس کے دین میں وَرع، اس کی راہ میں محنت، سچ بولنے، امانت ادا کرنے، طولانی سجدے کرنے، اور ہمسائیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی چیزیں لے کر آئے تھے۔

جس نے تمھیں کوئی چیز امانت دی ہو، اُسے اس کے حوالے کرو خواہ وہ نیک ہو یا بد، کیوں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوئی اور دھاگے (جیسی چیزوں) کی امانت واپس کرنے کا حکم دیا

کرتے تھے۔

اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلۂ رحمی سے پیش آؤ، اُن کے جنازوں پر حاضر ہوا کرو، ان کے مریضوں کی عیادت کیا کرو اور اُن کے حقوق ادا کیا کرو تو تم میں سے جو بھی اپنے دین پر قائم رہے، گناہوں سے دُور ہو، سچ بولے، امانت ادا کرے اور لوگوں کے ساتھ اس کا حُسنِ سلوک اتنا اچھا ہو کہ لوگ کہیں: یہ جعفری (امام جعفر الصادق علیہ السلام کا ماننے والا) ہے تو مجھے اس عمل سے خوشی ہوگی۔ میں اس شخص پر خوش ہوں گا اور لوگ کہیں گے: یہ حضرت جعفر صادق علیہ السلام کا (سکھایا ہوا) اَدب ہے۔

اگر اس شخص میں ان بیان کردہ صفات کے برعکس خصلتیں موجود ہوں گی تو اُس کی وجہ سے مَیں مصیبت میں پڑ جاؤں گا۔ وہ میرے لیے باعثِ ننگ و عار بن جائے گا اور لوگ (مذاق اُڑاتے اور توہین آمیز لہجے میں) کہیں گے: یہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا (تعلیم کیا ہوا) اَدب ہے۔ خدا کی قسم! میرے والدِ بزرگوار نے مجھ سے بیان فرمایا ہے:

"ایک شیعہ ایک قبیلے کی زینت ہوتا ہے۔ وہ اُن میں امانتیں ادا کرنے کا سب سے زیادہ پابند ہوتا ہے۔ اُن کے حقوق سب سے بڑھ کر ادا کرنے والا ہوتا ہے۔ اُن میں سب سے زیادہ سچ بولنے والا ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کا وصی بنتا ہے اور اُس کے پاس لوگوں کی امانتیں (محفوظ) ہوتی ہیں اور جب اُس کے خاندان والوں سے اُس کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں: (اس جیسا کون ہوسکتا ہے؟) وہ ہم میں امانتیں ادا کرنے کا سب سے زیادہ پابند تھا اور ہم میں سے سب سے زیادہ سچ بولتا تھا"۔

سلیقۂ نماز

حضرت حماد بن عیسیٰ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ایک دن امام ابوعبداللہ (حضرت جعفر صادق علیہ السلام) نے مجھ سے فرمایا: اے حماد! کیا تم صحیح طریقے سے نماز پڑھ سکتے ہو؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں، مولاؑ! میں نے نماز کے بارے میں حریز کی کتاب حفظ کی ہوئی ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پھر تو تم میں کوئی کمی نہیں ہوگی، چلو اُٹھو اور پڑھو۔

حماد کہتے ہیں: میں امامؑ کے سامنے اُٹھا اور قبلہ رُخ ہو کر نماز پڑھنا شروع کر دی۔ میں نے ایک رکعت پڑھی اور سجدہ کیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے حماد! تم صحیح طریقے سے نماز نہیں پڑھ سکتے ہو۔ آدمی کے لیے کتنی شرم کی بات ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ساٹھ ستر سال گزارے اور ایک نماز بھی صحیح نہ پڑھ سکے؟

حماد کہتے ہیں: اس پر میں نے ننگ و عار محسوس کی اور میں نے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! میں آپؑ پر قربان، مجھے (صحیح طریقے سے) نماز (پڑھنا) سکھا دیں۔

امام علیہ السلام قبلہ رُخ ہو کر کھڑے ہوئے۔ آپؑ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھے اپنی اُنگلیوں کو جوڑ لیا اور دونوں پاؤں کو ایک دوسرے کے اتنا قریب کر لیا کہ ان دونوں کے درمیان تین کھلی ہوئی اُنگلیوں کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ آپؑ نے اپنے پاؤں کی ساری اُنگلیوں کو قبلہ کی جانب کر لیا۔ اُنھیں قبلہ سے نہیں موڑا اور خشوع کے ساتھ کہا: اللہ اکبر۔ پھر ترتیل کے ساتھ سورۂ فاتحہ اور سورۂ توحید (قُلْ هُوَ اللّٰهُ) کو پڑھا، پھر حالتِ قیام میں کچھ دیر رُکے اور سانس لیا۔ پھر اسی حالت میں اپنے ہاتھوں کو چہرے کی طرف بلند کیا اور کہا: اللہ اکبر! پھر رکوع کیا، اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر (اُنگلیاں کھول کر) رکھ لیے، گھٹنوں کو پیچھے کی طرف دھکیل دیا، پھر اپنی کمر اتنی سیدھی کر لی کہ اگر اس پر پانی یا تیل کا کوئی قطرہ ڈالا جاتا تو وہ اپنی جگہ پر ہی رُکا رہتا (اور نہ بہتا)۔ اپنی گردن مبارک کو لمبا کر لیا اور آنکھیں نیچی کر لیں پھر تین مرتبہ ترتیل کے ساتھ تسبیح پڑھی اور کہا: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ۔

پھر کھڑے ہوئے۔ جب صحیح طور پر کھڑے ہو چکے تو کہا: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، پھر حالتِ قیام میں اپنے ہاتھوں کو چہرے کی طرف بلند کیا اور تکبیر کہی، پھر سجدہ کیا، اپنے ہاتھوں کو الگ الگ کر کے چہرے کی جانب اور گھٹنوں کے سامنے رکھ لیا، درحال اینکہ آپؑ کے ہاتھوں کی اُنگلیاں جڑی ہوئی تھیں اور تین بار پڑھا: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى وَبِحَمْدِهٖ۔ اور اپنے جسم کا کوئی بھی حصّہ دوسرے حصّے پر نہیں رکھا ہوا تھا۔ آپؑ نے آٹھ حصوں پر سجدہ کیا، دونوں

ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں کے انگوٹھے، پیشانی اور ناک۔ اور فرمایا: ان میں سے سات اعضاء کا سجدہ فرض ہے۔ یہ وہ اعضا ہیں جن کا ذکر خداوند عالم نے اپنی کتاب میں ان الفاظ کے ساتھ فرمایا:

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا

اور وہ پیشانی، دونوں ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کے انگوٹھے ہیں اور ناک کا زمین پر رکھنا سنت ہے، کیونکہ یہ عاجزی کی نشانی ہے۔

پھر آپؑ نے سرِ مبارک سجدے سے اُٹھایا۔ سیدھے بیٹھ گئے اور کہا: اللہ اکبر! پھر بائیں زانو پر بیٹھ گئے اور دایاں پاؤں بائیں پاؤں کے تلوے پر رکھا اور پھر پڑھا: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ، پھر بیٹھے ہوئے تکبیر کہی اور دوسرا سجدہ بجالایا۔ اس میں بھی وہی کچھ پڑھا جو پہلے سجدے میں پڑھا اور رکوع اور سجدے میں کوئی حصّہ دوسرے حصّے پر نہ رکھا۔ آپؑ جھکے ہوئے تھے اور دونوں بازوؤں کو زمین پر نہ رکھا اور دو رکعتیں اسی طرح پڑھیں۔ جب آپؑ پڑھ رہے تھے تو آپؑ کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی تھیں۔ جب آپ تشہد پڑھ چکے تو سلام پڑھا اور فرمایا: اے حماد! اس طرح نماز پڑھا کرو۔

تلاشِ معاش

عبدالرحمٰن بن الحجاج سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ہمارا ایک دوست مدینہ میں رہتا تھا۔ وہ بہت تنگ دست تھا اور مارے غربت کے اُس کی حالت بہت خراب تھی۔ امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: جاؤ، بازار میں ایک دکان خریدو، اس میں تھوڑا بہت سامان رکھو، تمھارے پاس پانی کا ایک گھڑا ہونا چاہیے اور اپنی دکان کے دروازے کے پاس بیٹھ جاؤ۔

راوی کہتا ہے: اس نے کچھ عرصہ اس پر عمل کیا۔

پھر مصر سے کچھ مسافر (سامانِ تجارت لے کر) آئے اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے جاننے والے اور دوست کے پاس سامانِ تجارت رکھ دیا حتیٰ کہ تمام دکانیں سامان سے بھر گئیں۔ ان میں سے ایک شخص باقی رہ گیا۔ اُسے سامان رکھنے کے لیے دکان دستیاب نہ

ہوئی، تو بازار والوں نے اُس سے کہا: اِدھر ایک آدمی ہے جس پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جاسکتا اور اُس کی دکان بھی خالی ہے۔ اگر تم اُس کی دکان میں اپنا سامان رکھنا چاہو تو رکھ سکتے ہو۔

وہ شخص دکان کی طرف چل پڑا اور دکان والے سے پوچھا: کیا تم اپنی دکان میں میرا سامان رکھو گے؟ اُس نے جواب دیا: ہاں، کیوں نہیں۔ اُس نے اپنا سامانِ تجارت اُس کی دکان میں ڈال دیا اور ایک ایک کر کے بیچنا شروع کر دیا، حتیٰ کہ اُس کے ساتھ دوسرے آئے ہوئے لوگوں نے واپسی کا ارادہ کرلیا اور اُس کے پاس ابھی کچھ قابلِ فروخت سامان باقی تھا تو اُس نے وہاں رُکنا مناسب نہ سمجھا اور ہمارے دوست سے کہا: یہ سامان اپنے پاس رکھو اور اُسے بیچ کر اُس کی قیمت مجھے بھیج دینا۔

راوی کہتا ہے: اس نے قبول کرلیا۔

وہ مسافر چلے گئے اور سامان کا مالک بھی اُن کے ہمراہ چلا گیا اور اپنا سامان ہمارے دوست کے حوالے کر گیا تو اُس نے سامان بیچ کر حاصل کردہ رقم اُس کی طرف بھیج دی۔

راوی کہتا ہے: جب دوبارہ مصر کے وہ لوگ سامانِ تجارت لے کر مصر سے نکلنے لگے تو اُس شخص نے کچھ سامان بھیجا تو اس (ہمارے دوست) نے وہ سامان بیچ کر حاصل کردہ رقم اس کی طرف روانہ کر دی۔

جب اُس شخص نے یہ دیکھا تو اُس نے مصر میں ہی قیام کیا اور سامان اس کی طرف بھیجتا رہا اور وہ اُس کی قیمت اُسے بھیجتا رہا اور اُس سے اپنی معقول اُجرت لیتا رہا۔

راوی کہتا ہے: یوں ہمارے اس دوست نے بہت سا مال اکٹھا کرلیا اور وہ بااثر لوگوں میں سے ہوگیا۔

ظالموں کی حکومت میں تقیہ

حضرت ابوبصیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا: تقویٰ الٰہی اختیار کرو، تم پر اپنے اماموں کی اطاعت فرض ہے۔ جو بات وہ کہتے ہیں تم بھی وہی کہو اور جس چیز کے بارے میں وہ خاموش ہیں تم بھی اُس چیز کے

بارے میں خاموشی وسکوت اختیار کرو۔ کیونکہ تم ان لوگوں کی حکومت میں رہ رہے ہو کہ جن کے بارے میں خداوند متعال نے ارشاد فرمایا:

وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ

اس سے مراد بنی عباس ہیں۔ پس خدا سے ڈرو، کیونکہ تمھیں وقت مصلحت کے ساتھ گزارنا ہوگا، اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرو، اُن کے جنازوں پر حاضر ہو اور اُن کی امانتیں اُنھیں واپس کردو۔ تم پر خدا کے گھر کا حج ادا کرنا واجب ہے۔ اس کے عادی بنو، اس کی عادت دنیا کی مشکلات اور آخرت کی ہولناکیوں کو تم سے دُور کرے گی۔

دعا سے مشکلات کا حل

طیالسی سے روایت ہے کہ وہ کہتا ہے: میں مکہ سے مدینہ آیا، جب میں نے مدینہ میں دو راتیں گزاریں تو میری سواری کہیں گم ہوگئی۔ اس پر میرا ساز وسامان تھا اور کچھ چیزیں دوسرے لوگوں کی بھی تھیں۔ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی پریشانی بیان کی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: مسجد میں جا کر یہ دعا پڑھو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَتَيْتُكَ زَائِرًا لِبَيْتِكَ ، وَاِنَّ رَاحِلَتِي قَدْ ذَهَبَتْ فَرُدَّهَا عَلَيَّ

میں نے یہ دعا پڑھنا شروع کردی۔ اتنے میں ایک شخص نے مسجد کے دروازے پر آکر مجھ سے کہا: اے سواری کے مالک! باہر آؤ اور اپنی سواری سنبھالو، تمھاری وجہ سے ہم نے ساری اذیت وزحمت میں گزاری ہے کہ کہیں اس سواری کو کچھ ہو نہ جائے اور کسی غریب کا نقصان نہ ہو۔ میں نے اپنی سواری لے لی اور اس کے سامان میں سے ایک دھاگہ بھی کم نہ تھا۔

ولایتِ اہلِ بیتؑ اور تقویٰ الٰہی

مہزم سے روایت ہے، وہ کہتا ہے: ہم نے مدینہ منورہ میں ایک گھر میں قیام کیا۔ صاحب خانہ کی ایک لڑکی تھی جو مجھے بہت اچھی لگتی تھی، میں نے دروازے پر آکر دستک دی۔

اُس نے دروازہ کھولا تو میں نے اُس کے سینے پر ہاتھ مارا۔

شام کو جب میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں گیا تو امام علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا: آج دن کا آخری حصہ تم نے کہاں گزارا؟ میں نے جواب دیا: میں مسجد میں تھا۔ اس پر امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا اُمر (ولایت) صرف تقویٰ سے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جو ابراہیم بن مہزم الاسدی سے مروی ہے اس میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے یہ الفاظ نقل ہیں کیا تمھیں معلوم نہیں کہ ہماری ولایت صرف تقویٰ و ورع سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔

مومنین کی حاجات برآوری

سکین بن عمار سے روایت ہے، اُس نے ہمارے اصحاب میں سے ایک شخص کہ جس کی کنیت ''ابومحمد'' تھی، نقل کیا ہے کہ اُس نے کہا: طواف کے دوران میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ تھا اور میرا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں تھا۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور اُسے مجھ سے کام تھا۔ میں نے اُسے ہاتھ سے اشارہ کیا اور کہا: تم اپنی جگہ رُکو، میں طواف سے فارغ ہو کر آتا ہوں۔ تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: یہ کون ہے؟

میں نے کہا: خدا آپ کا بھلا کرے، اسے مجھ سے کوئی کام ہے۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: یہ مسلمان ہے؟

میں نے کہا: جی ہاں۔

امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: جاؤ اس کا کام کرو۔

میں نے عرض کیا: خدا آپ کا بھلا کرے، کیا میں طواف چھوڑ دوں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں۔

میں نے پوچھا: میں فرض کو چھوڑ کر اس کے کام میں لگ جاؤں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، خواہ تم فرض ادا کر رہے ہو تو بھی اس کے کام کو چلے جاؤ۔

وہ کہتا ہے، امام علیہ السلام نے فرمایا: جو اپنے مسلمان بھائی کے کام میں اس کے ہمراہ چلے تو خدا اس کی ہزار ہزار نیکیاں لکھتا ہے، ہزار ہزار گناہ معاف کرتا ہے اور اس کے ہزار ہزار درجات بلند کرتا ہے۔

علم حاصل کرنے کا مقصد

عمرو بن جمیع سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: جو ہمارے فقہ، قرآنِ مجید اور تفسیر کا علم حاصل کرنے کے لیے آئے اسے بلالو اور جو لوگوں کے عیب معلوم کرنے کے لیے آئے حالانکہ خدا نے ان کے عیب چھپائے ہوئے ہیں تو اسے ہم سے علیحدہ کردو۔

تو ایک شخص نے امام علیہ السلام سے عرض کیا: میں آپؑ پر قربان جاؤں، خدا کی قسم! میں کافی عرصے سے ایک گناہ میں مبتلا ہوں۔ میں اس کو چھوڑنا چاہتا ہوں مگر چھوڑ نہیں پاتا۔

امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: اگر تم سچ کہہ رہے ہو اور اگر خدا نے پسند کیا تو وہ تمھیں اس حالت سے نکال دے گا مگر تم اس سے ڈرتے رہو۔

تنگدستی کا اظہار نہ کرو

حضرت مفضل بن قیس بن رمانہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں گیا اور ان سے اپنے حالات کا ذکر کیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: اے لڑکی! ذرا وہ تھیلا تو دینا (جب اس نے دیا تو امام علیہ السلام نے مجھے دے کر فرمایا) یہ چار سو دینار ہیں۔ ابوجعفر منصور دوانیقی نے مجھے بھیجے ہیں۔ تم یہ لے لو اور اپنی ضرورت پوری کرو۔

وہ کہتا ہے: میں نے کہا: باخدا، میں آپؑ پہ قربان جاؤں اس سے میرا مقصد یہ نہ تھا بلکہ میں چاہتا ہوں کہ آپؑ میرے حق میں خداوندِ عالم کی بارگاہ میں دعا فرمائیں۔

وہ کہتا ہے، اس پر امام علیہ السلام نے فرمایا: میں دعا بھی کروں گا لیکن تم اپنی غربت و تنگدستی کا کسی سے بھی ذکر نہ کرنا ورنہ وہ تمھیں پست سمجھیں گے۔

کپڑا بُننے کی کراہت

ابو اسماعیل الصیقل الرازی سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں گیا اور میرے پاس دو کپڑے تھے تو امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اے ابا اسماعیل! تمھاری طرف سے مجھے بہت سے کپڑے آتے رہتے ہیں، مگر ان دونوں کپڑوں جیسا کبھی نہیں آیا کہ جو تُو نے اب ہاتھ میں اُٹھائے ہوئے ہیں؟ میں نے کہا: قربان جاؤں اُنھیں اُمِ اسماعیل نے غزل کیا اور میں نے بُنا ہے۔ امام علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا: کیا تم جولا ہے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: جولاہا نہ بنو۔ میں نے پوچھا: کیا بنوں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: تلوار تیز کرنے کا کام کرو۔

راوی کہتا ہے: اس وقت میرے پاس دو سو درہم تھے۔ میں نے ان کی تلواریں خریدیں اور اُنھیں رَے میں لے گیا اور بہت منافع پر بیچا۔

جلد بازی نہ کرنا

جریر بن مرازم سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے امام حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: میں عمرہ کا ارادہ رکھتا ہوں تو آپؑ نے مجھے یہ وصیت فرمائی: ''خدا سے ڈرو اور جلد بازی سے کام نہ لو''۔

میں نے کہا: مجھے اور وصیت فرمائیں۔

آپؑ نے صرف اسی وصیت کو کافی سمجھا۔ میں مدینہ سے اُن کے پاس سے چلا گیا تو راستے میں میری ملاقات ایک شامی سے ہوئی۔ وہ بھی مکہ جانے کا ارادہ کیے ہوئے تھا اور میرے ہمراہ ہوگیا۔ کچھ راستہ طے کرنے کے بعد ہم دونوں نے اپنا اپنا کھانا نکالا اور کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ کھانے کے دوران اُس نے پہلے اہلِ بصرہ کا ذکر کیا اور ان کی برائیاں کرنے لگا۔ پھر اہلِ کوفہ کے عیب بیان کرنے لگا اور اُس کے بعد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ذکر کیا اور اُنھیں سَب وشتم کرنے لگا تو میں نے چاہا کہ اپنا ہاتھ اُٹھاؤں، اس کی ناک توڑ دوں اور اُسے جان سے ہی مار ڈالوں تو مجھے امام جعفر صادق علیہ السلام کی وصیت یاد آنے لگی کہ خدا سے

ڈرتا اور جلد بازی نہ دکھاتا۔ اس کے بعد میں اس کی بکواسات سنتا رہا اور حکمِ امامؑ پر عمل کرتا رہا۔

تھوڑا حلال زیادہ حرام سے بہتر ہے

مروی ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آ کر غربت اور تنگدستی کی شکایت کی تو امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: اپنا نفس پاک رکھو، خدا تمھاری مشکلات آسان فرمادے گا۔

وہ شخص امام علیہ السلام کے پاس سے چلا گیا۔ راستے میں اُس نے ایک تھیلا دیکھا۔ اس میں سات سو دینار تھے۔ اس نے وہ تھیلا اُٹھالیا اور واپس امام علیہ السلام کے پاس چلا گیا۔ وہاں جاکر اُس نے اُس تھیلے کے بارے میں امام علیہ السلام کو بتایا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: جاؤ اور ایک سال تک اس کا اعلان کرتے رہو شاید تمھیں اس تھیلے کا مالک مل جائے۔ وہ شخص امام علیہ السلام کے پاس سے نکلا اور کہا: میں بازاروں اور مجمع عام میں اس کا اعلان نہیں کروں گا اور وہ شہر کے آخری حصے میں موجود گلی کی طرف چلا گیا اور اُس نے اعلان کیا: کیا کسی کی کوئی چیز گم ہوئی ہے؟

اتنے میں اس نے ایک شخص کو میت کی طرف بے جان صورت میں دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا: فلاں چیز میں بند میرے سات دینار گم ہو گئے ہیں۔ اُس نے کہا: وہ میرے پاس ہیں۔ جب اُس نے اُسے دیکھا اور اُس کے پاس ترازو تھا تو اُس نے کہا: اُنھیں نہ نکالو۔ اس نے جب اُنھیں تولا تو وہ بالکل پورے تھے۔ اس نے ان میں سے ۷۰ دینار خود لیے اور باقی اس شخص کو دے دیے۔ وہ یہ دینار لے کر امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آیا۔ جب امام علیہ السلام نے اُسے دیکھا تو آپؑ نے مسکرا کر فرمایا: اے لڑکی! وہ تھیلی اِدھر لاؤ۔ جب وہ تھیلی آپؑ کے پاس لائی گئی تو آپؑ نے فرمایا: یہ لو، یہ تیس دینار ہیں اور ستر دینار تمھیں اس شخص نے پہلے دے دیے ہیں اور (یہ جان لو!) ستر دینار حلال کے سات سو حرام کے دیناروں سے بہتر ہیں۔

نصیحت کا بہترین طریقہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام "اشقران" سے مروی ہے کہ ابوجعفر منصور دوانیقی کے

دور میں عطا نے خروج کیا تو اس وقت میرا کوئی بھی مددگار نہ تھا۔ میں ابو عبداللہؑ کے دروازے پر حیران و پریشان کھڑا تھا کہ اچانک میں نے اُنھیں آتے ہوئے دیکھا۔ میں اُٹھ کر اُن کی طرف گیا اور اُن سے عرض کیا: میں آپؑ پر قربان، میں آپؑ کا خادم شقران ہوں۔ اُنھوں نے مجھے سلام دیا اور میں نے ان سے اپنی حاجت بیان کی تو وہ سواری سے اُترے، اپنے گھر گئے اور کچھ گندم لا کر مجھے دی اور فرمایا: اے شقران! ہر کسی کی نیکی قبول ہوتی ہے، مگر تمھاری نیکی کا درجہ زیادہ ہے، کیونکہ تمھارا تعلق ہمارے ساتھ ہے اور اسی طرح ہر کسی کی برائی، برائی شمار کی جاتی ہے لیکن اگر وہ برائی تم کرو گے تو وہ زیادہ قبیح سمجھی جائے گی۔

فحش گوئی سے بچنا

سماعہ بن مہران کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں گیا تو آپؑ نے مجھ سے فرمایا: اے سماعہ! تمھارے اور راستے پر موجود لوگوں کے مابین کیا مسئلہ ہے؟ خبردار! فحش گوئی اور واویلا نہ کرنا۔

سماعہ کہتے ہیں: ان لوگوں نے میرے ساتھ بدکلامی کی تھی تو امام علیہ السلام نے مجھے ایسا کرنے سے منع کیا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی اقتصادی زندگی

انسان اپنی زندگی میں مال و دولت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی اقتصادی زندگی مثلاً کھانا پینا، لباس اور مناسب رہائش وغیرہ سب اسی پر موقوف ہیں۔ بعض لوگ اپنی اقتصادی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے غیر شرعی طریقے استعمال کرتے ہیں اور اُنھیں اس بات کی بالکل پرواہ نہیں ہوتی کہ اُنھوں نے کہاں سے مال کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ لیکن خدا کے نیک بندے اس اَمر کا مکمل لحاظ رکھتے ہیں کہ اُن کے رزق کے حصول میں کوئی غیر شرعی پہلو تو موجود نہیں؟ ان کی نظر میں کسبِ حلال ایک عبادت ہے اور وہ اس عبادت کے ذریعے سے خدا کا قرب حاصل کرتے ہیں۔

اسی طرح ائمہ معصومین علیہم السلام کی اقتصادی زندگی انھی شرعی پہلوؤں پر مبنی تھی۔ بعض اوقات ائمہ اہلِ بیتؑ زراعت سے اپنا نظامِ اقتصاد چلاتے تھے اور زراعت کے محصولات کو پاک ترین اور حلال ترین رزق شمار کرتے تھے اور کبھی کبھی وہ تجارت کے ذریعے اپنی روزی کماتے تھے۔ ان کی تجارت کا مقصد مال کی حرص پر مبنی نہیں تھا، بلکہ وہ چاہتے تھے کہ جائز ذریعے سے اپنی ضروریاتِ زندگی پوری کریں اور دوسرے لوگوں سے بے نیاز ہو جائیں۔ اس عمل سے راہنمائے قوم (امامِ وقت) کی شخصیت میں نکھار آتا ہے، وہ معاشرے پر بوجھ نہیں بنتا اور اس کی نظر دوسرے لوگوں کے مال و دولت پہ نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی ضروریات خود پوری کرتا ہے اور کسی کا محتاج نہیں رہتا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی اسی روش کو اپنایا اور اپنی ضروریات خود مہیا کیں، کبھی امام علیہ السلام کھیتوں میں جاتے، زمین کو پانی لگاتے اور اتنی محنت کرتے کہ آپ کا پسینۂ مبارک نکل آتا اور بعض اوقات اپنے ہاتھوں سے کھجوریں تول کر بیچتے تھے۔ یہ سب اس لیے تھا کہ

آپؑ اس زمانے سے لے کر قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے نمونہ و اُسوہ تھے اور آپؑ کا عمل اپنے تمام ماننے والوں کے لیے حجت ہے۔ آپؑ اس کام میں خود کو تھکاتے، تاکہ آپؑ کے ماننے والے بھی آپؑ کی تاسی و پیروی میں زمین پر محنت کریں اور اس کی برکتوں سے فیضیاب ہوں اور اس طریقے سے معاشی حوالے سے مضبوط ہو جائیں۔

ہم ذیل میں اس موضوع پر چند احادیث اپنے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں:

① محمد بن عذافر نے اپنے والد سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: مجھے امام ابوعبداللہ نے ۷۰۰ دینار دیئے اور فرمایا: اے عذافر! انھیں کسی (قابلِ نفع) کام پر لگا دو۔ دیکھو! مجھے اس کی لالچ نہیں، لیکن میں چاہتا ہوں کہ میرا خدا مجھے ان سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دیکھے۔

عذافر نے کہا: میں نے ان سے ۱۰۰ دیناروں کا منافع پایا تو دورانِ طواف اُن سے کہا: میں آپؑ پر قربان جاؤں، خدا نے مجھے ۱۰۰ دیناروں کا منافع دیا ہے تو امام علیہ السلام نے فرمایا: ان سو کو اصلی سرمائے میں رکھ دو۔

ایک اور جگہ یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے: محمد بن عذافر نے اپنے والد سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: امام ابوعبداللہ نے میرے والد کو ۱۷۰۰ دینار عطا کیے اور فرمایا: ان سے تجارت کرو، پھر فرمایا: مجھے ان سے نفع کمانے کا کوئی شوق نہیں، اگرچہ یہ شوق برا نہیں مگر میں چاہتا ہوں کہ میرا خدا مجھے ان سے فوائد حاصل کرتے ہوئے دیکھے۔

عذافر کہتے ہیں: میں نے ان دیناروں سے سو دینار اور کما لیے۔ پھر جب میری ملاقات امام علیہ السلام سے ہوئی تو میں نے آپؑ کو بتایا۔

راوی کہتا ہے: اس پر امام علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور فرمایا: انھیں بھی اصل سرمایہ میں جمع کر دو۔

ابنِ عذافر کہتے ہیں: کچھ عرصہ بعد میرے والد کا انتقال ہو گیا تو امام ابوعبداللہؑ نے میری طرف یہ نامہ بھیجا:

خدا ہمیں اور تمھیں سلامت رکھے (تمھارے والد) ابومحمد (عذافر) کے پاس میرے

۱۸۰۰ دینار ہیں۔ میں نے اُسے تجارت کی غرض سے دیئے تھے، تم اُنھیں عمر بن یزید کے حوالے کر دو۔

وہ کہتا ہے: جب میں نے اپنے والد کی تحریر دیکھی تو اس میں لکھا ہوا تھا: میرے پاس ابوموسیٰ (حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام) کے ۱۷۰۰ دینار تھے اور اب میں نے تجارت کر کے ان میں ۱۰۰ دیناروں کا اضافہ کر دیا ہے اور عبداللہ بن سنان اور عمر بن یزید اس بات سے آگاہ ہیں۔

② ابوعمرو الشیبانی سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں نے امام ابوعبداللہ علیہ السلام کو دیکھا، اُن کے ہاتھ میں لکڑیاں کاٹنے کا ایک آلہ تھا اور اس کو رسّی بندھی ہوئی تھی۔ امام علیہ السلام اپنے باغ میں کام کر رہے تھے اور آپؑ کی کمر مبارک پسینے سے تر تھی۔ میں نے کہا: میں آپؑ پر قربان جاؤں یہ مجھے دیں میں آپؑ کی مدد کرتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: میں اس بات کو بہت پسند کرتا ہوں کہ آدمی روزی کی تلاش میں سورج کی گرمی سے اذیت اُٹھائے۔

③ محمد بن مرازم سے روایت ہے، اس نے اپنے والد سے نقل کیا ہے یا اپنے چچا سے نقل کیا ہے، وہ کہتا ہے: میں نے دیکھا کہ امام ابوعبداللہ علیہ السلام اپنے ایک وکیل کا محاسبہ کر رہے تھے اور وہ بار بار یہ کہتا تھا: اللہ کی قسم! میں نے خیانت نہیں کی۔ اللہ کی قسم! میں نے خیانت نہیں کی۔ امام ابوعبداللہ علیہ السلام نے اُس سے فرمایا:

اے بندے! سنو، تمھارا خیانت کرنا اور میرے مال کو ضائع کرنا دونوں برابر ہیں، کیونکہ خیانت تمھارے حق میں اس تضیع (مال ضائع کر دینے) سے زیادہ بری ہے۔

پھر آپؑ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی اپنے (لکھے ہوئے) رزق سے بھاگے تو وہ اس کا پیچھا کر کے اُسے پالے گا جس طرح موت اپنے سے بھاگنے والے کا پیچھا کرتی رہتی ہے حتیٰ کہ اُسے پالیتی ہے اور جو خیانت کرے گا تو اس کا حساب اس (خائن) کے رزق سے پورا کیا جائے گا اور اس (خیانت) کا گناہ اس کے نامۂ اعمال میں درج کر دیا جائے گا۔

④ معتب سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: (مدینہ میں اشیائے خورد ونوش کی قیمتیں بڑھ گئی تھی) امام ابوعبداللہ علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا: ہمارے پاس کتنا سامانِ خورد ونوش موجود ہے؟ میں نے کہا: ہمارے پاس موجود طعام کئی مہینوں کے لیے کافی ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اُسے نکالو اور فروخت کردو۔

میں نے امام علیہ السلام سے عرض کیا: پھر مدینہ میں تو یہ دستیاب نہیں ہوں گی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: (بہرحال) تم فروخت کردو۔ جب میں نے وہ سامان بیچ دیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: اب تم بھی دوسرے لوگوں کی طرح روز کا کھانا روز خریدا کرو، اور پھر فرمایا: اے معتب! میرے بچوں کے کھانے میں آدھے جَو ہوں اور آدھی گندم ہونی چاہیے، بے شک خداوند متعال جانتا ہے کہ میں اُنھیں اعلیٰ قسم کی گندم (کی روٹی) کھلا سکتا ہوں، لیکن مَیں چاہتا ہوں کہ میرا خدا مجھے دیکھے کہ میں نے کس طرح روزی کا حساب (اندازہ) مقرر کیا ہے۔

⑤ آلِ سام کے غلام عبدالاعلیٰ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: شدید گرمی کے دنوں میں مَیں نے امام ابوعبداللہ علیہ السلام کو مدینے کے بعض راستوں پر (محنت کرتے ہوئے) دیکھا تو میں نے عرض کیا: میں آپؑ پر قربان، خدا کے نزدیک آپؑ کا مقام بلند ہے اور آپؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت داروں میں سے بھی ہیں۔ اس کے باوجود اتنی شدید گرمی میں آپؑ اپنے لیے محنت ومزدوری کررہے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے عبدالاعلیٰ! میں روزی کی تلاش میں نکلا ہوں، تاکہ میں تجھ جیسوں کا محتاج نہ بنوں۔

⑥ ابنِ بکیر سے روایت ہے، وہ ہمارے بعض اصحاب (علماء) سے روایت نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اکثر ہمیں اعلیٰ قسم کے گھی میں گوندھی ہوئی اور موٹی روٹی کھلاتے تھے اور خود سادہ روٹی اور زیتون تناول فرمایا کرتے تھے۔

جب آپؑ سے کہا گیا آپؑ اپنے معاملے میں تدبیر سے کام کیوں نہیں لیتے؟ تاکہ اعتدال کی کوئی صورت پیدا ہوجائے تو آپؑ نے فرمایا: بے شک ہم خدا کے اَمر سے تدبیر کرتے ہیں، جب وہ ہمارا رزق وسیع کرتا ہے تو ہم اُس کی نعمت کا اِظہار کرتے ہیں اور جب

ہمارا رزق کم ہو جاتا ہے تو ہم بھی ضروری جگہوں پر خرچ کرتے ہیں۔

⑦ داؤد بن سرحان سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام ابو عبداللہ علیہ السلام کو دیکھا وہ اپنے ہاتھوں سے کھجوریں تول رہے تھے تو میں نے اُن سے کہا: قربان جاؤں، اگر آپؑ یہ کام اپنے کسی بیٹے یا غلام کو کہتے تو وہ کر دیتا۔

اس پر امام علیہ السلام نے فرمایا: اے داؤد! مسلمان ان تین حالتوں میں ہی اچھا لگتا ہے:

① وہ دین کی سوجھ بوجھ میں مصروف ہو،

② مصیبت پر صبر کر رہا ہو،

③ روزی کا بہترین اندازہ مقرر کر رہا ہو (یعنی روزی کے معاملے میں اِسراف و کنجوسی سے اجتناب کر رہا ہو)۔

⑧ ہارون بن عیسیٰ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: امام ابو عبداللہ علیہ السلام نے اپنے بیٹے محمد سے فرمایا: اے بیٹے! ان اخراجات کے علاوہ تمھارے پاس کتنی رقم ہے؟

وہ بولے: چالیس دینار۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: انھیں باہر نکالو اور صدقہ کر دو۔

محمد نے کہا: ان کے علاوہ میرے پاس کچھ بھی نہیں (یعنی میرے پاس یہی رقم ہے اگر ضرورت پڑ گئی تو کیا کریں گے؟)

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم اُنھیں صدقہ کر دو، خداوند متعال ضرور ان کا اجر عطا کرے گا اور کیا تم نہیں جانتے کہ ہر چیز کی کوئی کنجی ہوتی ہے اور رزق کی کنجی صدقہ ہے۔ پس تم انھیں صدقہ کر دو، تو محمد نے وہ دینار صدقہ کر دیئے۔

اس واقعے کو ابھی دس دن نہیں گزرے تھے کہ امام ابو عبداللہ علیہ السلام کے پاس کہیں سے چار ہزار دینار آ گئے۔ آپؑ نے فرمایا: اے نُورِ نظر (دیکھو) ہم نے خدا کی راہ میں چالیس دینار دیئے تھے تو اب اُس نے ہمیں چار ہزار دینار عطا کر دیئے ہیں۔

⑨ حسین الجمال سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ایک دن میں نے اسحاق بن عمار کو دیکھا، اُس نے اپنا بیگ مضبوطی سے باندھا ہوا ہے اور وہ کہیں جانے لگا تھا تو ایک شخص نے

اُس کے پاس آ کر کہا: مجھ سے دینار لے لو اور اس کے بدلے میں دراہم دے دو، تو اس نے اپنا بیگ کھولا اور اُسے دینار کے بدلے دراہم دے دیئے۔

راوی کہتا ہے: میں نے اس سے کہا: اس دینار کی کیا حیثیت ہے؟ (جو تُو نے اپنا بیگ پھر سے کھولا اور زحمت اُٹھائی)۔

اسحاق نے کہا: میں نے یہ سب دینار حاصل کرنے کی لالچ میں نہیں کیا، بلکہ میں نے امام ابوعبداللہ علیہ السلام کا فرمان سن کر ایسا کیا کہ وہ فرما رہے تھے: ''جو قلیل رزق کو تھوڑا سمجھتا ہے وہ کثیر سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے''۔

اس روایت کو ایک دوسری صورت میں بھی نقل کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے: حسن بن بسام الجمال سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں اسحاق بن عمار الصیرفی کے پاس تھا کہ ایک شخص نے آ کر اُس سے دینار کے بدلے غلہ مانگا۔ درحال اینکہ وہ دکان کا دروازہ بند کر چکا تھا اور تھیلے پر مہر لگا چکا تھا۔ تو اس نے اس آنے والے شخص کو دینار کے بدلے غلہ دیا۔ اس پر میں نے کہا: اے اسحاق! تیری حالت قابلِ رحم ہے۔ میں کئی بار تمھارے لیے ہزار ہزار دراہم لے کر آیا ہوں (اور اب تیرا حال یہ ہے کہ تو ایک دینار کے گاہک کو بھی واپس نہیں بھیج رہا)۔

راوی کہتا ہے: تب اسحاق نے کہا: تم نے دیکھا کہ یہ میرے لیے تھا (یعنی میں ہزاروں کا کاروبار کرتا تھا) مگر میں نے امام ابوعبداللہ علیہ السلام کو سنا، وہ فرما رہے تھے: ''جو تھوڑے رزق کو کم جاننے لگا وہ زیادہ سے محروم ہو جائے گا''۔ پھر امام علیہ السلام میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے اسحاق! تھوڑے رزق کو کم تصور نہ کرو، ورنہ زیادہ سے بھی محروم کر دیئے جاؤ گے''۔

⑩ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ ارشاد فرماتے ہیں: مجھ سے اپنی مراد پانے کے لیے سب سے بہتر ذریعہ وہ شخص ہے کہ جس پہ میں نے پہلے کوئی احسان کیا ہو اور اس کے بعد دوبارہ احسان کر کے اپنے پہلے والے احسان کی حفاظت کی ہو۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ اگر بعد میں عطا کرنے سے ہاتھ روک لیا جائے تو پہلے والے احسانات بھی فراموش کر دیئے جاتے ہیں۔

اس لیے ایسے بندے کے لیے مسائل حل کرنے سے میرا دل تنگ نہیں پڑتا۔ جیسا کہ ایک شاعر کا قول ہے:

وَإِذَا بُلِيتَ بِبَذْلِ وَجْهِكَ سَائِلًا — فَابْذُلْهُ لِلْمُتَكَرِّمِ الْمِفْضَالِ
إِنَّ الْجَوَادَ إِذَا حَبَاكَ بِمَوْعِدٍ — أَعْطَاكَهُ سَلِسًا بِغَيْرِ مِطَالِ
وَإِذَا السُّؤَالُ مَعَ النَّوَالِ قَرَنْتَهُ — رَجَحَ السُّؤَالُ وَخَفَّ كُلُّ نَوَالِ

"اگر تمھیں سوال کرنا پڑ جائے تو کسی صاحب فضل وکرم سے کرو، کیونکہ سخی تجھے اتنا عطا کر دے گا کہ تجھے زیادہ زبان لمبی نہیں کرنا پڑے گی اور جب تو سوال کو بخشش کے ساتھ ملا دے گا تو سوال بھاری ہو جائے گا اور ہر عطیہ و بخشش ہلکی پڑ جائے گی"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی علمی زندگی

میں یہاں علم کی فضیلت وشرف کو بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اور اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ علم کی محبت اور احترام انسانی فطرت کا حصّہ ہے۔

آئے دن ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمین پر لاکھوں مقامات پر مدارس بن رہے ہیں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی بنیادیں رکھی جا رہی ہیں، علمی مراکز قائم ہو رہے ہیں اور روزانہ کی بنیاد پر اس سلسلے میں لاکھوں وسائل سے کام لیا جا رہا ہے۔ تحصیلِ علم اور ثقافت کی نشرواشاعت کے لیے بے پناہ افرادی قوت اور قیمتی سرمایہ کام میں لایا جا رہا ہے۔

دین اسلام ان تمام ادیان میں سرفہرست ہے، جو علم وتعلیم پر زور دیتے ہیں اور عالم و جاہل کے مابین بہت زیادہ فرق کے قائل ہیں، جیسا کہ قرآنِ مجید میں آیا ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

"(اے رسولؐ) کہہ دیجیے کیا علم والے اور جو علم نہیں رکھتے برابر ہو سکتے ہیں؟"

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

بلاشبہ علم کی قدر و قیمت اس کے فائدے کے لحاظ سے ہوتی ہے تو جو علم جتنا زیادہ مفید ہوگا، اُس کی اتنی ہی زیادہ قدر و منزلت ہوگی اور واضح ہے کہ انسان کی زندگی میں، انسان پہ عائد سب سے زیادہ واجب، خلّاق عالم کی معرفت اور اُس پر ایمان رکھنا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ علم توحید سارے علوم سے زیادہ ضروری، باشرف، اعلیٰ اور قیمتی ہے۔ اس علم کو "علم الکلام" کہا جاتا ہے اور اس کے ماہر عالم کو "متکلّم" کہا جاتا ہے۔

اس علم میں اثباتِ صانع، اُس کی توحید و عدل اور ان سے متعلقہ اُمور سے بحث کی جاتی ہے، مثلاً خداوند بزرگ کی صفاتِ ثبوتیہ اور صفاتِ سلبیہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے اور ان مباحث کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جو اس موضوع پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بیان فرمائی ہیں۔

اس کے بعد عدل، نبوت، امامت اور قیامت سے بحث کی جاتی ہے اور ان پانچ اُمور کو "اُصولِ دین" کہا جاتا ہے۔ یہ عقائدی اُمور ہیں، ان میں تقلید جائز نہیں بلکہ صحیح دلیل کے ساتھ ان پر اعتقاد رکھنا واجب ہے۔

اُصولِ دین کی حیثیت کسی عمارت کی بنیاد کی سی ہے اور فروعاتِ دین خود عمارت کی مثل ہیں۔ جب بنیاد و اساس پختہ اور مضبوط ہوگی تو اس پر قائم عمارت بھی مضبوط ہوگی اور جب عمارت کی بنیاد کمزور ہوگی تو اُس پر بننے والی عمارت بھی مضبوط نہ ہوگی اور جلدی گر جائے گی۔

اُصولِ دین اسلامی عقیدے کی اَساس ہیں اور واضح ہے کہ مکان سے زیادہ بنیاد کو مضبوط بنانا ضروری ہے۔ اور وہ علم ہے جس کی تحصیل پر قرآنِ مجید، احادیثِ رسولؐ خدا اور فرامینِ ائمہ اَطہار علیہم السلام میں تاکید موجود ہے۔ وہ "علمِ دین" ہے اور ہر وہ علم ہے کہ جس کا دین کے ساتھ کوئی نہ کوئی ربط و تعلق موجود ہے۔

اس میں علومِ ہندسیہ و ریاضی اور فزکس و کیمیا یا دوسرے پیشے مثلاً خیاطت (کپڑے سلائی کرنا)، نجاری (لکڑی سے اشیا بنانا) اور موجودہ زمانے کی ٹیکنالوجی وغیرہ شامل نہیں، کیونکہ ان کا دین کے ساتھ براہِ راست کوئی تعلق نہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان علوم کی کوئی فضیلت نہیں اور ان کا کوئی مقام نہیں، بلکہ یہ علوم اپنی جگہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور اُنھیں

دین اور اسلام کی خدمت میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس اعتبار سے اُنھیں ثانوی لحاظ سے علومِ دینیہ کے ذیل میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

یہ بحث تھوڑی تفصیل طلب ہے، جو ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دین کا علم تمام علوم کا مرکز اصلی ہے اور ہر وہ علم کہ جو اس مدار کے گرد گھومتا ہے اُسے علومِ دینیہ میں سے شمار کیا جاتا ہے، وگرنہ نہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ماننے والوں کو اس طرح علم کی ترغیب دلائی کہ جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ آپؑ نے صرف علم کی تاکید پر اکتفا نہ کیا بلکہ اُنھیں اچھے اَخلاق مثلاً بردباری، وقار اور تواضع وغیرہ اپنانے کا حکم دیا اور شیطانی اَہداف مثلاً ریاکاری، تکبر اور دنگا فساد وغیرہ کے لیے علم حاصل کرنے سے منع بھی فرمایا۔

آپؑ بہترین منابع اور معتبر ذرائع سے علم حاصل کرنے کی تلقین فرماتے تھے کیونکہ شاگرد میں اُستاد کے اَخلاق کا عکس نظر آتا ہے، مثلاً اگر اُستاد حق کا پیرو ہوگا تو شاگرد بھی اپنے اُستاد کے نقشِ قدم پر چلے گا اور حق کا پرستار بنے گا۔ اُستاد نیک ہوا تو شاگرد بھی نیک ہوگا۔ اُستاد ہدایت کی راہ پر ہوا تو شاگرد بھی جادۂ حق کو اپنائے گا اور اگر خدانخواستہ استاد باطل پرست ہوا یا بدکردار ہوا یا گمراہ ہوا تو شاگرد میں بھی یہی صفاتِ رذیلہ ظاہر ہوں گی۔

اسی وجہ سے معاشرے میں اِصلاح و فساد اور ہدایت و گمراہی عام ہوجاتی ہے، یعنی جو استاد خود اچھی عادات کا پابند ہوتا ہے، اُس کی اچھائیاں اُس کے شاگرد اپنا لیتے ہیں اور ان شاگردوں کے ذریعے سے اُس کی اچھائیاں پورے انسانی معاشرے میں پھیل جاتی ہیں، اور جو اُستاد خود غلط طور طریقے پر ہوتا ہے اُس کی غلط کاریاں اُس کے حلقے والے اپنا لیتے ہیں اور یوں اُس کے بُرے اعمال سارے انسانی معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں (نعوذ باللہ)۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ثقافتی تعلیمات بہت سی خصوصیات کی بنا پر دوسروں سے ممتاز تھیں، مثلاً آپؑ نے اپنے شاگردوں کو کتابیں تالیف کرنے، جو احادیث وہ سنتے تھے وہ اخبار جنھیں وہ روایت کرتے تھے اور وہ اُمور جو وہ سیکھتے تھے اُنھیں قلم بند کرنے کا حکم دیا، تاکہ احادیث ضائع ہونے اور تحریف ہونے سے محفوظ ہوجائیں۔

واضح رہے کہ کتاب کی تالیف علوم وحقائق کو آیندہ نسلوں تک پہنچانے کے لیے ایک بہترین ذریعہ تصور کیا جاتا ہے اور یہ کتابیں اُن خزانوں کی مانند ہوتی ہیں کہ پہلے لوگ، بعد والوں کے لیے چھوڑ جاتے ہیں تاکہ وہ ان بیش قیمت خزانوں سے فائدہ اُٹھائیں، کیونکہ یہ خزانے استعمال سے کم نہیں پڑتے۔

اسی لیے امام علیہ السلام نے فرمایا: لکھو، کیونکہ تم اس وقت تک (علم) محفوظ نہیں کر سکتے کہ جس وقت تک لکھ نہ لو۔

ایک اور مقام پر فرمایا: اپنی کتابوں کی حفاظت کرو، کیونکہ عنقریب تمھیں اِن کی ضرورت پڑے گی۔

ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعلیمات دنیا و مافیہا سے کتنی زیادہ قیمتی ہیں۔ بالفرض اگر ائمہ علیہم السلام کے زمانے میں احادیث کو نہ لکھا جاتا اور وہ کتابیں نہ ہوتیں کہ جو حدیث کے عالموں اور راویوں نے مختلف موضوعات پر تحریر کی تھیں تو آج ہم جہالت و حیرت میں پڑے ہوتے۔ بہت بڑی نعمت سے محروم ہوتے اور دینی ثقافت کے حوالے سے بالکل تہی دامن ہوتے۔

خداوند سبحان کا درود و سلام ہو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام پر کہ جنھوں نے اپنے شیعوں کو کتابیں تالیف کرنے کا حکم دیا تھا اور ان راویوں اور حدیث کے عالموں پر بھی خداوند متعال کی کروڑہا رحمتیں نازل ہوں کہ جنھوں نے احادیث کو اکٹھا اور مدون کرکے ہم تک پہنچایا۔

اسی لیے امام عالی مقام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اَصحاب میں سے چار سو علماء نے چار سو کتابیں تحریر کیں، یعنی ہر عالم نے ایک کتاب لکھی۔ ان ساری کتابوں کو "اصل" کا نام دیا گیا حتیٰ کہ یہ الأُصُولُ الأربَعمائة کے نام سے مشہور ہوگیں۔ اور باقی کتابیں کہ جنھیں امام علیہ السلام کے اَصحاب علیہم الرضوان نے مختلف موضوعات پر تحریر فرمایا وہ سینکڑوں سے متجاوز ہیں بلکہ اُن کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے۔

اور آپؑ کے طریقۂ تعلیم و تربیت کی دوسری نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ آپؑ نے اپنے اصحاب کو علوم کی اشاعت کرنے، جاہل کو تعلیم دینے اور غافل کو بیدار کرنے کا حکم دیا تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ آپؑ کے اصحاب علیہم الرضوان اپنی کارکردگیوں کے بہتر کے نتائج آپؑ کی خدمت میں پیش کریں اور ایک گروہ کی اصلاح کے بعد دوسرے گروہ کے پاس چلے جائیں۔

علمِ امامؑ کی بحث

ہم نے اپنی کتاب اَلْاِمَامُ الْهَادِي مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ میں علمِ امامؑ پر مختصر تبصرہ کیا ہے اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کلام کو یہاں نقل کر دیا جائے کیونکہ اس کا نقل کرنا فائدے سے خالی نہیں اور ممکن ہے کہ اس کتاب کا قاری اس کتاب کو ملاحظہ نہ کر سکے۔

علم، ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کی ان خصوصیات میں سے ہے کہ جن کی وجہ سے وہ اپنے اغیار سے ممتاز ہیں۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی سینکڑوں متواتر احادیث موجود ہیں کہ جو بتاتی ہیں کہ ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام بہت سے علوم وفنون پر مکمل اطلاع رکھتے ہیں۔ یہ احادیث اتنی زیادہ ہیں کہ اُنھیں نہ جھٹلایا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان میں شک کیا جاسکتا ہے۔ ہمارے بہت سے علمائے کرام نے علمِ امامؑ پر بے شمار کتابیں تحریر کی ہیں۔ مگر دشمنانِ مذہبِ شیعہ اس حقیقت کو شیعوں کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ وہ اپنی غلط پروپیگنڈے پر مبنی تحریروں کے ذریعے عوام کے ذہنوں میں سم پاشی کرتے ہیں اور جابجا یہ ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ شیعہ عقیدہ رکھتے ہیں: "ائمہ علیہم السلام علمِ غیب جانتے ہیں، حالانکہ غیب کا علم تو صرف خداوند بزرگ کے پاس ہے"۔

میں کہتا ہوں: شیعہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ غیب کا علم صرف ذاتِ خداوندی کا خاصہ ہے اور اُس کے سوا کوئی بھی غیب کا علم نہیں رکھتا، لیکن وہ اپنا علمِ غیب اپنے منتخب کیے ہوئے بندوں پر ظاہر کر دیتا ہے۔ اس بنا پر جو بھی یہ کہے کہ شیعہ انبیائے کرام اور ائمہ علیہم السلام کے بالاستقلال غیب کے قائل ہیں تو ایسا شخص جاہل ہے اور حقیقت سے کوسوں دُور ہے اور جو اس عقیدے کی نسبت شیعوں کی طرف دے تو وہ جھوٹا ہے، اِفترا کرنے والا اور گمراہ ہے۔

ہم اس موضوع سے متعلقہ چند معروضات اپنی کتاب اَلْاِمَامُ الْهَادِي مِنَ الْمَهْدِ إِلَى اللَّحدِ کے صفحہ ۱۸۵ پر بھی پیش کر چکے ہیں۔ وہاں ہم نے ایک روایت درج کی ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام نے حبشیوں اور ترکوں کے سردار کے ہاتھوں بصرہ میں پیدا ہونے والے حالات کے بارے میں خبر دی تو آپؑ کے بعض اصحاب علیہم الرضوان نے فرمایا:

''اے امیر المومنین! آپؑ کو تو غیب کا بھی علم ہے۔ اس پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: یہ علمِ غیب نہیں بلکہ صاحب علم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پایا ہوا فیض ہے''۔

اگر ہم امام علیہ السلام کے موضوع کو تفصیلاً بیان کرنا چاہیں تو اس کے لیے ایک علیحدہ اور ضخیم کتاب درکار ہے کہ جس میں ہم اس موضوع کو آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبویہ اور فرامین ائمہؑ کی روشنی میں بیان کریں۔

لیکن ہم اس بحث کے مفید ہونے کی غرض سے یہاں اس کا جامع سا خلاصہ اپنے قارئین کو ہدیہ کر رہے ہیں۔

وہ علوم، جو لوگ حاصل کرتے ہیں اُن کی دو قسمیں ہیں:

① اس قسم میں وہ علوم شامل ہیں کہ جو ایک انسان دوسرے سے سیکھ کر حاصل کرتا ہے، اس میں مطالعہ، تجربہ، استنباط اور اُستاد کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہہ کر کے علم حاصل کرنا وغیرہ شامل ہیں، اسے ''علمِ اکتسابی'' کہا جاتا ہے کیونکہ اس طریقے میں انسان بہت سے طبعی ذرائع سے علم کسب کرتا ہے۔

② اس قسم میں وہ علوم شامل ہیں کہ جو بعض چنے ہوئے لوگوں کو اِلقا و اِلہام وغیرہ ذرائع سے حاصل ہوتے ہیں اور اُنھیں ''علمِ لدُنی'' کہا جاتا ہے۔ اس قسم کا ذکر قرآنِ مجید کی متعدد آیات میں آیا ہے جیسا کہ سورۂ مبارکہ یوسف میں کئی مقامات پر اس کا بیان آیا ہے:

وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ

''اور وہ آپ کو خوابوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا''۔

وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ

''اور (خدایا) تُو نے مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم سکھایا''۔

وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ

"وہ (حضرت یعقوب علیہ السلام) ہمارے دیے ہوئے علم کی بنا پر صاحب علم تھے"۔

سورۂ نمل کی آیت نمبر ۱۶ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں آیا ہے:

عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ

"ہمیں پرندوں کی بولی کا علم دیا گیا ہے"۔

یہ سب اور ان جیسی دوسری بہت سی آیات اس اَمر کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ خداوند متعال نے اپنے انبیائے علیہم السلام کو یہ سارے علوم بذریعہ وحی و الہام عطا کیے تھے اور اُن کے علوم مطالعہ یا تجربہ وغیرہ پر مبنی نہ تھے۔ بس خدا نے اِن علوم کو اُن کے دلوں میں ڈال دیا تھا۔

ان آیات میں صراحت موجود ہے کہ خداوند متعال نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خوابوں کی تعبیر کا علم دیا اور حضرت سلیمان بن داوٗد علیہما السلام کو پرندوں کی بولی کا علم دیا، بلکہ چیونٹیوں تک بقیہ حیوانات کی زبانوں کا علم بھی دیا جیسا کہ سورۂ نمل میں موجود ہے کہ آپؑ نے چیونٹی کی یہ بات اُدْخُلُوا مَسٰكِنَكُمْ...... سُن لی اور اس پر مسکرائے اور اسی طرح خدا نے آپؑ کو اس کھیتی کا حکم بھی سمجھایا کہ جسے لوگوں کی بھیڑیں چر گئی تھیں جیسا کہ یہ قصہ تفاسیر کی کتابوں میں بہت مشہور ہے۔

اور اسی طرح خداوند متعال نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہ اسمِ اعظم تعلیم دیا کہ جس سے وہ اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دیتے تھے، مٹی سے پرندے کی صورت بنا کر اس میں پھونک مارتے تو خدا کے اِذن سے وہ اصلی پرندے بن جاتے تھے اور اس اسمِ اعظم کے ذریعے سے وہ لوگوں کو جو انھوں نے کھایا ہوتا، یا گھر میں ذخیرہ کیا ہوا ہوتا اُس کی خبر دیتے تھے۔

یہاں دو سوال اُبھر کر سامنے آتے ہیں:

① خداوند متعال انبیائے کرام علیہم السلام کو یہ اِلقاء کس طرح کرتا ہے؟

② مذکورہ بالا آیات میں تو انبیائے علیہم السلام کے علم کے بارے میں بیان کیا گیا ہے اُس

کا ائمہ طاہرین علیہم السلام کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ یہ بات ہماری عقلوں کی رسائی سے کہیں بالاتر ہے کہ ہم سمجھ لیں کہ کس طرح خداوند سبحان انبیائے علیہم السلام کو اُن علوم کا "القا" کرتا ہے اور ہمارے لیے اُسے جاننا کوئی خاص ضروری بھی نہیں۔ پس خداوند عالم اس "القا و الہام" کی کیفیت کو جانتا ہے اور اس دوسرے سوال کا جواب کئی صورتوں سے دیا جاسکتا ہے، مثلاً،

اوّلاً: حضرت لقمانؑ نبی نہ تھے جیسا کہ تفسیر مجمع البیان میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درج ذیل حدیث موجود ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں:

حضرت لقمانؑ نبی نہ تھے، وہ صرف خدا کے ایک نیک بندے تھے اور انھیں خدا نے حکمت عطا کی تھی۔ ایک دن وہ سوئے تو انھیں (اس نیند میں من جانب اللہ) حکمت عطا کی گئی اور جب بیدار ہوئے تو حکیمانہ باتیں کرنے لگے۔

اسی طرح حضرت خضرؑ بھی نبی نہیں تھے لیکن خداوند منان نے انھیں اپنی بارگاہ سے علم عطا کیا تھا، اسی لیے انھوں نے شہر میں موجود دو یتیم لڑکوں کی دیوار کو کھڑا کر دیا تھا کیونکہ اس کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا جیسا کہ یہ سارا واقعہ قرآنِ مجید کے نصف میں مذکور ہے۔

ثانیاً: رسولِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیینؐ ہیں اور خدا نے آپؐ کو زمین پر بسنے والے اور قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے اپنا رسولؐ بنا کر بھیجا ہے، چنانچہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ آپؐ ان تمام اُمور سے واقف ہوں کہ جن کی لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے، خواہ وہ اُمور عقائد سے متعلقہ ہوں یا اَحکامِ شرعیہ سے۔

اسی طرح حکمت اس بات کی بھی متقاضی تھی کہ آپؐ دین و شریعت سے ہٹ کر دوسرے اُمور مثلاً طب، اشیاء کے خواص، بیماریوں کے علاج، ماضی و مستقبل کی خبریں اور بڑے بڑے حادثات اور فتنوں وغیرہ کے بارے میں بھی بیان کریں، تا کہ یہ آپؐ کے دعوائے نبوت کو ثابت کرے، آپؐ کی اُمت کا ایمان پختہ ہو اور منکروں پر حجت تمام ہو جائے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حکمتِ الٰہیہ کا یہ تقاضا تھا کہ آپؐ ہر اُس چیز سے آگاہ ہوں کہ جس کی انسانوں کو ضرورت ہے، چاہے وہ اُصول و فروعاتِ دین سے ہوں یا ان کے علاوہ

دوسرے علوم سے متعلق ہوں اور ایسا نہ ہو کہ لوگ اُن سے کسی چیز کے بارے میں دریافت کریں تو وہ اس کا جواب نہ دے سکیں۔

اس حقیقت کے ثابت ہونے کے بعد ہمارے لیے آسان ہوگیا ہے کہ ہم ائمہ طاہرین علیہم السلام (جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خلفا قرار دیا، ان کی امامت و اَمارت پر نص فرمائی اور لوگوں کو ان سے معالمِ دین و اَحکامِ شریعت حاصل کرنے کا حکم دیا) کے بارے میں یہ عقیدہ رکھیں کہ وہ تمام اَحکامِ الٰہیہ واقعیہ کا علم رکھتے ہیں، کیونکہ وہ رسالت کا اِمتداد ہیں اور خطِ اسلام کی بقا کے ضامن ہیں۔ اس سے لوگوں پر حجت تمام ہوجاتی ہے اور ان کے لیے کوئی عُذر باقی نہیں رہتا۔

اور اگر ایسا نہ ہو تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کا کیا فائدہ کہ جس میں آپؐ نے لوگوں کو تمام اَحکامِ شریعت اور زندگی کی علمی ضروریات میں ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا؟

اسی لیے ہمیں ائمہ طاہرین علیہم السلام کی زندگی میں کہیں نہیں ملتا کہ آپؑ میں سے کسی ایک فرد نے بھی، کسی مقام پر، کسی سائل کے سوال کا جواب میں لاعلمی کا اظہار کیا ہو اور ان کو ہونا بھی یونہی چاہیے تھا، کیونکہ ہم ایسے شخص کو امام نہیں مانتے کہ جو اَحکامِ شرعیہ و اَوامرِ الٰہیہ سے بے خبر ہو۔

یہاں تک تو بیان شرعی اَحکام کے بارے میں علم سے متعلق تھا اور اگر اس کے علاوہ دیکھا جائے مثلاً علمِ طب، علمِ نجوم، اَشیاء کے خواص، زمانہ ماضی اور مستقبل کی خبریں دینا اور غیبی اُمور پر اطلاع وغیرہ تو ہزاروں اَحادیث شاہد ہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام میں یہ خصوصیات بدرجۂ اَتم موجود تھیں۔ واضح رہے کہ یہ خداوند متعال کا خاص فضل ہے وہ جسے چاہے اُس سے بہرہ مند کرسکتا ہے۔

اور قابلِ تعجب اَمر یہ ہے کہ جب بعض علمِ نجوم کے ماہرین چاند گرہن، سورج گرہن، یا بارشوں کی کمی یا زیادتی وغیرہ کے بارے میں اپنے علم کے مطابق رائے دیتا ہے تو اُنھیں کوئی نہیں کہتا کہ یہ غیب دان ہیں اور نہ ہی ان اُمور سے متعلقہ ان کی پیشن گوئیوں پر حیرانگی کا

اظہار کرتا ہے، حالانکہ لوگ جانتے ہیں کہ وہ اس چیز کے بارے میں بتا رہے ہیں جو آنکھوں سے اوجھل ہے اور اُن کی بتائی ہوئی باتیں غلط بھی ہوسکتی ہیں اور صحیح بھی ہوسکتی ہیں۔

لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام مستقبل میں واقع ہونے والے اُمر کے بارے میں خبر دیتے ہیں، یا کسی انسان کی موت کی خبر دیتے ہیں یا کسی ایسے حادثے کی خبر دیتے ہیں جو چند لوگوں کے ساتھ پیش آنے والا ہوتا ہے تو بعض لوگ اس پر اظہارِ تعجب کرتے ہیں اور اُنھیں ماننا اُن کے لیے مشکل و ناگوار ہوجاتا ہے، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کے علوم و اطلاعات خدا کی طرف سے ہوتے ہیں۔

ہاں، ہزاروں احادیث شاہد ہیں کہ ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کے علوم و اِطلاعات صرف اَحکامِ شرعیہ میں ہی منحصر نہیں، بلکہ خداوند عالم نے اُنھیں تمام چیزوں کا علم عطا کیا ہے اور اُن کے لیے ہر چیز سے پردہ ہٹا دیا ہے۔

شاید کوئی کہنے والا یہ کہے کہ ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کے ان علوم کا کیا فائدہ کہ جب لوگوں نے کماحقہ اُن سے استفادہ نہیں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت ڈاکٹروں اور طبیبوں کا کیا فائدہ کہ جب لوگ اُن کے علم سے اِستفادہ نہ کریں اور ان سے اپنی امراضِ جسمانیہ کا علاج نہ کرائیں؟!

یہ بالکل درست بات ہے کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کو مبدائے فیض سے بہت سے علوم سے نوازا گیا، مگر اکثر مسلمانوں نے اُنھیں چھوڑ کر اوروں کی راہ اپنا لی۔ اُنھوں نے صاف و شفاف چشمے کو چھوڑ دیا اور گدلے پانی پر جا گرے۔ نادانی کے عالم میں عمریں گنوا دیں اور گمراہ ہو کر مر گئے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیتؑ سے علمی فیض نہ پایا۔

ایسا کیوں ہے؟ اس 'کیوں' کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ سیاسی حالات، شخصی مفاد پرستی، نفس کی پستی، کم عقلی اور غلط رائے جیسے عوامل نے اُنھیں پابند کر دیا تھا اور اس گھرانے سے کسبِ فیض کی راہ میں حائل ہو گئے تھے۔ اگر اس میں کوئی کمی یا کوتاہی ہوئی ہے تو وہ لوگوں کی طرف سے ہوئی ہے، کیونکہ ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام نے تو اپنی زندگیوں کو "سورج" کی مانند وقف کر دیا تھا کہ جس کی روشنی سے نیک و بد ہر دو یکساں طور پر مستفید ہوتے ہیں۔ وہ علم کی تعلیم

سے بخل نہیں کرتے تھے اور لوگوں کو صحیح راہ دکھاتے تھے، لیکن حکمت اور مصلحت کے تمام تر تقاضوں کو پیش نظر رکھتے تھے اور ہر سائل کو اُس کے فہم اور اہلیت کے مطابق جواب دیتے تھے۔

اسی لیے آپ جانیں گے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے خاص اصحاب کو "منایا و بلایا کا علم" سکھایا تھا۔ اسی طرح باقی ائمہ اہل بیت علیہم السلام اپنے خاص اصحاب کو بعض چیزوں کے بارے میں آگاہ فرماتے یا اُنھیں بعض علوم مخفی طور پر تعلیم دیتے اور ساتھ تاکید بھی کرتے تھے کہ اسے لوگوں پر ظاہر نہ کرنا کیونکہ اس وقت مصلحت اسی میں تھی۔

اگر ائمہ اہل بیت علیہم السلام تمام لوگوں میں ان علوم کو متحمل کرنے کی صلاحیت پا لیتے تو ساری دنیا کو طرح طرح کے علوم سے بھر دیتے اور ساری کائنات علوم و معارف کے نُور سے جگمگا اُٹھتی، لیکن سب لوگ معتبر نہ تھے اور ان علوم کو برداشت کرنے اور اِن سے استفادہ کرنے کی صلاحیت ان میں موجود نہ تھی جیسا کہ احادیث و تواریخ کی کتابوں میں ملتا ہے کہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: ''یہاں علم کا بہت بڑا ذخیرہ ہے، اے کاش! مجھے کوئی ان علوم کو اُٹھانے والا مل جاتا؟''

اور جب آپؑ جلوہ افروز ہو کر مجمع عام سے فرماتے:

سَلُوْنِي قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِي

''مجھ سے پوچھ لو (جو پوچھنا ہے) قبل اس کے کہ تم مجھے کھو دو''۔

کوئی آپؑ سے اَحکامِ شرعیہ کی علت اور اُن کا فلسفہ نہ پوچھتا یا روح اور عالمِ اَرواح کے بارے میں سوال نہ کرتا یا کوئی طبیعت و ماورائے طبیعت کے متعلق دریافت نہ کرتا اور اگر کوئی سوال کرتا تو ایسے لایعنی سوال کرتا، مثلاً مجھے بتائیں میرے سر اور ڈاڑھی میں کتنے بال ہیں؟

واضح رہے کہ یہ سوال ایک مذاقانہ اور بے ہودہ سوال ہے۔ بنابرایں امام علی علیہ السلام کس طرح ایسے لوگوں کو علوم و معارف کے موتی عطا کرتے کہ جن میں اتنا شعور بھی نہیں ہے کہ وہ بے وقعت کنکرے اور قیمتی ہیرے میں فرق کر سکیں؟

اب ہم اس بحث کو امیرالمومنین حضرت امام علی ابنِ ابی طالب علیہم السلام کے اس خطبے پر ختم

کرتے ہیں کہ جو نہج البلاغہ کا ۱۷۳واں خطبہ ہے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

''خدا کی قسم! اگر میں بتانا چاہوں تو تم میں سے ہر شخص کو بتا سکتا ہوں کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور اسے کہاں جانا ہے اور اس کے پورے حالات کیا ہیں لیکن مجھے یہ اندیشہ ہے کہ تم کہیں مجھ سے (کھو کر) پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کفر اختیار نہ کرلو۔ البتہ میں اپنے مخصوص دوستوں سے یہ چیزیں پہنچاتا رہوں گا کہ جن کے بھٹک جانے کا اندیشہ نہیں۔

اس ذات کی قسم، جس نے انھیں حق کے ساتھ مبعوث کیا اور ساری مخلوقات میں سے انھیں منتخب کرلیا۔ میں جو کہتا ہوں سچ کہتا ہوں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تمام چیزوں اور ہلاک ہونے والوں کی ہلاکت، نجات پانے والوں کی نجات اور اس اَمر (خلافت) کے انجام کی خبر دی ہے۔ اور ہر وہ چیز جو میرے سر پر گزرے گی اُسے میرے کانوں میں ڈالے بغیر اور مجھ تک پہنچائے بغیر نہیں چھوڑا''۔

ہم اپنے محترم قارئین پر واضح کیے دیتے ہیں کہ ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کا علوم کا مصدر صرف ''القا و الہام'' ہی نہیں بلکہ اُن کے علم کے اور بھی ذرائع ہیں جیسا کہ بعض احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔ ہم ان احادیث کا خلاصہ ذیل میں پیش کر رہے ہیں:

① ائمہ طاہرین علیہم السلام کے پاس ''الجامعہ'' ہے۔ یہ ایک چمڑے کا صحیفہ ہے، اس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو اِملاء کرایا تھا۔

② ان کے پاس ''الجفر'' ہے۔ یہ چمڑے کا بنا ہوا ہے اور اس میں انبیاء و اوصیاء علیہم السلام اور بنی اسرائیل کے گزرے ہوئے علماء کا علم ہے۔

③ اُن کے پاس ''مصحف سیدہ فاطمۃ الزہراؑ'' ہے اور یہ حجم کے لحاظ سے قرآنِ مجید کا تین گنا ہے۔ اس کے بارے میں تفصیلات ہماری کتاب فَاطِمَةُ الزَّهْرَاء مِنَ

اَلْمَھْدِ اِلَی اللَّحدِ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

④ ان کے پاس مَاکَانَ (جو ہوچکا) اور مَا ھُوَ کَائِنٌ اِلیٰ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ (جو قیامت تک ہونے والا ہے) کا علم ہے۔

⑤ ان کے پاس علم کا ایک ایسا ذخیرہ ہے کہ جس میں ہر شب و روز اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ہر سال لیلۃ القدر میں فرشتے اور روح اپنے رب کے اِذن سے نازل ہوتے اور زمانے کے امام کے پاس جاتے ہیں اور انھیں تمام اُمور اور مخلوقات کی تقدیروں کے بارے میں بتاتے ہیں۔

⑥ اُن کے پاس "اسمِ اعظم" ہے کہ جس کے ذریعے وہ جو چیز جاننا چاہیں جان لیتے ہیں اور وہ اس کے ذریعے لوگوں کو معجزات دکھاتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور مختلف علوم

ہمارے محترم قارئین کو یاد ہوگا کہ ہم نے سابقہ اوراق میں بیان کیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا علم صرف فقہ و اَحکامِ شریعت میں محدود نہیں، بلکہ امام علیہ السلام تمام علوم اور اُن کی تمام اَنواع و اَقسام کو خوب جانتے ہیں، اسی لیے آپؑ کی احادیث متفرق موضوعات، بہت سے فنون اور کثیر التعداد علوم کو بیان کرتی ہیں اور ساری کائنات اور جو کچھ اُس میں ہے اس کے بارے میں آپؑ کی معرفت اور عالمِ سفلی اور اُس میں پوشیدہ اَسرار، حکمت، قدرت کی نشانیوں اور اشیاء کے خواص و منافع کے بارے میں آپؑ کی معرفت دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے، حتیٰ کہ کیمسٹری اور فزکس کے بارے میں بھی امام عالی مقام علیہ السلام کی احادیث موجود ہیں، حالانکہ ان چیزوں کے بارے میں بیان کرنا، اُن کی شرعی ذمہ داریوں میں سے نہ تھا اور اُنھوں نے تو صرف انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے ان چیزوں کے بارے میں بتایا۔ خداوندِ متعال نے اُنھیں انسانوں کی ہدایت کے لیے منتخب فرمایا کہ جس میں دین و دنیا دونوں کی سعادت ہے کیونکہ یہ علوم اور اُن کی روشنی میں تیار کی گئی مصنوعات و مشینریاں وغیرہ انسان کی اُخروی سعادت کی ضامن نہیں۔ ان چیزوں کا فائدہ صرف یہ ہے کہ کم وقت میں زیادہ کام ہوجاتا ہے۔ لمبی لمبی مسافتیں کم وقت میں طے کی جاتی ہیں، یا گرمی و سردی کے موسم میں تھوڑا سکون ملتا ہے۔

یہ چیزیں نوعِ انسانیت کو غربت، محرومیت، بیماری، مصائب، آلام، جرائم کی گرم بازاری، چوری، ڈکیتی، اغوا برائے تاوان، اَملاک کے غصب کرنے، خودکشی، خودکش حملوں اور زمینی، آبی اور ہوائی سفر کے حادثات سے تو نہیں بچا تیں!!

ان چیزوں سے حقوق کی پامالی کو تو نہیں روکا جاسکتا اور نہ ہی نوعِ انسانیت کو لاحق

دوسرے خطرات کو دُور کیا جاسکتا ہے۔ اور مسلمانوں کے اولیائے الٰہی سے یہ اُمید نہیں کی جاسکتی کہ وہ اُن کے لیے انسانوں کو تباہ کرنے والے آلات، مثلاً بندوقیں، ٹینک اور ہائیڈروجنی ایٹم بموں کو ایجاد کرنے کے طریقے بتائیں کہ جو چند لمحات میں زمینِ خدا پر تباہی مچادیتی ہیں۔

بلاشبہ خدا کے اولیاء بندوں پر خدا کی رحمت بن کر آئے نہ کہ عذاب دینے کے لیے تشریف لائے۔

ہماری اس بحث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ ان علوم سے آشنا نہیں ہوتے بلکہ اس سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ اُمور ان کی شرعی ذمہ داری میں شامل نہیں۔

ہم گذشتہ اَوراق میں بیان کرچکے ہیں کہ ظالم حکومتوں نے لوگوں کو ائمہ اہلِ بیتؑ کے علوم کے نُور سے ضیا حاصل کرنے سے روکنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور اُن کے علوم ومعارف کی اشاعت کی راہ میں مختلف رکاوٹیں حائل کیں۔

آج کل ہمارے پاس علومِ اہلِ بیت علیہم السلام کا جو خزانہ موجود ہے وہ بہت کم عرصے کی تبلیغِ علم کا نتیجہ ہے۔ کبھی ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کو موقع میسر آتا تو وہ لوگوں کو اپنے علوم سے بہرہ مند فرمادیا کرتے، ورنہ ہروقت کڑی نگرانی اور پابندیوں میں جکڑے رہتے، جیسا کہ اس حدیث میں آیا ہے:

حضرت مفضل بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: منصور دوانیقی نے کئی مرتبہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو شہید کرنے کی کوشش کی۔ وہ اُنھیں بلوا کر بھیجتا تھا، تاکہ موقع پاکر اُنھیں قتل کردے، مگر جب وہ اُن کی ہیبت دیکھتا تو اپنا ارادہ تبدیل کرلیتا۔ جب یہ نہ کرسکا تو اُس نے لوگوں کو اُن کے پاس جانے سے روک دیا اور اُن پر بھی پابندی عائد کردی کہ وہ لوگوں کے پاس نہ بیٹھیں اور اُن پر سخت اور چالاک نگران مقرر کیے، حتیٰ کہ اگر وہ کسی کو کوئی دینی مسئلہ بتاتے تو سائل کو اس مسئلے کے بدلے میں برادری چھوڑنا پڑتی تھی۔

یہ اُمر شیعوں کے لیے بہت مشکل اور تکلیف دہ تھا۔ حتیٰ کہ خدا نے منصور کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہے: مجھے اپنی طرف سے کوئی ایسی چیز تحفے میں بھیجیں کہ جو میرے پاس پہلے سے موجود نہ ہو۔

امام علیہ السلام نے اُس کی طرف ایک عصا (کوڑا) بھیجا جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا اور اُس کی لمبائی ایک ہاتھ تھی۔ وہ اُسے پا کر بہت خوش ہوا اور حکم دیا کہ ان کے لیے چار کرے بنائے جائیں اور اُس عصا کو چار مقامات پر تقسیم کیا۔ پھر ان (امام علیہ السلام) سے کہنے لگا: میں اس کے بدلے میں آپؑ کو کچھ نہیں دے سکتا، مگر میں آپؑ کو اجازت دیتا ہوں کہ آپؑ اپنے علوم اپنے شیعوں تک پہنچائیں۔ میں آپؑ کے کام میں کوئی رکاوٹ ڈالوں اور نہ ہی آپؑ کے شیعوں کو چھیڑوں گا۔ اب آپؑ لوگوں کے پاس بیٹھا کریں اور اُنھیں دینی فتاویٰ بتائیں، مگر اس شہر میں نہ رہیں کہ جس میں میں موجود ہوں۔ اس شرط پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے طریقے کے مطابق علم کی اشاعت شروع کر دی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور قرآنِ مجید کا علم

ہمارے محترم قارئین کو یاد ہوگا کہ گذشتہ مباحث میں حدیثِ ثقلین کے ذیل میں ہم اس موضوع کی کچھ تفصیل ذکر کر چکے ہیں اور حدیث اس اَمر پر واضح دلیل ہے کہ ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام قرآنِ مجید کے ہم پلّہ و عدل ہیں اور وہی ہیں کہ جو اُس کی تاویل و تفسیر، اس کے ناسخ و منسوخ اور اس کے محکم و متشابہ کو اچھی طرح سے جانتے ہیں۔

اس فصل میں ہم بعض وہ احادیث درج کریں گے جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے قرآنِ مجید اور اُس کے اَسرار و رُموز کے متعلق علم کو بیان کرتی ہیں:

① ابنِ ابی العوجاء نے ہشام بن حکم سے پوچھا: کیا خداوند عالم حکیم نہیں ہے؟ اُس نے جواب دیا: کیوں نہیں، بلکہ وہ احکم الحاکمین ہے۔ ابنِ ابی العوجاء نے کہا: اچھا مجھے اس آیت فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (تو تم کو جو عورتیں بھلی معلوم ہوں ان سے نکاح کرلو، دو دو، تین تین اور چار چار۔ اور اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ تم (زیادہ بیویوں میں) عدل نہیں کرسکو گے تو ایک عورت سے نکاح کرو) کے بارے میں بتاؤ کیا یہ فرض نہیں ہے؟

ہشام نے کہا: کیوں نہیں۔ ابنِ ابی العوجاء بولا: اب ذرا مجھے اس آیت وَ لَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ (تم ہرگز یہ نہیں کرسکتے کہ (ایک سے زائد) بیویوں کے درمیان (پورا پورا) عدل کرسکو اگرچہ تم اُسے کتنا بھی چاہو، پس (ایک کی طرف) پورے میلانِ طبع کے ساتھ (یوں) نہ جھک جاؤ کہ دوسروں کو (درمیان میں) لٹکتی ہوئی چیز کی طرح چھوڑ دو) کے بارے میں بتاؤ کہ کون سا عقل مند ہے جو ایسی متضاد باتوں کو صحیح سمجھے گا اور کیا حکماء و دانا لوگ ایسی ہی باتیں

کیا کرتے ہیں کہ ایک جگہ کچھ کہیں اور دوسری جگہ کچھ اور؟

ہشام سے اس کا جواب نہ بن پڑا اور اس کا جواب لینے کے لیے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں مدینہ چلا گیا، جب وہ امام علیہ السلام کے پاس پہنچا تو امام علیہ السلام نے اُس سے پوچھا: اے ہشام! یہ حج کا موسم ہے اور نہ ہی عمرے کا۔ اور پھر تم یہاں؟

ہشام نے کہا: جی مولا! (بات ویسے ہی ہے جیسے آپؑ فرما رہے ہیں) میں آپؑ پر قربان جاؤں، مجھے ایک مشکل مسئلہ درپیش ہے۔ ابنِ ابی العوجاء نے مجھ سے ایک سوال کیا ہے اور اس کا میرے پاس جواب موجود نہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: بتاؤ، کیا مسئلہ ہے؟

ہشام نے امام علیہ السلام کو سارا قصہ تفصیل کے ساتھ بتا دیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خداوند متعال کے اس فرمان (پہلی آیت) فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ...... سے مراد اخراجات ہیں (یعنی اگر تم ایک سے زائد بیویوں کے اخراجات پورے کرسکو تو اس میں ممانعت نہیں)۔

جبکہ اس قول (دوسری آیت) وَلَنْ تَسْتَطِيعُوٓا اَنْ تَعْدِلُوْا ...... سے مراد مؤدت و محبت ہے (یعنی تم ایسا نہیں کر سکتے کہ تم سب بیویوں سے ایک جیسی محبت کرو)۔

راوی کہتا ہے کہ ہشام امام عالی مقام علیہ السلام سے یہ جواب لے کر آیا اور ابنِ ابی العوجاء کو بتایا تو اُس نے کہا: خدا کی قسم! یہ جواب تم نے خود نہیں دیا، بلکہ کسی سے پوچھ کر دیا ہے۔

② اہلِ بصرہ کا فقیہ عمرو بن عبید حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے یہ آیت تلاوت کی: اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ (اگر تم منع کیے ہوئے کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرو تو ہم تمھاری غلطیاں معاف کر دیں گے) اور کہنے لگا: میں چاہتا ہوں کہ آپؑ مجھے کتابِ خدا میں سے کبائر کی پہچان کرائیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، کیوں نہیں، اے عمرو! پھر امام علیہ السلام نے کبائر کی تفصیل بیان کی۔ جب عمرو امام علیہ السلام کا بیان سن کر نکلا تو بلند آواز کے ساتھ رو رو کر کہہ رہا تھا: ''وہ شخص ہلاک ہوا جس نے آپؑ سے آپؑ کی (علمی) میراث کو سلب کیا اور علم و فضل میں آپؑ سے جھگڑا۔

③ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آپؑ نے کلام کی ابتدا میں فرمایا:

وَاللهِ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا فِي الْجَنَّةِ وَمَا فِي النَّارِ وَمَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ اِلٰى اَنْ تَقُوْمَ السَّاعَةُ

''خدا کی قسم! میں اسے خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے جو کچھ زمین میں ہے، جو کچھ جنت میں ہے، جو کچھ جہنم میں ہے، جو (ماضی میں) ہو چکا ہے اور جو کچھ قیامِ قیامت تک ہوگا''۔

پھر تھوڑا خاموش ہوئے، پھر فرمایا: یہ سب مَیں کتابِ خدا سے جانتا ہوں اور اسے یوں دیکھتا ہوں۔ پھر آپؑ نے اپنی مٹھی کھولی (یعنی جس طرح مٹھی میرے قریب اور سامنے ہے اسی طرح ان چیزوں کا علم بھی میرے سامنے ہے) اور پھر فرمایا: خداوند بزرگ نے فرمایا: ''اس (قرآن) میں ہر چیز کا بیان ہے''۔

اس کے بعد فرمایا: خداوند متعال نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا۔ پس ان کے بعد کوئی نبی نہیں، ان پر کتاب نازل کی اور اُسے آخری کتاب قرار دیا۔ پس اس کے بعد کوئی کتاب نہیں۔ اس میں اُس نے اپنا حلال وحرام بیان کیا۔ اس کا حلال قیامت تک حلال ہے اور اس کا حرام قیامت تک حرام ہے۔ اس میں تم سے پہلے لوگوں کا تذکرہ بھی ہے اور تم سے بعد والے لوگوں کی خبریں بھی موجود ہیں اور اس میں تمھارے تنازعات کا فیصلہ بھی موجود ہے۔ پھر امام علیہ السلام نے اپنے دستِ مبارک سے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''ہم یہ سب جانتے ہیں''۔

④ ہشام بن حکم سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے منیٰ کے مقام پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے قرآنِ مجید کے پانچ سو حروف کے بارے میں پوچھا: میں نے عرض کیا: لوگ اِن آیات کے بارے میں ان ان اقوال کے قائل ہیں۔

امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: تم اس طرح کہو (جس طرح ان آیات کے بارے میں مَیں کہتا ہوں)۔

میں نے کہا: یہ حلال و حرام اور قرآن (کی صحیح تفسیر) ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپؑ وارثِ قرآن ہیں اور باقی لوگوں کی نسبت زیادہ اس کے عالم ہیں (مولاؑ) یہ کلام کہاں سے آیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا (بعض اوقات) اپنی مخلوق کو ایسی حجت کے ذریعے حجت تمام کرتا ہے کہ جس کے پاس وہ سب نہیں ہوتا کہ جس کی لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے؟!!

فہم قرآن میں غلطی کرنا اہلِ بیتؑ سے انحراف کا نتیجہ ہے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ خدا کے اس فرمان اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (کی تفسیر) کے بارے میں فرماتے ہیں: ”صراطِ مستقیم کی طرف ہماری راہنمائی فرما اور ہمیں اس راستے پر لگا جو ہمیں تمھاری محبت کی طرف لے جائے اور تمھاری جنت میں پہنچا دے، تاکہ ہم اپنی خواہشِ نفس کے پیچھے چل کر خسارہ نہ اُٹھائیں یا اپنی آرا کو اپنا کر ہلاک نہ ہوں۔ کیونکہ جو بھی اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اپنی رائے پر خوش ہوتا ہے وہ اس شخص کے مانند ہے کہ جو پست قسم کے لوگوں سے اپنی تعظیم کرواتا ہے اور اُن سے اپنی جھوٹی تعریفیں سننا پسند کرتا ہے۔

ایک دفعہ میں نے چاہا کہ اس سے اس طرح ملاقات کروں تاکہ وہ مجھے پہچان نہ سکے اور میں اس کی قدر و منزلت (کی حقیقت) سے آگاہی حاصل کروں۔

میں نے اسے اس جگہ پایا۔ وہ جہلا و سفہاء کی محفل میں بیٹھا ہوا تھا تو مَیں اپنے چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے اُن کے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ میں اسے اور اُس کے پاس بیٹھنے والوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اُن سے اُلجھ رہا تھا، وہ اُنھیں اپنی سناتا تھا وہ اُسے اپنی بتاتے تھے۔ اس پر وہ ان سے ناراض ہو گیا اور ان کی بات نہ مانی۔

آخر کار لوگ اسے چھوڑ کر اپنے کاموں میں لگ گئے اور وہ اتنا سخت غصے میں تھا کہ اُسے پاس کھڑے ہوئے شخص کی خبر تک نہ تھی۔ پھر اُس نے ایک دکان سے دو روٹیاں چرائیں، تو مجھے کافی حیرت ہوئی۔ پھر میں نے دل میں کہا: شاید اس کا دکاندار کے ساتھ ایسا ہی لین دین ہو۔

پھر وہ ایک انار بیچنے والے کے پاس گیا اور باتوں باتوں میں اُس کے دو اَنار چوری کر لیے۔ مجھے اس پر بھی تعجب ہوا، پھر میں نے دل میں کہا: شاید اس کا اس دکاندار کے ساتھ بھی کوئی ایسا ہی لین دین ہو۔ پھر میں نے سوچا کہ اسے چوری کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ (بتا کر لے لیتا)۔ میں نے تھوڑی دیر بعد دیکھا کہ اس نے وہ دو روٹیاں اور دو اَنار ایک بیمار کے سامنے رکھ دیئے اور آگے چل پڑا۔

اور میں بھی اُس کے پیچھے پیچھے ہی چل رہا تھا کہ چلتے چلتے وہ ایک صحرا میں رُکا تو میں نے اُس سے کہا: اے بندۂ خدا! میں نے تمھارا ذکر لوگوں سے سنا تو میں نے چاہا کہ تم سے ملاقات کروں اور جب میں نے تجھے دیکھا تو مجھے تمھارے طور طریقے سے کافی حیرت ہوئی۔ کیا تم میری اس حیرت کو ختم کر سکتے ہو؟

اُس نے کہا: کیا بات ہے؟

میں نے کہا: میں نے تجھے دیکھا کہ تم نے ایک دکان سے دو روٹیاں چوری کیں اور اَنار بیچنے والے کے دو اَنار چرائے؟

اُس نے کہا: سب سے پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟

میں نے کہا: میں اولادِ آدمؑ میں سے ایک ہوں اور حضرت محمد ﷺ کا اُمتی ہوں۔

اُس نے کہا: بتاؤ، تمھارا تعلق کس خاندان سے ہے؟

میں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کی اہلِ بیتؑ میں سے ہوں۔

اُس نے پوچھا: تمھارا شہر کون سا ہے؟

میں نے کہا: مدینہ منورہ۔

اُس نے کہا: شاید آپ حضرت جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام ہیں؟

میں نے کہا: جی ہاں (میں جعفر بن محمد علیہما السلام ہوں)۔

اُس نے کہا: تمھارا اتنے اعلیٰ خاندان سے ہونے کا کیا فائدہ ہے کہ تمھیں اپنے شرف و مقام کا بھی پتہ نہیں اور تم نے اپنے نانا و بابا کے علم کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ تم اس بات کا انکار کر

رہے ہو کہ جس پر مجھے سراہا جانا چاہیے اور مجھے داد ملنی چاہیے؟!

میں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟

اُس نے کہا: قرآنِ مجید، اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔

میں نے کہا: میں قرآن سے کس طرح جاہل ہوں؟

اُس نے کہا: خدا کے اس فرمان سے کہ جو ایک نیکی کرے گا اُسے دس نیکیاں ملیں گی اور جو ایک برائی کرے گا اُسے ایک برائی کی ہی سزا ملے گی۔ دیکھو! جب میں نے دو روٹیاں چُرائیں تو میرے دو گناہ ہوئے اور جب دو انار چوری کیے تو میرے گناہ چار ہو گئے۔ جب میں نے ان سب کو صدقہ کر دیا تو میری نیکیاں چالیس ہو گئیں اور اگر چالیس نیکیوں میں چار نکال لی جائیں تو چھتیس نیکیاں تو میرے پاس ہر حال میں باقی رہیں گی۔

میں نے کہا: تمھاری ماں تمھارے غم میں روئے؟ تُو تو کتابِ خدا سے جاہل ہے۔ کیا تُو نے خدا کا یہ فرمان نہیں سنا؟

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ

''خدا صرف متقی لوگوں کی نیکیاں قبول کرتا ہے''۔

جب تُو نے دو روٹیاں چوری کیں تو تیرے دو گناہ ہوئے۔ جب دو انار چُرائے تو تیرے چار گناہ ہو گئے اور جب تُو نے اُنھیں اُن کے مالک کی اجازت کے بغیر کسی اور کو دیا تو تُو نے ان چار گناہوں پر چار اور گناہ کر ڈالے نہ کہ چار گناہوں سے چالیس نیکیاں حاصل کر لیں۔ اس پر اس جاہل نے مجھ سے جھگڑا شروع کر دیا تو میں اُسے اُس کے حال پر چھوڑ کر واپس چلا آیا۔

معزز قارئین! ہم نے کتاب کے شروع شروع میں بتایا تھا کہ گمراہی سے نجات کی ایک ہی پکّی ضمانت ہے اور وہ قرآن و اہلِ بیت علیہم السلام کے ساتھ تمسک رکھنا ہے۔

واضح رہے کہ طریق اہلِ بیتؑ کو چھوڑ کر قرآنِ مجید کو سمجھنے کی کوشش کرنے والا ضلالت و غوایت کے گڑھوں میں ہی گرتا ہے۔

اس منحرف شیخ کا واقعہ اور قرآن مجید کے بارے میں اس کی غلط فہمی ان غلطیوں میں سے ایک چھوٹی سی غلطی شمار ہوتی ہے کہ جو غلطیاں اور انحرافات اُمت اسلامیہ کو حق سے دُور لے جاتے ہیں اور یہ سب اہلِ بیت علیہم السلام کی قیادت شرعی کو قبول نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ پس اب نکلنے کی کوئی راہ نہیں مگر یہ کہ ان ہستیوں کی طرف رجوع کیا جائے کہ جن سے تمسک رکھنے اور جن کی پیروی کرنے کا حکم خدا اور رسولؐ نے دیا ہے۔ وہ نجات کے سفینے ہیں جو ان پر سوار ہوگا وہ نجات پائے گا اور جو ان سے منہ موڑے گا وہ ہلاک اور تباہ و برباد ہوگا۔

حضرت امام جعفر صادقؑ اور علمِ فقہ

سماعہ بن مہران سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں: مجھے الکلبی النسابہ نے خبر دی ہے، وہ کہتے ہیں: میں مدینہ منورہ میں آیا، مجھے اس اُمرِ دین کے بارے میں کچھ خاص علم نہ تھا۔ میں مسجد میں آیا اور وہاں قریش کی ایک جماعت کو دیکھا تو میں نے اُن سے کہا: مجھے اس گھر کے کسی عالم کے بارے میں بتاؤ؟ اُنھوں نے عبداللہ بن الحسن کا نام بتایا۔ میں اُن کے مکان پر چلا گیا۔ میں نے وہاں پہنچ کر اجازت طلب کی تو ایک شخص باہر آیا۔ میں سمجھا یہ اُن کا غلام ہے۔ میں نے اُس سے کہا: جاؤ اپنے مولاؑ سے میرے لیے اجازت لے کر آؤ۔ وہ اندر گیا اور باہر آکر مجھ سے کہنے لگا: اندر چلے جایئے۔ جب میں اندر گیا تو وہاں ایک شدید الاجتہاد بزرگ تشریف فرما تھے۔ میں نے ان پر سلام کیا تو اُنھوں نے مجھ سے پوچھا: تم کون ہو؟

تو میں نے کہا: میں الکلبی النسابہ ہوں۔ اُنھوں نے پوچھا: کیا کام ہے؟ میں نے کہا: میں آپ سے سوال کرنے آیا ہوں۔ اُنھوں نے کہا: کیا تم میرے بیٹے محمد کے پاس سے گزرے ہو؟ میں نے کہا: میں پہلے آپ سے سوال کروں گا۔ اُنھوں نے کہا: پوچھو۔

میں نے کہا: مجھے اس شخص کے بارے میں بتائیں کہ جو اپنی بیوی سے کہتا ہے: تمھیں ستاروں کی تعداد کے برابر طلاق ہو۔

اُنھوں نے کہا: اُس نے کہا: ان میں سے جو جوزاء کے سر پر ہیں (اور وہ تین ستارے ہیں) وہ صحیح ہیں اور باقی ستاروں کے بارے میں جھوٹ کی وجہ سے) اس پر عذاب ہوگا۔

میں نے دل میں کہا: ایک بات ہوگئی۔

پھر میں نے سوال کیا: اے شیخ! آپ موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

اُنھوں نے فرمایا: (ہم سے پہلے) نیک لوگ (موزوں پر) مسح کیا کرتے تھے، مگر ہم

اہلِ بیت علیہم السلام نہیں کرتے۔

میں نے دل میں کہا: دو مسئلے ہو گئے۔

پھر میں نے پوچھا: آپؑ بام مچھلی کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ کیا اس کا کھانا حلال ہے یا حرام؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: حلال ہے مگر ہم اہلِ بیتؑ اس سے پرہیز کرتے ہیں۔

میں نے اپنے دل میں کہا: میں نے تین مسئلے پوچھ لیے۔

پھر میں نے کہا: نبیذ کے بارے میں آپؑ کی کیا رائے ہے؟

اُنھوں نے فرمایا: حلال ہے، مگر ہم اہلِ بیتؑ اُسے نہیں پیتے۔

اس کے بعد میں اُن کے پاس سے اُٹھ کر چلا گیا اور اس وقت میں یہ الفاظ کہہ رہا تھا: یہ لوگ اہلِ بیت علیہم السلام پر کتنا جھوٹ بولتے ہیں۔ میں پھر مسجد کی طرف چلا گیا اور وہاں قریش کی ایک اور جماعت کو دیکھا تو میں نے اُن سے پوچھا: اس گھر کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟

وہ بولے: عبداللہ بن الحسنؑ۔

میں نے کہا: میں اس کے پاس گیا مگر وہ اتنا عالم نہیں ہے۔

اُن میں سے ایک شخص نے اپنا سر بلند کر کے کہا: حضرت امام جعفر بن محمد علیہما السلام کے پاس آؤ، وہ سب سے بڑے عالم ہیں۔

اس بات پر وہاں پر موجود لوگوں نے اس شخص کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا تو میں نے کہا: اس سے پہلے بھی تم لوگوں نے ان سے حسد کی بنا پر میری ان کی طرف راہنمائی نہیں کی۔ اس کے بعد میں نے اُس شخص کو مخاطب کر کے کہا: خدا تجھ پر رحم کرے۔ میں اُنھی کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔ میں اُن کے گھر گیا اور دروازے پر دستک دی تو اُن کا غلام باہر آیا اور مجھ سے کہنے لگا: اے اخا کلب! اندر چلے جاؤ۔ خدا کی قسم! اُس نے مجھے دہشت زدہ کر دیا اور میں ڈر کر اندر چلا گیا اور وہاں میں نے ایک بزرگ شخص کو جائے نماز پر دیکھا۔ اُن کے پاس کوئی تکیہ یا بوریا موجود نہیں تھا۔ جب میں نے اُنھیں سلام کیا تو اُنھوں نے مجھ سے حال اَحوال معلوم کیا اور مجھ سے پوچھا: تم کون ہو؟ میں نے اپنے دل میں کہا: سبحان اللہ، بڑے تعجب کی بات ہے کہ

ان کا خادم مجھے کلب کا بھائی کہہ کر خطاب کرتا ہے اور مولا مجھ سے پوچھتے ہیں: تم کہاں سے آئے ہو؟

میں نے اُن سے کہا: میں الکلبی النسابہ ہوں۔ اُنھوں نے اپنا دستِ مبارک اپنی پیشانی پر مارا اور فرمایا: خدا سے پھرنے والوں نے جھوٹ کہا۔ وہ گمراہ ہوئے اور اُنھوں نے بہت بڑا خسارہ اُٹھایا۔

اے اخا کلب! خداوند عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَعَادًا وَّثَمُوْدَ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًاۢ بَیْنَ ذٰلِكَ كَثِیْرًا (سورۂ فرقان: آیت ۳۸)

"اور (ہم نے) عاد، ثمود، باشندگانِ رَس اور اُن کے درمیان بہت سی اور اُمتوں کو (بھی ہلاک کر ڈالا)۔ کیا تم اس کے بارے میں جانتے ہو؟"

میں نے عرض کیا: قربان جاؤں، میں نہیں جانتا۔

پھر ہماری گفتگو جاری رہی۔ میں نے اُن سے دریافت کیا مجھے اس مرد کے بارے میں حکم بتائیں کہ جس نے اپنی بیوی سے کہا ہو تمھیں ستاروں کی تعداد کے برابر طلاق ہو۔

اُنھوں نے فرمایا: خدا رحم کرے، کیا تم نے سورۂ طلاق نہیں پڑھی؟

میں نے کہا: کیوں نہیں، اُنھوں نے فرمایا: پڑھو جب میں نے یہ آیت فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ (اے نبی، مسلمانوں سے فرما دیجیے) جب تم عورتوں کو طلاق دینا چاہو تو اُن کے طُہر کے زمانہ میں اُنھیں طلاق دو اور عِدت شمار کرو) پڑھی تو امام علیہ السلام نے فرمایا: آپؑ نے دیکھا کہ یہاں پر ستاروں کا ذکر ہے؟

میں نے عرض کیا: نہیں۔ میں نے پوچھا: اچھا جو مرد اپنی بیوی سے کہے: تجھے تین بار طلاق ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: کتابِ خدا اور اُس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی طرف رجوع کرے، پھر فرمایا: طلاق اُس طُہر میں ہوتی ہے کہ جس میں جماع نہ کیا گیا ہو اور اُس کے ساتھ دو (عادل) گوہوں کی گواہی بھی ہوتی ہے۔

میں نے اپنے دل میں کہا: ایک مسئلہ حل ہو گیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اور پوچھو۔

میں نے پوچھا: آپؑ موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

امام علیہ السلام مسکرائے اور فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو ہر چیز اپنی اصل و مصدر کی طرف پلٹ جائے گی (یعنی جو چیز، جس انسان یا حیوان کا حصّہ ہوگی مثلاً ہاتھ، پاؤں اور چمڑا وغیرہ تو یہ اس چیز کی طرف پلٹ جائے گی) اور (موزے کا) چمڑا بھیڑ کی طرف چلا جائے گا تو بتاؤ (موزے کے چمڑے) پر مسح کرنے والوں کا وضو کہاں چلا جائے گا؟

میں نے دل میں کہا: دو مسئلے ہو گئے۔

پھر میں نے سوال کیا: مجھے بام مچھلی کھانے کے بارے میں حکم بتائیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا نے بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو مسخ کیا تو اُن میں سے کچھ سمندری جانور بن گئے اور وہ بام مچھلی، بیل اور مار ماہی وغیرہ ہیں، اور کچھ خشکی کے جانور بن گئے۔ اُن میں بندر، خنزیر، خرگوش اور نیولے سے ملتا جلتا بالوں والا ایک جانور اور گوہ (کی مانند قدرے بڑا اور زہریلا جانور) وغیرہ شامل ہیں۔

میں نے دل میں کہا: میں نے تین سوالات کے جوابات معلوم کر لیے۔ پھر امام علیہ السلام میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: (کچھ اور پوچھنا ہے تو) پوچھو اور جاؤ۔

میں نے سوال کیا: آپؑ نبیذ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: حلال ہے۔

میں نے کہا: ہم نبیذ تیار کرتے ہیں اس میں سے چھاچھ وغیرہ کو الگ کر لیتے ہیں اور اُسے پیتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: نہ نہ اس گندگی سے بچو، وہ گندی شراب ہوتی ہے۔

میں نے عرض کیا: قربان جاؤں، آپؑ نبیذ کسے کہتے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اہلِ مدینہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پانی کی تبدیلی اور صحتوں کی خرابی کی شکایت کی تو آپؐ نے اُنھیں حکم دیا کہ وہ تیار (کر کے استعمال) کیا کریں۔ (ہر)

شخص اپنے غلام کو کہتا کہ وہ اُس کے لیے نبیذ تیار کرے تو وہ مٹھی میں کچھ کھجوریں لے کر چمڑے کے مشکیزے میں ڈال دیتا تھا تو وہ شخص اسی مشکیزے سے پانی بھی پیتا اور وضو بھی کرتا تھا۔

میں نے پوچھا: مٹھی میں کتنی کھجوریں ہوتی تھیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جو آجاتی تھیں۔

میں نے کہا: ایک ہوتی یا دو؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: کبھی ایک ہوتی اور کبھی دو۔

میں نے پوچھا: مشکیزہ کتنا بڑا ہوتا تھا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: چالیس سے اسی (ارطال) تک یا اُس سے بڑا ہوتا تھا۔

میں نے پوچھا: ارطال (ایک پیمانہ ہے جو تقریباً چالیس تولے کے برابر ہوتا ہے)۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، عراقی پیمانے کے ارطال کے مطابق۔ پھر امام علیہ السلام اُٹھے اور میں بھی کھڑا ہو کر چل پڑا۔ اس وقت میں اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مار کر کہہ رہا تھا: اگر بات اس طرح ہے (کہ علمِ رسولؐ کے حقیقی وارث اور صحیح جاننے والے یہ بزرگوار ہیں) تو الکلبی مرتے دم تک خدا سے اس گھر والوں کی محبت کا دین مانگتا ہے۔

② معاویہ بن عمار سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: مفضل بن غیاث کی بہن وفات پا گئی اور اُس نے یہ وصیت کی: میرے مال کا ایک تہائی حصّہ راہِ خدا میں خرچ کیا جائے۔ ایک تہائی حصّہ مساکین کو دیا جائے اور ایک تہائی حصّے سے میری طرف سے میرا حج بجالایا جائے۔ مسئلہ یہ ہو گیا کہ یہ مال اتنا نہ تھا کہ جتنی بڑی بڑی اُس نے وصیتیں کر ڈالیں۔

تو مَیں اور مفضل، قاضی ابنِ ابی لیلیٰ کے پاس گئے اور اُسے سارا واقعہ بتایا تو وہ بولا: ایک تہائی ایک کام پر لگاؤ، ایک تہائی دوسرے پر اور ایک تہائی تیسرے پر۔

(اس سے مایوس ہو کر) ہم ابنِ شبرمہ کے پاس گئے۔ اُس نے بھی یہی جواب دیا۔

اس کے بعد ہم امام ابوحنیفہ کے پاس گئے تو اُس نے بھی ان پہلے والے دو افراد کا سا جواب دیا۔ ہم وہاں سے مکہ جانے لگے تو امام ابوحنیفہ نے مجھ سے کہا: امام ابوعبداللہؑ سے

پوچھنا (اور بتانا کہ عورت نے واجب حج ادا نہیں کیا)۔ میں نے امام ابوعبداللہؑ سے پوچھا۔

اس پر امام علیہ السلام نے فرمایا: پہلے حج ادا کرے، کیونکہ یہ اس پر خداوند متعال کی طرف سے عائد شدہ فرض تھا اور جو مال باقی بچ جائے اُسے تھوڑا تھوڑا کر کے دوسرے دو کاموں میں خرچ کرے۔

راوی کہتا ہے کہ میں واپس مسجد میں آیا تو میری ملاقات امام ابوحنیفہ سے ہوئی۔ میں نے اُس سے کہا: میں نے حضرت جعفر بن محمد علیہما السلام سے وہی سوال کیا جو تجھ سے پوچھا تھا تو اُنھوں نے فرمایا: خداوند متعال کے حق سے ابتدا کرو کیونکہ یہ اُس پر فرض تھا اور جو باقی بچ جائے اُسے تھوڑا تھوڑا کر کے دوسرے دو کاموں میں صرف کرو۔

راوی کہتا ہے: خدا کی قسم! اس بارے میں امام ابوحنیفہ نے مجھے نہ اچھا کہا نہ برا۔

اور جب میں اس کے حلقۂ درس کی جانب گیا، حلقہ درس ختم ہو چکا تھا اور وہ (اس کے شاگرد) کہہ رہے تھے کہ ابوحنیفہ نے کہا: حج سے ابتدا کرنی چاہیے کیونکہ وہ اس پر خداوند متعال کی طرف سے عائد کردہ فرض تھا۔

راوی کہتا ہے: اس پر میں نے اُن سے کہا: خدا کی قسم! اس نے تو ایسا ایسا کہا تھا؟!! (اور یہ تو امام جعفر بن محمد علیہما السلام) کا فرمان ہے اور اُس نے اس فرمان کو اپنی طرف نسبت دے کر تمھیں بتا دیا ہے!!)

اُنھوں نے کہا: اُس نے ہمیں یہ ہی کہا ہے۔

ہمارے معزز قارئین! اس روایت کا مطلب سمجھ گئے ہوں گے کہ امام ابوحنیفہ نے سائل کے جواب میں غلطی کی تھی۔ پھر جب امام علیہ السلام کا جواب سنا تو فوراً اپنے شاگردوں کو بتا دیا اور اُن پر یہ واضح نہ کیا کہ اُس نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرمان سے اُخذ کیا ہے۔ شاگردوں نے سمجھا کہ شاید امام ابوحنیفہ نے اپنی سابقہ رائے بدل لی ہے اور وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ اُس نے دینِ خدا میں اپنی پسند اور سمجھ کے مطابق فتویٰ دے کر غلطی کی ہے۔

پھر امام علیہ السلام کے فرمان سے اپنی غلطی پر پردہ ڈالا ہے۔ میں اپنے معزز قارئین سے پوچھتا ہوں کہ آیا انسان کے لیے یہ امر جائز ہے کہ وہ دینِ خدا میں اپنی مرضی کے مطابق

فتوے دیتا رہے؟

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور اس جیسوں نے کتنے ایسے اَحکام صادر کیے ہیں کہ جو خدا اور رسولؐ کے حکم کے خلاف تھے اور وہ لوگوں میں رائج ہو گئے اور لوگوں نے بھی اُنھیں ہاتھوں ہاتھ وصول کر کے یہ سمجھا کہ شاید وہ بہت بڑا نیکی کا کام کر رہے ہیں اور اُنھیں پوچھنے والا بھی کوئی نہیں۔

③ حبیب خثعمی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: ابوجعفر المنصور نے مدینہ میں اپنے عامل کو خط لکھا کہ دوسو کی زکوٰۃ میں پانچ کی نسبت اہلِ مدینہ سے دریافت کرو کہ یہ (پانچ سے) سات کیسے بنے؟ اس کا رواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں تو نہ تھا اور اُسے حکم دیا کہ وہ اس بارے میں عبداللہ بن حسن اور حضرت جعفر بن محمد علیہما السلام سے دریافت کرے۔

راوی کہتا ہے: اُس نے اہلِ مدینہ سے اس بابت دریافت کیا تو وہ بولے: ہم سے پہلے والے لوگوں کو یہ بات معلوم ہوگی (کیونکہ یہ بہت ہی پرانی بات ہے)۔

پھر اُس نے اس بارے میں عبداللہ بن حسن اور حضرت جعفر بن محمد علیہما السلام سے دریافت کیا تو عبداللہ بن الحسن نے وہی جواب دیا جو اہلِ مدینہ نے دیا تھا (کہ یہ بات کافی پرانی ہے اور ہم سے پہلے والے لوگ ہی اسے جانتے ہیں)۔

راوی کہتا ہے: اُس نے حضرت امام ابوعبداللہ علیہ السلام سے پوچھا: اس بارے میں آپؑ کیا فرماتے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہر چالیس اوقیہ میں ایک اوقیہ (تقریباً ایک اَونس) زکوٰۃ قرار دیا تھا۔ جب آپ نے اس کا حساب کیا تو اِس کا وزن سات بنا۔ پہلے اس کا وزن چھے تھا اور درہم پانچ دوانق تھے۔

حبیب کہتا ہے: جب ہم نے اس کا حساب کیا تو جیسے امام علیہ السلام نے فرمایا تھا ہم نے اُسے ویسا ہی پایا۔ عبداللہ بن الحسن نے اُن سے پوچھا: یہ آپؑ نے کہاں سے اخذ کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: تمھاری ماں سیّدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی کتاب (مصحفِ فاطمہؑ) سے۔

راوی کہتا ہے: وہ یہ جواب سن کر واپس چلا گیا اور محمد بن خالد کو امام علیہ السلام کی طرف یہ کہہ کر بھیجا کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کی کتاب میری طرف بھیج دیں۔

امام علیہ السلام نے اُسے جواب میں تحریر فرمایا: ”میں نے تمھیں یہ بتایا تھا کہ میں نے اس کتاب سے پڑھا ہے نہ کہ یہ بتایا تھا کہ وہ کتاب میرے پاس ہے۔

حبیب کہتا ہے: اس پر محمد بن خالد مجھ سے کہنے لگا: میں نے ایسا کبھی نہ دیکھا تھا۔

معزز قارئین! اس حدیث مبارکہ کا مطلب اور منصور دوانیقی کے سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو ہر دوسو درہموں پر پانچ بطور زکوۃ مقرر فرمائے تھے لیکن منصور کے زمانے میں وہ پانچ کے بجائے سات ہو گئے تھے۔ منصور یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ ایسا کیوں ہوا ہے؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا جواب یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زکوۃ کا محور (پیمانہ) اُوقیہ کو قرار دیا نہ کہ درہم کو، اور اوقیہ کا وزن چالیس درہموں کے برابر ہے اور ایک درہم پانچ دوانق سے بنتا ہے۔

امام علیہ السلام نے تصریح فرمائی کہ اس زمانے کے سات درہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے پانچ درہموں کے برابر تھے۔ تبدیلی درہموں کے وزن میں آئی ہے نہ کہ اُوقیہ میں کہ جس پر زکوۃ کا حکم لگایا گیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس کافی و وافی جواب کے بعد راوی کہتا ہے: ہم نے حساب کیا تو جیسے امام علیہ السلام نے فرمایا تھا ہم نے ویسے ہی پایا، یعنی ہم نے اپنے زمانے کے سات درہموں کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے پانچ درہموں کو آپس میں ملایا تو وہ امام علیہ السلام کے فرمان کے مطابق بالکل ایک دوسرے کے برابر تھے اور ان میں ذرہ برابر بھی فرق نہ تھا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور علمِ غیب

ہم پہلے "علمِ امامؑ اور منصبِ امامت" کے حامل افراد کے ماضی، حال اور استقبال پر اطلاع کو بیان کر چکے ہیں۔ اس بنا پر ہمارے لیے ان روایات کو قبول کرنا آسان ہو گیا ہے کہ جو صراحت کرتی ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ماضی کے اِن واقعات کو بھی جانتے تھے کہ جو آسمانی کتابوں میں بھی درج نہ تھے اور اُنھیں کوئی نہیں جانتا تھا، اور اُن واقعات سے بھی باخبر تھے کہ جو مستقبل قریب یا بعید میں رُونما ہونے والے تھے۔

آپؑ بعض لوگوں کو اُن کی موت یا اُن کی ہونے والی اولاد کے بارے میں خبر دیتے تھے اور جیسا آپؑ بتاتے تھے ویسا ہی واقع ہوتا تھا۔ ہم نے اپنے موسوعہ کی دسویں جلد میں حضرت امام مہدی عجل اللہ فرجہُ الشریف کی شخصیت، علامات، ظہور، قیام اور تصرفات کے بارے میں وہ احادیث درج کر چکے ہیں کہ جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے زید بن علیؓ، ابو مسلم خراسانیؒ، الخلالؒ، نفسِ زکیہؒ، اُن کے والد اور اُن کے بھائی وغیرہم کے بارے میں جو کلام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ذکر کیا ہے وہ پڑھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ کس طرح امام عالی مقامؑ نے ان تمام چیزوں کو اتنا عرصہ پہلے ایک ایک کر کے بیان کیا تھا اور یہ سارے اُمور اس علمِ امامت کی برکات سے تھے کہ جس کا معدن و منبع اور خزانہ و سرچشمہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام تھے۔

آپؑ اپنے بعض ماننے والوں کو اُن اُمور کے بارے میں آگاہ کر دیتے تھے کہ جنھیں امام علیہ السلام نے ملاحظہ نہ فرمایا ہوتا، بلکہ اُنھیں علاوہ خداوند سبحان کے کوئی دوسرا نہ جانتا تھا اور کبھی کبھی امام علیہ السلام اپنے بعض ماننے والوں کو اُن کے دل و دماغ کی باتوں سے آگاہ کر دیتے تھے (یعنی اُنھیں بتاتے تھے کہ تمھارے دل و دماغ میں فلاں خیال ہے، فلاں بات ہے وغیرہ) اور

سائل کے سوال کرنے سے پہلے سائل کو اس کا سوال و جواب بتا دیتے تھے۔

اور یہ کوئی عجیب نہیں ــــ گذشتہ مباحث میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ ابنِ مریم علیہا السلام لوگوں کو ان کے کھائے ہوئے اور گھروں میں ذخیرہ کیے ہوئے اُموال کے بارے میں بتا دیتے تھے جیسا کہ قرآنِ مجید میں اس بات کی صراحت موجود ہے۔

انبیائے کرام اور ائمہ علیہم السلام کا علم، خدائی اِلہام و اَعلام پر مبنی تھا۔ یہ اَخبار اُن کی امامت میں شک کرنے والے ہر شخص کے مقابلے میں ان کی امامت پر قطعی اَدِلّہ کی سی حیثیت رکھتی ہیں اور اُن روایات کو پڑھ کر مومنوں کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

ہم ذیل میں بعض وہ احادیث ذکر کر رہے ہیں کہ جن میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے لوگوں کے ضمیر اور خاص حالات کے بارے میں بتایا ہے۔

امام علیہ السلام کا سائل کے سوال سے پہلے جواب دینا

① عائذ الاحمسی سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوا اور میں امامؑ سے نمازِ شب کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔ میں نے کہا: اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ پر درود و سلام ہو۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم پر بھی سلامتی ہو۔ ہاں، خدا کی قسم ہم اُن کی اولاد ضرور ہیں مگر ہمیں اُن سے قرابت میلادی نہیں (امام علیہ السلام نے یہ کلمہ تین مرتبہ دُہرایا)۔

پھر قبل اس کے کہ میں سوال کرتا آپؑ نے ارشاد فرمایا: جب تم خداوند بزرگ کی بارگاہ میں پانچ (یومیہ) نمازیں لے کر جاؤ گے تو وہ تم سے کسی اور چیز کے بارے میں نہیں پوچھے گا۔

② اسماعیل بن مہران سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت کے لیے گیا اور اس سال میں نے فریضۂ حج ادا کیا ہوا تھا۔ جب میں امام علیہ السلام کے پاس سے اُٹھ آیا تو مجھے یاد آیا کہ میں نے اُن سے کوئی سوال کرنا تھا۔ میں واپس پلٹ آیا۔ اس وقت امام علیہ السلام کی محفل میں بہت سے لوگ جمع تھے اور میں نے آپؑ سے آبی پرندوں کے انڈوں کے بارے میں سوال کرنا تھا۔ امام علیہ السلام نے میرے سوال سے پہلے ہی (جواباً) مجھ

سے فرمایا: بہتر ہے کہ تم (آبی پرندوں کے انڈے) نہ کھاؤ۔

③ ہشام بن احمد سے روایت ہے وہ کہتا ہے: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں امام علیہ السلام سے حضرت مفضل بن عمرؒ کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔ اس وقت امام علیہ السلام اپنے کام میں مصروف تھے۔ شدید گرمی کا دن تھا اور آپؑ کا پسینہ مبارک رُخساروں سے بہہ کر سینے پر آ رہا تھا۔ آپؑ میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: خدا کی قسم! مفضل بن عمر بہترین مرد ہیں۔ اس خدا کی قسم کہ جس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں۔ مفضل بن عمر جعفی بہترین مرد ہیں۔

ہشام کہتا ہے: امام علیہ السلام بار بار یہی کہتے رہے (کہ حضرت مفضل بن عمر الجعفی بہترین مرد ہیں) حتیٰ کہ میں نے شمار کیا تو امام علیہ السلام نے تیس سے زیادہ بار یہی دُہرایا۔

④ شہاب بن عبدربہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تاکہ آپؑ سے سوال کروں۔ امام علیہ السلام نے میری جانب متوجہ ہوکر فرمایا اے شہاب! اگر تم سوال کرنا چاہتے ہو تو سوال کرو اور اگر تم چاہو تو ہم تمھیں تمھارا سوال بھی بتا دیتے ہیں۔

شہاب کہتا ہے کہ میں نے کہا: میں قربان جاؤں، آپؑ خود ہی بتا دیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم مجھ سے یہ پوچھنے آئے ہو کہ اگر مٹکے سے پیالے وغیرہ کے ذریعے سے پانی نکالتے وقت مجنب کا ہاتھ پانی کو لگ جائے تو اس کا حکم کیا ہے؟

میں نے کہا: بالکل ایسا ہی ہے (میرا سوال یہی ہے)۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر پوچھنا چاہتے ہو تو پوچھو، اور اگر چاہتے ہو تو میں تمھیں تمھارے سوال کے ساتھ جواب بھی بتا دیتا ہوں؟

میں نے کہا: آپؑ ہی بتا دیجیے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم یہ پوچھنے آئے ہو کہ اگر مجنب شخص بھولے سے پانی میں ہاتھ ڈال دے اور اُس کے ہاتھ دُھلا ہوا نہ ہو تو اُس کا کیا حکم ہے؟

میں نے کہا: قربان ہو جاؤں، بالکل یہی مسئلہ ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر اس کے ہاتھ پر نجاست نہ لگی ہوئی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس کے بعد پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: اور سوال کرو، اور اگر چاہو تو میں تمھیں تمھارا سوال بھی بتا دیتا ہوں۔

میں نے عرض کیا: جی بتائیے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تمھارا سوال یہ تھا کہ اگر مجنب غسل کرے اور اُس کے بدن سے غسل کے پانی کے قطرے پانی والے برتن میں گریں یا پانی زمین پر گرے اور اس کے چھینٹیں پانی والے برتن میں گریں۔

میں نے کہا: قربان ہو جاؤں، میرا سوال یہی تھا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ان دونوں باتوں میں کوئی حرج نہیں ہے — اور پوچھو یا میں تمھیں تمھارا سوال بتاؤں؟

میں نے کہا: آپؑ ہی بتائیے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم یہ سوال کرنا چاہتے ہو کہ اگر ایک تالاب کے ایک طرف مردار پڑا ہو تو کیا میں اُس تالاب سے وضو کر سکتا ہوں؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں، میں یہی سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم دوسری طرف سے وضو کرو اور اگر اس کی بدبو سارے پانی میں پھیل چکی ہو تو اس تالاب سے وضو نہ کرو، اس کے علاوہ تم کنوے کے رُکے ہوئے پانی کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو؟

امام علیہ السلام نے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: جب تک پانی (کی رنگت) میں تبدیلی واقع نہ ہو یا اس میں بُو پیدا نہ ہو (تو اس سے وضو غسل وغیرہ کے لیے) استعمال کیا جا سکتا ہے۔

میں نے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! آپؑ کی پانی میں تبدیلی سے کیا مراد ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس سے مراد 'پانی کا زرد ہو جانا' ہے۔ تم اس پانی سے اس صورت

میں وضو کر سکتے ہو کہ جب پانی زیادہ ہو اور زردی کم ہو، اس صورت میں پانی پاک سمجھا جائے گا۔

⑤ امیر مدینہ محمد بن حرب الہلالی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر بن محمد علیہما السلام سے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! میرے ذہن میں سوال ہے، وہ میں آپؑ سے پوچھنا چاہتا ہوں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں تمھیں تمھارے سوال کے بارے میں بتا سکتا ہوں اور اگر خود پوچھنا چاہتے ہو تو پھر پوچھو؟

وہ کہتے ہیں: میں نے اُن سے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! آپؑ میرے پوچھنے سے پہلے میرے سوال سے کس طرح باخبر ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: توسُّم اور تفرّس سے، کیا تم نے خدا کا یہ فرمان نہیں سنا؟ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِیۡنَ (بے شک اس میں اہلِ نظر کے لیے نشانیاں ہیں)۔ اور رسولؐ اللہ کا یہ فرمان نہیں پڑھا: اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ (مومن کی فراست سے بچو، کیونکہ وہ خدا کے نُور سے دیکھتا ہے)۔

وہ کہتے ہیں: اس پر میں نے کہا: اے فرزندِ پیغمبرؐ! مجھے میرا سوال بتائیں؟

امام عالی مقام علیہ السلام نے فرمایا: تم یہ سوال کرنا چاہتے ہو کہ جب حضرت علی علیہ السلام اتنے زیادہ طاقتور اور قوی تھے کہ اُنھوں نے خیبر کا وہ دروازہ چالیس ہاتھ پیچھے پھینک دیا کہ جسے چالیس افراد مل کر بھی نہ اُٹھا سکتے تھے تو خانہ کعبہ کی چھت سے بت گراتے وقت حضرت علی علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیوں نہ اُٹھا سکے حالانکہ رسولِؐ خدا اونٹنی، گھوڑے اور خچر وغیرہ پر سوار ہوتے تھے اور معراج کی رات براق آپؐ کی سواری بنا اور یہ سب قوت و طاقت میں حضرت علی علیہ السلام سے کم تر تھے تو اُنھوں نے حبیبِؐ خدا کو کیونکر اُٹھا لیا؟

اس پر سائل کہنے لگا: خدا کی قسم! اے فرزندِ رسولؐ! میں یہی آپؑ سے پوچھنا چاہتا ہوں، مجھے بتائیے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میرے جدِ بزرگوار حضرت امام علی علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی وجہ سے ہی شرف پایا اور بلند مقام حاصل کیا اور شرک کی آگ کو بجھا کر خدا کے علاوہ ہر معبود کو باطل قرار دیا اور اگر نبی ﷺ حضرت علی علیہ السلام پر بلند ہو کر بتوں کو گراتے تو انھیں حضرت علی علیہ السلام کی وجہ سے شرف و بلندی حاصل ہوتی اور وہ حضرت علی علیہ السلام کی وجہ سے ہی بتوں کو گراتے تو حضرت علی علیہ السلام رسولِ خدا سے افضل قرار پاتے (اور یہ درست نہیں)۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

جب میں رسول اللہ ﷺ کی پشت مبارک پر بلند ہوا تو میں نے شرف پایا اور اتنی بلندی محسوس کی کہ اگر میں چاہتا تو آسمان کے ستاروں کو مس کر سکتا تھا۔

کیا تم نہیں جانتے کہ چراغ وہ چیز ہوتی ہے کہ جس کے ذریعے سے اندھیروں میں راہنمائی حاصل کی جاتی ہے اور اُس کی روشنی اس کی لَو سے نکلتی ہے اور حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے حضرت احمد مصطفیٰ سے وہی نسبت ہے کہ جو ایک روشنی کو دوسری روشنی سے ہوتی ہے۔

اور کیا یہ بات تمھارے علم میں نہیں ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور حضرت علی علیہ السلام مخلوق کی خلقت سے دو ہزار سال پہلے نُوری پیکروں میں خداوند متعال کی بارگاہ میں موجود تھے؟! اور جب فرشتوں نے دیکھا کہ اِس نُور کی ایک اَصل ہے اور اس سے روشن شُعاع نکل رہی ہے تو وہ بول اُٹھے: کیا یہ نُور ہمارا معبود و آقا ہے؟

خداوند سبحان نے اُن کی طرف وحی کرتے ہوئے فرمایا: یہ نُور میرے نور کا حصّہ ہے۔ اس اَصل سے نبوت اور فرعِ امامت مراد ہے۔ نبوت میرے بندے اور رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے ہے اور امامت میری حجت و ولی حضرت علی علیہ السلام کا عُہدہ ہے اور اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو میں مخلوق کو خلق نہ کرتا۔

کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے غدیر خم کے مقام پر حضرت علی علیہ السلام کے بازو کو اتنا بلند کیا کہ (نبیؐ و علیؑ) دونوں کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی اور اُنھیں مسلمانوں کا مولا و امام قرار دیا۔

ایک دن رسول اللہ ﷺ نے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام کو اُٹھایا ہوا تھا تو آپؐ کے کسی صحابی نے کہا: اے خدا کے رسولؐ! ان میں سے ایک مجھے دے

دیں میں اُٹھا لیتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ دونوں سوار بہت ہی خوب ہیں اور اُن کے والد گرامی قدر ان دونوں سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ آپؐ اپنے صحابہ کو باجماعت نماز پڑھاتے وقت سجدہ لمبا کر دیتے تھے اور پوچھنے پر بتاتے کہ میری پشت پر میرا بیٹا (امام حسین علیہ السلام) سوار ہو گیا تھا تو میں نے جلدی کرنا مناسب نہ سمجھا اور اُس کے اُترنے کا انتظار کیا۔

ان تمام باتوں سے آپؐ کا مقصد ان ذواتِ مقدسہ کی رفعت وشان اور شرف ومقام کو بیان کرنا تھا۔ پس نبی ﷺ امام بھی ہیں اور نبیؐ بھی جبکہ حضرت علی علیہ السلام امام تو ہیں مگر نبی نہیں، اس لیے وہ بارِ نبوت کو اُٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔

محمد بن حرب الہلالی کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! اور ارشاد فرمائیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم اس قابل ہو کہ تمھیں اور بھی بتایا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو اس لیے اُٹھایا کیونکہ وہ اُن کے بیٹوں کے والد اور اپنی صلب سے آنے والے اماموں کے امام تھے، جیسا کہ آپؐ نے نمازِ استسقاء میں اُن کی ردا کو وسیلہ بنا لیا تا کہ آپؐ کے اس فعل سے آپؐ کے اصحاب جان لیں کہ ان کی ردا کے وسیلے سے خشک وبنجر جگہ سبزہ زار بن گئی ہے۔

راوی کہتا ہے: میں نے اُن سے درخواست کی: اے فرزندِ پیغمبرؐ! مجھے اور بتائیے؟

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں اس لیے اُٹھایا تا کہ اُن کی قوم والے یہ جان لیں کہ یہی وہ شخص ہے کہ جو پشتِ رسولؐ کو آپؐ کا قرض اُتار کر ہلکا کرے گا، آپؐ کو دشمنوں سے بچائے گا اور آپؐ کی ذمہ داریاں ادا کرے گا۔

راوی کہتا ہے: میں نے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! اور بتائیے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے آپؑ کو اس لیے اُٹھایا کیونکہ آپؑ معصوم تھے اور آپؑ نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا تا کہ لوگ ان کے افعال سے حکمت و درستگی حاصل کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا: اے علیؑ! خداوند

متعال نے تمھارے شیعوں کے گناہوں کا بوجھ مجھ پر ڈالا پھر اُنھیں میری خاطر معاف کر دیا اور یہ فرمانِ رسولؐ اس فرمانِ خدا کی تفسیر ہے:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ

"(تا کہ خدا، آپؐ کی خاطر آپؐ (کی اُمت) کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف فرما دے)"۔

اور جب خداوند سبحان نے یہ آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ (اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو، اگر تم ہدایت یافتہ ہو تو کوئی (بھی) گمراہ تمھیں گزند نہیں پہنچا سکتا۔ سورۂ مائدہ: آیت ۱۰۵) نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اے لوگو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو، اگر تم ہدایت پر (قائم) رہو تو کوئی (بھی) گمراہ تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکتا اور علیؑ میرے نفس اور میرے بھائی ہیں۔ تم علیؑ کی اطاعت کرو کیونکہ وہ پاک اور معصوم ہیں۔ نہ تو وہ بھٹک سکتے ہیں اور نہ ہی شقاوت و بدبختی اُنھیں دامن گیر ہوتی ہے"۔

پھر نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

قُلْ أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ○ (سورۂ نور: آیت ۵۴)

"فرما دیں، تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے رسولؐ کی اطاعت، تو اگر تم نے (اطاعت سے) رُوگردانی کی تو (جان لو) رسولؐ کے ذمہ وہی کچھ ہے جو اُن پر لازم کیا گیا ہے اور تمھارے ذمہ وہی ہے جو تم پر لازم کیا گیا ہے۔ اگر تم اُن کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے اور رسولؐ پر تو صرف (اَحکام کو) صریحاً پہنچا دینا (لازم) ہے"۔

محمد بن حرب الہلالی کہتے ہیں: پھر مجھ سے حضرت جعفر بن محمد علیہما السلام نے ارشاد فرمایا:

اے امیر مدینہ! اگر میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کے حضرت علی علیہ السلام کو خانہ کعبہ کی چھت سے بُت گرانے کے لیے اُٹھانے کے وہ معانی بیان کروں جو رسولؐ اللہ نے مراد لیے تھے تو (اپنا ظرف چھلک جانے کی وجہ سے) کہہ دو گے کہ جعفرؑ بن محمدؑ تو (معاذ اللہ) دیوانے ہیں، جو تو سن چکا ہے یہی تمھارے لیے کافی ہے۔

میں اُٹھا، آپؑ کے سرِ مبارک اور ہاتھوں کا بوسہ لیا اور کہا: خدا خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالتؐ کو کہاں قرار دے۔

مجنب کا امام علیہ السلام کے پاس آنا جائز نہیں

حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میں (اس آنے والے مسئلہ میں) امام علیہ السلام سے رہنمائی حاصل کرنا چاہتا تھا تو میں جنابت کی حالت میں ہی امام علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابو محمد! تُو نے یہ کیا کیا؟ حالتِ جنابت میں ہی تم اپنے امامؑ کے سامنے حاضر ہو گئے۔

میں نے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! قربان جاؤں، میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم (اس امر امامت پر) ایمان نہیں رکھتے؟

میں نے کہا: کیوں نہیں، لیکن میں اطمینانِ قلب حاصل کرنا چاہتا تھا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جاؤ اور غسل کرو۔

یہ روایت دوسری صورت میں اس طرح نقل کی گئی ہے اور وہ یہ ہے:

بکر بن محمد سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں: ہم مدینہ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے گھر جانے کے ارادے سے نکلے تو گلی سے نکلتے ہوئے حضرت ابوبصیرؒ ہمیں مل گئے۔ وہ حالتِ جنابت میں تھے اور ہمیں پتا نہیں چلا کہ ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس آ گئے ہیں۔

راوی کہتا ہے: جب ہم وہاں پہنچے تو امام علیہ السلام نے حضرت ابوبصیرؒ کی طرف دیکھ کر فرمایا: اے ابا محمد! کیا تم نہیں جانتے کہ مجنب شخص کو انبیاءؑ اور اوصیاءؑ کے گھروں میں داخل

نہیں ہونا چاہیے؟

راوی کہتا ہے: (یہ سن کر) حضرت ابوبصیرؒ چلے گئے اور ہم وہیں رہے۔ یہ روایت ایک اور صورت میں بھی موجود ہے۔

حضرت ابوبصیرؒ روایت کرتے ہیں: میں مدینہ میں داخل ہوا اور میرے پاس ایک کنیز تھی۔ میں نے اُس سے مصاجت کی، پھر میں غسل کرنے کے ارادے سے حمام کی طرف نکلا تو راستے میں میری ملاقات اپنے شیعہ دوستوں سے ہوگئی۔ وہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے دولت خانے کی طرف جارہے تھے۔ میں نے سمجھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مجھ سے پہلے وہاں چلے جائیں اور مجھے داخل ہونے کا موقع نہ ملے۔ تو میں اُن کے ساتھ چل دیا، حتیٰ کہ میں امام علیہ السلام کے گھر داخل ہوگیا۔ جب میں امام علیہ السلام کے سامنے آیا تو امام علیہ السلام نے میری طرف دیکھ کر فرمایا

اے ابوبصیرؒ! کیا آپ نہیں جانتے کہ انبیاءؑ اور اولادِ انبیاءؑ کے گھروں میں مجب شخص داخل نہیں ہوسکتا؟

یہ سن کر مجھے شرم آگئی اور میں نے ان سے عرض کیا: اے فرزندِ پیغمبرؐ! میں نے اپنے دوستوں کو آپؑ کے گھر کی طرف آتے ہوئے دیکھا اور میں نے چاہا کہ میں اُن کے ہمراہ (آپؑ کے گھر) داخل ہونے سے محروم نہ رہ جاؤں اور (اے میرے مولاؑ) میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ یہ کہہ کر میں وہاں سے آگیا۔

امام علیہ السلام کا اَموال اور مالکانِ اَموال کے بارے میں خبر دینا

محمد بن سنان سے روایت ہے کہ خراسان سے ایک شخص حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور اُس کے پاس صدقے کی تھیلیاں تھیں (ان میں مالِ صدقہ) گنا ہوا تھا۔ ان پر مُہریں لگی ہوئی تھیں اور اُن کے مالکوں کے نام بھی لکھے ہوئے تھے۔ جب وہ شخص امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا تو امام علیہ السلام تھیلیوں کے مالکان کے نام لے کر اُس سے فرمانے لگے: فلاں شخص کی تھیلی نکالو، اس میں اتنا مال ہے۔ پھر فرمایا: اس عورت کی تھیلی کہاں ہے کہ

جو اُس نے اپنے ہاتھ سے بُن کر بھیجی ہے؟ اُسے نکالو، ہم نے اُسے قبول کیا۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: اَزرق کا (صدقے والا) تھیلا کہاں ہے؟

اُس شخص کے پاس موجود صدقات کے تھیلوں میں سے ایک تھیلا اَزرق کا بھی تھا اور اُس سے راستہ میں کہیں گم ہوگیا تھا اور جب امام علیہ السلام نے اُسے یاد دلایا تو وہ شرما کر کہنے لگا:

اے میرے مولاؑ! میں نے اُسے راستے میں کہیں کھو دیا ہے۔

امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: اگر تم اُسے دیکھ لو تو اُسے پہچان لو گے؟

اُس نے کہا: جی ہاں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے لڑکے! اَزرق کا وہ تھیلا سامنے کرو۔ لڑکے نے وہ تھیلا دکھایا جب اُس شخص نے اُسے دیکھا تو پہچان لیا۔ پھر امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: اس تھیلے میں جو کچھ تھا ہمیں اُس کی ضرورت درپیش تھی تو ہم نے اُسے تمھارے آنے سے پہلے یہاں منگوا لیا۔

اس شخص نے کہا: اے میرے مولاؑ! میں جو کچھ آپؑ کی خدمت میں لایا ہوں مجھے اس کی وصولی کی تحریر چاہیے۔

امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: ہم نے جواب اس وقت لکھ بھیجا تھا کہ جب تم ابھی راستے میں تھے۔

عبدالرحمٰن بن کثیر سے روایت کی گئی، وہ کہتے ہیں: ہم میں سے ایک شخص مدینہ میں امام علیہ السلام کا پوچھ رہا تھا تو اُسے حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک شخص ملا۔ اُس نے اُسے محمد بن عبداللہ الامام الحسن علیہ السلام کے بارے میں بتایا تو وہ اُن کے پاس چلا گیا، وہاں اُس نے اُن سے کچھ سوالات کیے اور اُن کے جوابات سے وہ مطمئن نہ ہوئے۔ پھر اُنھیں حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک شخص ملا اور اُس سے کہنے لگا: اے بندۂ خدا! میں نے تجھے دیکھا تھا تم امام علیہ السلام کا پتا کر رہے تھے۔

اُس نے کہا: جی ہاں، ایسا ہی ہے۔ اُس نے پوچھا: تو کیا تم ان سے ملے ہو؟ اُس نے کہا: نہیں۔ اس (اولادِ امام حسین علیہ السلام میں سے) نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ تم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملو۔ اس نے اس لڑکے کی بات مان لی اور اُس سے امام علیہ السلام کے گھر کا

راستہ پوچھا تو اس لڑکے نے اسے امام علیہ السلام کے گھر کا راستہ بتایا۔ جب وہ شخص امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا تو امام علیہ السلام نے اس کو دیکھ کر فرمایا:

اے بندے! تم ہمارے اس شہر میں امام علیہ السلام کا پتہ کرتے ہوئے داخل ہوئے، تو تمھیں امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک شخص ملا اور اُس نے تجھے محمد بن عبداللہ کی طرف بھیج دیا۔ تم نے اس سے کچھ پوچھا اور واپس آ گئے۔ اگر تم چاہو تو میں تمھارا سوال اور اُس کا جواب بھی بتا سکتا ہوں۔

پھر امام علیہ السلام نے ان دونوں کے سوال و جواب بتائے۔ پھر فرمایا: اس کے بعد تجھے حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک شخص ملا اور تجھ سے کہنے لگا: اگر تم حضرت امام جعفر بن محمد علیہما السلام سے ملنا چاہتے ہو تو مل سکتے ہو۔

یہ سن کر وہ شخص کہنے لگا: آپؑ نے جو کچھ فرمایا: یہ سچ ہے، بالکل ایسا ہی ہوا۔

امام علیہ السلام کا نہر بلخ کے پاس ہونے والے گناہ کی خبر دینا

ہارون بن رئاب سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں: مجھ سے جارودی [1] کے بھائی نے کہا کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں گیا تو امام علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا: تمھیں خبر ہے کہ تمھارے بھائی جارودی نے کیا کیا؟

میں نے عرض کیا: وہ نیک ہے، قاضی بھی اُسے پسند کرتا ہے اور ہمسائے بھی ہمیشہ اُس سے راضی ہوتے ہیں۔ وہ صرف آپؑ کی ولایت کا اقرار نہیں کرتا۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: وہ ہماری ولایت کا اقرار کیوں نہیں کرتا؟

میں نے کہا: وہ اپنے آپ کو متقی سمجھتا ہے (اس لیے آپؑ کی ولایت کا اقرار نہیں کرتا)۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: رات کو نہر بلخ کے پاس اُس کا تقویٰ کہاں گیا تھا؟

وہ کہتا ہے: جب میں اپنے بھائی کے پاس گیا تو اُس نے کہا: تیری ماں تیرے سوگ

---

[1] یہ شخص زیاد بن المنذر الجارودی العبدی کے پیروکاروں میں سے تھا کہ جس پہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے لعنت کی تھی۔

میں بیٹھے۔ میں حضرت عبداللہؑ کے پاس گیا۔ اُنھوں نے مجھ سے تیرے بارے میں پوچھا تو میں نے بتایا کہ ہمسائے بھی اُسے چاہتے ہیں اور قاضی بھی اُس کے تمام کاموں کو پسند کرتا ہے اس میں صرف ایک خرابی ہے اور وہ یہ کہ وہ آپؑ کی ولایت کا اقرار نہیں کرتا۔

اُنھوں نے پوچھا: ہماری ولایت کا اقرار کرنے میں اُسے کون سی چیز مانع ہے؟

میں نے کہا: وہ اپنے آپ کو متقی سمجھتا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: رات کو نہر بلخ کے پاس اُس کا تقویٰ کہاں گیا تھا؟

جارودی نے کہا: کیا تجھے یہ ابوعبداللہ (امام جعفر صادق علیہ السلام) نے بتایا ہے؟

میں نے کہا: ہاں۔ اس پر وہ کہنے لگا: میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ تمام جہانوں کے پروردگار کی حجت ہیں۔

میں نے کہا: مجھے بتاؤ، تم نے وہاں کیا کیا؟

اُس نے کہا: ہاں تو سنو! میں نہر بلخ کے پیچھے کی طرف سے آیا تو مجھے ایک شخص ملا اور اُس کے ہمراہ دلہن تھی۔ وہ بہت ہی خوبصورت تھی۔ جب ہم نہر پر پہنچے تو اُس نے مجھ سے کہا: تم ہمارے لیے روشنی کا بندوبست کرو اور ہم تمھارے سامان کی حفاظت کرتے ہیں یا ہم روشنی کا ذریعہ ڈھونڈتے ہیں اور تم ہمارے سامان کی حفاظت کرو۔ میں نے کہا: تم جاؤ، روشنی تلاش کر لاؤ، میں تمھارے سامان کی حفاظت کرتا ہوں۔

جب وہ گیا تو میں اُس کی دلہن کے پاس گیا اور اپنی شہوت کی آگ ٹھنڈی کرنے لگا۔ خدا کی قسم! یہ بات اُس دلہن نے بھی راز میں رکھی اور میں نے بھی کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ الغرض سوائے خداوند عالم کے کسی کو بھی اس کا علم نہ ہوا۔ (یہ بات اپنی زبان سے بیان کرنے کے بعد اُس کے دل میں ڈر سے پیدا ہو گیا)۔

جب میں دوسرے سال امام علیہ السلام کی خدمت میں گیا تو اپنے ہمراہ اُسے بھی لے گیا۔ میں نے امام عالی مقامؑ کے سامنے اس کا سارا واقعہ بیان کیا اور وہ امام علیہ السلام کی خدمت سے ان کی امامت کا قائل ہو کر نکلا۔

میں کہتا ہوں: اس خبر کو ایک دوسری صورت میں بھی روایت کیا گیا ہے اور وہ اس طرح ہے:

ایک شخص حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آیا۔ اس کا ایک بھائی جارودی تھا۔ امام علیہ السلام نے اُس سے پوچھا: تمھارا بھائی کیسا ہے؟ اُس نے عرض کیا: قربان جاؤں! میں تو صالح و نیک حالت میں چھوڑ کر آیا ہوں۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: وہ کس طرح؟ اُس نے جواب دیا: ہر حال میں لوگ اسے چاہتے ہیں، اُس کے پاس خیر و خوبی ہے مگر وہ آپؑ کی ذواتِ مقدسہ" کا قائل نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: بھلا وہ کیوں؟

اُس نے جواب دیا: قربان جاؤں وہ اس سے تورع و پرہیز کرتا ہے۔

اس پر امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: جب تم واپس جانا تو اُسے کہنا کہ رات کے وقت نہر بلخ کے قریب تمھارا ورع و تقویٰ کہاں گیا تھا؟

وہ کہتا ہے: اس کے بعد میں اپنے گھر واپس آ گیا اور میں نے اپنے بھائی سے پوچھا: تمھارا نہر بلخ والا کیا قصہ ہے؟ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی امامت کو ماننے میں تو تقویٰ کا بہانہ کرتا ہے، لیکن رات کو نہر بلخ کے قریب تو خداوند عالم سے نہیں ڈرا؟

اُس نے پوچھا: اس کا تمھیں کس نے بتایا؟

میں نے کہا: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے (تیرے بارے میں) پوچھا تو میں نے بتایا کہ تو تقویٰ کی وجہ سے اُن کی امامت کو نہیں مانتا۔

اس پر اُنھوں نے مجھ سے فرمایا: تم اُسے کہنا: رات کو نہر بلخ کے قریب تمھارا تقویٰ کہاں تھا؟

یہ سن کر وہ کہنے لگا: بھیا! میں شہادت دیتا ہوں (یعنی تسلیم کرتا ہوں) کہ بات اسی طرح ہی ہے۔

راوی کہتا ہے: میں نے کہا: تو برباد ہو جائے، خدا سے ڈر، جو تو کہتا ہے: (یعنی امامؑ کے بارے میں سوءِ ظن رکھتا ہے)۔ وہ اس طرح نہیں ہے۔

راوی کہتا ہے: یہ سن کر وہ کہنے لگا: اس کا تو کسی کو بھی کچھ پتہ نہیں تھا۔ خدایا! مخلوق میں سے سوائے میرے، اُس لڑکی کے اور رب العالمین کے اُسے کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔

راوی کہتا ہے: میں نے اُس سے کہا: تم مجھے اپنا واقعہ بتاؤ۔

وہ کہنے لگا: مَیں نہر کے پیچھے کی طرف گیا۔ اُس وقت میں اپنے تجارت والے کام سے فارغ ہو چکا تھا اور میرا شہر بلخ کا ارادہ تھا۔ راستے میں مجھے ایک شخص مل گیا اور اُس کے ساتھ ایک خوبصورت سی لڑکی تھی۔ ہم نے نہر بلخ کو عبور کیا اور ہم رات کے وقت وہاں (شہر بلخ میں) آ پہنچے۔ اس شخص (یعنی لڑکی کے مولا) نے مجھ سے کہا: "میں تمھارے ساز وسامان کی حفاظت کرتا ہوں اور تو ہمارے لیے کوئی چیز تلاش کر کے لا اور کہیں سے آگ لے آ، یا تو میرے مال واسباب کی دیکھ بھال کر اور مَیں جاتا ہوں۔

وہ کہتا ہے: میں نے اُس سے کہا: میں تیرے مال ومتاع کی حفاظت کرتا ہوں اور تو جا۔

وہ کہتا ہے: اس وقت ہم خیمہ میں تھے۔ جب وہ شخص وہاں سے نکل گیا تو میں نے اُس لڑکی کو پکڑ لیا اور اس پر اپنی شہوت کی آگ کو ٹھنڈا کرنے لگا۔ اس کے بعد میں اپنی جگہ آ گیا۔ اتنے میں اس لڑکی کا مولا آ گیا۔ ہم لیٹ گئے۔ بالآخر سفر ختم ہو گیا۔ ہم عراق پہنچ گئے اور کسی کو بھی اس کی خبر نہ ہوئی۔

راوی کہتا ہے: اس کے بعد میں اس کے پاس ہی رہا، حتیٰ کہ اسے سکون آ گیا۔ پھر وہ امام علیہ السلام کی امامت کا قائل بھی ہو گیا اور اُس سے اگلے سال جب میں حج پر گیا تو میں اُسے امام علیہ السلام کی خدمت میں لے گیا تو اُس نے اپنا سارا واقعہ امام علیہ السلام کو سنایا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا سے معافی مانگو اور دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ اس کے بعد اس کا طریقہ درست ہو گیا۔

امام علیہ السلام کا مالک کی مرضی کے بغیر لیے گئے مال کو قبول نہ کرنا

شعیب عقرقوفی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں، علی بن ابی حمزہ اور حضرت ابوبصیرؒ، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آئے۔ میرے پاس تین سو دینار تھے۔ میں نے امام علیہ السلام کے سامنے رکھے۔ امام علیہ السلام نے اُن میں سے مٹھی اپنے لیے لے لیے اور باقی مجھے واپس کر دیے اور فرمایا: اے شعیب! یہ سو دینار اس جگہ واپس کر دو کہ جس جگہ سے تم نے لیے ہیں۔

شعیب کہتا ہے: جب ہم نے اپنے سارے کام کر لیے تو مجھ سے حضرت ابوبصیرؒ نے پوچھا: اے شعیب! حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے تمھیں یہ دینار واپس کیوں کر دیئے تھے؟

میں نے کہا: میں نے اُنھیں اپنے بھائی سے چھپا کر لیا تھا اور اسے ان کی خبر نہ تھی۔

یہ سن کر حضرت ابوبصیرؒ نے مجھ سے کہا: اے شعیب! خدا کی قسم! امام علیہ السلام کا تمھیں یہ دینار واپس کرنا ان کے امامؑ ہونے کی نشانی ہے۔

اس کے بعد حضرت ابوبصیرؒ اور علی بن ابی حمزہ نے مجھ سے کہا: اے شعیب! ذرا ان دیناروں کو گنوں تو سہی۔ جب میں نے اُنہیں گنا تو یہ پورے سو دینار تھے۔ نہ ایک دینار کم ہوا نہ ہی زیادہ ہوا۔

امام علیہ السلام کا ماہِ ربیع میں ایک شخص کی موت کی خبر دینا

اسحاق بن عمار سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: ہمارے پاس کچھ اُموال ہیں اور ہم لوگوں کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں اور مجھے خوف ہے کہ کسی وجہ سے ہمارے اُموال جدا جدا نہ ہو جائیں۔

وہ کہتا ہے کہ یہ سن کر امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ہر ماہِ ربیع میں تو اپنے اموال جمع کر لیا کرو۔

(علی بن اسماعیل کہتے ہیں:) پس اسحاق ماہِ ربیع میں وفات پا گیا۔

امام علیہ السلام کا ایک جاریہ کو قبول نہ کرنا

حسین ابنِ ابی العلاء، علی بن ابی حمزہ اور حضرت ابوبصیرؒ سے مروی ہے: یہ سارے بیان کرتے ہیں: اہلِ خراسان میں سے ایک شخص حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے عرض کیا:

فرزندِ رسولؐ! قربان جاؤں! فلاں بن فلاں نے میرے ساتھ ایک جاریہ کو بھیجا ہے اور اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اسے آپؑ کے حوالے کر دوں۔

امام عالی مقام علیہ السلام نے فرمایا: مجھے اس کی ضرورت نہیں اور ہم اہلِ بیت علیہم السلام اپنے گھروں میں گندگی کو داخل نہیں کیا کرتے۔

یہ سن کر وہ شخص بولا: مولاؑ! میں آپؑ پر قربان جاؤں، خدا کی قسم! اس نے مجھے بتایا ہے کہ یہ اُس کے گھر میں پیدا ہوئی ہے اور اُس نے اُسے اپنی گود میں پالا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: مگر اب اس میں فساد پیدا ہو گیا ہے۔

اس نے کہا: مجھے اس کا پتہ نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: لیکن مجھے اس کا پتا ہے کہ اس کے ساتھ ایسا ہوا ہے۔

اور اُسے اس طرح بھی روایت کیا گیا ہے کہ ایک خراسان کا رہنے والا شخص حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: فلاں شخص نے کیا کیا ہے؟ وہ کہنے لگا: میں نہیں جانتا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں تمھیں بتاتا ہوں کہ اُس نے تمھارے ساتھ ایک جاریہ کو بھیجا ہے، لیکن مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

اُس نے استفسار کیا: کیوں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیونکہ تُو نے اس کے بارے میں خوفِ خدا کا لحاظ نہیں رکھا اور تُو نے رات کے وقت نہر بلخ کے پاس اس کے ساتھ جو کیا وہ کیا۔ یہ سن کر وہ شخص خاموش ہو گیا اور سمجھ گیا کہ امام علیہ السلام اس کی کارروائی کا علم رکھتے ہیں۔

امام علیہ السلام کا ایک شخص کو اُس کے گھر میں چھوڑے ہوئے مال کی خبر دینا

علی بن ابی حمزہؒ سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

ہم جانتے ہیں کہ تو اپنے گھر میں تین سو درہم چھوڑ آیا ہے۔

جب تم واپس جانا تو انھیں صرف کر دینا، یا محمد بن عبداللہ الاعیلی کی خدمت میں پہنچا دینا۔

وہ شخص کہنے لگا: خدا کی قسم! میں نے گھر میں کوئی چیز نہیں چھوڑی، مگر یہ کہ آپؑ نے مجھے اس کے بارے میں بتا دیا ہے۔

امام علیہ السلام کا مقامِ فخ میں ایک جماعت کے ذبح کیے جانے کی خبر دینا

نضر بن قرواش سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں اپنی کرائے کی سواری پر حضرت جعفر بن محمد علیہما السلام کو مدینہ سے مکہ لے کر جا رہا تھا۔ جب ہم وادی مر سے نکلے تو امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اے نضر! جب تم مقامِ فخ پہ پہنچو تو مجھے بتانا۔ میں نے پوچھا: کیا آپؑ اس مقام کو نہیں جانتے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیوں نہیں؟ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں نیند مجھ پر غالب نہ آجائے۔

جب ہم مقامِ فخ پہ پہنچے تو میں محمل کے قریب گیا اور دیکھا کہ آپؑ سوئے ہوئے تھے۔ میں کھانسا، تاکہ آپؑ بیدار ہو جائیں، مگر آپؑ بیدار نہ ہوئے۔ پھر میں نے محمل کو حرکت دی تو آپؑ اُٹھ بیٹھے۔

میں نے عرض کیا: ہم پہنچ گئے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میرا محمل کھولو، تو میں نے آپؑ کا محمل کھول دیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: قطار کو روکو۔

میں نے قطار کو روکا اور راستے سے ایک طرف ہو گیا۔ پھر میں نے امامؑ کے اُونٹ کو بٹھایا تو امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:

پانی کی مشک اور ایک پیالہ اِدھر لاؤ۔ جب میں یہ چیزیں امام علیہ السلام کے پاس لایا تو امام علیہ السلام نے وضو کیا، نماز پڑھی اور پھر سے اپنے محمل میں سوار ہو گئے۔ میں نے پوچھا: قربان جاؤں، آپؑ نے یہ جو کام کیا ہے کیا یہ حج کے مناسک میں سے ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، بلکہ یہاں میرے اہلِ بیت علیہم السلام میں سے ایک شخص کو ایک جماعت میں قتل کیا جائے گا کہ جن کی روحیں اُن کے جسموں میں سے پہلے جنت میں جائیں گی۔

امام علیہ السلام کو علم المنایا والبلایا عطا کیا گیا تھا

حضرت مفضل بن عمرؒ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام ابوعبداللہ علیہ السلام

کو یہ فرماتے ہوئے سنا، آپؑ ارشاد فرمارہے تھے:

مجھے کچھ ایسی خوبیاں عطا کی گئی ہیں کہ جن میں مجھ سے پہلے کسی نے بھی سبقت حاصل نہیں کی۔ مجھے علم المنایا والبلایا اور فصلِ خطاب عطا کیا گیا ہے اور مجھ سے پہلے اسے کسی نے بھی بیان نہیں کیا۔ جو چیز مجھ سے غائب ہے وہ مجھ سے چھپ نہیں سکتی۔ میں خدا کی طرف سے بشارت دیتا ہوں اور اُسے اس کی جانب سے عطا کرتا ہوں اور یہ سب خداوند سبحان کا مجھ پر احسان ہے کہ اُس نے مجھے اپنے علم سے اس پر قدرت عطا کی ہے۔

میں کہتا ہوں: واضح رہے کہ یہاں سبقت نہ کرنے والوں سے مراد عام لوگ ہیں، نہ کہ ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام۔

امام علیہ السلام کا ایک شخص کو اُس کی والدہ کے ساتھ بے ادبی کی وجہ سے ناراض ہونا

ابراہیم بن مہزمؒ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں ایک رات، شام گزار کر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس سے اپنے گھر آیا۔ میری ماں میرے ساتھ رہتی تھی۔ میرے اور میری ماں کے درمیان جھگڑا ہوگیا اور مَیں اُنھیں غصے میں کچھ کہہ گیا۔ دوسرے دن صبح کی نماز کے بعد جب میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس گیا تو سب سے پہلے امام علیہ السلام نے مجھ سے یہ بات کی: اے ابومہزمؒ! تمھارے اور تمھاری والدہ کے درمیان گذشتہ رات کیا بات ہوئی اور تُو نے کیوں اپنی والدہ کے خلاف سخت زبان استعمال کی؟ کیا تم نہیں جانتے کہ اُس کا پیٹ تمھارا وہ گھر تھا کہ جس میں تم رہتے تھے، اس کی آغوش تمھارا وہ گہوارہ ہے کہ جس میں تم سویا کرتے تھے اور جس کا سینہ وہ ظرف ہے کہ جس سے تم سیراب ہوا کرتے تھے؟

وہ کہتا ہے: میں نے عرض کیا: کیوں نہیں۔

اس پر امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: تم اپنی والدہ ماجدہ سے غصہ میں بات نہ کیا کرو۔

امام علیہ السلام کا ایک شخص کو پست لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے روکنا

ابنِ ابی یعفور سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا تو ایک اچھی شکل وصورت والے شخص نے امام علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضری

کا شرف حاصل کرنے کی اجازت چاہی تو امام علیہ السلام نے فرمایا: کمینے لوگوں سے بچ کر رہو۔

(راوی کہتا ہے:) میں زیادہ دیر وہاں نہ بیٹھا اور وہاں سے نکلا اور میں نے اسے غالی پایا۔

• اس حدیث کی وضاحت یہ ہے کہ وہ شخص صرف امام علیہ السلام کی خدمت میں داخل ہی ہوا تھا کہ امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: کمینے لوگوں سے بچو۔ یعنی ان کی صحبت میں بیٹھنے سے اجتناب کرو۔ جب وہ شخص امام علیہ السلام کے پاس سے نکلا تو راوی کو بھی بے سکونی ہوئی اور وہ اُس کے پیچھے پیچھے نکل پڑا اور جب راوی نے لوگوں سے اُس شخص کے بارے میں سوال کیا تو اُنھوں نے بتایا کہ یہ منحرف غالیوں میں سے ہے۔

اس سے راوی کو امام علیہ السلام کے فرمان کا معنی سمجھ میں آ گیا کہ جب امام علیہ السلام اُسے ان لوگوں کی صحبت میں اجتناب کا فرما رہے تھے کیونکہ یہی لوگ ہی اُس کے غالی اور راہِ راست سے منحرف ہونے کا سبب تھے۔

امام علیہ السلام کا ایک شخص کو والی کے اس کے ساتھ طرزِ عمل کے بارے میں بتانا

محمد بن سعید نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ محمد بن ابی حمزہ الثمالی کو اُن کے خراج کی تاخیر کی بنا پر ایک رقعہ تحریر کریں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اسے کہنا کہ میں نے حضرت امام جعفر بن محمد علیہما السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا، آپ فرما رہے تھے:

"جس نے ہمارے موالی کی عزت کی تو اُس کی خدا کی کرامت سے ابتدا کی، جس نے اُس کی توہین کی تو وہ خدا کی ناراضگی کے درپے ہوا۔ اور جس نے ہمارے شیعوں کے ساتھ نیکی کی تو اُس نے حضرت امیر المومنینؑ کے ساتھ نیکی کی۔ جس نے امیر المومنین علی علیہ السلام کے ساتھ نیکی کی اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نیکی کی، جس نے رسولؐ اللہ کے ساتھ نیکی کی اُس نے خدا کی بارگاہ میں نیکی کی اور جس نے خدا کے حضور نیکی کی تو خدا کی قسم! وہ رفیقِ اعلیٰ میں ہمارے ہمراہ ہوگا"۔

راوی کہتا ہے: جب میں اس کے پاس گیا اور اس حدیث کو اُس سے بیان کیا تو وہ کہنے لگا: خدا کی قسم! (صحیح صحیح بتاؤ) کیا تم نے یہ حدیث حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنی ہے؟

میں نے جواب دیا: ہاں، اس پر اُس نے مجھے بٹھایا۔ پھر کہا: محمد بن سعید پر کتنا خراج ہے؟ اُس نے کہا: ساٹھ ہزار درہم۔ اُس نے کہا: اس کا نام دیوان سے محو کر دو۔ پھر اس نے مجھے ایک تھیلا، ایک کنیز اور زین ولگام سمیت ایک خچر دیا۔

راوی کہتا ہے: جب میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آیا تو امام علیہ السلام میری جانب دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: اے ابا محمد! کیا تم مجھے بتاؤ گے یا میں تمھیں بتاؤں؟

میں نے عرض کیا: اے فرزندِ پیغمبرؐ! اگر آپؑ بتائیں تو زیادہ بہتر ہے۔

پھر امام علیہ السلام نے مجھے سارا واقعہ بتایا اور خدا کی قسم! امامؑ نے مجھے ویسا ہی بتایا کہ جیسا میرے ساتھ ہوا تھا اور امام علیہ السلام کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا امام علیہ السلام اس دوران میرے ہمراہ تھے۔

امام علیہ السلام کا کچھ لوگوں کو ان کی وفات سے پہلے ان کے مدفن کے بارے میں بتانا

محمد الاصبہانی سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں مکہ مکرمہ میں معروف بن خربوذ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ہم ایک جماعت کی صورت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے پاس سے کچھ لوگ گدھوں پر سوار ہو کر گزرے۔ یہ اہلِ مدینہ میں سے تھے اور اُن کا ارادہ عمرہ کرنے کا تھا۔

ہم سے معروف نے کہا: ان سے پوچھو کیا اِن کے پاس اس کی کچھ خبر ہے؟ ہم نے ان سے سوال کیا تو وہ کہنے لگے: عبداللہ بن الحسن فوت ہو گیا ہے۔ یہ بات ہم نے معروف کو بتائی۔ جب یہ لوگ چلے گئے تو کچھ اور لوگ آ گئے۔

معروف نے ہم سے کہا: ان سے بھی پوچھو۔ آیا ان کے پاس بھی کوئی خبر ہے؟

ہم نے ان سے پوچھا تو اُنھوں نے بتایا: عبداللہ بن الحسن پہ غشی طاری ہو گئی تھی، مگر اب اُسے افاقہ ہو گیا ہے؟

انھوں نے یہ بات معروف کو بتائی تو اُس نے کہا: میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لوگ کیا کہتے ہیں اور ان لوگوں نے کیا کہا ہے؟

مجھے ابنِ المکرمہ یعنی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ عبداللہ بن الحسن اور اُس کے اہلِ بیتؑ کی قبر فرات کے کنارے پر ہے۔

راوی کہتا ہے: ان لوگوں کی وفات کے بعد ابوالدوانیق انھیں اُٹھا کرلے گیا تھا اور اُن کی قبریں فرات کے کنارے بنائی گئیں۔

امام علیہ السلام کا ایک شخص کو اُس کی زوجہ کے جلد مر جانے کی خبر دینا

حسین بن ابی العلاء سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا کہ اتنے میں (ان کے موالیوں میں سے) ایک شخص اُن کے پاس آکر اُن سے اپنی بیوی کے بُرے اَخلاق کا شکوہ کرنے لگا۔

امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: تو اُسے میرے پاس لے آ، جب وہ اُسے لے کر امام علیہ السلام کے پاس آیا تو امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: تمھارا شوہر کیوں تمھاری شکایت کرتا ہے؟

اُس نے کہا: خدا اس کے ساتھ ایسا ایسا کرے۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اگر یہ مجھ پر ثابت ہوگیا تو پھر تم تھوڑا ہی عرصہ زندہ رہو گی۔

وہ کہنے لگی: مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں اُسے کبھی نہ دیکھوں۔

اس پر امام علیہ السلام نے اُس شخص سے فرمایا: اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑو، اب تمھارے اور اس کے درمیان صرف تین دن ہیں۔ جب دو دن گزر گئے اور تیسرا دن آیا تو وہ شخص امام علیہ السلام کی خدمت میں آیا۔

امام علیہ السلام نے اُس سے پوچھا: تُو نے اپنی بیوی کے ساتھ کیا کیا؟

اس نے جواب دیا: خدا کی قسم! میں ابھی دفن کر کے آرہا ہوں۔

(راوی کہتا ہے:) میں نے پوچھا: اس کا حال کیسا تھا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ زیادتی کرتی تھی تو خدا نے اُس کی عمر کو کم کر دیا اور اس شخص کو اس سے نجات دے دی۔

امامؑ کا ایک شخص کو اپنے آپ کے ساتھ کیے جانے والے فعل کے بارے میں بتانا

جعفر بن ہارون الزیات سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں: مَیں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا تو میری نظر حضرت امام ابوعبداللہ جعفر صادق علیہ السلام پر پڑی تو میں نے اپنے دل میں کہا: انھی کی پیروی کی جاتی ہے، انھی کو امام کہا جاتا ہے اور یہ ایسے ایسے ہیں؟

یہ کہتا ہے: مجھے اس کا پتہ نہ لگا حتیٰ کہ اُنھوں نے اپنا دستِ مبارک میرے کندھے پر مارا، پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ

"یعنی کیا ہم اپنوں میں سے کسی ایک بشر کی پیروی کریں؟ تب تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں ہوں گے"۔

عمر بن یزید سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں: ایک رات میں حضرت امام ابوعبداللہؑ کی خدمت میں موجود تھا۔ اُس وقت میرے علاوہ اور کوئی بھی آپؑ کے پاس موجود نہ تھا تو امام علیہ السلام نے اپنی ٹانگ مبارک میری گود میں پھیلا دی اور فرمایا:

اے عمر! اسے دباؤ۔ عمر کہتا ہے: میں نے انھیں دبایا۔ اچانک میری نظر آپؑ کی پنڈلیوں کی مضطرب حالت پر پڑی۔ میں نے ارادہ کیا کہ مَیں بعد میں امام علیہ السلام سے اس کے بارے میں پوچھوں گا۔

امام علیہ السلام نے میری طرف اشارہ کیا اور فرمایا: آج کی رات مجھ سے کسی بھی چیز کے بارے میں مت پوچھنا۔ میں تمھیں جواب نہیں دوں گا۔

یہ روایت ایک دوسری صورت میں بھی نقل ہوئی ہے اور وہ اس طرح سے ہے:

عمر بن یزید سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں حضرت امام ابوعبداللہ علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں موجود تھا۔ آپؑ درد میں مبتلا تھے۔ آپؑ نے مجھے دبانے کی غرض سے اپنی پشتِ مبارک پر

سوار کیا ہوا تھا اور آپؑ کا رُخِ انور دیوار کی طرف تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: نہیں پتہ انھیں بیماری میں خدا جانے کیا جائے گا۔ میں نے امام علیہ السلام سے اس کے بارے میں نہیں پوچھا تھا مگر میرے دماغ میں بار بار اسی بات کا خیال آتا تھا۔

امام علیہ السلام نے اپنا چہرۂ مبارک میری طرف پھیر کر فرمایا: جس کی فکر تمھیں لاحق ہوگئی ہے وہ ویسا نہیں ہے۔ میرے اس درد میں میرا کچھ بھی نقصان نہ ہوگا۔

معزز قارئین! یہ چند احادیث وہ پیش کی گئی ہیں کہ جو صراحت کرتی ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بعض لوگوں کو اُن کی نیتوں، اُن کے ماضی کے افعال اور اُن کے ساتھ پیش آنے والے مستقبل کے حالات کے بارے میں خبر دی تھی۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں کہ جنھیں ہم نے ''موسوعۃ الامام الصادق'' میں درج کر دیا ہے اور یہ ساری کی ساری احادیث ایک ہی حقیقت کی تاکید کرتی ہیں کہ حضرت صادقِ آلِ محمدؐ کو تائید ربانی حاصل تھی۔ آپؑ عالمِ اعلیٰ کے ساتھ متصل تھے اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپؑ کو وہ خوبیاں اور صلاحیتیں عطا کی تھیں کہ جو اس نے انبیاء و اوصیاء علیہم السلام کو بخشی ہیں، تاکہ یہ صلاحیتیں و اہلیتیں امامتِ باطلہ کے مقابلے میں آپؑ کی امامتِ حقہ اور ولایتِ شریعہ پر دلیل بنیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور علمِ طب

انسانی اَجسام کی تشریح

اس فصل میں ہم اپنے قارئین کی خدمت میں علمِ طب اور انسانی جسم کی تشریح میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی بعض روایات ذکر کریں گے، تاکہ یہ ثابت ہوجائے کہ امام عالی مقامؑ کا علم صرف فقہ و تفسیر وغیرہ تک ہی محدود نہ تھا اور یہ کہ حضرت صادقِ آلِ محمدؐ خداوند عالم کی بڑی بڑی نشانیوں، بالغ حجتوں اور اُس کے معادن علوم میں سے ایک تھے۔

حسن بن علی بن نعمان سے مروی ہے کہ اُنھوں نے ہمارے کسی شیعہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام ابوعبداللہ علیہ السلام سے درد کی شکایت کی تو آپؑ نے مجھ سے فرمایا: "جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو دو دانے کھجور (یا گڑ) کے کھایا کرو۔

وہ کہتا ہے: میں نے امام علیہ السلام کی ہدایت پر عمل کیا تو مجھے اس تکلیف سے چھٹکارا حاصل ہوگیا۔ میں نے یہ بات اپنے ایک طبیب کو بتائی اور وہ ہمارے علاقے کا بڑا ہی حاذق و ماہر طبیب تھا۔

یہ سن کر وہ کہنے لگا: حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام کو اس کی کیسے خبر ہوئی؟ یہ ہمارے پوشیدہ علم کی باتیں ہیں۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اُسے اُنھوں نے کسی کتاب میں پایا ہو، کیونکہ وہ صاحبِ کتب ہیں۔

منصور عباسی کے صاحب "الربیع" سے مروی ہے، وہ کہتا ہے: ایک روز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام منصور کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ اس وقت منصور کے پاس اہلِ ہند میں سے ایک شخص موجود تھا اور نحوہ طب کی کتابیں پڑھ رہا تھا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس کی پڑھائی کو توجہ کے ساتھ سننے لگ گئے۔ جب وہ پڑھ چکا تو امام علیہ السلام سے پوچھا: اے ابوعبداللہؑ!

جو کچھ میرے پاس ہے اس میں سے کسی چیز کی آپؑ کو ضرورت ہے؟

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: نہیں، کیونکہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ جو کچھ تمھارے پاس ہے۔

اس نے پوچھا: وہ کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں گرمی کا علاج ٹھنڈی چیز سے، ٹھنڈی کا علاج گرم چیز سے، تر کا علاج خشک چیز سے اور خشک چیز کا علاج تر چیز سے کرتا ہوں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان پر عمل کرتا ہوں اور معاملہ خداوند عالم کے سپرد کردیتا ہوں۔

جان لو! معدہ بیماری کا گھر ہے اور اس کی دوا پرہیز کرنا ہے اور بدن جس چیز کا عادی ہوتا ہے میں اُس کی وہی عادت بناتا ہوں۔

اس پر ہندی نے پوچھا: کیا یہی طب ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم کیا سمجھتے ہو کہ میں نے یہ طب کی کتابوں سے حاصل کیا ہے؟

وہ بولا: جی ہاں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! ایسا نہیں ہے۔ میں نے اسے خداوند سبحان سے حاصل کیا ہے۔ تو اب تُو مجھے بتا کہ طب کے بارے میں زیادہ بہتر میں جانتا ہوں یا تم؟

وہ بولا: میں بہتر جانتا ہوں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: چلو! میں تم سے چند سوال کرلیتا ہوں۔

اُس نے کہا: جی! کیجیے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ہندی! آنسوؤں اور رطوبتوں کی جگہیں سر میں کیوں ہوتی ہیں؟

وہ بولا: مجھے معلوم نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: سر کے اُوپر بال کیوں بنائے گئے ہیں؟

وہ بولا: مجھے معلوم نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پیشانی پر بال کیوں نہیں ہوتے؟

وہ بولا: مجھے معلوم نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس پر خطوط اور بننے اور ختم ہو جانے والی لکیریں کیوں بنائی گئی ہیں؟

وہ بولا: مجھے معلوم نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: دونوں آنکھوں کے اُوپر آبروئیں کیوں بنائی گئی ہیں؟

وہ بولا: مجھے معلوم نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: آنکھوں کو بادامی شکل کا کیوں بنایا گیا ہے؟

وہ بولا: مجھے معلوم نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ناک کو دونوں آنکھوں کے درمیان کیوں بنایا گیا ہے؟

وہ بولا: مجھے معلوم نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ناک کے نیچے کی طرف سوراخ کیوں ہیں؟

وہ بولا: مجھے معلوم نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہونٹ اور مونچھیں منہ کے اُوپر کیوں بنائی گئی ہیں؟

وہ بولا: میں نہیں جانتا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: دانت تیز کیوں ہوتے ہیں، داڑھیں چوڑی کیوں ہوتی ہے اور ناب (رباعیات کے ساتھ والے دانت) لمبے کیوں ہوتے ہیں؟

وہ بولا: مجھے معلوم نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: مردوں کی داڑھی کیوں بنائی گئی ہے؟

وہ بولا: میں بتانے سے قاصر ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: دونوں ہتھیلیوں پر بال کیوں نہیں ہوتے؟

وہ بولا: میری معلومات ناقص ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ناخنوں اور بالوں میں جان کیوں نہیں ہوتی؟

وہ بولا: مجھے اس سے آگاہی نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: دل صنوبر کے بیج کی مانند کیوں ہوتا ہے؟

وہ بولا: مجھے معلوم نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پھیپھڑوں کے حصے دو اور اُن کی حرکت کا مقام ایک کیوں بنایا گیا ہے؟

وہ بولا: مجھے اس حقیقت کا علم نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جگر کبڑا کیوں ہوتا ہے؟

وہ بولا: مجھے معلوم نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: گردہ لوبیے کے بیج کی مانند کیوں ہوتا ہے؟

وہ بولا: میں بتانے سے قاصر ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: گھٹنے پیچھے کی طرف کیوں سمٹے ہوئے ہوتے ہیں؟

وہ بولا: مجھے اس فلسفہ سے بالکل آگاہی نہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پاؤں میں خم کیوں ہوتا ہے؟

وہ بولا: مجھے معلوم نہیں ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: مجھے یہ سب کچھ معلوم ہے۔

وہ کہنے لگا: آپؑ ان سوالوں کے خود ہی جوابات بیان فرمائیے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: سر میں آنسوؤں اور رطوبتوں کی جگہیں اس لیے ہوتی ہیں کیونکہ اگر یہ نہ ہوتیں تو یہ (گرمی کی شدت سے) جلد ہی پھٹ جاتا۔ چنانچہ اس میں ان مقامات کے ہونے کی وجہ سے اس کے پھٹ جانے کا خوف اس سے دُور ہو گیا ہے۔

اس کے اُوپر بال اس لیے پیدا کیے گئے ہیں تاکہ ان کے ذریعے سے تیل دماغ تک پہنچے، اس کے اطراف سے بخار کو نکال دے اور اس پر وارد ہونے والی گرمی اور سردی سے اُسے بچائے رکھے۔

پیشانی پر بال اس لیے نہیں ہوتے، تاکہ اس کے ذریعے سے آنکھوں میں تیزی سے نور پہنچے۔ پیشانی کے اُوپر لکیریں اور مٹ جانے والے خطوط اس لیے بنائے گئے ہیں، تاکہ یہ پسینے کو آنکھوں میں پہنچنے سے اتنی دیر کے لیے روک کر رکھیں، تاکہ انسان خود اُسے صاف کرلے کہ جس طرح زمین کی نہریں پانی کو روک کر رکھتی ہیں۔

آنکھوں کے اُوپر بھنوئیں اس لیے بنائی گئی ہیں تا کہ آنکھوں میں حسبِ ضرورت روشنی داخل ہو۔

اے ہندی! کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو شخص بہت زیادہ روشنی میں ہوتا ہے وہ اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیتا ہے، تا کہ اُن تک روشنی بقدرِ ضرورت پہنچے۔

ناک کو دونوں آنکھوں کے درمیان اس لیے قرار دیا گیا ہے، تا کہ نُور دو قسموں میں تقسیم ہو کر آنکھ تک برابر برابر پہنچے۔

آنکھ بادام کی شکل میں اس لیے ہوتی ہے، تا کہ اس میں میل وغیرہ دوا کے ساتھ چلنے لگے اور اس کی بیماری باہر نکل آئے اور اگر یہ مربع نما یا بیضوی صورت میں ہوتی تو نہ اس میں میل چلتی، نہ اُس تک دوا پہنچتی اور نہ ہی اُس کی بیماری نکلتی۔

ناک کی نچلی طرف سوراخ اس لیے رکھا گیا تا کہ دماغ سے جاری ہونے والی فاسد رطوبت اس سے نکل جائے اور خوشبوئیں مشام تک پہنچ جائیں۔ چنانچہ اگر یہ سوراخ اُس کے اُوپر کی طرف ہوتا، تو نہ تو اُس سے فاسد رطوبت کا اِخراج ممکن ہوتا اور نہ ہی خوشبو کو محسوس کیا جاسکتا۔

مونچھوں اور ہونٹوں کو منہ کے اُوپر اس لیے بنایا گیا تا کہ دماغ سے بہنے والی رطوبت منہ میں نہ جائے اور اُس کا کھانا پینا مکدر نہ ہو جائے اور وہ اُسے خود صاف کرے۔

مردوں کی داڑھی اس لیے بنائی گئی، تا کہ اُنھیں دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ ہو اور اس کے ذریعے سے مرد وزن کی شناخت ہو جائے۔

دانتوں کو تیز اس لیے بنایا گیا ہے کیوں کہ ان کے ذریعے سے خوراک کو چبایا جاتا ہے۔ داڑھ چوڑی اس لیے ہوتی ہے، کیونکہ اس کے ذریعے سے خوراک کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کیے جاتے ہیں اور اُسے چبایا جاتا ہے۔

اَلنّاب (رُباعیات کے ساتھ والے دانت) اس لیے لمبے ہوتے ہیں، تا کہ ان کے ذریعے سے دانتوں اور داڑھوں کو سہارا (support) ملے کہ جس طرح ستون سے مکان کی چھت وغیرہ کو سہارا ملتا ہے۔

دونوں ہتھیلیوں پر بال اس لیے نہیں ہوتے کیونکہ ان کے ذریعے سے لمس واقع ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر ان دونوں پہ بال ہوتے تو انسان کو پتہ نہ چلتا کہ اُس کے سامنے کیا ہے اور وہ کس چیز کو مس کر رہا ہے۔

بالوں اور ناخنوں میں جان اس لیے نہیں ہوتی، کیونکہ ان دونوں کا لمبا ہونا قبیح اور انھیں کاٹنا اور چھوٹا کرنا اچھا ہے، لہٰذا اگر ان دونوں میں حیات ہوتی تو انسان انھیں کاٹتے وقت درد محسوس کرتا (اور انھیں کاٹنا چھوڑ دیتا)۔

دل صنوبر کے بیج کی مانند اس لیے ہے کیونکہ یہ اُلٹا ہوتا ہے، لہٰذا اس کا سرا باریک بنایا گیا تاکہ یہ پھیپھڑوں (Lungs) میں داخل ہوجائے اور یہ اس کے ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے راحت وسکون پاتا رہے اور اس کے گرم ہونے کی وجہ سے دماغ کھول نہ جائے۔

پھیپھڑوں کے دو ٹکڑے اس لیے بنائے گئے ہیں تاکہ یہ اس کی مزاحمت کے دوران اس میں داخل ہوجائے۔ چنانچہ وہ اس کی حرکت سے راحت محسوس کرے۔

جگر گبھرا اس لیے ہوتا ہے تاکہ معدہ بھاری ہوجائے اور یہ اپنا پورا وزن اس پر ڈال کر اسے نچوڑے دے، تاکہ اُس کا بخار نکل جائے۔

گردے کو لوبیے کے بیج کی مانند اس لیے بنایا گیا ہے کیونکہ اس پر ایک ایک نقطہ ہوکر منی گرتی ہے۔ چنانچہ اگر یہ مربع یا بیضوی شکل میں ہوتا تو ذی روح کو اُس کے نکلنے سے لذت محسوس نہ ہوتی کیونکہ منی کمر میں موجود ریڑھ کی ہڈی سے گردے پر گرتی ہے۔ پس گردہ کیڑے کی مانند سکڑ بھی جاتا ہے اور پھیل بھی جاتا ہے۔ یہ شروع میں اُسے مثانہ کی طرف پھینکتا ہے کہ جس طرح کمان سے تیر پھینکا جاتا ہے۔

گھٹنوں کو پیچھے کی طرف سے سمٹا ہوا اس لیے بنایا گیا ہے تاکہ انسان آگے کی طرف چلے تو اُس کی حرکات معتدل ہوں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان چلنے کے دوران گر جاتا اور پاؤں کو خم دار بنایا گیا ہے، کیونکہ جب کوئی چیز ساری زمین پر گر جاتی ہے تو وہ چکی کے پتھر کی مانند بھاری ہوجاتی ہے اور اگر وہ اپنی ترتیب کے مطابق ہو تو اُسے بچہ بھی اُٹھا لیتا ہے، لیکن اگر اس کی ترتیب باقی نہ رہے تو اُسے اُٹھانا بڑے بندے کے لیے بھی مشکل ہوجاتا ہے۔

یہ سن کر ہندی بولا: آپؑ نے یہ علم کہاں سے حاصل کیا ہے؟

آپؑ نے ارشاد فرمایا: میں نے اسے اپنے آبائے کرام علیہم السلام سے، انھوں نے اسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، انھوں نے اسے حضرت جبرائیل امینؑ کے واسطے عالمین کے پروردگار سے حاصل کیا کہ جس نے جسموں اور روحوں کو خلق کیا۔

اس پر ہندی شخص پکار اُٹھا: آپؑ نے سچ فرمایا، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے سوا کوئی بھی بندگی کے لائق نہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسولؐ اور اُس کے خاص بندے ہیں اور آپؑ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

سالم الضریر سے مروی ہے کہ ایک نصرانی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے جسم کی تفصیل کے بارے میں پوچھا تو آپؑ نے ارشاد فرمایا:

بے شک خداوند متعال نے انسانی جسم میں بارہ جوڑ، دو سو چھیالیس ہڈیاں اور تین سو ساٹھ رگیں بنائی ہیں۔ رگیں انسان کے پورے جسم کو سیراب کرتی ہیں۔ ہڈیاں ان رگوں کو قابو میں رکھتی ہیں۔ گوشت ان ہڈیوں کی حفاظت کرتا ہے اور پٹھے گوشت کو کنٹرول میں رکھتے ہیں۔

اس نے انسان کے دونوں ہاتھوں میں بیاسی ہڈیاں بنائی (یعنی) ایک ہاتھ میں اکتالیس ہڈیاں بنائی ہیں کہ جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے: ہتھیلی میں پینتیس ہڈیاں، کلائی میں دو، بازو میں ایک اور کندھے میں تین۔ اور یہ سب ملا کر اکتالیس بنتی ہیں۔ اور دوسرے ہاتھ کی ہڈیاں بھی اسی طرح ہی ہیں۔

انسان کی ٹانگ میں تینتالیس ہڈیاں ہوتی ہیں اور ان کی تفصیل کچھ یوں ہے: پینتیس ہڈیاں پاؤں میں، دو ہڈیاں پنڈلی میں، تین ہڈیاں گھٹنے میں، ایک ہڈی ران میں اور دو ہڈیاں کولھوں میں۔ اسی طرح دوسری ٹانگ میں بھی تینتالیس ہڈیاں ہوتی ہیں۔

انسان کی صُلب میں اٹھارہ ہڈیاں ہوتی ہیں، اس کے ہر پہلو میں نو پسلیاں ہوتی ہیں۔ اس کی گردن میں آٹھ، سر میں چھتیس اور منہ میں اٹھائیس ہڈیاں اور بتیس دانت ہوتے ہیں۔

ابوھفان نے بیان کیا (اس وقت ابنِ ماسویہ بھی اُس کے پاس موجود تھا) کہ حضرت امام جعفر بن محمد علیہما السلام نے ارشاد فرمایا:

طبائع چار قسم کی ہوتی ہیں:

"خون" یہ غلام ہوتا ہے اور کبھی کبھی غلام اپنے آقا کو مار بھی دیتا ہے۔

"ہوا" یہ دشمن ہوتی ہے اگر آپ اس سے بچنے کے لیے ایک دروازہ بند کریں تو یہ دوسرے دروازے سے آجاتی ہے۔

"بلغم" یہ ایک فرشتہ ہے کہ جو خیال رکھتا ہے۔

"المرّۃ" (یعنی صفرا) یہ زمین کی مانند ہوتا ہے اور جب زمین کانپتی ہے تو اس پر موجود چیزیں بھی کانپتی ہیں۔

یہ سن کر ابنِ ماسویہ نے کہا: یہ پھر سے بتاؤ! باخدا! ایسا تو جالینوس بھی نہیں بیان کر سکتا تھا۔

ہشام بن سالم سے مروی ہے، اُنھوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا:

"جب تم میں سے کسی کو دانے یا پھوڑے نکل آئیں تو اُسے چاہیے کہ وہ اُنھیں باندھ لے اور تیل یا گھی سے اُس کا علاج کرے"۔

حضرت ابوبصیرؓ سے مروی ہے، اُنھوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے، آپؑ نے ارشاد فرمایا:

"جب تم اپنے سر میں خارش کرنا چاہو تو آرام سے کرو اور ناخنوں سے نہیں بلکہ اُنگلیوں کے کناروں سے کرو"۔

عبدالرحمٰن بن کثیر سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس موجود تھا کہ اتنے میں محرم بھی آ گیا۔ امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: ہماری کنیز کو بلاؤ کہ وہ ہمارے پاس تیل اور سُرمہ لے کر آئے۔ میں نے اُسے بلایا تو وہ ایک بنفشہ کی شیشی لے کر آئی۔ اُس روز شدید قسم کی سردی تھی۔ محرم نے اس میں سے تھوڑا سا انھیں سکون دینے کے لیے لگایا اور اس کے بعد پوچھا: میں قربان جاؤں! یہ سردی اور بنفشہ؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس میں حیرت کی کون سی بات ہے؟

محرم نے عرض کیا: کوفہ کے طبیب کہتے ہیں کہ بنفشہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ گرمیوں میں ٹھنڈا اور سردیوں میں گرم اور آرام دہ ہوتا ہے۔

عمر بن اذینہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اپنے ہاتھوں اور پاؤں میں درد کی شکایت کی تو امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: تھوڑی سی روئی لو، اُس میں بان رکھو[1] اور اُسے اپنے ناف پر رکھو۔

یہ سن کر ابنِ اسحاق نے کہا: قربان جاؤں! کیا وہ بان کو روئی میں رکھ کر اسے ناف پر رکھے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ایسے ہی ہے، مگر اے اسحاق! تم (روئے کے بغیر) بان کو اپنے ناف میں ڈالو، کیونکہ یہ بڑا ہے۔

ابنِ اذینہ کہتے ہیں: اس کے بعد میری ملاقات اس شخص سے ہوئی تو اُس نے مجھے بتایا کہ میں نے یہ عمل ایک بار ہی کیا ہے تو میری تکلیف دُور ہوگئی۔

جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حیرہ سے آئے تو آپؑ اپنی سواری پر سوار ہو کر خورنق[2] چلے گئے۔ وہاں آپؑ اپنی سواری سے اُترے اور اس سے اپنے لیے سایہ بنایا۔ آپؑ کے ساتھ ایک سیاہ غلام تھا۔ اُس نے اہلِ کوفہ میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ جو کھجوریں خرید رہا تھا۔ اُس نے اس غلام سے پوچھا: یہ کون ہیں؟

اُس نے جواب دیا: یہ حضرت جعفر بن محمد علیہما السلام ہیں۔ تو وہ کھجوروں کا ایک بھرا ہوا طشت لے کر آیا اور اُس نے اُنھیں امام علیہ السلام کے سامنے رکھ دیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ کیا ہے؟

اُس نے جواب دیا: یہ برنی کھجوریں ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس میں شفا ہے۔ پھر امام علیہ السلام نے "السابری" کی طرف دیکھ کر فرمایا: یہ کیا ہے؟

---

[1] بان کا ایک لمبا درخت ہوتا ہے۔ اس کے پتے بید کے پتوں کی مانند ہوتے ہیں اور اس کے بیجوں سے خوشبودار تیل نکالا جاتا ہے۔ (از مترجم)

[2] خورنق: عراق میں نعمان اکبر بن امرء القیس کا محل تھا۔ (از مترجم)

اُس نے جواب دیا: یہ عمدہ قسم کی سابری کھجوریں ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہمارے ہاں یہ انڈہ نما ہوتی ہیں۔ پھر امام علیہ السلام نے "المشان" کی طرف دیکھ کر فرمایا: یہ کیا ہے؟

اُس نے جواب دیا: یہ المشان (یہ ایک بہترین قسم کی کھجور) ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہم اسے اُمِ جرذان کہتے ہیں۔ پھر امام علیہ السلام نے "الصرفان" کی طرف دیکھ کر فرمایا: یہ کیا ہے؟

اُس نے جواب دیا: یہ صرفان ہے۔

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ہم اسے عجوہ کہتے ہیں اور اس میں شفا ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی علمِ طب کے بارے میں احادیث کی ایک کثیر تعداد کو "موسوعہ امام صادق علیہ السلام" میں درج کیا ہے۔ ہم نے وہاں ایک معروف حدیث "توحید مفضل" کو بھی درج کیا ہے۔ یہ عظیم الشان حدیث امام علیہ السلام نے حضرت مفضل کو لکھوائی تھی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور علمِ نجوم

ہم اپنے معزز قارئین کو بتاتے ہیں کہ علم النجوم بھی ان بلند پایہ علوم میں سے ایک ہے کہ جو خداوند عالم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو الہام فرمائے تھے، تاکہ یہ خداوند عالم کی جانب سے آپؑ کی امامت منصوصہ کی دلیل بنے۔

اب ہم اس موضوع سے متعلقہ بعض روایات کو اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

روایت کی گئی ہے کہ ایک یمانی شخص حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آیا تو امام علیہ السلام نے اُسے فرمایا: مرحبا اے سعد!

یہ سن کر وہ شخص کہنے لگا: میرا یہ نام تو میری ماں نے رکھا تھا اور کم لوگ ہی میرے اس نام سے آشنا ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تُو نے سچ کہا۔ اے سعد المولیٰ!

اُس نے کہا: میں آپؑ پر قربان جاؤں، میرا یہی (المولیٰ) لقب ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے سعد! تمھارا کون سا پیشہ ہے؟

اُس نے جواب دیا: میرا اُس گھرانے سے تعلق ہے کہ جس کے افراد ستاروں میں دیکھتے ہیں (یعنی علم النجوم کو جانتے ہیں)۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: سورج کی روشنی چاند کی روشنی سے کتنے درجے زیادہ ہے؟

وہ بولا: میں نہیں جانتا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: چاند کی روشنی (کرن) زہرہ کی روشنی سے کتنے درجے زیادہ ہے؟

وہ بولا: میں نہیں جانتا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: عطارد کی نسبت مشتری کی روشنی کتنی ہوتی ہے؟

وہ بولا: میرے علم میں نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ کون سا ستارہ ہے کہ جو طلوع کرتا ہے تو گائے جوش میں آجاتی ہے؟

وہ بولا: میرے علم میں نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے یمنی بھائی! کیا تمھارے علماء ہیں؟

وہ بولا: جی ہاں! اہلِ یمن کا عالم پرندے کو زجر کرتا ہے [1] اور وہ ایک ساعت میں تیز رفتار سوار کے طے کردہ فاصلے کے برابر فاصلہ طے کرتا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: مدینہ کا عالم یمن کے عالم سے زیادہ علم والا ہے، کیونکہ مدینہ کا عالم وہاں جا پہنچتا ہے کہ جہاں تک قدموں کی رسائی ممکن نہیں ہوتی۔ وہ طائر کو زجر کرتا ہے۔ وہ ایک لحظے میں سورج کی حرکت (یا مسافت) کو جان لیتا ہے اور بارہ برجوں، بارہ سمندروں اور بارہ عالموں کو طے کر لیتا ہے۔

یہ سن کر وہ کہنے لگا: مجھے یقین نہیں آتا کہ کوئی شخص اتنا زیادہ علم و ادراک رکھتا ہوگا؟

ہشام الخفاف سے مروی ہے، وہ کہتا ہے: مجھ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: تم ستاروں کو کیسا دیکھ لیتے ہو؟

میں نے کہا: عراق میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ جو مجھ سے بہتر ستاروں میں نظر رکھتا ہو۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تمھاری نظر میں آسمان کا چکر کس طرح ہوتا ہے؟

وہ کہتا ہے: میں نے سر سے اپنی ٹوپی اُتاری اور اُسے گھمایا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر بات اسی طرح سے ہے تو بنات النعش، جدی اور فرقدین کے بارے میں کیا کہا جائے گا کہ جو سال میں ایک دن بھی قبلہ کی طرف گھومتے ہوئے نہیں دیکھے جاتے؟

وہ کہتا ہے: یہ سن کر میں نے کہا: باخدا! اس چیز کا مجھے کچھ پتہ نہیں تھا اور نہ ہی میں نے

---

[1] پرندے کو زجر کرنے سے مراد نیک یا برا شگون لینے کے لیے ہچکانہ (اُڑانا) ہوتا ہے۔ اور اگر وہ سیدھی جانب اُڑے تو اسے نیک فال سمجھا جاتا ہے اور اگر اُلٹی جانب اُڑے تو اسے فال بد سمجھا جاتا ہے۔ (از مترجم)

اہلِ حساب میں سے کسی سے اس کا ذکر سنا تھا۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: زہرہ کی نسبت سکینہ کی روشنی کتنے حصے ہیں؟

وہ کہتا ہے: میں نے کہا: خدا کی قسم! میں نے اس ستارے کا کوئی ذکر نہیں سنا (یعنی میں اس کے بارے میں نہیں جانتا اور نہ ہی اس کے بارے میں کسی کو کچھ بیان کرتے دیکھا ہے)۔

اس پر امام علیہ السلام نے فرمایا: سبحان اللہ! جب تمھیں ایک پورے ستارے کا علم نہیں تو تم حساب کس چیز کا کرتے ہو؟!

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: چاند کی نسبت زہرہ کی روشنی کتنے حصے ہے؟

وہ کہتا ہے: میں نے کہا: یہ تو صرف خداوند متعال ہی جانتا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: سورج کی نسبت چاند کی روشنی کے کتنے حصے ہیں؟

میں نے جواب دیا: میرے علم میں نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم سچ کہتے ہو، آپؑ نے فرمایا: ان دو فوجوں کا کیا معاملہ ہے کہ جو ایک دوسرے کے مقابل آتی ہیں اور ان دونوں فوجوں کا ایک ایک حساب لگانے والا ہوتا ہے اور دونوں میں سے ہر ایک کا حساب کرنے والا اسے فتح کی خوش خبری دیتا ہے، لیکن جب ان دونوں کی آپس میں مڈبھیڑ ہوتی ہے تو ایک جیت جاتی ہے اور دوسری کو شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تو کیا تم بتا سکتے ہو کہ نحوست کہاں پر ہے؟ (یعنی دوسری فوج اپنے حاسب کی بشارت کے باوجود کیوں ہارتی ہے؟)۔

وہ کہتا ہے: میں نے جواب دیا: میں نہیں بتا سکتا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم نے سچ کہا، اصل حساب حق ہے، لیکن اُسے وہی شخص جان سکتا ہے کہ جس کے پاس ساری مخلوق کی موالید کا علم ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا:

میرے اور ایک شخص کے درمیان زمین کی تقسیم کا معاملہ پیش آیا۔ وہ دوسرا شخص علمِ نجوم کو جانتا تھا۔ وہ نیک ساعت کے انتظار میں تھا کہ اُس کے لیے نیک ساعت آئے تو وہ نکلے،

تا کہ میرا نکلنا ساعتِ نحوس میں ہو۔ چنانچہ جب اُس کی مطلوبہ ساعت آئی تو ہم نے تقسیم شروع کی اور دو حصوں میں سے بہترین حصّہ میری قسمت میں آ گیا۔ یہ دیکھ کر اُس نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر مار کر کہا: ایسا میں نے کبھی نہیں دیکھا (یعنی میں نے ایسا غلط حساب زندگی بھر نہیں کیا)۔

میں (امام علیہ السلام) نے کہا: تمھارے دشمنوں کا بُرا ہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟

وہ بولا: میں علمِ نجوم کا جاننے والا ہوں۔ میں نے آپؑ کو ساعتِ نحس میں نکالا اور میں خود ساعتِ سعود (نیک) میں نکلا۔ پھر ہم نے تقسیم شروع کی، لیکن اس سارے اہتمام کے باوجود اس تقسیم کا بہترین آپؑ کے حق میں چلا گیا۔

میں نے کہا: کیا میں تمھیں وہ حدیث نہ بتاؤں کہ جو مجھ سے میرے والدِ بزرگوار نے بیان کی تھی؟ (سنو!) میرے والدِ بزرگوار فرماتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص چاہتا ہے کہ خداوند عالم اُس سے اُس دن کی نحوست کو دُور کردے تو اُسے چاہیے کہ وہ اپنے دن کی ابتدا صدقہ سے کرے۔ اس طرح سے خداوند عالم اُس سے دن کی نحوست کو دُور کردے گا اور جو شخص چاہتا ہے کہ خداوند عالم اُس سے رات کی نحوست دُور کردے تو اُسے چاہیے کہ وہ اپنی رات کی ابتدا صدقہ سے کرے۔ اس طرح سے خداوند عالم اس رات کی نحوست کو دُور کردے گا۔

پھر مَیں نے اُسے بتایا کہ (آج) میں نے بھی اپنے دن کی ابتدا صدقہ سے کی تھی (اس لیے اس دن کی نحوست مجھ سے دُور ہوگئی)۔ اور یہ (یعنی صدقہ دینا) تمھارے لیے علم النجوم سے زیادہ مفید ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور علمِ حیاتیات

صفوان الجمال سے مروی ہے، وہ کہتا ہے: میں حیرہ [1] میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ تھا۔ اتنے میں ہمارے پاس ربیع آیا اور کہنے لگا: امیرالمومنین (منصور ملعون) کو جواب دیجیے۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے اپنے واپسی کے ارادے سے توجہ ہٹالی۔

میں نے عرض کیا: میرے مولا! آپؑ بڑی جلدی واپس جانا چاہتے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: منصور مجھ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہے۔ تم ربیع سے اس کے (سوال کی نوعیت کے) بارے میں پوچھو۔

صفوان کہتا ہے: میرے اور ربیع کے درمیان بہت اچھے تعلقات تھے۔ میں اُس کی طرف گیا اور اُس سے پوچھنے لگا تو اُس نے مجھ سے کہا: میں تمھیں ایک عجیب بات بتاتا ہوں۔ اعراب کماۃ [2] سے بچ کر نکلے۔ تو انھیں صحرا میں پڑی ہوئی ایک عجیب مخلوق دکھائی دی۔ وہ اُسے لے کر میرے پاس آیا۔ میں اُسے منصور کے پاس لے گیا۔ جب منصور نے اُسے دیکھا تو اُس نے کہا: اسے میرے پاس لے آؤ اور تم حضرت جعفر صادق علیہ السلام کو بلا لاؤ۔ جب میں انھیں بلا لایا تو منصور نے آپؑ سے پوچھا: اے ابوعبداللہؑ! مجھے ہوا کے بارے میں بتایئے کہ اس میں کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہوا میں ایک رُکی ہوئی موج ہے۔

اُس نے کہا: کیا اس موج میں کوئی رہتا ہے؟

---

[1] حیرہ، کوفہ کے قریب ایک شہر کا نام ہے۔ (اقرب الموارد)

[2] کماۃ، ایک پودا ہے، اسے شحم الارض کہا جاتا ہے۔ یہ موسم ربیع میں زیرِ زمین پایا جاتا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں۔

اُس نے پوچھا: اس میں کون رہتا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس میں ایک مخلوق رہتی ہے جن کے اَبدان مچھلیوں کے اَبدان کی مانند اور سر پرندوں کے سروں کی طرح ہوتے ہیں۔ مرغوں کی مانند ان کی کلغیاں اور چونچ کے نیچے بال ہوتے ہیں۔ پرندوں کے پَروں کی مانند ان کے مختلف رنگوں کے پَر ہوتے ہیں اور یہ صاف اور چمکتی ہوئی چاندی سے بھی زیادہ سفید ہوتے ہیں۔

یہ سن کر خلیفہ منصور نے کہا: طشت لایا جائے، اُس کے حکم پر طشت لایا گیا تو اُس میں وہی مخلوق تھی۔ خدا کی قسم! وہ مخلوق بالکل ویسی تھی کہ جیسے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اُس کے بارے میں بیان کیا تھا اور جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اُس کی طرف دیکھا تو آپؑ نے فرمایا: "ہاں! یہی وہ مخلوق ہے کہ جوڑکی ہوئی موج میں آباد ہے"۔

اس کے بعد منصور نے آپؑ کو واپس جانے کی اجازت دے دی اور جب امام علیہ السلام چلے گئے تو خلیفہ منصور نے کہا: اے ربیع! تو ہلاک ہو جائے! یہ میرے گلے میں پھنسنے والی ہڈی سب لوگوں سے بڑھ کر عالم ہے اور داؤد بن کثیر الرقی کی اس سے ملتی جلتی روایت میں آیا ہے۔

حضرت امام ابوعبداللہ جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب آپؑ منصور کے پاس سے نکلے تو آپؑ نے مقامِ حیرہ میں پڑاؤ کیا۔ آپؑ ابھی وہاں پر ہی موجود تھے کہ اتنے میں ربیع آپؑ کے پاس آکر کہنے لگا: امیر المومنین (یعنی منصور) کو جواب کی ضرورت ہے۔ تو امام علیہ السلام اپنی سواری پہ سوار ہو کر اُن کی جانب چل پڑے۔ ایک دیکھنے والے نے صحرا میں ایک عجیب وغریب شکل کی مخلوق دیکھی اور اس کا کہنا تھا کہ یہ بارش کے ساتھ گری ہے۔

جب امام علیہ السلام اس کے پاس پہنچے تو اُس نے کہا: اے ابوعبداللہؑ! مجھے ہوا کے بارے میں بتائیے کہ اس میں کیا ہے؟ (اس کے بعد باقی سارا بیان اُوپر والی روایت کا ہے)۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اپنی کتاب اَلْاِمَامُ الجَوادُ مِنَ الْمَھْدِ اِلَی اللَّحدِ میں اس حدیث اور اس جیسی دوسری احادیث کے بارے میں ایک بات ذکر کی ہے، کہ جو یہاں بھی مفید مطلب ہے اور وہ بات یہ ہے:

ہم نے اپنے زمانہ میں دیکھا ہے کہ عراق میں کئی بار آسمان سے ہزاروں، بلکہ لاکھوں کی تعداد میں مینڈک گرے اور ہر مینڈک ایک بندوق یا اس سے بڑی تھی۔ اور اسی سال یعنی (۱۴۰۶ھ میں) جنوب ایران میں شادکان کے شہر میں لاکھوں کی تعداد میں مینڈک گرے کہ جن سے گھر اور باغات بھر گئے۔ بہر حال یہ ایک امرِ واقعی اور ثابت شدہ حقیقت ہے اور محض کوئی خیالی نظریہ نہیں کہ جس کو جھٹلایا جاسکے یا جس میں شک کیا جاسکے۔

مقامِ تحلیل میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اَلزَّوَابِعُ جمع ہے زَوْبَعَۃٌ کی۔ اور اس سے مراد ہوا کا زمین پر ہیجان اور بیضوی صورت میں اُوپر کو اُٹھنا ہے۔ اس صورت میں ہوا تیزی کے ساتھ چلتی ہے، غبار کو اُٹھاتی ہے اور ستون کی شکل میں آسمان کی طرف بلند ہوتی ہے۔ جب اس کے چکّر ساحلوں اور سمندروں کے پاس سے گزرتے ہیں تو گرد وغبار اور پانی میں موجود حیوانات جیسے چھوٹی چھوٹی مچھلیوں اور مینڈکوں کو اُٹھا کر فضا میں بلند ہوجاتے ہیں اور یہ گہرے اور کثیف بادلوں میں (اُوپر ہی) رہ جاتے ہیں اور واضح رہے کہ مچھلی کا بادلوں میں رہنا ممکن ہے، کیونکہ یہ پانی کے بخارات ہوتے ہیں۔

ممکن ہے کہ جو مخلوق ان لوگوں نے صحرا میں دیکھی ہو وہ یہی ہو اور ہوا میں رُکی ہوئی موج کی جو تعبیر بیان کی گئی ہے ممکن ہے کہ اس کا اشارہ زوابع کے تحت گزرنے کا بیان اور ان چیزوں کی طرف ہو کہ جنھیں وہ سمندروں کی سطح سے اُٹھاتے ہیں۔ واللہ اعلم!

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور حیوانات کی بولیوں کا علم

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ حیوانات کچھ آوازیں نکالتے ہیں۔ اگرچہ وہ ہمیں سمجھ میں نہیں آتیں۔ حیوانات کی ان آوازوں کے بارے میں مختلف باتیں کی جاتی ہیں اور اس امر میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ کیا ان آوازوں کے کوئی معانی ہوتے ہیں یا نہیں؟ بالفاظِ دیگر اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا حیوانات کوئی بامعنی بات کر سکتے ہیں یا نہیں؟

بہرحال ہم ان اقوال کے پیچھے نہیں پڑتے کہ جن کا سوائے کتاب کے حجم میں اضافے کے اور کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ قرآن کریم نے ہمیں ان اقوال سے بے نیاز کر دیا ہے جیسا کہ سورۂ نمل کی آیات ۱۶ تا ۱۹ میں حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی حکایت میں آیا ہے:

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ○ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ○ حَتّٰٓي اِذَآ اَتَوْا عَلٰي وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ڮ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَاۗىِٕبِيْنَ ○

"اور سلیمانؑ داؤدؑ کا وارث ہوا اور اُس نے کہا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھلائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز سے حصہ دیا گیا ہے۔ یقیناً البتہ یہ کھلم کھلا فضیلت ہے اور سلیمانؑ کے لیے اس کے لشکر جنوں، انسانوں اور پرندوں میں سے جمع کیے گئے۔ پھر وہ ترتیب دیئے جاتے ہیں یہاں تک

کہ جب وہ چیونٹیوں کے میدان میں آئے تو ایک چیونٹی سے کہا: اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں (سوراخوں) میں داخل ہو جاؤ تمھیں سلیمانؑ اور اس کے لشکر روند نہ ڈالیں اور وہ شعور ہی نہ رکھتے ہوں۔ پس وہ (سلیمانؑ) اس کی بات سے ہنستا ہوا مسکرایا اور کہنے لگا: اے میرے پروردگار! مجھے یہ توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تُو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی اور یہ کہ میں ایک ایسا صالح عمل کروں کہ تُو اس سے راضی ہو اور مجھے اپنی رحمت کے ساتھ اپنے نیکوکار بندوں میں داخل کر اور اس نے پرندوں کی تلاش کی۔ پھر اس نے کہا کہ مجھے کیا ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا کیا وہ غیر حاضروں میں سے ہے"۔

اور سورۂ نمل ہی کی آیات ۲۰ تا ۲۹ میں آیا ہے:

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ○ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ○ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ○ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ○ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ○ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ○ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ○ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ○

"میں ضرور اُسے سخت عذاب کی سزا دوں گا یا میں ضرور اس کو ذبح کر ڈالوں گا۔ یا ضرور ہے کہ وہ میرے پاس غیر حاضری کی دلیل لائے۔ پس زیادہ

دیر نہ ہوئی کہ وہ آ گیا۔ پھر کہنے لگا: میں نے ایسی بات معلوم کی ہے جو تمھیں معلوم نہیں اور میں مُلکِ سبا سے تمھارے پاس ایک یقینی خبر لایا ہوں۔ یقیناً میں نے ایک عورت کو پایا جو ان پر حکومت کرتی ہے اور وہ ہر چیز سے حصّہ دے گئی ہے اور اس کے لیے بہت ہی بڑا شاہی تخت ہے۔ میں نے اُسے اور اُس کی قوم کو پایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا سورج کے لیے سجدہ کرتے ہیں۔ اور شیطان نے اُن کے لیے اُن کے عملوں کو زینت دے دی۔ پھر اُنھیں سیدھے راستہ سے روک دیا۔ پس وہ راہ نہیں پاتے وہ کیوں نہیں اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرتے جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو باہر نکالتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ عظمت والے عرش کا پروردگار ہے۔ اس (سلیمان) نے کہا: میں عنقریب دیکھوں گا کہ تُو نے سچ کہا یا جھوٹوں میں سے ہے۔ میرا یہ خط لے جا، پس اسے ان کی طرف ڈال دے۔ پھر ان کے پاس سے ہٹ جا۔ پھر دیکھ کیا جواب دیتے ہیں: (چنانچہ وہ گیا تو) وہ ملکہ سبا بلقیس بولی: اے سردارو! یقیناً میرے پاس ایک بزرگی والا خط ڈالا گیا ہے۔ یقیناً وہ سلیمانؑ کی طرف سے ہے"۔

مذکورہ بالا آیات مکمل وضاحت کے ساتھ بتاتی ہیں کہ حیوانات کی بھی زبانیں ہوتی ہیں اور ان کا کوئی نہ کوئی مفہوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ چیونٹی اور ہدہد کے قصہ میں اور پرندوں کی تسبیح اور اُن کی نماز کے بارے میں اس کا بیان ہوا ہے۔ اب ہمارے قارئین جان چکے ہیں کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام چیونٹی کی بات پر ہنسے تھے اور ملکۂ سبا کے بارے میں ہدہد کی بات سنی تھی اور اس کے کہنے کا مقصد سمجھ گئے تھے بلکہ اُسے حکم دیا کہ وہ ان کا خط ملکۂ سبا کے پاس لے جائے۔

لہٰذا جب خداوند عالم اپنے بعض بندوں کو پرندوں اور حیوانات وغیرہ کی زبان کا علم عطا

کرتا ہے تو اُس کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ وہ اپنے انبیاء علیہم السلام کے اوصیاءؑ کو بھی حیوانات کی بولیوں اور انسانوں کی مختلف زبانوں کا علم عطا کر دے۔

مکتبِ اہلِ بیت علیہم السلام میں بہت سی ایسی احادیث دستیاب ہیں کہ جو اس حقیقت کو ثابت کرتی ہیں اور ہم نے ان میں سے بعض کو موسوعہ امام صادق علیہ السلام میں درج کیا ہے اور یہاں ہم صرف وہی چند احادیث نقل کریں گے کہ جن میں اس علم کی نسبت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ دی گئی ہے۔

فضیل بن یسار سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں حضرت امام ابوعبداللہ علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا کہ میری نظر ایک نر کبوتر پر پڑی۔ وہ اپنی مادہ کے قریب ہو رہا تھا۔ امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: تم جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی نہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ اپنی مادہ سے کہہ رہا ہے: اے میری جائے سکون اور میری شریکِ حیات! میرے مولا حضرت امام جعفر بن محمد علیہما السلام کے بعد مجھے تم سے زیادہ کوئی بھی عزیز نہیں ہے"۔

ایک دوسری روایت میں مغیث سے مروی ہے، اس نے اپنے گھر میں حضرت امام ابوعبداللہ علیہ السلام کو مسکراتے ہوئے دیکھا تو وہ کہنے لگا: میں آپؑ پر قربان جاؤں، میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ میں اپنے گھر میں آپؑ کے بیٹھنے کی وجہ سے خوش ہوں یا آپؑ کے مسکرانے پر خوشی کا اظہار کروں؟!

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ نر کبوتر اپنی مادہ کے پاس جا کر کہتا ہے: تم میری جائے سکون اور ہم سفرِ حیات ہو، لیکن وہ بستر پر تشریف فرما ہستی (یعنی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام) مجھے تم سے زیادہ عزیز ہیں۔ تو میں اس کی اس بات پر مسکرانے لگا۔

اسی معنی کو فضیل بن یسار نے بردالاسکاف کی حدیث میں بیان کیا ہے کہ پرندے نے کہا: اے میری جائے سکون اور شریکِ حیات! خدا نے کوئی ایسی مخلوق خلق نہیں کی کہ جو مجھے تجھ سے زیادہ محبوب ہو اور میری تمھاری طرف حرص صرف اسی وجہ سے ہے کہ خداوندعالم مجھے تم سے ایسے بچے عطا کرے کہ جو اہلِ بیت علیہم السلام سے محبت کرنے والے ہوں۔

داؤد بن فرقد سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے گھر موجود تھا۔ وہاں میری نظر راعبی کبوتر پر پڑی۔ وہ لمبی لمبی (غٹرغوں کی) آوازیں نکال رہا تھا۔ تو حضرت امام ابوعبداللہ علیہ السلام نے میری طرف دیکھ کر فرمایا: اے داؤد! تم جانتے ہو یہ پرندہ کیا کہہ رہا ہے؟

میں نے کہا: قربان جاؤں، خدا کی قسم! میں نہیں جانتا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں کے لیے بددعا کر رہا ہے، لہٰذا تم اسے اپنے گھروں میں رکھا کرو۔

سلیمان بن خالد سے مروی ہے، وہ کہتا ہے: عبداللہ بلخی ہمارے ساتھ تھا اور ہم بھی اس کے ہمراہ تھے کہ اچانک ہم نے دیکھا کہ ایک ہرن امام علیہ السلام کے پاس آیا۔ وہ کچھ آوازیں نکال رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی دم بھی ہلا رہا تھا۔

حضرت امام ابوعبداللہ علیہ السلام نے اسے فرمایا: اگر خدا نے چاہا تو میں کردوں گا۔

پھر امام علیہ السلام ہماری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: تم جانتے ہو ہرن نے کیا کہا؟

ہم نے جواب دیا: اللہ اور اُس کے رسولؐ اور فرزندِ رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔

اس پر امام علیہ السلام نے ہمیں بتایا: یہ میرے پاس اپنے علاقے والوں کی شکایت لے کر آیا ہے کہ اُنھوں نے جال لگا کر اس کی مادہ کو پکڑ لیا ہے اور اس کے دو بچے ہیں کہ جو ابھی کھڑے نہیں ہوسکتے اور نہ ہی ان میں چرنے کی صلاحیت موجود ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس نے مجھ سے مطالبہ کیا ہے کہ میں اہلِ علاقہ کو اس کی مادہ کو چھوڑ دینے کا کہوں اور اس نے ضمانت دی ہے کہ جب وہ اپنے بچوں کو دودھ پلائے گی اور وہ طاقتور ہوجائیں گے تو یہ اپنی مادہ کو اُن کے حوالے کردے گا۔

امام علیہ السلام فرماتے ہیں: اس پر میں نے اس سے حلف لیا تو وہ کہنے لگا: اگر آپؑ نے ایسا نہ کیا تو میں آپؑ کی ولایت سے بے زار ہوجاؤں گا۔

(امام علیہ السلام نے فرمایا:) اور میں "ان شاء اللہ" اس کا یہ کام کردوں گا۔

یہ سن کر بلخی نے کہا: آپؑ اہلِ بیت علیہم السلام میں تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی سنت ہے۔

(یعنی آپؑ کو پرندوں کی زبانوں کا بھی علم تھا)۔

ابان بیاع الزطی کے خادم سالم سے مروی ہے، وہ کہتا ہے کہ ہم چھٹے امام جعفر صادق علیہ السلام کے باغ میں تھے۔ میرے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ ہم نے چڑیوں کے چہکنے کی آواز سنی تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

کیا تم سمجھ رہے ہو کہ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟

ہم نے بارگاہِ امامؑ میں عرض کیا: ہم آپؑ پر قربان! ہمیں سمجھ نہیں آرہی کہ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ کہہ رہی ہیں: خدایا! ہم بھی تیری ہی مخلوق ہیں اور ہمیں تیرے رزق کی ضرورت ہے، لہٰذا تو ہمیں کھلا اور سیراب فرما۔

علاء بن سیابہ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں: ایک شخص حضرت امام ابوعبداللہ جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت امام علیہ السلام عبادت میں مشغول تھے۔ اتنے میں ہدہد نامی ایک پرندہ آیا اور آپؑ کے سر کے پاس آکر رُک گیا۔ جب آپؑ نے نماز کا سلام پھیرا اور اُس شخص کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ کہنے لگا: میں آپؑ سے کچھ پوچھنے آیا تھا، لیکن یہاں پر میری آنکھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا ہے۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: وہ کون سا منظر؟

اُس نے کہا: ہدہد نے کیا کیا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، وہ میرے پاس ایک سانپ کی شکایت لے کر آیا تھا کہ وہ اس کا مادہ بچہ کھا گیا ہے۔ چنانچہ میں نے خدا کی بارگاہ میں اُس کے خلاف بددُعا کی تو خدا نے اُسے موت دے دی۔

صفوان بن یحییٰ نے حضرت جابر سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: میں حضرت امام ابوعبداللہ علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا۔ وہاں سے ہم امام علیہ السلام کی ہمراہی میں باہر کی طرف نکلے۔ راستے میں ہماری نظر ایک شخص پر پڑی۔ اُس نے ایک چھوٹے سے بھیڑ کے بچے کو ذبح کرنے کے لیے لٹایا ہوا تھا۔ وہ معصوم جانور چلّایا تو امام ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: اس جانور کی

قیمت کتنی ہے؟

وہ بولا: چار درہم۔ امام علیہ السلام نے اُسے اس کے قبضے سے چھڑایا، درہم اس شخص کے حوالے کیے اور اس سے فرمایا: اس کی راہ چھوڑ دے۔

راوی کہتا ہے: ہم آگے گئے۔ ہم نے دیکھا کہ ایک باز ایک دراجہ پر ٹوٹا پڑا تھا۔ دراجہ نے چیخ بلند کی تو امام علیہ السلام نے اپنے کپڑے سے اُس کی طرف اشارہ کیا تو وہ واپس آ گیا اور اُس نے دراجہ کو کچھ نہ کہا۔

میں نے امام علیہ السلام سے عرض کیا: آج ہم نے آپؑ کی بڑی عجیب عجیب باتیں دیکھی ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، جب اس جانور کو اُس شخص نے ذبح کرنے کے لیے لٹایا تھا تو اُس جانور نے مجھے دیکھ کر فریاد کی: میں اللہ تعالیٰ اور آپ اہلِ بیت علیہم السلام کی پناہ چاہتا ہوں اور یہی فریاد دراجہ نے بھی کی۔ اگر ہمارے شیعہ اپنی جگہ قائم رہتے تو میں اُنھیں پرندوں کی بولیاں سنواتا۔

محمد بن عمرو بن میثم سے مروی ہے، اور اُنھوں نے ہمارے بعض اصحاب کے واسطے سے حضرت امام ابوعبداللہ علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپؑ اپنے بعض اصحاب کے ہمراہ اپنی کسی جگہ کی طرف نکلے۔ یہ سب مل کر چل رہے تھے کہ اتنے میں ایک بھیڑیا آ گیا۔ جب اُنھوں نے بھیڑیے کو دیکھا تو وہ اس پر ٹوٹ پڑے۔

اس پر امام علیہ السلام نے فرمایا: اسے چھوڑ دو یہ کسی کام کی غرض سے یہاں آیا ہے۔

جب اُنھوں نے اُسے چھوڑا تو وہ امام علیہ السلام کے قریب آیا کہ اُس نے اپنا ہاتھ امام علیہ السلام کی سواری پر رکھ لیا۔ پھر امام علیہ السلام اس کی طرف جھکے تو اس نے امام علیہ السلام سے کوئی بات کہی کہ جو ہماری سمجھ میں نہ آئی۔ امام علیہ السلام نے اُسے اس کی بات کا جواب دیا تو وہ واپس چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد آپؑ کے اصحاب کہنے لگے: آج ہم نے بڑا عجیب وغریب منظر دیکھا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اُس نے مجھے بتایا کہ وہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک غار میں اپنی مادہ

کو چھوڑ کر آیا ہے۔ وہ بچہ جننے میں بہت دشواری محسوس کر رہی ہے اور اُسے خوف لاحق ہو گیا ہے کہ کہیں وہ اس کی تکلیف سے مر ہی نہ جائے۔ اُس نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں اُس کی اس مشکل کے دُور ہونے اور ایسے بچے کے پیدا ہونے کی دُعا کروں کہ جو نر ہو اور ہم اہلِ بیت علیہم السلام کی محبت و ولا رکھنے والا ہو۔ میں نے اُسے اس بات کی ضمانت دے دی ہے۔

راوی کہتا ہے: اس کے بعد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنی جگہ کی طرف چل دیے اور ہم بھی اُن کے ساتھ تھے اور بھیڑیے کو خدا نے مذکر بچہ عطا کیا۔ ہم امام علیہ السلام کے ہمراہ آپؑ کی جگہ ایک ماہ رہے۔ جب ہم واپس آ رہے تھے تو راستہ میں وہی بھیڑیا اپنی مادہ اور بچے سمیت امام علیہ السلام کے سامنے آ گیا اور ان تینوں نے مل کر کچھ آوازیں نکالنا شروع کر دیں۔ امام علیہ السلام نے اُنھیں ان کی باتوں کا جواب دیا اور وہ چلے گئے۔ امام علیہ السلام کے اُصحاب نے جب بھیڑیے کے ساتھ اس کا نر بچہ دیکھا تو اُنھوں نے یقین کر لیا کہ امام علیہ السلام نے ان سے سچ فرمایا تھا۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے ان سے فرمایا: تمھیں کچھ سمجھ میں آیا کہ یہ کیا کہہ رہے تھے؟

اُنھوں نے جواب دیا: نہیں، ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ میرے اور تمھارے حق میں اچھی دوستی کی خدا سے دُعا کر رہے تھے۔ میں نے بھی اُنھیں اسی قسم کی دُعا دی اور حکم دیا کہ وہ میرے اہلِ بیتؑ اور میرے دوستوں کو اذیت نہ دیں۔ اُنھوں نے مجھے اس کی ضمانت دی ہے۔

معزز قارئین! یہاں اس موضوع کی اور بھی روایات ہیں کہ جو ہم نے موسوعہ میں درج کر دی ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور مختلف زبانوں کا علم

معزز قارئین! یہ بات ہر قسم کے شک و شبہے سے بالاتر ہے کہ امام خداوند عالم کی تمام مخلوقات پر اُس کی حجت ہوتا ہے۔ اس بنا پر لازم ہے کہ امامؑ تمام مخلوقات کی زبانوں سے آگاہ ہو، تاکہ وہ آسانی کے ساتھ اُنھیں ان کے فرائض و وظائف کے بارے میں بتا سکے۔

چنانچہ ابوصلت ہرویؒ سے مروی ہے، آپؒ نے فرمایا:

حضرت امام علی رضا علیہ السلام لوگوں کے ساتھ اُن کی زبان میں بات کیا کرتے تھے اور خدا کی قسم! وہ ہر لغت و زبان کو اُس کے اہل سے زیادہ سمجھتے تھے۔ ایک روز میں نے اُن کی خدمت میں عرض کیا: اے فرزند پیغمبرؐ! میں حیران ہوں کہ آپؑ ان مختلف زبانوں کو کس طرح جانتے ہیں؟!

اُنھوں نے ارشاد فرمایا: اے ابوصلتؒ! میں خدا کی مخلوق پہ اُس کی حجت ہوں اور خداوند عالم کی شان اس سے کہیں زیادہ بلند تر ہے کہ وہ لوگوں پر ایسے شخص کو اپنی حجت قرار دے کہ جسے ان کی زبانوں کی معرفت نہ ہو!

اور کیا تم تک امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا یہ فرمان نہیں پہنچا کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: ”ہمیں فصلِ خطاب عطا کیا گیا ہے“۔

زبانوں کی معرفت کے علاوہ فصلِ خطاب کا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے؟

اسی دلیل کی بنا پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بھی تمام زبانوں کو جانتے تھے اور وہ خداوند بزرگ و برتر کے فضل و الہام سے ہر مخلوق کی زبان سے آشنا تھے۔ ہم ذیل میں اس کے بعض نمونے اپنے قارئین کی نذر کر رہے ہیں۔

محمد بن احمد سے مروی ہے، وہ کہتا ہے: اہلِ خراسان میں سے کچھ لوگ حضرت امام جعفر

صادق علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتے امام عالی مقامؑ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ جَمَعَ مَالاً مِنْ مَهَاوِشٍ أَذْهَبَهُ اللهُ فِي نَهَابِرِ

''جو شخص غلط اور مشتبہ طریقے سے مال جمع کرے گا خدا اُسے ہلاکت میں مبتلا کردے گا''۔

وہ بولے: ہم آپؑ پر فدا ہوں، آپؑ کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی (کیونکہ ہم عربی زبان سے آشنا نہیں)۔

ان کا جواب سن کر امام علیہ السلام نے (فارسی زبان میں) ارشاد فرمایا:

هر مال که از باد آيد بدم شود

احمد بن قابوس نے اپنے والد سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: اہلِ خراسان میں سے کچھ لوگ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

مَنْ جَمَعَ مَالاً يُحْرِسُهُ عَذَّبَهُ اللهُ عَلَى مِقْدَارِهِ

''جس شخص نے مال جمع کر کے اُس کی حفاظت کی تو خداوند عالم اُسے اس مال کی مقدار کے برابر عذاب دے گا''۔

یہ سن کر اُنھوں نے آپؑ سے (فارسی زبان میں) عرض کیا: ہم عربی زبان نہیں جانتے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

هر كه درهم اندوزد جزايش دوزخ باشد

''جو شخص بھی درہم و دینار کی ذخیرہ اندوزی کرے اُس کی سزا دوزخ ہے''۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''خدا کے دو شہر ہیں۔ ایک مشرق میں ہے اور ایک مغرب میں۔ ہر شہر کا احاطہ لوہے کا ہے اور اُس کے دس لاکھ دروازے ہیں اور ہر دروازے کے دو دو حصے ہیں۔ ان دونوں میں سے ہر ایک شہر میں ستر ہزار انسان ہیں اور اُن کی زبانیں مختلف ہیں لیکن میں اُن سب کی زبانیں جانتا ہوں اور جو کچھ ان دونوں شہروں میں اور اُن کے درمیان ہے، اس پر میرے، مجھ سے پہلے میرے آبائے کرامؑ اور میرے بعد میرے بیٹوں کے علاوہ کوئی بھی حجت خدا نہیں

ہے"۔

عبدالحمید الجرجانی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: جنگل میں سے ایک لڑکا میرے پاس ایک انڈہ لے کر آیا۔ میں نے اُسے دیکھا تو اُس کی دونوں طرفیں مختلف تھیں۔ (۱) میں نے اس لڑکے سے پوچھا: یہ کس چیز کا انڈہ ہے؟ اُس نے جواب دیا: یہ مرغابی کا انڈہ ہے۔ میں نے اسے کھانے سے انکار کر دیا۔ کہا کہ جب تک میں اس کے بارے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھ نہ لوں اُسے نہیں کھاؤں گا، لہٰذا میں شہر کی طرف آیا۔ آپؑ سے ملا اور آپؑ سے اپنے مسائل کا حل معلوم کیا، لیکن اس کے مسئلے کے حل کے بارے میں سوال کرنا میرے ذہن سے نکل گیا اور جب ہم چلنے لگے تو مجھے یہ مسئلہ یاد آگیا اور اُونٹوں کی قطار میرے ہاتھ سے نکل گئی۔ میں نے اُنھیں اپنے ایک دوست کے سپرد کیا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف چل پڑا۔ میں نے وہاں جا کر دیکھا کہ آپؑ کا علمی وفکری دربار لگا ہوا ہے اور بہت سے لوگ آپؑ کے خوانِ علم و حکمت سے سیر و سیراب ہو رہے ہیں۔ میں آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؑ کے چہرۂ انور کے سامنے کھڑا ہو گیا تو امام علیہ السلام نے اپنا سرِ مبارک میری جانب اُٹھا کر فرمایا:

اے عبدالحمید! تم ہمارے لیے اُڑنے والی مرغی (یعنی مرغابی کے انڈوں والا سوال) لے کر آئے ہو؟

میں نے کہا: جو میں چاہتا تھا وہ آپؑ نے مجھے دے دیا۔ اس کے بعد میں واپس چلا گیا اور اپنے دوست کے ساتھ مل گیا۔

اسماعیل بن مھران سے مروی ہے اور اُنھوں نے اہلِ بیرما (۲) میں سے ایک شخص سے

---

(۱) جب انڈے کی دونوں طرفیں ایک دوسرے سے مختلف ہوں تو انڈہ حلال ہوتا ہے اور اگر اس کی دونوں طرفیں برابر ہوں تو وہ حرام ہوتا ہے۔ (از مؤلف)

(۲) ظاہر یہ ہے کہ اصل "بیوحا" ہے اور روایت کی سند میں یہ محرف واقع ہوا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ مدینہ میں ابوطلحہ کی زمین کا نام ہے اور ایک دوسرے قول کے مطابق یہ مسجد نبویؐ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ (از مؤلف)

نقل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپؑ کے پاس سے فارغ ہو جانے کے بعد میں نے آپؑ کو الوداع کہا اور نکل آیا یہاں تک کہ میں الاعواص (مدینہ کے قریب ایک مقام پر) پہنچ گیا۔ جب میں یہاں پہنچا تو مجھے آپؑ کے ساتھ ایک کام یاد آ گیا، لہٰذا میں واپس چلا گیا۔ جب میں آپؑ کی خدمت میں پہنچا تو گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا اور میں آپؑ سے مرغابی کے انڈوں کے بارے میں سوال کرنا چاہتا تھا تو امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: "یہ کھایا کرو"۔

ابن فرقد کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس موجود تھا۔ ایک عجمی شخص ایک نوشہ لے کر امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ ہذیان بکنے لگا (یعنی بے معنی باتیں کرنے لگا) اس کی کوئی بھی بات میری سمجھ میں نہیں آتی تھی حتیٰ کہ میں نے سوچا کہ اس کی باتوں سے امام علیہ السلام تنگ آ جائیں گے مگر امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا:

تم عربی کے علاوہ جو بھی زبان اچھی بول سکتے ہو اُس میں بات کرو، میں سمجھ جاؤں گا، کیونکہ تمھیں صحیح عربی نہیں آتی۔

امام علیہ السلام کا فرمان سن کر اُس شخص نے امام علیہ السلام کے ساتھ ترکی زبان میں گفتگو کرنا شروع کی۔ امام علیہ السلام نے اُسے اُس کی زبان میں جواب دیا اور وہ حیران ہو کر واپس چلا گیا۔

عمار بن موسیٰ الساباطی سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضرتِ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:

یَا عَمَّارُ! اَبُو مُسْلِم فَظَلَّلَهُ وَ كَسَاهُ وَ كسيحه بساطورا

عمار کہتا ہے: یہ سن کر میں نے امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: آپؑ تو نبطی زبان کو اہلِ زبان سے زیادہ بہتر طریقے سے جانتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اے عمار! میں ہر زبان کو اُس کے اہل سے زیادہ بہتر طریقے سے جانتا ہوں۔

احمد بن محمد ابی نصر سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: جسر بابل کے رہنے والوں میں سے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا ہے، وہ کہتا ہے: ہمارے علاقے میں ایک شخص مجھے "رافضی"

کہہ کر اذیت دیتا تھا۔ وہ سب وشتم کرتا تھا اور مجھے گاؤں کا بندر کہا کرتا تھا۔

وہ کہتا ہے: میں ایک سنتی حج ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ گیا۔ وہاں جب میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا تو آپؑ نے مجھے بتایا:

قومه ما نامت

''یعنی وہ بندر واصلِ جہنم ہو گیا ہے''۔

میں نے پوچھا: قربان جاؤں! کب اور کس وقت؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: بالکل ابھی ابھی۔

میں نے وہ دن اور وقت نوٹ کر لیا اور جب میں کوفہ آیا تو میری ملاقات میرے بھائی سے ہوئی۔ میں نے اُس سے زندہ رہنے والوں اور مرنے والوں کی بابت دریافت کیا تو وہ بولا: قوفه ما نامت، یعنی اس نے نبطی زبان میں مجھے بتایا کہ وہ ہمارے علاقے کا بندر واصلِ جہنم ہو گیا ہے۔

میں نے اُس سے اُس کے مرنے کے وقت کے بارے میں پوچھا تو اُس نے مجھے بتایا: فلاں دن اور فلاں وقت۔ اُس نے جو وقت مجھے بتایا وہ بعینہٖ وہی وقت تھا کہ جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھے اس کے بارے میں خبر دی تھی۔

قارئین کرام! یہاں اس موضوع کی اخبار کثیر تعداد میں موجود ہیں کہ جنھیں ہم نے ''موسوعہ امام صادق علیہ السلام'' میں درج کیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور خوابوں کی تعبیر کا علم

اسماعیل بن عبداللہ قرشی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں شہر کوفہ سے باہر ایک ایسی جگہ کی طرف جا رہا ہوں کہ جس سے میں واقف و آشنا تھا۔ مجھے ایک سایہ دکھائی دیا کہ جو لکڑی یا لکڑی سے بنے ہوئے گھوڑے پر لکڑی سے تراشے ہوئے شخص کا تھا اور وہ اپنی تلوار فضا میں لہرا رہا تھا اور یہ منظر دیکھ کر میں شدید قسم کا خوف محسوس کر رہا تھا۔

امام علیہ السلام نے اُس شخص کا خواب سن کر فرمایا: تم ایک شخص کو اس کی روزی میں دھوکہ دینے کا ارادہ رکھتے ہو، لہٰذا تم اس خدا سے ڈرو کہ جس نے تمھیں پیدا کیا اور ایک دن تجھے موت دے گا۔

یہ سن کر وہ شخص کہنے لگا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ کو بہت زیادہ علم دیا گیا ہے اور آپؑ نے اُسے اُس کے معدن سے حاصل کیا ہے۔ اے فرزند پیغمبرؐ! آپؑ نے میرے خواب کی جو تعبیر بیان فرمائی ہے میں اس کے بارے میں آپؑ کو بتاتا ہوں۔ اُس کا قصہ یہ ہے:

میرا ایک ہمسایہ میرے پاس اپنا مال و اسباب لے کر آیا۔ جب میں نے دیکھا کہ میرے علاوہ اس کا کوئی خریدار نہیں تو میں نے ارادہ کیا کہ میں بہت ہی کم قیمت پر اس سے یہ مال لے لوں گا۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: کیا وہ تیرا ہمسایہ ہمارے ساتھ محبت و ولا رکھتا تھا اور ہمارے دشمنوں سے بے زاری کا اظہار کیا کرتا تھا؟

اُس نے جواب دیا: جی فرزندِ پیغمبرؐ! وہ ایسا ہی تھا۔ اور بالفرض وہ ناصبی ہوتا تو کیا اُسے

دھوکہ دینا میرے لیے جائز تھا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جو تمھیں امین بنائے اور تم سے خیر خواہی کا طالب ہو تو اُسے اُس کی امانت واپس کر دیا کرو، خواہ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا قاتل ہی کیوں نہ ہو۔

واضح رہے کہ یہاں اور بھی بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں کہ جن میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے خوابوں کی تعبیر نقل کی گئی ہے۔

اس حدیث کو ہم نے یہاں صرف نمونہ کے طور پر درج کیا ہے، تاکہ ہمارے قارئین پر واضح ہو جائے کہ امام عالی مقام علیہ السلام کا علم صرف فقہ و تفسیر وغیرہ میں ہی محدود نہ تھا، بلکہ آپؑ تمام شعبہ ہائے زندگی میں کامل دسترس رکھتے تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے اعمال کا پیش کیا جانا

داؤد رقی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ۱۳۶ ہجری میں مَیں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ حج ادا کیا۔ جب ہم نے تہامہ کی وادیوں میں سے ایک وادی میں پڑاؤ کیا تو امام علیہ السلام نے بلند آواز میں فرمایا: اے داؤد! جلدی یہاں سے کوچ کرو۔

داؤد کہتے ہیں: جب امام علیہ السلام کے حکم پر ہم وہاں سے نکل گئے تو پیچھے سے سیلاب آیا اور اس وادی کا سب کچھ بہا کر اپنے ساتھ لے گیا۔

پھر امام علیہ السلام نے مجھے خبر دی: دو نمازوں کے درمیان تمھارے گھر پر حملہ کیا جائے گا اور تمھیں تمھارے گھر سے گرفتار کر لیا جائے گا۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا: اے داؤد! جمعرات والے دن تمھارے (یعنی تم مومنوں کے) اعمال میرے سامنے پیش کیے گئے تو میں نے ان میں تیری اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ صلہ رحمی کو بھی پایا۔

داؤد کہتے ہیں: میرا ایک چچازاد بھائی تھا۔ وہ ناصبی تھا، مگر کثیر العیال اور محتاج تھا۔ جب میں مکہ کی جانب سفر کے لیے نکلا تو مَیں نے اپنے گھر والوں کو اس کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کا حکم دیا تھا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھے اس کے بارے میں بتا دیا۔

ہم اپنے قارئین کو بتاتے ہیں کہ اگر اس حدیث پر تھوڑا سا غور و تدبر کیا جائے تو اس سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

① حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مستقبل میں ہونے والے طبعی حوادث و واقعات کا پورا پورا علم رکھتے تھے۔ جیسا کہ آپ اس حدیث میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ امام علیہ السلام نے داؤد کو اس وادی سے فوراً نکلنے کا حکم صادر فرمایا، کیونکہ امام علیہ السلام جانتے تھے کہ جلدی پانی اس علاقے تک پہنچ جائے گا اور اس کا سب کچھ اپنے ساتھ بہا کر لے جائے گا اور اس کی تمام ذی روح کو ہلاک کر دے گا۔

اور یہ بھی واضح ہے کہ امام علیہ السلام کا اس کے بارے میں خبر دینا علمی آلات، اندازے یا حدس وغیرہ پر مبنی نہیں تھا بلکہ اس کا مصدر خداوند عالم کا غیبی الہام تھا۔

② امام علیہ السلام کو مستقبل میں ہونے والے بلایا و قضایا کا علم بھی تھا۔ جیسا کہ امام علیہ السلام نے داؤد رقی کو خبر دی کہ دو نمازوں کے درمیان حکومتی کارندے اس کے گھر پر دھاوا بول دیں گے اور اُسے گرفتار کر کے لے جائیں گے۔

③ اس حدیث میں امام علیہ السلام نے خبر دی کہ آپؑ کے سامنے لوگوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ نیز آپؑ نے بتایا کہ داؤد رقی نے اپنے چچازاد کے ساتھ جو صلہ کیا تھا وہ بھی آپؑ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

مذہب اہلِ بیت علیہم السلام میں اعمال کا معصومؑ کے سامنے پیش کیا جانا اس فرمانِ الٰہی وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ کی بنا پر محکم عقائد میں سے ایک ہے۔ حضرت علامہ السید ہاشم البحرانی علیہ الرحمۃ نے اس آیت کے ذیل میں پینتیس احادیث ذکر کی ہیں کہ جو اس حقیقت کو ثابت کرتی ہیں۔ نیز قبلہ موصوف نے وہاں اسی داؤد رقی والی روایت کو بھی تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ علامہ مرحوم نے وہاں پر نقل کیا ہے کہ امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اے داؤد! جمعرات والے دن تمھارے اعمال مجھ پر پیش کیے گئے۔ میں نے ان میں تیری اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ صلہ رحمی کو بھی دیکھا ہے۔ اس سے مجھے بہت خوشی ہوئی کیونکہ

میں جانتا ہوں کہ تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو گے تو اس کی زندگی جلدی ختم ہو جائے گی۔

داؤد کہتے ہیں: میرا ایک چچازاد بھائی تھا۔ وہ بڑا ہٹ دھرم، ناصبی اور خبیث قسم کا انسان تھا۔ مجھے اس کے اور اس کے گھر والوں کے بُرے حالات کی خبر ملی تو میں نے مکہ سے نکلنے سے پہلے اُسے دینے کے لیے کچھ مال لکھ دیا اور جب میں مدینہ منورہ پہنچا تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھے اس کے بارے میں آگاہ فرمایا:

سیرت و سریرت

''سیرت'' سے مراد انسان کا طریقہ، ہیئت اور حالت ہوتی ہے اور ''سریرت'' دلوں میں چھپی ہوئی باتوں، عقائد اور نیتوں وغیرہ کو کہا جاتا ہے۔

یہ بات ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ کسی بھی انسان کی سیرت و سریرت اُس کے علم و عقل، نفسیات و عادات اور فطرت و دین کی پہچان کا ایک بہترین ذریعہ ہوتی ہے اور یہ اس کی تمام حرکات وسکنات اور اعمال و افعال بلکہ اُس کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں ظاہر ہوتی ہے اور اسی کے ذریعے سے انسان اور اُس کی روح وشخصیت کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے بعض لوگ ان چیزوں کو چھپانے اور اُن حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن یہ خود بخود مکمل طور پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے ۔

وَمَهْمَا تُكِنْ عِنْدَ امْرِیءٍ مِنْ خَلِيْقَةٍ
وَ اِنْ خَالَهَا تَخْفٰی عَلَى النَّاسِ تُعْلَمُ

''میں یہاں ان مدلسین و ریاکاروں کے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا کہ جو لوگوں کو دھوکہ وفریب دینے کی خاطر نیکی و درست روی کو ظاہر کرتے ہیں''۔

ان کے ظاہری اعمال اُن کے بواطن اور ضمائر کے خلاف ہوتے ہیں لیکن جلد ہی ان کی حقیقت آشکار ہو جاتی ہے اور ان کے اعمال ان کی رُسوائی کا سبب بن جاتے ہیں بلکہ یہاں ان لوگوں کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں کہ جو واقعاً نفوسِ طیبہ، سرائرِ شریفہ، ضمائرِ طاہرہ اور

پاکیزہ دلوں کے حامل تھے اور ان میں سے بالخصوص حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں بیان کرنا چاہتا ہوں کہ جن کی سریرت پاکیزہ اور سیرت معطر تھی اور اس کی خوشبو پورے عالم میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہ ایسے امام تھے کہ جن کے آگے بڑی بڑی شخصیات کے سر جھکے ہوئے تھے اور جن کے سامنے علمائے زمان سراپا تواضع و انکسار تھے۔

یہ ایسے بلند و بالا پہاڑ کے مانند تھے کہ جن کے سامنے مختلف مذاہب و مشارت کی بڑی بڑی شخصیات چھوٹی اور کوتاہ نظر آتی ہیں۔ یہ وہ گہرا سمندر ہیں کہ جس سے ہر زمانے اور ہر طبقے کے لاکھوں لوگ سیراب ہوتے ہیں۔

ہاں! یہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام معلمِ بشریت ہیں کہ جنھوں نے ایمان و اَخلاق اور تہذیب نفس کی تعلیم دے کر آیندہ آنے والی نسلوں کو جہالت کی گمراہی سے بچایا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا دوسروں کے ساتھ بہترین اَخلاق و حُسنِ سلوک سے پیش آنا

اَخلاقِ حسنہ سے بڑھ کر اور کون سی ایسی چیز ہے کہ جس سے انسان کا خدا اور بندگانِ خدا کی نظر میں معیار بلند ہو؟ اَخلاقِ حسنہ سے بڑھ کر اور کون سی ایسی چیز ہے کہ جو دلوں کو کھینچے اور ان میں محبت کی جڑوں کو پھیلانے میں مؤثر ہو؟ اور کتنے ہی ایسے لوگ ہیں کہ جن میں تاحیات اس کے اَن مٹ آثار باقی رہ جاتے ہیں؟!

ہاں! اس بات میں کوئی شک نہیں کہ انسان کی سب سے بڑی خوبی وہ اچھا اخلاق ہی ہوتا ہے کہ جس کا نمونہ مومن اپنی افرادی، ازدواجی، خاندانی اور معاشرتی زندگی میں پیش کرتا ہے۔ جیسا کہ یہ بات بھی بالکل حقیقت پر مبنی ہے کہ بُرے اَخلاق اور صفاتِ رذیلہ ان گندی اور مہلک بیماریوں میں سے شمار کیے جاتے ہیں کہ جو انسان اور اُس کے خاندان بلکہ پورے انسانی معاشرے پر اپنے بُرے اثرات چھوڑتی ہیں اور ان کے سبب انسان اَسفل السافلین اور حیوانات کے مقام پر آجاتا ہے کہ جن میں محبت و شفقت اور رحمت و فضیلت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔

اور اس کے علاوہ عمومی صورت میں اچھا اَخلاق قیادتِ دینیہ کے مقومات میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ خواہ اس کا تعلق انبیاء علیہم السلام سے ہو یا ائمہ طاہرین علیہم السلام سے اور خواہ اس کا تعلق علماء و فقہاء سے ہو یا معاشرے کے کسی اور ذمہ دار فرد سے۔ اگر اَخلاقِ حسنہ کی کوئی اہمیت نہ ہوتی اور اس کا لحاظ رکھنا ان مقامات پر لازم نہ ہوتا تو خداوند عالم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے یہ نہ فرماتا:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

"اے نبیؐ! بے شک آپؐ اعلیٰ اخلاق کے مالک ہیں"۔

اور نہ ہی پیغمبر گرامی قدر یہ ارشاد فرماتے:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ

"مجھے تو صرف مکارمِ اَخلاق کی تکمیل کے لیے ہی بھیجا گیا ہے"۔

اب رہی بات حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی، تو آپؑ اَخلاقِ حمیدہ، اَوصافِ کریمہ اور فطرتِ سلیمہ کے مالک تھے۔ آپؑ پہلو جھکانے، سینے کی کشادگی، دل کی صفائی، چہرۂ اَنور کی بشاشت، زبان کی نرمی، لوگوں کی خیر خواہی، تواضع و کرم، عطف و عفو، رحمت و شفقت، محبت و اُنس، صدق و صفا اور حیا و وفا وغیرہ مکارمِ اَخلاق میں اپنے جدّ بزرگوار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے ائمہ طاہرین علیہم السلام کی مثل تھے۔ آپؑ کا جود و کرم ہر اچھے اور بُرے بلکہ حیوانات کو بھی شامل تھا۔ اور یہ آپؑ کے وہ امتیازی خصائص تھے کہ جن کی شہادت آپؑ کے دشمنوں نے بھی دی۔

چنانچہ آپؑ کی پاکیزہ زندگانی میں تکبر و جبروت اور انانیت و حُبِ ذات کا کوئی اشارہ تک نہ ملتا حالانکہ یہ چیزیں عموماً تمام بڑی بڑی شخصیات کی زندگانی کا حصّہ ہوا کرتی ہیں۔ آپؑ اپنے خواص اصحاب کے ساتھ خود کو ان میں سے ایک ظاہر کرتے اور کسی بھی طرح کے امتیاز و رفعت کو پسند نہ کرتے۔ آپؑ ان کے ساتھ ہنسی مزاح کرتے، ان کے مریضوں کی مزاج پُرسی فرماتے، ان کے جنازوں میں شریک ہوتے، ان کے مصیبت زدوں کی اَحوال پُرسی کرتے اور اپنی مبارک زبان سے ان کے صدموں کو کم کرنے کے لیے تسلیاں دیتے۔

آپؑ قیدیوں اور مریضوں کے حق میں دُعا فرماتے یا اُنھیں ان کی حاجات کی برآوری، پریشانیوں کی دُوری، رزق کی وسعت اور خوف و خطر سے اَمان پانے کے لیے اہم دُعائیں تعلیم فرماتے تھے۔ لیکن اس سب کے باوجود بھی آپؑ کی شخصیت اَذیتوں سے محفوظ نہ رہی۔ امامؑ کے ساتھ دُور و نزدیک سے حسد کیا گیا، لیکن آپؑ نے ہر ایک کو بُرائی کا جواب بھلائی سے دیا اور تکالیف و مصائب اُٹھانے کے بعد اُنھیں اپنی زندگی کا ایک حصّہ قرار دیا۔

آپؑ کے اَخلاقِ حسنہ اور اَوصافِ حمیدہ کا جلوہ عمومی طور پر آپؑ کے آداب اور لوگوں

کے ساتھ معاشرت میں جب کہ خصوصی طور پر اس کا عکس آپؑ کے اپنے اصحاب و اقارب اور مہمانوں کے ساتھ نیز آپؑ کے اقوال و افعال بلکہ جملہ حرکات و سکنات، سفر و قیام، غضب و رضا، فقرا و اُمراء کے ساتھ تعامل، احکام کی تعلیم افراد کی تربیت وغیرہ میں دکھائی دیتا تھا۔ جبکہ عین اسی صورت میں آپؑ منحرف عقائد رکھنے والوں کے مقابل فولاد سے بھی زیادہ سخت تھے۔ انھیں حکمت، موعظہ حسنہ اور جدل احسن کے ساتھ اپنے رب کے راستے کی دعوت دیتے تھے اور ان کے ساتھ بحث و گفتگو میں ان کے معیارِ فہم کا بھی لحاظ رکھتے تھے۔ ہر فن میں قوی دلیل کے ساتھ حجت قائم کرتے تھے اور ہر باطل کو مضبوط دلیل کے ساتھ بے اثر ثابت کرتے تھے۔ یوں آپؑ کے سامنے ہر باطل دعویٰ بے کار ثابت ہوتا تھا اور آپؑ بلا کسی تکلف کے اباطیل کا قلع قمع کر دیتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپؑ ہلاک کر دینے والے عمدہ قسم کے اسلحہ سے مسلح ہیں اور آپؑ کو کلام میں مغالطہ و تہریج اور بحث و مناظرہ میں شیطانی اسالیب کو استعمال کرنے کی ضرورت نہ پیش آتی تھی (جیسا کہ عموماً مناظرہ میں مناظر مکابرہ وغیرہ شیطانی چالوں سے مدد لیتا ہے اور اس کا اصلی مقصد حق کو حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ مقابل کو زیر کرنا ہوتا ہے، خواہ وہ کسی بھی طریقے سے ہو)۔ اور آپؑ کا اس طرح کا شیریں بیان حُسنِ اخلاق پر مبنی کلام آپؑ کی امامت کے وقار اور آپؑ کی ولایت کی ہیبت میں اضافہ کر دیتا تھا۔

خلاصہ یہ کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنی حیاتِ کاملہ میں حُسنِ اخلاق کا مرکز و محور تھے۔ اب ہم اپنے قارئین کی خدمت میں اس کے بعض نمونے پیش کرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور فقرا کے ساتھ احسان کرنا

اسحاق بن ابراہیم بن یعقوب سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا اور وہاں ہمارے پاس معلی بن خنیسؒ بھی موجود تھے۔ اتنے میں اہلِ خراسان میں سے ایک شخص امام علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور اس نے عرض کیا: اے فرزندِ رسول! میں آپ اہلِ بیتؑ کے محب داروں میں سے ہوں۔ میں آپؑ سے

دُور ایک علاقے میں رہتا ہوں۔ اب میرے پاس کچھ بھی نہیں اور میں آپؑ کی (مالی) اعانت کے بغیر اپنے گھر والوں میں واپس نہیں جاسکتا۔

وہ کہتا ہے: اس کی باتیں سن کر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے دائیں بائیں دیکھا اور فرمایا: تم لوگوں نے سنا، تمھارا یہ بھائی کیا کہہ رہا ہے؟ نیکی ابتداء میں (بن مانگے عطا کرنے سے) ہوتی ہے اور جو چیز تم سوال کیے جانے کے بعد دیتے ہو، وہ اس کی اپنی عزت تمھارے سامنے پیش کرتے ہوئے تم سے مانگنے کا صلہ ہوتا ہے۔

پھر فرمایا: اب یہ شخص پریشانی کے عالم میں اور اُمید و مایوسی کی حالت میں اپنی رات گزارے۔ اُسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ کس طرف جائے؟ یہ اپنی ضرورت لے کر تمھارے پاس آیا ہے۔ اُس کا دل مضطرب ہے۔ اس کے شانے کانپ رہے ہیں اور اس کا خون اس کی آنکھوں میں اُتر آیا ہے۔ اور اس کے باوجود بھی اُسے کچھ خبر نہیں کہ اُسے تمھاری طرف سے ٹھکرا دیے جانے کی تلخی وکلفت سہنا پڑے گی۔ یا اسے تمھاری طرف سے بہترین کامیابی کی خوشی ملے گی اور اگر تم نے اُسے کچھ مال دے دیا تو یہ تمھارا اس کے ساتھ صلہ کا برتاؤ ہوگا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس ذات کی قسم کہ جس نے دانے کو شگافتہ کرکے اُنگوری کو باہر نکالا اور مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ جب وہ (سائل) تم سے اپنی مراد پالے گا تو خدا تمھیں اس سے زیادہ عطا کرے گا کہ جو کچھ اس نے تم سے لیا۔

راوی کہتا ہے: امام علیہ السلام کا فرمان سن کر اُنھوں نے پانچ ہزار درہم اکٹھے کرکے اس خراسانی شخص کے حوالے کردیے۔

آپؑ رات کی تاریکی میں بہت سی روٹیاں اُٹھا کر ان مقامات کی طرف چلے جاتے کہ جہاں وہ غریب ومسکین لوگ سوئے ہوتے تھے، جن کا کوئی گھر، ٹھکانہ یا رہائش نہ ہوتی تھی۔ وہ سوئے رہتے اور آپؑ اُن میں سے ہر ایک کے پاس ایک یا دو روٹیاں رکھ دیتے اور جب اُن میں سے کوئی بیدار ہوتا تو اپنے سراہنے اپنی غذا اور جان بچانے کا سامان پاتا۔

معلّی بن خنیسؓ سے مروی ہے، وہ کہتا ہے: ایک رات حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام محلہ

بنی ساعدہ کی طرف جا رہے تھے۔ اس رات ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ میں آپؑ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ راستے میں آپؑ سے کوئی چیز گری تو آپؑ نے فرمایا:

بِسۡمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ رُدَّ عَلَیۡنَا

"بسم اللہ! خدایا! یہ ہمیں واپس لٹا"۔

معلیٰؒ کہتے ہیں: میں امام علیہ السلام کے قریب گیا تو میں نے آپؑ پر سلام کیا۔ آپؑ نے فرمایا: تم معلیٰ ہو؟

میں نے عرض کیا: قربان جاؤں، میں معلیٰ ہی ہوں۔

امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اپنے ہاتھ سے تلاش کرو، میں نے تلاش کیا تو مجھے کچھ نہ ملا۔ پھر امام علیہ السلام نے مجھے کوئی چیز دی۔ میں نے جب دیکھا تو وہ بہت سی بکھری ہوئی روٹیاں تھیں۔ میں آپؑ کو واپس کرنے لگا کیونکہ وہ روٹیاں مجھ سے نہیں اُٹھائی جاتی تھیں۔

میں نے عرض کیا: مَیں قربان جاؤں! کیا میں انھیں سر پہ اُٹھا لوں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، میں یہ کام کرنے کا تجھ سے زیادہ سزاوار ہوں، بلکہ تم میرے ساتھ چلو۔

وہ کہتا ہے: تھوڑی دیر میں ہم محلہ بنی ساعدہ میں پہنچ گئے۔ ہم نے وہاں پر کچھ لوگوں کو سوتے ہوئے پایا۔ امام علیہ السلام اُن میں سے ہر ایک کی چادر کے نیچے ایک، ایک یا دو دو روٹیاں رکھنے لگے، حتیٰ کہ اُن میں سے آخری شخص کو بھی اس کا حصّہ دیا گیا۔ اس کے بعد ہم واپس آ گئے۔

میں نے امام علیہ السلام سے دریافت کیا: فرزند رسولؐ! مَیں قربان جاؤں کیا یہ لوگ حق کو پہچانتے ہیں؟ (یعنی کیا یہ آپؑ کے شیعوں میں سے ہیں؟)

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر یہ حق کو پہچانتے ہوتے تو ہمارے پاس جو بھی چیز ہوتی ہم اُس کے ذریعے سے اُن کی معاونت کرتے حتیٰ کہ اُنھیں پیسا ہوا نمک بھی دیتے۔

بلاشبہ خداوندعالم نے صدقہ کے علاوہ ہر چیز کا ایک خزانہ دار پیدا کیا ہے کہ جو اسے مخزون رکھتا ہے، کیونکہ صدقہ خداوندعالم خود قبول کرتا (یعنی اس پر اجروثواب دیتا) ہے۔ اور میرے والدِ بزرگوار (حضرت امام محمد باقر علیہ السلام) جب کوئی چیز صدقہ کرتے تو پہلے اُسے سائل

کے ہاتھ پر رکھتے، پھر اُسے اُس سے واپس لے کر چومتے اور اُس کی خوشبو سونگھتے، پھر اُسے سائل کے ہاتھ میں لوٹا دیتے۔ بے شک رات کے وقت دیا ہوا صدقہ خداوندعالم کے غضب کو ختم کرتا ہے، بڑے گناہ کو محو کرتا ہے اور حساب کو ہلکا و آسان کرتا ہے۔ جبکہ دن کا صدقہ مال و عمر میں اضافہ کرتا ہے۔

حضرت عیسٰی بن مریم علیہما السلام جب ایک سمندر کے کنارے سے گزرے تو آپؑ نے اپنے حصّے کا کھانا پانی میں پھینک دیا۔ اس پر آپؑ کے کسی حواری نے آپؑ کی خدمت میں عرض کیا: اے خدا کی روح وکلمہ! آپؑ نے ایسا کیوں کیا؟ یہ تو آپؑ کے اپنے حصّے کا کھانا تھا؟

اُس کی یہ بات سن کر حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا: میں نے یہ ایک جانور کی خاطر کیا۔ چنانچہ اُسے پانی میں رہنے والے حیوانات کھائیں گے اور اس کا خداوندعالم کے نزدیک بہت بڑا اُجر ہے۔

ہشام بن سالمؒ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: جب پہلی رات کا ایک تہائی حصّہ گزر جاتا تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ایک تھیلے میں روٹیاں، گوشت اور چند درہم ڈال کر اپنی گردن پر رکھ کر اہلِ مدینہ کے ضرورت مندوں کی طرف چلے جاتے اور اُنھیں ان لوگوں میں تقسیم کر دیتے، مگر وہ لوگ اُنھیں نہ پہچان سکتے۔ جب امام علیہ السلام کی شہادت ہوئی اور اُنھوں نے یہ چیز نہ پائی تو وہ سمجھ گئے کہ یہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہی تھے۔

روایت میں ہے کہ ایک فقیر نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا تو امام علیہ السلام نے اپنے غلام سے فرمایا: تمھارے پاس کتنا مال ہے؟ اُس نے جواب دیا: چار سو درہم۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ اُسے دے دے۔ اُس نے یہ درہم اس سائل کے حوالے کر دیے۔ سائل نے وہ درہم لے لیے اور شکریہ ادا کرتے ہوئے واپس لوٹ گیا۔ وہ سائل واپس جا رہا تھا کہ امام علیہ السلام نے اپنے غلام سے فرمایا: اسے واپس لے آؤ۔

جب وہ واپس آ گیا تو وہ کہنے لگا: جناب! میں نے آپؑ سے سوال کیا تو مجھے مال دے دیا گیا۔ اب اس کے بعد آپؑ کیا چاہتے ہیں؟ (یعنی کہیں دیا ہوا مال واپس تو نہیں لینا چاہتے؟)

امام علیہ السلام نے اُس کی بات سن کر فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: بہترین

صدقہ وہ ہے جس سے احتیاج ختم ہو جائے، مگر ہم نے تمھیں جو مال دیا ہے اس سے تمھاری ضرورت پوری نہیں ہوگی، لہٰذا تم یہ انگشتری لے لو، اس کی قیمت دس ہزار درہم طے ہوئی ہے۔ جب تمھیں ضرورت پیش آئے، اُسے اس قیمت پر فروخت کر دینا۔

مسمع بن عبدالمالکؒ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ہم منیٰ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھے۔ ہمارے سامنے انگور پڑے ہوئے تھے اور ہم وہ کھا رہے تھے کہ اتنے میں ایک سائل نے آکر سوال کیا۔ امام علیہ السلام نے اُسے ایک گچھا انگوروں کا دینے کا حکم دیا۔ جب اُسے انگوروں کا گچھا دیا گیا تو وہ سائل کہنے لگا: مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر آپؑ کے پاس کوئی درہم ہے تو وہ دیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا تمھیں رزق عطا کرے۔

یہ سن کر وہ چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد پھر واپس آ گیا اور کہنے لگا: وہ گچھا مجھے دیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا تمھیں کشائش بخشے اور اُسے کچھ بھی نہ دیا۔

پھر ایک دوسرا سائل آیا تو امام علیہ السلام نے انگوروں کے تین دانے اُٹھا کر اُسے دیے۔

اس نے امام علیہ السلام کے دستِ مبارک سے وہ دانے لے کر کہا:

سب تعریفیں عالمین کے اُس پروردگار کے لیے ہیں کہ جس نے مجھے رزق دیا۔ اس کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر امام علیہ السلام نے فرمایا: تم اپنی جگہ پہ ٹھہرو! پھر امام علیہ السلام نے انگوروں کی دونوں مٹھیاں بھر کر اُسے دیں۔ اُس نے وہ انگور لے لیے اور خداوندِ عالم کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنی زبان سے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہنے لگا۔

پھر امام علیہ السلام نے اُسے ٹھہر جانے کا کہا اور اپنے غلام سے پوچھا: تمھارے پاس کتنے درہم ہیں؟ ہمارے اندازے کے مطابق اُس کے پاس تقریباً بیس درہم تھے۔

امام علیہ السلام نے وہ درہم لے کر اُس سائل کو دے دیے اور اُس سائل نے امام علیہ السلام کے دستِ مبارک سے وہ درہم لیے اور کہنے لگا: خدایا! تو لائقِ تعریف ہے۔ یہ تیری ہی جانب سے ہے اور تُو واحد ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ پھر امام علیہ السلام نے اسے ٹھہرنے کا حکم دیا اور اپنی عبا مبارک اُتار کر اُسے دے دی اور فرمایا: اسے پہن لو! جب اُس نے وہ عبا پہنی تو کہنے لگا:

اے ابوعبداللہ! اس خدا کی حمد ہے کہ جس نے مجھے لباس عطا کیا ہے اور میری ستر پوشی کی (یا اُس نے کہا: اے ابوعبداللہ! خدا آپؑ کو جزائے خیر دے)۔

اس نے حضرت امام ابوعبداللہ علیہ السلام کے لیے بھی دُعا کی اور واپس چلا گیا۔

راوی کہتا ہے: یہ دیکھ کر ہم سمجھ گئے کہ اگر وہ امام علیہ السلام کے لیے دُعا نہ بھی کرتا تو امامؑ اُسے عطا کرتے رہتے۔ کیونکہ آپؑ اُسے جب بھی کوئی چیز دیتے تھے وہ اس پر خدا کی حمد کرتا تھا کہ اُس نے اُسے (امامؑ کے وسیلے سے) یہ چیز عطا کی۔

اب ہم اپنے ذوی القدر قارئین سے سوال کرتے ہیں کہ کیا ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کے علاوہ بھی تاریخ میں کوئی ایسا ہے کہ جو ان فضائل کا مالک ہو؟

اور واضح رہے کہ امام علیہ السلام کے عطایا و ہدایا اپنے موقع ومحل کی طرف ہی جاتے تھے اور آپؑ کی تقسیم اندھی بانٹ پر مشتمل نہ ہوتی تھی۔ صدقہ دینے اور نوازنے میں اہل کا لحاظ رکھنا آپؑ کا خاصہ تھا۔ آپؑ اپنے اموال فقیروں، بیواؤں، یتیموں اور محتاجوں پر صرف کرتے نہ کہ عباسی محلّوں میں دوسروں کا مزاج بتانے والوں اور فاسقوں و فاجروں پر صرف کرتے کہ جو اپنے جرائم وزیادتیوں کے سبب ظالم و جابر حکمرانوں سے بھاری وگراں قدر انعامات پاتے تھے۔ اس سے رقص وغنا کرنے والے اور باطل شعرا بھی آپؑ کی نوازشوں سے محروم رہتے کہ جو اپنی بداعمالیوں سے حُکامِ جَور کو راضی وخوش کیا کرتے تھے اور اُن کے سامنے خدا کے اولیاء کی توہین کیا کرتے تھے۔ اور ظالموں وسفاکوں کی جھوٹی تعریفیں کیا کرتے تھے۔

ایسا ممکن بھی نہیں ہوسکتا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرزند پیغمبرؐ ہوں اور ایسے خبیث الفطرت لوگوں کو نوازیں، حَاشَا وَ کَلَّا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا جود و کرم

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے زمانے کے سب سے بڑے سخی تھے۔ آپ کا جود و کرم اپنے دوستوں، ناداروں اور مہمانوں کی مہمان نوازی میں صرف ہوتا تھا، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مال وثروت آپؑ کے دشمنوں اور زمانے کے حاکموں کے پاس موجود رہتا تھا اور لوگ بھی ان کے جبر وتسلط کے ڈر یا اپنی بداعتقادی کے سبب غنائم، مالی خراج اور تحفے تحائف اُن کی طرف ہی لے جاتے اور اُن کے صحیح مستحق اور انھیں مقام پر صرف کرنے والے ائمہ طاہرین علیہم السلام کو نظر انداز کر دیتے تھے، لیکن اس سب کے باوجود بھی سخاوت میں اس گھرانے کی برابری کرنے والا کوئی ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتا تھا۔ اکثر وبیشتر دنیا والے دوسروں کو جو مال ومتاع دیتے ہیں وہ صرف نام ونمود کی خاطر دیتے ہیں لیکن یہ خداوند مہربان کے ایسے مہربان بندے ہیں کہ جن کا خفیہ وعلانیہ ہر دو طرح کا صدقہ وتعاون رضائے الٰہی کی غرض سے ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات تو یہ بزرگوار کسی کو یوں نوازتے ہیں کہ اسے خبر بھی نہیں ہوئی کہ یہ مجھ پر احسان کرنے والا کون ہے؟

فضل بن ابی قرہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ایک چادر پر دیناروں کی تھیلیاں رکھتے اور اپنے نمائندے کو فرماتے: یہ تھیلیاں میرے اہل بیتؑ میں سے فلاں فلاں کی طرف لے جاؤ اور اُنھیں کہنا، یہ مال عراق سے تمھاری طرف بھیجا گیا ہے۔ آپؑ کا نمائندہ اُنھیں لے کر اُن لوگوں کی خدمت میں چلا جاتا اور امام علیہ السلام نے جو کچھ کہا ہوتا وہ اُنھیں بتاتا۔

وہ جواب میں یہ کہتے: خداوند عالم تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقربا کے ساتھ نیکی کرنے پر جزائے خیر دے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہمارے اور اپنے درمیان خدا

کے حکم کے مطابق فیصلہ فرمایا ہے۔

راوی کہتا ہے: امام عالی مقامؑ جب یہ سنتے تو آپؑ سجدے میں گر جاتے اور بارگاہِ توحید میں عرض کرتے: ”خدایا! میری گردن کو میرے باپ کی اولاد کے لیے جھکا دے“۔

ابوجعفر خثعمی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھے ایک تھیلی میں پچاس دینار دے کر فرمایا: انھیں بنی ہاشم میں سے فلاں شخص کے حوالے کر دے اور اُسے بتانا نہیں کہ یہ میں نے تمھیں دیے ہیں۔

راوی کہتا ہے: میں یہ دینار لے کر اُس شخص کے پاس گیا تو وہ کہنے لگا: یہ کہاں سے آئے ہیں؟ خدا اُسے جزائے خیر دے، جس نے یہ میری طرف بھیجے ہیں۔ وہ ہمیشہ ہماری طرف کچھ نہ کچھ بھیجتا رہتا ہے کہ جس سے ہماری گزر بسر ہوتی ہے لیکن جعفر (یعنی صادقِ آلِ محمدؐ) اتنا مال و ثروت رکھنے کے باوجود بھی ہمارے ساتھ ایک درہم کی نیکی بھی کرنا گوارا نہیں کرتے۔

ہم اپنے قارئین کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام چند وجوہات کی بنا پر اپنے رشتہ داروں کے ساتھ پوشیدہ طور پر نیکی کیا کرتے تھے اور ممکن ہے کہ ان اسباب میں سے ایک اور سب سے اہم سبب امام علیہ السلام کا شدتِ اخلاص ہو اور آپؑ یہ نہ چاہتے ہوں کہ آپؑ کے رشتہ دار یہ جان کر بیکی محسوس کریں، وَاللّٰہُ العَالِم۔

اب ہم اپنے معزز قارئین کی خدمت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی سخاوت کے چند نمونے پیش کرتے ہیں:

(۱) عبدالاعلیٰؒ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ کھانا کھایا اور امام علیہ السلام نے ہمارے حق میں دُعا کی تو ایک سیاہ و سفید مخلوط رنگ کی مرغی لائی گئی۔ امام علیہ السلام نے اُسے دیکھ کر فرمایا: یہ مرغی میں نے حضرت فاطمہؑ (امام علیہ السلام کی صاحبزادی یا حرم) کو ہدیہ کی ہے۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: اے جاریہ! ہمارے لیے ہمارا معمول کا کھانا لے آ۔ وہ سرکہ اور زیتون کے تیل میں تیار کی ہوئی ثرید لے آئی۔

(۲) سلیمان بن خالد سے مروی ہے، اُنھوں نے محمد بن راشد کے وہاں کام کرنے

والے ایک شخص سے نقل کیا ہے، وہ کہتا ہے: گرمیوں کا موسم تھا کہ ایک رات میں حضرت امام جعفر بن محمد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ایک خوان پر روٹیاں رکھ کر اور ایک دیگچی کو لایا گیا۔ اس دیگچی میں ثرید اور گوشت تھا اور اُس سے بھاپ اُٹھ رہی تھی۔ امام علیہ السلام نے اُس پر ہاتھ رکھا تو اُسے گرم پایا اور یہ کہہ کر اُس سے اپنا ہاتھ اُٹھا لیا:

نَسْتَجِيْرُ بِاللهِ مِنَ النَّارِ، نَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ النَّارِ! نَحْنُ لَا نَقْوِى عَلٰى هٰذَا فَكَيْفَ النَّارُ؟!

"ہم آگ سے خدا کی امان چاہتے ہیں، ہم آگ سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں۔ جب ہم اُسے برداشت نہیں کر سکتے تو جہنم کی آگ کو کیسے برداشت کریں گے؟"

امام علیہ السلام بار بار یہی کلمات دُہراتے رہے تھے یہاں تک کہ کھانا ٹھنڈا ہو گیا۔ امام علیہ السلام اور ہم نے اس میں ہاتھ ڈالا اور کھانا شروع کر دیا۔ جب ہم کھانا کھا چکے تو دسترخوان اُٹھا لیا گیا۔

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اے غلام! کوئی اور چیز لے آ۔

ہمارے سامنے ایک طبق کھجوروں کا لایا گیا۔ میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو واقعی اس میں کھجوریں تھیں۔ اس پر میں نے امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: خدا آپؑ کا بھلا کرے یہ انگوروں اور دوسرے پھلوں کا زمانہ ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ کھجوریں ہیں۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ اُٹھا کر لے جاؤ اور کوئی دوسری چیز لے آؤ۔

ایک اور طبق لایا گیا۔ میں نے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ میں نے پھر عرض کیا: مولاؑ! یہ بھی کھجوریں ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ بہترین ہیں (یعنی یہ ذائقے میں بہت خوب ہیں)۔

۳ ہشام بن سالمؒ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ہم ابن ابی یعفور کے ہمراہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم چند افراد تھے۔ امام علیہ السلام نے ہمارے لیے کھانا منگوایا تو ہم نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور امام علیہ السلام نے بھی ہمارے ساتھ کھانا کھایا۔

میں ان لوگوں میں سب سے کم عمر تھا۔ وہ رُک گئے اور میں کھاتا رہا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم کھاتے رہو، کیا تم نہیں جانتے کہ انسان کی اپنے بھائی سے محبت کا پتہ اس کے ہاں کھانا کھانے سے لگایا جاتا ہے؟

④ عبداللہ بن سلیمان الصیرفیؒ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں حضرت امام ابوعبداللہ علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا کہ امام علیہ السلام نے ہمیں کھانے میں بھونا ہوا گوشت اور اُس کے بعد کچھ اور چیزیں دیں۔ پھر آپؑ ایک بادیہ لے آئے، اس میں چاول تھے۔ میں امام علیہ السلام کے ہمراہ اُنھیں کھانے لگ گیا۔

امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: تناول کرو۔

میں نے عرض کیا: میں سیر ہو چکا ہوں۔

امام علیہ السلام فرمانے لگے: کھاؤ، انسان کی اپنے بھائی سے محبت اُس کے ہاں جی بھر کر کھانا کھانے سے معلوم ہوتی ہے۔ پھر امام علیہ السلام نے اپنی اُنگشت مبارک سے بادیہ کے اَطراف میں لگے ہوئے چاولوں کو اکٹھا کیا اور مجھ سے فرمایا: اگرچہ تم کھا چکے ہو، لیکن تمھیں یہ بھی کھانا پڑے گا۔ میں نے اُسے بھی کھالیا۔

⑤ ابوربیع سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے کھانا منگوایا۔ ہمیں گھی اور شکر میں بنا ہوا آٹے کا حلوہ پیش کیا گیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: قریب آؤ اور کھاؤ۔

راوی کہتا ہے: اس پر ہم لوگ ہچکچاہٹ محسوس کرنے لگے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کھاؤ کیونکہ انسان کی اپنے بھائی سے محبت اس کے ہاں کھانا کھانے سے پتہ چلتی ہے۔

وہ کہتا ہے: یہ سن کر ہم بلاتکلف حلوہ کھانے لگ گئے۔

⑥ ابوحمزہؒ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ہم چند افراد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھے کہ امام علیہ السلام نے ہمارے لیے اتنا لذیذ کھانا منگوایا کہ ایسا لذیذ وخوش ذائقہ کھانا ہم نے پہلے کبھی نہیں کھایا تھا۔ اس کے بعد ہمیں کھجوریں دی گئیں اور وہ اتنی صاف و

شفاف اور خوبصورت تھیں کہ ہمیں ان سے ہمارے چہرے نظر آتے تھے۔

یہ دیکھ کر ہم میں سے ایک شخص نے کہا: یہ نعمت جو تمھیں فرزند رسولؐ کے پاس مل رہی ہے (قیامت کے روز) تم سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

اس کی بات سن کر امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: خداوند عالم کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ تمھیں اچھا اور بہترین کھانا کھلائے۔ پھر تم سے اس کے بارے میں پوچھے بلکہ وہ تو تم سے اس نعمت کے بارے میں سوال کرے گا کہ جو اُس نے تم پر محمدؐ وآلِ محمدؐ کی صورت میں عطا کی ہے۔

(۷) محمد بن زید الشحام سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو میری طرف پیغام بھیج کر مجھے بلایا اور مجھ سے پوچھا: تم کہاں سے آئے ہو؟

میں نے جواب دیا: میں آپؑ کے موالیوں میں سے ہوں۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: کون سے موالی؟

میں نے جواب دیا: میں کوفہ سے تعلق رکھتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تو اہلِ کوفہ میں سے کس شخص کو جانتا ہے؟

میں نے جواب دیا: بشیر النبال اور شجرہ کو۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: وہ تمھارے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہیں؟

میں نے جواب دیا: بہت ہی اچھا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: مسلمانوں میں سب سے اچھا انسان وہ ہے کہ جو دوسروں سے تعلق جوڑے، مدد کرے اور نفع پہنچائے۔ میں رات تک جتنی بھی دیر ان کی خدمت میں موجود رہا وہ مجھ سے میرے مال میں خدا کے حق کے بارے میں سوال کرتے رہے۔

امام علیہ السلام نے بعد میں مجھ سے فرمایا: تمھارے پاس خرچ کرنے کے لیے کیا ہے؟

میں نے جواب دیا: میرے پاس دو سو درہم ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: مجھے دکھاؤ۔ جب میں نے وہ امام علیہ السلام کو دکھائے تو امام علیہ السلام نے

مجھے ان میں تیس درہم اور دو دینار اضافی ملا کر واپس کر دیے۔

پھر فرمایا: آؤ ہمارے ساتھ رات کا کھانا کھاؤ تو میں ان کے ساتھ کھانا کھانے چلا گیا۔

دوسری رات میں ان کے پاس نہ گیا تو اگلے دن اُنھوں نے اپنا نمایندہ بھیج کر اپنے پاس بلایا اور مجھ سے فرمایا: تم گزشتہ رات کیوں نہیں آئے تھے؟ تم کیا یہ سمجھتے ہو کہ میں تمھاری ضیافت و مہمان نوازی کرنے میں مشقت محسوس کرتا ہوں؟

میں نے عرض کیا: آپؑ کی طرف سے مجھے کوئی بلانے نہیں آیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں اپنا نمایندہ خود ہوں۔ تم جب تک اس شہر میں ہو تم میرے پاس رہا کرو، تم کھانے میں کیا پسند کرو گے؟

میں نے عرض کیا: دودھ۔

پھر امام علیہ السلام ایک بہترین دودھ والی بکری کا دودھ خریدا، اور مجھے پیش کیا۔

پھر میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا: مولاؑ! مجھے کوئی دُعا تعلیم فرمایئے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: لکھو:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يَامَنْ اَرْجُوْهُ لِكُلِّ خَيْرٍ وَآمَنُ سَخَطَهُ عِنْدَ كُلِّ عَثْرَةٍ. يَامَنْ يُعْطِي الْكَثِيْرَ بِالْقَلِيْلِ وَيَامَنْ اَعْطٰى مَنْ سَأَلَهُ تَحَنُّنًا مِنْهُ وَرَحْمَةً. يَامَنْ اَعْطٰى مَنْ لَمْ يَسْأَلْهُ وَلَمْ يَعْرِفْهُ. صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ. وَاَعْطِنِيْ بِمَسْأَلَتِيْ اِيَّاكَ جَمِيْعَ خَيْرِ الدُّنْيَا وَجَمِيْعَ خَيْرِ الْاٰخِرَةِ. فَاِنَّهٗ غَيْرُ مَنْقُوْصٍ لِمَا اَعْطَيْتَ. وَزِدْنِيْ مِنْ سَعَةِ فَضْلِكَ يَا كَرِيْمُ!

پھر امام علیہ السلام نے اپنے مبارک ہاتھوں کو اُٹھا کر یہ پڑھا:

يَاذَا الْمَنِّ وَالطَّوْلِ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَاذَا النَّعْمَاءِ وَالْجُوْدِ اِرْحَمْ شَيْبَتِيْ مِنَ النَّارِ!

پھر امام علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں کو اپنی داڑھی مبارک پر رکھا اور جب ہتھیلیوں کی پشتیں بھر نہ گئیں، اُنھیں اس وقت تک نہ اُٹھایا گیا۔

⑧ عجلان سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: رات کا ابتدائی حصّہ گزر جانے کے بعد میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ عشائیہ (رات کا کھانا) تناول کیا (اور آپؑ اسی وقت ہی رات کا کھانا تناول فرمایا کرتے تھے)۔ ہمارے کھانے میں سرکہ، زیتون اور گوشت لایا گیا۔ امام علیہ السلام گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے مجھے کھانے کے لیے دیتے تھے اور خود سرکہ اور زیتون تناول فرماتے تھے اور گوشت چھوڑ دیتے تھے۔ اس کے بعد آپؑ نے ارشاد فرمایا: "یہ ہمارا کھانا انبیاء علیہم السلام کے کھانے کی مثل ہے"۔

⑨ مدینہ میں آنے والے حاجیوں میں ایک شخص سو گیا۔ جب وہ بیدار ہوا تو اُسے وہم ہوا کہ اُس کا پٹکا (کمربند) چوری ہو گیا ہے۔ وہ اُس کی تلاش میں نکلا۔ اس نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ وہ آپؑ کو پہچان نہ سکا اور اُن کے گرد لپٹ کر کہنے لگا: آپؑ نے میرا پٹکا چرایا ہے۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: تمہارا پٹکا کتنی قیمت کا ہے؟

اُس نے جواب دیا: ہزار دینار کا۔

امام علیہ السلام اسے اپنے گھر لے گئے اور اسے ہزار دینار دیے۔ جب وہ شخص اپنی جگہ واپس آیا تو اُسے اُس کا پٹکا مل گیا۔ پھر وہ شخص شرمندہ ہو کر مال لے کر امام علیہ السلام کے پاس آیا تو امام علیہ السلام نے مال قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: "جو چیز میرے ہاتھ سے نکل جائے وہ میری طرف واپس نہیں ہوا کرتی"۔

راوی کہتا ہے: اس شخص نے ان (یعنی امام علیہ السلام) کے بارے میں لوگوں سے پوچھا تو اُسے جواب ملا کہ یہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔

وہ کہنے لگا: یہ (یعنی یوں بخشش کرنا) انھی کا کام ہے۔

⑩ ابن ابی یعفورؒ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس ایک مہمان دیکھا۔ ایک دن وہ کسی کام کے لیے اُٹھا تو آپؑ نے اُسے منع فرمایا اور وہ کام خود کر کے ارشاد فرمایا: "رسولِ خدا نے مہمان سے کام کروانے سے منع کیا ہے"۔

⑪ یعقوب السراج سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ہم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے

ساتھ چل رہے تھے۔ آپؑ اپنے کسی قریبی رشتہ دار کو اُس کے بیٹے کی تعزیت دینے کے لیے جا رہے تھے۔ راستے میں میرے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ آپؑ نے بھی اپنے پائے اَقدس سے نعلِ مبارک اُتار دی اور برہنہ پا چلنے لگے۔ اُنھیں دیکھ کر ابویعفورؒ نے اپنا جوتا اُتارا اور اس میں سے تسمہ نکالا تو امام علیہ السلام نے اس سے وہ تسمہ لیا اور غصے کے عالم میں اپنا رُخِ مبارک پھیر لیا۔ پھر اُسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

خبردار! مصیبت زدہ شخص ہی اپنی مصیبت پر صبر کرنے کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔ پھر امام علیہ السلام برہنہ پا چلنے لگے حتیٰ کہ اس شخص کے پاس پہنچ گئے جسے تعزیت دینا تھی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور صلح وصفائی

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ جن خصائص اور خوبیوں سے عبارت تھی ان میں سے ایک لوگوں کے درمیان صلح وصفائی اور محبت و بھائی چارے کی فضا قائم کرنا بھی تھی۔ آپؑ اس میدان میں اس طرح وارد ہوئے کہ نہ اس سے پہلے اس کی کوئی مثال ملتی ہے اور نہ کوئی بعد میں اس بلند وبالا مقام کو درک کرسکتا ہے۔ آپؑ نے اپنے مال کا ایک حصّہ معین کر دیا تھا کہ جس سے آپؑ اپنے شیعوں کے درمیان ہونے والے تنازعات کو ختم کرنے میں مدد لیتے تھے۔ مثلاً جب کبھی دو فریقوں کے درمیان مالی نزاع کھڑا ہو جاتا تو آپؑ اُن کی تالیفِ قلب کے لیے اور ان میں دشمنی اور تفرقے کا سبب بننے والے اس مسئلے کو ختم کرنے کے لیے اپنا مال صرف کرتے اور اُن کے آپس کے تعلقات میں پیدا ہونے والی دراڑوں کو ختم فرماتے تھے اور یہ آپؑ کی حیاتِ مبارکہ کا وہ عظیم پہلو ہے کہ جس کا ذکر پوری تاریخ انسانیت میں کسی صاحبِ اثر ورسوخ اور بادشاہ وغیرہ کے بارے میں نہیں ملتا۔

ابن سنان نے حاجیوں کو لانے والے ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت مفضلؓ ہمارے پاس سے گزرے۔ اس وقت میں اور میرا سُسر میراث کے بارے میں ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے۔ وہ کچھ دیر ہمارے پاس رُکے، پھر ہم سے کہا: آؤ گھر چلیں۔ ہم اُن کے ہمراہ ان کے گھر چلے گئے۔ وہاں اُنھوں نے اپنے پاس سے ہمیں چار سو درہم دے کر ہماری صلح کرائی اور جب ہم دونوں ایک دوسرے سے مطمئن ہو گئے تو اُنھوں نے فرمایا: یہ درہم جو میں نے ابھی تمھیں دیے ہیں یہ میرا مال نہیں ہے۔ مگر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھے حکم دیا ہے کہ جب ہمارے شیعوں میں سے دو افراد کسی چیز میں نزاع کریں تو اُنھیں میرے مال میں سے کچھ دے کر ان کے درمیان صلح کرا دیا کرو، لہٰذا یہ حضرت

امام جعفر صادق علیہ السلام کا مال ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا صبر و تحمل

جہاں تک امام عالی مقام علیہ السلام کا بُردباری اور دَرگزر سے کام لینے کا تعلق ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگ آپؑ کے ساتھ سخت اور بے ادبی والے رویّے کے ساتھ پیش آتے۔ آپؑ اپنے بلند مرتبے اور جلالتِ شان کے باوجود ان کی کوتاہیوں پر صبر و شکیبائی سے کام لیتے اور بغیر کسی خوف و لالچ کے ان کے سوئے ادب سے صرفِ نظر کرتے، بلکہ آپؑ کے پیشِ نظر یہ آیاتِ الٰہیہ ہوتی تھیں:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (سورۂ اعراف: آیت ۱۹۹)

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (سورۂ آلِ عمران: آیت ۱۵۹)

اکثر اوقات آپؑ بعض منحرفوں اور جاہلوں کی زبانوں سے دینِ اسلام اور مسلمانوں کے تمسخر اور ضروریاتِ دین کے انکار پر مشتمل باتیں سنتے، لیکن آپؑ ان اکاذیب و اباطیل کا جواب بڑے وقار و سنجیدگی کے ساتھ اور دلیل پر مبنی بہترین اور شائستہ زبان میں دیتے تھے۔

اور کئی بار ایسا ہوا کہ آپؑ کے چچازاد بھائیوں نے آپؑ کو نازیبا الفاظ کے ساتھ یاد کیا یا آپؑ کی نسبت ان سے وہ اَفعال سرزد ہوئے جو نہیں ہونے چاہیے تھے، لیکن اس پر آپؑ نے صبر و ضبط کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ اُن کے ساتھ شفیق، ناصح، مہربان بھائی اور خیر خواہ باپ والا رویہ اختیار کیا اور اُن کی جانب سے پہنچنے والی اذیتوں کو کامل مردانگی کے ساتھ برداشت کیا، بلکہ آپؑ اُن کے زندوں اور مُردوں پر دُکھ سے گریہ کرتے، اُن کی تکالیف پر خود غم زدہ ہو جاتے اور ان کے بُرے حالات میں ان کے ساتھ یوں محبت و ہمدردی کا اظہار فرماتے کہ گویا اُنھوں نے کوئی خطا و زیادتی کی ہی نہیں۔ آپؑ ان کی برائیوں کا جواب نیکی کے ساتھ دیتے اور ان کے محتاجوں، بیواؤں اور یتیموں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اور خود کو ان کا جواب

وہ سمجھتے تھے اور ان کی زیادتیوں کے باوجود بھی اُن کے ساتھ اپنے رویّے میں کوئی تبدیلی نہ کرتے تھے یہاں تک کہ آپؑ اپنے ان خادموں کے ساتھ بھی حلم و بُردباری کا برتاؤ کرتے جو آپؑ کے اُمور کی انجام دہی میں سُستی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ جیسا کہ حفص بن عائشہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے کسی غلام کو کسی کام سے بھیجا تو اُس نے وہ کام کرنے میں دیر لگادی۔ آپؑ اُس کے پیچھے چلے گئے۔ جب آپؑ اُس کے پاس پہنچے تو آپؑ نے اُسے سویا ہوا پایا۔ آپؑ اُس کے سر کے پاس بیٹھ کر اسے پنکھی وغیرہ سے ہوا دینے لگے، یہاں تک کہ اس کی نیند پوری ہوگئی اور وہ بیدار ہوگیا۔ جب وہ اُٹھا تو آپؑ نے اُس سے فرمایا:

اے فلاں، با خدا یہ ٹھیک نہیں کہ تُو رات کو بھی سوئے اور دن کو بھی سوئے، بلکہ رات تمھاری ہوتی ہے اور دن میں ہمیں تمھارے کام کی ضرورت ہوتی ہے۔

سفیان ثوری حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے امام علیہ السلام کے چہرۂ مبارک کا رنگ تبدیل پایا۔ اُس نے آپؑ سے پوچھا تو آپؑ نے ارشاد فرمایا:

میں گھر والوں کو چھت کے اُوپر چڑھنے سے منع کیا کرتا تھا، لیکن آج جب میں گھر میں داخل ہوا تو میری کنیزوں میں سے ایک کنیز سیڑھی پر چڑھی ہوئی تھی اور اس نے میرا ایک بچہ اُٹھایا ہوا تھا۔ جب اُس نے مجھے دیکھا تو یہ کانپنے لگ گئی اور بچہ اس کے ہاتھوں نیچے گر کر مر گیا۔

میرے چہرے کی رنگت بچے کے مرجانے کی وجہ سے نہیں بدلی، لیکن اس کی وجہ اس کنیز کا مجھ سے خائف و مرعوب ہوجانا ہے۔ پھر امام علیہ السلام نے اس کنیز کو دو مرتبہ فرمایا: جا، تجھ پر کچھ گناہ نہیں! تو راہِ خدا میں آزاد ہے۔

ولید بن صبیح سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ایک رات ہم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھے کہ کسی نے دروازے پر دستک دی تو امام علیہ السلام نے اپنی کنیز سے فرمایا: جاؤ! دیکھو باہر کون ہے؟ اُس نے باہر دیکھا اور کہا: آپؑ کے چچا عبداللہ بن علی آئے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: انھیں اندر لے آؤ اور ہم سے فرمایا: تم لوگ دوسرے گھر (کمرے

میں) چلے جاؤ تو ہم وہاں چلے گئے۔ وہاں ہم نے محسوس کیا کہ کچھ عورتیں داخل ہوئیں اور ایک دوسرے سے ملنے لگیں اور تھوڑی دیر بعد وہ شخص بھی امام علیہ السلام کے پاس آ گیا اور امام علیہ السلام کو بہت ہی نازیبا الفاظ بکنے لگا۔ اور جب وہ چلا گیا تو ہم امام علیہ السلام کے پاس آ گئے اور امام علیہ السلام نے اپنی بات جہاں روکی تھی وہاں سے شروع کر دی۔ وہاں ہم میں سے کسی نے کہا: یہ شخص آپؑ کو کیسے گندے اور نازیبا الفاظ کہہ رہا تھا۔ ہمارا نہیں خیال تھا کہ کوئی اتنا کم ظرف بھی ہو سکتا ہے۔ ہم نے سوچا کہ ہمیں اس کو سبق سکھا دینا چاہیے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، تم ہمارے معاملات میں مداخلت سے باز رہو (پھر امام علیہ السلام سابقہ بات کو پورا کرنے لگے)۔

جب رات کا کچھ ہی حصّہ گزرا تو پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ امام علیہ السلام نے اپنی کنیز سے فرمایا: دیکھو! باہر کون ہے؟ اُس نے دیکھ کر بتایا: یہ وہی آپؑ کے چچا عبداللہ بن علی ہیں۔

امام علیہ السلام نے ہمیں فرمایا: تم لوگ اپنی جگہ دوبارہ واپس چلے جاؤ۔ پھر اُسے اندر آنے کی اجازت دی۔ جب وہ اندر داخل ہوا تو وہ اُونچا اُونچا رو رہا تھا اور کہہ رہا تھا: اے میرے بھائی کے لعل! خدا آپؑ پر رحمت نازل کرے، مجھے معاف کر دیں اور میری خطا سے درگزر فرمائیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا آپ کو معاف کرے، اے چچا! کون سی چیز نے آپ کو معافی مانگنے پر آمادہ کیا ہے؟

وہ کہنے لگا: جب میں اپنے بستر پر گیا تو دو بہت سیاہ رنگ کے افراد (میری خواب میں) میرے قریب آئے اور مجھے رسّی باندھ کر کھینچنے لگ گئے۔ پھر اُن میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: اسے جہنّم کی طرف لے جاؤ، تو وہ مجھے لے کر چل پڑا۔ راستے میں میرا گزر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے ہوا تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ دیکھ رہے ہیں، میرے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے؟

میری عرض سن کر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تُو وہی نہیں کہ جس نے میرے بیٹے کو نازیبا کلمات کہے ہیں؟

میں نے جواب دیا: اے اللہ کے رسولؐ! میں دوبارہ ایسا نہیں کروں گا۔

رسول اللہ ﷺ نے اُسے حکم دے کر مجھے آزاد کرا دیا اور اس کھینچاؤ کا درد میں اب بھی محسوس کر رہا ہوں۔

اس پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: تم وصیت کرو۔

وہ بولا: میں کس چیز کی وصیت کروں؟ میرے پاس تو کوئی بھی چیز نہیں۔ میرے گھر کے افراد بہت زیادہ ہیں اور میں مقروض بھی ہوں۔

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: تمہارا قرض میرے ذمہ ہے اور تمہارے گھر والوں کا میں ضامن ہوں۔

یہ سن کر اُس نے وصیت کی اور ہم ابھی شہر میں ہی تھے کہ اُس کا انتقال ہو گیا۔ امام علیہ السلام نے اُس کے اہلِ خانہ کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اُس کا قرض ادا کیا اور اس کے بیٹے کی اپنی بیٹی کے ساتھ شادی کر دی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا عفو و درگزر کرنا

اس میں شک نہیں کہ معاف کر دینا شریف لوگوں کا شیوہ ہے اور یہ خوبی کسی انسان کی عظمت، اُس کی روح کی پاکیزگی اور اُس کے سینے کی کشادگی کی دلیل ہوتی ہے۔ اس کا کچھ بیان ہم نے ابھی ابھی سابقہ فصل میں ذکر کیا ہے اور اس کی کچھ مثالیں درج ذیل ہیں:

مرازم سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مکہ میں مجھ سے فرمایا: اے مرازم! اگر تم سنو کہ کوئی شخص مجھے گالی دے رہا ہے تو اُسے کیا جواب دو گے؟

میں نے عرض کیا: میں ایسے شخص کو مار دوں گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے مرازم! اگر تم سنو کہ کوئی شخص مجھے گالی دے رہا ہے تو اُسے کچھ نہ کہنا۔

وہ کہتا ہے: ایک روز میں شدید گرمی میں مکہ مکرمہ سے باہر سفر پر گیا۔ راستہ میں سورج کی تپش بڑھ گئی اور مجھے مجبوراً ایک جھونپڑی میں جانا پڑا۔ وہاں کچھ لوگ پہلے سے موجود تھے۔

میں اُن کے ساتھ اس جھونپڑی میں رُک گیا۔ تھوڑی دیر بعد ان میں سے کسی شخص کی آواز مجھے سنائی دی۔ میں نے غور کیا تو وہ بدبخت امام علیہ السلام کو گالیاں دے رہا تھا اور نازیبا الفاظ کے ساتھ یاد کر رہا تھا۔ وہاں مجھے امام علیہ السلام کا وہ قول یاد آ گیا اور میں نے اُسے کچھ نہ کہا۔ اگر امام علیہ السلام کا فرمان میرے پیش نظر نہ ہوتا تو میں اُسے جان سے مار دیتا۔

یہ ہیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام، کہ جو عفو و درگزر کا کامل پیکر ہیں۔

اس موضوع سے متعلقہ دوسری روایات ہم نے "موسوعہ امام صادق علیہ السلام" میں درج کی ہیں کہ امام عالی مقام علیہ السلام نے بُرائی کرنے والوں کی بُرائیوں کو کیسے معاف کیا، بلکہ اس سے بھی زیادہ لائقِ تعجب بات یہ ہے کہ امام علیہ السلام ہر شخص کے لیے دُعائے مغفرت کیا کرتے تھے کہ جو آپؑ کی غیبت اور عیب جوئی کرتا تھا۔ اور یہی مکارمِ اَخلاق اور اَخلاقِ انبیاءؑ ہوتے ہیں۔

علی بن رِباب سے مروی ہے اور اُنھوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے سنا کہ امام علیہ السلام سجدے کی حالت میں یہ دُعا فرما رہے تھے:

"خدایا! مجھے اور میرے دوستوں کو معاف فرما، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ان میں سے بعض وہ بھی ہیں کہ جو میری تنقیص کرتے ہیں"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور صبر

امام علیہ السلام نے بہت سی ناگوار باتوں پر صبر سے کام لیا۔ لہٰذا ہم آپؑ کے صبر کو کئی اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

جہاں آپؑ کا مصیبت پر صبر کرنے کا تعلق ہے تو آپؑ کو اپنی چھوٹی بڑی بہت سی اولادوں کی وفات کا صدمہ سہنا پڑا اور یہ مصائب اتنے زیادہ تھے کہ جن سے عام انسان دہشت زدہ اور حیران رہ جاتا ہے۔ لیکن آپؑ ان مصائب کو اس طرح بھلا دیتے تھے کہ گویا یہ واقع ہوا ہی نہیں ہے۔

روایت کی گئی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک بیٹا تھا۔ وہ آپؑ کے سامنے چل رہا تھا۔ اس کے حلق میں کوئی چیز اٹک گئی اور اُس کی روح پرواز کر گئی۔ اس پر امام علیہ السلام

گریہ کرنے لگے اور آپؑ کی زبانِ مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے:

"اگر تُو نے اُسے لیا ہے تو اُسے باقی رکھا ہے اور اگر اس سے تُو نے (میری) آزمائش کی ہے تو تُو نے عافیت بخشی ہے"۔

اس کے بعد اس بچے کو خواتین کی طرف لایا گیا۔ جب اُنھوں نے اس بچے کو دیکھا تو وہ زور زور سے رونے لگیں۔ پھر امام علیہ السلام نے اُن سے قسم لی کہ وہ واویلا نہیں کریں گی۔ پھر جب امام علیہ السلام اُسے دفن کرنے کی خاطر لے کر باہر آئے تو آپؑ کی زبانِ اَقدس پر یہ کلمات جاری تھے:

"تسبیح کے لائق ہے وہ ذات کہ جو ہماری اولاد کو اپنے پاس بلاتا ہے اور اُس کا یہ عمل اس سے ہماری محبت میں اضافہ کرتا ہے"۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے ان الفاظ کے ساتھ اس بچے کو دفن فرما دیا:

"میرے لعل! خدا تمھاری ضریح پر رحمت کا نزول فرمائے اور تمھیں تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جمع کرے"۔

پھر امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ہم وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے اپنی پسند کی چیز مانگتے ہیں تو وہ ہمیں عطا کرتا ہے اور جب وہ ہماری محبوب کسی چیز میں وہ پسند کر لیتا ہے جو ظاہراً ہم پر گراں گزرتی ہے تو ہم اُس پر راضی ہو جاتے ہیں۔

علاء بن کامل سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں موجود تھا کہ گھر سے ایک درد بھری چیخ بلند ہوئی۔ یہ چیخ سن کر امام علیہ السلام کھڑے ہوئے، پھر آپؑ بیٹھ گئے اور اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھ کر اپنی بات کو پورا کرنے لگے اور جب اپنی بات سے فارغ ہو چکے تو فرمایا:

"ہم اپنی جانوں، اولادوں اور اَموال کی حفاظت کرنے کو پسند کرتے ہیں لیکن جب قضائے الٰہی واقع ہو تو ہماری پسند بھی وہی ہوتی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ ہمارے بارے میں پسند فرماتا ہے"۔

تب امام علیہ السلام کے بڑے فرزند حضرت اسماعیل بن جعفر علیہما السلام کی وفات ہوئی۔

امام علیہ السلام کے اس فرزند ارجمند میں فہم و فراست، زُہد و تقویٰ اور عبادت و سخاوت وغیرہ کی خوبیاں اپنی انتہا کے ساتھ پائی جاتی تھیں۔ حتیٰ کہ بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ بزرگوار اپنے بابا کے بعد ان کے ولی عہد اور اُمت کے امام ہوں گے۔

امام عالی مقامؑ کے لیے یہ صدمہ بہت بڑا تھا، لیکن آپؑ کا صبر اس پر غالب آ گیا اور آپؑ اپنے پروردگار کے فیصلے پر راضی ہو گئے۔ بلکہ آپؑ مصیبتوں پر بجائے طویل سوگ میں پڑنے کے ان پر خداوند عالم کا شکر ادا کرتے کہ اُس نے اپنے بندۂ خاص کو کسی آزمائش کے لیے منتخب کیا ہے اور آپؑ ایسا کیونکر نہ کرتے کہ جب آپؑ اپنے شیعوں کو دنیا کی مصیبتوں اور آزمائشوں پر صبر و ضبط کا حکم دیتے تھے۔

حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام سے مروی ہے، آپؑ نے ارشاد فرمایا:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو اپنے بڑے فرزند حضرت اسماعیلؒ کی وفات کی خبر دی گئی۔ اُس وقت امام علیہ السلام کھانا کھا رہے تھے۔ آپؑ کے دوست احباب اکٹھے ہو گئے۔ آپؑ مسکرائے اور کھانا منگوا کر اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر کھانے لگے۔ اس روز آپؑ نے خوب دلجمعی کے ساتھ کھانا تناول فرمایا اور اپنے دوستوں کو بھی جی بھر کر کھانے کا کہتے رہے اور کھانا ان کے آگے کرتے رہے۔ وہ لوگ حیران تھے کہ انھیں اتنی بڑی مصیبت کے باوجود امام علیہ السلام کے چہرے پر غم کے آثار بالکل دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

جب امام علیہ السلام کھانا تناول فرما چکے تو دوستوں نے آپؑ سے پوچھا: فرزند رسولؐ! یہ کیا ہی عجیب ماجرا ہے؟! آپؑ کے ایسے عالی قدر بیٹے کی وفات ہوئی ہے اور آپؑ کے چہرے پر غم کے کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے؟

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: جیسے تم مجھے دیکھ رہے ہو، میں اس حال میں کیوں نہ ہوں؟ جبکہ میرے پاس سچے پروردگار کی طرف سے یہ خبر آ چکی ہے کہ مجھے بھی موت آنی ہے اور تمھیں بھی۔

ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے موت کو پہچان لیا اور اُسے ہر وقت اپنے پیش نظر رکھا۔ وہ ان میں سے جسے لے گئی اُس کا انکار نہ کیا اور معاملہ سارا اپنے خالق کے سپرد کر دیا۔

معزز قارئین! امام علیہ السلام نے ان مصائب کے علاوہ کئی سال ظالم حکومتوں کے مصائب اس قدر سہے کہ آپؑ کے سیاہ بال سفید ہو گئے تھے لیکن ان تمام مصائب و مظالم میں آپؑ کا موقف اس صابر کی مانند تھا کہ جس نے اپنے آپ کو تکالیف سہنے کا عادی بنایا ہو۔ نیز ایسے بعض واقعات ہم آئندہ فصلوں میں بھی اپنے قارئین کی نذر کریں گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور زُہد و ورع

زُہد و ورع امام جعفر صادق علیہ السلام کی طبیعت کا حصّہ تھا۔ سیادت و قیادت کے بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود بھی آپؑ کی مادی زندگی نہایت ہی سادہ تھی اور آپؑ کی حیاتِ مبارکہ میں اِسراف و تبذیر اور تکبر و بڑائی کا شائبہ تک نہ پایا جاتا تھا۔ اور اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ آپؑ کے شیعوں میں سے کوئی آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپؑ پیوند لگا یا لباس پہنے ہوئے ہوتے، اور وہ لباس بوسیدہ ہونے کی وجہ سے آپؑ کے بدنِ مبارک کے ساتھ ملا ہوا ہوتا۔

اکثر اولیائے الٰہی کی زندگیوں میں ہمیں جبری و اضطراری زُہد کے بجائے اختیاری زُہد ملتا ہے اور وہ قدرت و اختیار کے باوجود بھی کھانے، لباس اور رہائش وغیرہ میں زندگی کے لوازمات میں اعلیٰ قسم کی چیزوں کا انتخاب نہیں کرتے اور جو روکھی سوکھی مل جائے اُسی پر قناعت کرتے ہیں۔

اس کی حقیقی وجہ تو خداوند عالم ہی جانتا ہے، لیکن جہاں تک ہمارا گمان ہے اس کی وجہ یہ ہے: ”جس انسان کی کمزوریاں اور خامیاں اتنی زیادہ ہوجاتی ہیں کہ اُس کی شناخت ہی ان خامیوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ تو وہ اپنی ان خامیوں و کمزوریوں کو مالِ دنیا کے ذریعے سے چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر دیکھنے والے اُس کے کھانوں میں تلون، اُس کے لباس کی زینت اور اُس کی ظاہر سج دھج کو دیکھ کر ان کے پیچھے چھپے ہوئے اُس کے بھیانک چہرے سے غافل ہوجاتے ہیں۔ مگر خدا کے اولیاء میں اس طرح کی خامیاں وخرابیاں نہیں ہوتیں کہ وہ ان پر پردہ ڈالنے کے لیے دنیاوی عیش ولذت کا سہارا لیں۔ اس لیے وہ ان چیزوں سے دُور ہی رہتے ہیں۔

پس یہ ذواتِ مقدسہؑ بھی اس کمال و بلندی سے آشنا ہیں کہ جو انھیں خداوند عالم نے

حسب و نسب، علم و حکمت اور لوگوں کے دلوں پر حکومت وغیرہ کے اعتبار سے عطا کی ہے۔ اس بنا پر یہ ایک طبیعی امر ہے کہ یہ بزرگوار بھی دنیوی زیبائش و آرائش سے مستغنی و بے نیاز رہیں اور اسے بقدرِ ضرورت ہی استعمال فرمائیں، خواہ ان کے دشمن اپنی ہوائے نفس کی تکمیل کے لیے ہر طرح کے جائز و ناجائز حربے استعمال کریں۔

واضح رہے کہ ان کا ایسا کرنا ان کی کمزوری، تنگ نظری، اُمورِ معنویہ سے منہ موڑنے اور دنیا اور ان آسائشوں میں کھو جانے کی دلیل ہے۔ ہم بچوں کو دیکھتے ہیں جب ان کے لیے کھلونے خریدے جاتے ہیں تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں، لیکن جب اُن سے یہ کھلونے واپس لیے جاتے ہیں تو وہ رونا شروع کر دیتے ہیں اور اسی وقت بڑے اور صاحبانِ عقل افراد اُن کھلونوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں کیونکہ اُن کی عقلیں ان بچوں سے زیادہ ہوتی ہیں، اس لیے وہ انھیں کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے اور ان بچوں پر تعجب کرتے ہیں کہ جو ان فضول قسم کی چیزوں سے دل لگائے ہوئے ہوتے ہیں۔

اس بنا پر ہمارا یہ کہنا صحیح ہے کہ جب نفسِ انسانی معنویات سے آشنا ہو جاتا ہے تو مادیات میں اس کی رغبت ختم ہو جاتی ہے۔ بالفاظِ دیگر جب اُمورِ آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اُمورِ دنیا سے اُس کی آنکھ بند ہو جاتی ہے اور وہ انھیں لائقِ توجہ ہی نہیں سمجھتا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور لباس میں سادگی

پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اولیائے الٰہی کھانے پینے اور لباس و گھر وغیرہ کے اعتبار سے دنیا کی رنگینیوں کی طرف رغبت نہیں رکھتے اور نہ ہی مادیت کی ان کی نظروں میں کوئی خاص اہمیت ہوتی ہے، کیونکہ وہ اس اَمر سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں کہ مادیات زائل و فنا ہونے والی جبکہ معنوی و روحانی چیزیں باقی رہنے والی ہوتی ہیں۔

مثلاً ائمہ طاہرین علیہم السلام زیادہ تر سادہ بلکہ بہت ہی بوسیدہ لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ ہاں بعض خاص حالات میں یہ بزرگوار لباسِ فاخرہ بھی زیب تن کیا کرتے تھے لیکن اس سے ان کا مقصد وقت کے تقاضے کو پورا کرنا ہوتا تھا، نہ کہ یہ ایسے لباسوں میں رغبت و لذت

محسوس کرتے تھے۔

ائمہ طاہرین علیہم السلام کا ایسی سیرت پیش کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ لوگ اپنے آپ کو مادیات کی زنجیروں میں جکڑنے سے باز رہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اولیائے اللہ کے سردار اور روئے زمین پر موجود سب سے پاکیزہ شجر کے ثمر تھے۔ اسی لیے آپؑ نے اپنی ساری زندگی زہد و سادگی میں گزار دی۔

اب ہم ذیل میں اس موضوع سے متعلقہ چند ایک روایات اپنے معزز قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

محمد بن حسین بن کثیر الخزاز سے مروی ہے اور انھوں نے اپنے والد گرامی سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھا، آپؑ اپنے کپڑوں کے نیچے ایک موٹی اور بوسیدہ قمیص پہنے ہوئے تھے۔ اس کے اُوپر پشم کا ایک جبّہ زیب تن کیے ہوئے تھے اور اس کے اُوپر ایک اور موٹی قمیص تھی۔ جب میں نے اُسے چھوا تو ان کی خدمت میں عرض کیا: قربان جاؤں! لوگ پشم کے لباس کو ناپسند کرتے ہیں؟ انھوں نے جواب فرمایا: نہیں ایسا نہ کہو، میرے والد بزرگوار حضرت امام محمد بن علی علیہما السلام اسے پہنتے تھے اور حضرت امام علی بن حسین علیہما السلام بھی اسے پہنا کرتے تھے اور جب یہ بزرگوارؑ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے لباس میں سب سے موٹا لباس زیب تن کیا کرتے تھے اور ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

بروایتِ دیگر آپؑ نے راوی سے فرمایا: میں نے اپنے والد بزرگوارؑ کو دیکھا، وہ اسے پہنتے تھے اور جب ہم (اہلِ بیتؑ) نماز پڑھنے لگتے ہیں تو اپنا سب سے بوسیدہ لباس پہنتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک صحابی آپؑ کی خدمت میں آیا۔ اُس نے دیکھا کہ آپؑ نے ایک پیوند لگی ہوئی قمیص زیب تن کی ہوئی ہے۔ اُس کی نظر آپؑ کے کپڑوں پر اٹک گئی۔

امام علیہ السلام نے اُس سے پوچھا: اتنے غور سے کیا دیکھ رہے ہو؟

وہ بولا: مولاؑ! آپؑ کے لباس پر اتنے پیوند کیوں لگے ہوئے ہیں؟

وہ کہتا ہے: امام علیہ السلام کے قریب ایک کتاب پڑی ہوئی تھی تو امام علیہ السلام نے مجھ سے

فرمایا: یہ کتاب اُٹھاؤ اور دیکھو اس میں کیا لکھا ہوا ہے؟

وہ کہتا ہے: جب میں نے کتاب اُٹھائی تو اُس میں یہ لکھا ہوا تھا:

''جو حیادار نہیں اُس کا کوئی ایمان نہیں، جس کا خرچ میں کوئی حساب کتاب نہیں اُس کا کوئی مال نہیں اور جس کی کوئی چیز پُرانی نہیں، اس کی نئی بھی نہیں''۔

حسین بن مختار سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''میرے لیے سفید ٹوپی بناؤ اور اس میں رنگ وغیرہ کی کوئی تبدیلی نہ کرنا، کیونکہ میرے جیسا سردار ایسی شوخ قسم کی ٹوپی نہیں پہنتا''۔

معزز قارئین! بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ امام علیہ السلام بعض مخصوص حالات میں اچھا اور قیمتی لباس بھی زیب تن فرمایا کرتے تھے لیکن یہ سب ماحول اور موسم کے تقاضوں کے مطابق ہوتا تھا۔ اب ہم اس مضمون کی بعض احادیث آپ احباب کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر بن محمد علیہما السلام سے نقل کیا گیا ہے کہ آپؑ نے ایک مرتبہ حج کیا۔ آپؑ دورانِ حج دو عمدہ قسم کی چادریں اُوڑھے ہوئے تھے۔ وہاں ایک شخص نے آپؑ کی چادرِ مبارک کو پکڑ کر کھینچا۔ جب آپؑ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ عباد بصری تھا۔ آپؑ کی طرف دیکھ کر وہ کہنے لگا:

اے ابوعبداللہؑ! آپؑ بھی اس عظیم مقام پر ایسے فاخرانہ لباس پہن کر آتے ہیں حالانکہ آپؑ اپنے اس مقام و منصب میں حضرت علی علیہ السلام کی نسبت سے ہیں اور آپؑ بہتر جانتے ہیں کہ اُن کا لباس کیسا تھا؟!

اس پر امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا تیرا بھلا کرے، اے عباد! حضرت علی علیہ السلام اپنی زندگی کے اچھے دنوں میں ایسا ہی لباس پہنا کرتے تھے لیکن آج جب میں ان جیسا لباس پہنتا ہوں تو عباد جیسے لوگ یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں: یہ (یعنی صادق آلِ محمدؐ) ریاکار ہیں (معاذ اللہ)۔

اس پر عباد کی سانسیں رُک گئیں اور لوگ اُسے آنکھوں سے تحقیر آمیز اشارے کرنے لگے اور یہ بدبخت خود ایک مشہور ریاکار تھا۔

احمد بن عمر سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے کسی صحابی سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ سفیان ثوری امام علیہ السلام کے پاس آیا۔ اس وقت امام علیہ السلام عمدہ قسم کا لباس زیب تن کیے ہوئے تھے۔ وہ امام علیہ السلام سے کہنے لگا:

اے ابو عبداللہؑ! آپؑ کے آبائے کرام علیہم السلام تو اس طرح کا لباس نہیں پہنتے تھے۔

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: وہ زمانہ غربت و تنگ دستی کا تھا۔ اس لیے میرے آبائے کرام علیہم السلام غریب و سادہ لوگوں والا لباس پہنا کرتے تھے اور اب جب کہ دنیا بہت بدل چکی ہے۔ غربت و افلاس جا چکا ہے تو اس کی لذتوں سے فائدہ اُٹھانے کے زیادہ حق دار اس کے نیک افراد ہیں۔

موذن علی بن یقطین سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھا، آپؑ بہی رنگ کے ریشمی جبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی عبادت کی کیفیت

امام عالی مقام علیہ السلام خداوند سبحان کی عبادت ایسے کامل خشوع و خضوع کے ساتھ کیا کرتے ہیں کہ جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ آپؑ کی زندگی کا ہر لمحہ نماز یا روزے یا ذکرِ خداوند متعال میں گزرتا تھا اور آپؑ اپنے پروردگار کے آگے لمبے لمبے سجدے کیا کرتے تھے۔

منصور الصیقل سے مروی ہے (وہ کہتے ہیں:) حج سے واپسی کے بعد میرا گزر مدینہ منورہ سے ہوا، تو میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ مبارکہ کی زیارت کے لیے گیا۔ میں نے آپؐ پر درود و سلام پڑھا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ میں نے صادقِ آلِ محمدؐ کو حالتِ سجدہ میں پایا۔ میں بیٹھ گیا اور اتنی دیر بیٹھا کہ مجھے اُکتاہٹ و بے چینی سی محسوس ہونے لگی۔ پھر میں نے اپنے آپؐ سے کہا: جب تک امام علیہ السلام سجدے میں ہیں میں تسبیح پڑھتا رہوں گا۔ اس کے بعد میں نے تین سو ساٹھ سے زیادہ مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّي وَبِحَمْدِهِ. أَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّي وَأَتُوبُ إِلَيْهِ پڑھا۔

پھر امام علیہ السلام نے اپنا سر مبارک اُوپر اُٹھایا اور کھڑے ہو کر چل پڑے۔ میں آپؑ کے

ساتھ ساتھ چلتا رہا اور دل میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر امام علیہ السلام نے مجھے اپنے پاس آنے کی اجازت دی تو میں آپؑ کے پاس جا کر یہ بات عرض کروں گا: قربان جاؤں! آپؑ تو ایسا کرتے ہیں۔ ہمیں بھی بتایئے ہمارے لیے کیا حکم ہے؟

جب میں دروازے کے قریب رُکا تو امام علیہ السلام دوبارہ میری طرف باہر آئے اور فرمایا: اے منصور! اندر آؤ۔ جب میں اندر گیا تو امام علیہ السلام نے سب سے پہلے مجھ سے یہ فرمایا: اے منصور! اگر تم ذکر میں کمی یا زیادتی کرو گے تو خدا کی قسم! وہ تم سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

حضرت ابوبصیرؒ سے مروی ہے اور اُنھوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ آپؑ ارشاد فرماتے ہیں: میں طواف میں مشغول تھا کہ میرے والد بزرگوار میرے پاس سے گزرے۔ اس وقت میں جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکا تھا اور میں بڑے خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت میں مشغول تھا۔ جب میرے والد بزرگوارؑ نے عبادت میں مشقت کی وجہ سے میری پیشانی سے پسینہ بہتا ہوا دیکھا تو مجھ سے فرمایا:

جانِ پدر! جب خداوند عالم اپنے کسی بندے کو پسند فرماتا ہے تو اُسے جنّت میں داخل کرتا ہے اور اُس کے تھوڑے عمل پر بھی راضی ہو جاتا ہے۔

ایک دوسری روایت کے مطابق امام علیہ السلام (یعنی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے) ارشاد فرمایا: جب میں جواں تھا تو عبادت میں بہت زیادہ مشقت و ریاضت کیا کرتا تھا۔ اس پر میرے بابا (یعنی حضرت امام علی بن الحسین علیہما السلام) نے مجھ سے ارشاد فرمایا:

میرے لعل! آپؑ کی یہ عبادت جو میں دیکھ رہا ہوں اس میں ذرا کمی کیجیے، کیونکہ خداوند عالم اپنے جس بندے سے راضی ہوتا ہے اُس کا تھوڑا سا عمل بھی قبول فرما لیتا ہے۔

حفص بن غیاث سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھا۔ آپؑ کوفہ کے باغات کے بیچ میں پھر رہے تھے۔ اس دوران آپؑ ایک کھجور کے درخت کے پاس رُکے اور آپؑ نے اس کے پاس وضو کر کے رکوع وسجدہ کیا۔ میں شمار کر رہا تھا

آپؑ نے اپنے اس سجدے میں پانچ سو مرتبہ تسبیح پڑھی۔ پھر آپؑ کھجور کے درخت کے ساتھ سہارا لے کر کھڑے ہو گئے اور دُعائیں پڑھنے لگے۔ اس کے بعد مجھ سے فرمایا:

اے حفص! خدا کی قسم! یہ وہ کھجور کا درخت ہے جس کے بارے میں خداوند عالم نے حضرت مریم علیہا السلام سے یہ فرمایا تھا:

وَهُزِّيٓ إِلَيۡكِ بِجِذۡعِ ٱلنَّخۡلَةِ تُسَٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبٗا جَنِيّٗا

یحییٰ بن علاء سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سخت بیمار ہوئے۔ آپؑ کے حکم پر آپؑ کو مسجد نبویؐ میں لایا گیا تو آپؑ صبح تک وہاں رہے اور وہ رمضان المبارک کی تیئسویں رات تھی۔

آپؑ کی راتیں تلاوتِ قرآن سے معمور رہتیں۔ آپؑ خدا کے حضور عاجزی اور اس کی کتاب کے احترام کی خاطر مٹی پر بیٹھ کر تلاوت کرتے، اس کی آیات کو کامل غور و تدبر کے ساتھ تلاوت کرتے، اس کے ناسخ کو منسوخ سے، اس کی تاویل سے تنزیل کو اور اس کے خاص سے عام کو اپنے ذہن میں حاضر رکھتے اور اس کی مراد و مقصود کا بھی علم رکھتے تھے۔

آپؑ کی پاکیزہ مجسم قرآن بن جاتی تھی اور آپؑ کا دل اپنے خالق کی طرف یوں متوجہ ہو جاتا تھا کہ گویا آپؑ اپنی ذات کو بھول چکے ہیں، اس سے غافل ہیں اور قرآنِ مجید کو اُس کے نازل کرنے والے سے سن رہے ہیں۔

یہ کوئی تعجب و حیرت کی بات نہیں، کیونکہ آپؑ خود قرآن کے ہم پلہ اور قرآن کے ساتھ تھے اور قرآن بھی آپؑ کے ساتھ تھا۔

روایت کیا گیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نماز میں قرآنِ مجید کی تلاوت فرماتے تو آپؑ پر غشی طاری ہو جاتی تھی اور جب افاقہ ہوتا اور اس کے متعلق آپؑ سے دریافت کیا جاتا کہ کون سی چیز آپؑ کی اس حالت کی موجب بنی ہے؟

آپؑ جواباً یہ فرماتے: میں قرآن کی آیات کا مسلسل تکرار کرتا رہا یہاں تک کہ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا گویا کہ میں آیاتِ قرآنی کے نازل کرنے والے سے بالمشافہ سن رہا ہوں۔

آپؑ اپنے اصحابِ باوفا اور ماننے والوں کو تلاوتِ قرآن کریم کا حکم دیا کرتے تھے اور شب جمعہ تو اس کی خصوصی تاکید فرماتے، جیسا کہ اس شب سورۂ ص اور سورۂ دخان کی تلاوت کرنا روایات میں بھی وارد ہوا ہے۔

زید الشحام سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: شب جمعہ ہم راستے میں تھے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے ارشاد فرمایا۔ قرآن مجید پڑھو، کیونکہ آج شب جمعہ ہے۔ تو میں نے یہ آیات تلاوت کیں:

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ. يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَنْ مَوْلًى شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ. إِلَّا مَنْ رَحِمَ اللَّهُ۔

"کچھ شک نہیں کہ فیصلے کا دن ان سب (کے اُٹھنے) کا وقت ہے۔ جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان کو مدد ملے گی مگر جس پر خداوند عالم مہربانی کرے"۔

ان آیات کو سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! وہ ہم ہی ہیں کہ جن پر خداوند عالم رحم فرمائے گا۔ اور خدا کی قسم! اس نے ہم ہی کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اور ہمیں تو ان کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں۔

قارئین کرام! ہمیں چاہیے کہ اس اہم نکتہ کو ذہن نشین کرلیں کہ عبادت صرف نماز و روزہ اور ذکر و دُعا وغیرہ نہیں، بلکہ انسان کا ہر وہ عمل عبادت ہے جس سے وہ خداوند متعال کا قرب حاصل کرتا ہے جیسے علم سیکھنا اور سکھانا، فقرا و محتاجوں کے ساتھ نیکی کرنا، جاہلوں کی رہنمائی کرنا، غافلوں کو متوجہ کرنا، افراد کی صحیح تربیت کرنا، ظالموں کے ساتھ ٹکرانا اور گمراہی و فساد پھیلانے والوں کو روکنا وغیرہ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی پوری زندگی عبادت اور تقربِ الٰہی حاصل کرنے میں گزری۔ بالفاظِ دیگر امام علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ، جہد پیہم، نُور و معنویت اور رُشد و ہدایت کا دوسرا نام تھی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا دوسروں کے ساتھ ایثار و ہمدردی

مواساۃ کا معنی اپنے بھائیوں اور دوستوں کے ساتھ ان کی روزی کے کاموں اور دیگر اُمورِ زندگانی میں شریک و مددگار بننا ہے۔ اور ایثار کا معنی دوسرے کو اپنی ذات پر مقدم کرنا اور اپنی ضرورت و احتیاج سے زیادہ اُس کی ضرورت و احتیاج کو ترجیح دینا اور اس کا خیال رکھنا ہے۔ یہ دونوں بہت ہی اچھی صفتیں ہیں، لیکن کم ہی ایسے لوگ ملتے ہیں کہ جن میں یہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک صفت پائی جاتی ہو، نیز یہ ہر دو صفات خلاقِ عالم کو بھی بہت پسند ہیں۔ جیسا کہ وہ اپنے بعض بندوں کا وصف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

ایک اور مقام پر وہ ارشاد فرماتا ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا

یہ واضح اُمر ہے کہ اولیائے الٰہی، آدابِ خداوندی کے پابند اور ان صفاتِ حمیدہ سے متصف ہوتے ہیں، بلکہ تقربِ الٰہی کے حصول کی خاطر ایسے بزرگوار ان صفات کو اپنی زندگی کا جزولاینفک قرار دیتے ہیں۔

ہم اکثر اولیاء کی زندگی میں ایسے بہت سے فضائل پاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اُنھوں نے یہ فضائل و مراتب اپنے دلوں کی طہارت، اپنے نفسوں کی شرافت اور اپنے ضمائر کی قداست کی بدولت حاصل کیے ہیں کیونکہ پاکیزہ نفسوں والے محرموں اور محتاجوں کی طرف دیکھ کر دنیا کی نعمتوں سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

قارئین کرام! مولائے کائنات علی علیہ السلام کے درج ذیل فرمان میں غور فرمایئے، آپؑ ارشاد فرماتے ہیں:

> ”اگر میں چاہوں تو خالص شہد، عمدہ قسم کی گندم اور بہترین ریشم کا لباس اپنے لیے مہیا کر سکتا ہوں لیکن ایسا ہونا بہت بعید ہے کہ میری خواہش مجھ پر غالب آجائے اور میرا دل مجھے طرح طرح کے کھانوں کے انتخاب کی طرف لے جائے، کیونکہ ممکن ہے کہ حجاز یا یمامہ میں کوئی ایسا شخص بھی ہو

کہ جسے روٹی کی کوئی طمع نہ ہو اور نہ ہی پیٹ بھر کر کھانا اُس کی منشا ہو۔ یا ہوسکتا ہے کہ میں تو پیٹ بھر کر رات گزاروں لیکن میرے آس پاس کے لوگ بھوکے پیٹ ہوں اور اُن کے دل کھانے کی تمنا میں رات بسر کریں۔ یا میں اس شخص کی مانند ہو جاؤں کہ جس کا حال ایک شاعر نے اس شعر میں یوں بیان کیا ہے:

وَحَسْبُكَ دَاءٌ اَنْ تُبِيْتَ بِبَطْنَةٍ
وَحَوْلَكَ اَكْبَادٌ تَحِنُّ اِلَى الْقِدِّ

"تمہارے لیے یہی مرض کافی ہے کہ تم پیٹ بھرے رات بسر کرو جبکہ تمہارے آس پاس کے لوگ ضرورت بھر خوراک کو ترس رہے ہوں"۔

کیا میں اسی پر مطمئن ہو جاؤں کہ مجھے امیرالمومنین کہا جاتا ہے اور لوگوں کے ساتھ زمانے کی سختیاں سہنے میں شریک نہ ہوں، یا میں ان کے لیے اپنی زندگی میں برا نمونہ پیش کروں۔

جان لو کہ مجھے اس لیے نہیں خلق کیا گیا ہے کہ میں صرف بندھے ہوئے جانوروں کی مانند کھانے میں لگا رہوں کہ جن کا سارا ہم و غم چارہ چرنا ہوتا ہے یا کھلے چھوڑے جانوروں کی طرح گھاس پھوس کی تلاش میں مصروف رہوں۔ یہ تھے چند وہ کلمات کہ جو سیّدالعرب والعجم، عظیم العظماء، ابوالائمہ، سیّدالعترہ امیرالمومنین علی علیہ السلام نے اپنی ذات کے بارے میں اپنی قلم سے بیان فرمائے اور تاریخ نے آپؑ کے اس کلام کی تصدیق کی۔

آپؑ زاہدوں کے سردار تھے، حتیٰ کہ ایثار و ہمدردی اور زُہد و ورع میں آپؑ کی حیاتِ مبارکہ بطورِ مثال و نمونہ پیش کیا جاتا تھا۔

مَیں یہاں امیرالمومنین علی علیہ السلام کے ایثار و ہمدردی اور دوسروں، حتیٰ کہ اپنے غلام حضرت قنبرؓ کو بھی اپنی ذات پر ترجیح دینے کو بیان کر کے بات کو لمبا نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ باتیں اپنے اپنے مقامات پر تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ یہاں ہم نے امام علیہ السلام کے اس کلام کو بطورِ مقدمہ و تمہید پیش کیا ہے۔

معزز قارئین! حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بھی اسی پاکیزہ شجر کی ایک ثمر آور شاخ تھے لہٰذا عجب نہیں کہ ان کی حیاتِ مبارکہ میں بھی ان فضائل کی جھلک نظر آئے کیونکہ وہ انھی کے بیٹے ہیں اور ان کی نسل میں انھی کا خون ہے جیسا کہ درجہ ذیل احادیث سے اس کی صراحت ملتی ہے۔

امام علیہ السلام کے کسی صحابی نے آپؑ کی خدمت میں عرض کیا: قربان جاؤں! مجھے خبر ملی ہے کہ آپؑ نے عین زیاد کے غلہ میں کوئی کام کیا تھا۔ میں اس کا ذکر آپؑ کی زبانی کچھ سننا چاہتا ہوں۔

آپؑ نے ارشاد فرمایا: ہاں، سنو!

''جب پھل پک جاتے تھے تو میں حکم دیتا تھا کہ باغ کی دیواریں گرا کر راستہ کھول دیا جائے، تاکہ لوگ آئیں اور پھلوں کو کھائیں۔ میں حکم دیا کرتا تھا کہ ہر روز پھلوں کے دس برتن رکھے جائیں اور ہر برتن پر دس دس افراد کو بٹھایا جائے اور انھیں پھل پیش کیے جائیں۔ اور جب وہ دس سیر ہوجائیں تو اس برتن پر دوسرے دس افراد کو پھل پیش کیے جائیں۔ وہاں ہر شخص کو ایک مد (تقریباً تین پاؤ) کھجوریں پیش کی جاتی تھیں اور میں باغ کے پاس رہنے والے تمام لوگوں، بوڑھوں، بچوں، مردوں، عورتوں، مریضوں اور محتاجوں میں سے ہر ایک شخص کو ایک مد کھجوریں پیش کرنے کا حکم دیتا تھا۔

اور جب کھجوریں خشک ہوجاتیں تو میں وہاں باغ کے مزدوروں، نگہبانوں اور دوسرے لوگوں کو اُن کی اُجرت کے طور پر کھجوریں دیتا اور جو بچ جاتیں انھیں مدینہ لے جا کر خاندان کے بااثر افراد اور دوسرے مستحق لوگوں میں ان کی اہلیت و قابلیت کے حساب سے تقسیم کردیتا تھا، مثلاً کسی کو اونٹنیوں کا بار، کسی کو تین، کسی کو کم اور کسی کو زیادہ۔ اس کے بعد (باقی کھجوروں کو فروخت کر کے) مجھے چار سو دینار حاصل ہوئے تھے جبکہ اس کا غلہ چار ہزار دینار کا ہوتا تھا۔

ہم اپنے معزز قارئین کی سہولت کے لیے اس حدیث کی مختصر سی شرح بیان کرتے ہیں:

''حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا مدینہ سے باہر ایک باغ تھا جیسے عین زیاد اس باغ

میں بہت زیادہ کھجوروں کے درخت تھے۔ جب کھجوریں پک کر تیار ہو جاتیں تو امام علیہ السلام اس باغ کی بعض دیواروں کو گرا دینے کا حکم صادر فرماتے، تاکہ ہر کسی کے لیے باغ میں آنا آسان ہو جائے۔ آپؑ دس بڑے برتنوں میں پھل لوگوں کو پیش کرنے کا حکم دیتے اور امام علیہ السلام کے حکم سے ہی دس میں سے ہر ایک برتن سے دس دس افراد سیر ہوتے تھے اور جب پہلے دس سیر ہو جاتے تو دوسرے دس آجاتے اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا تھا۔ یہ سارے اس وقت کے معاملات ہوتے تھے کہ کھجوریں درختوں پر رطب (تر حالت) کی صورت میں ہوتیں۔ پھر جو باغ کے قریب رہنے والے لوگوں میں سے کسی عذر کے باعث باغ میں نہ پہنچ پاتے تو امام علیہ السلام فی کس کے اعتبار سے ایک ایک مد (یعنی تین پاؤ) کھجوریں اُن کے گھروں میں بھجواتے تھے۔

پھر جب کھجوریں خشک ہو جاتیں اور انھیں درختوں پر سے کاٹنے کا وقت آجاتا تو امام علیہ السلام باغ کے کارندوں اور مزدوروں کو خشک کھجوریں بطورِ اُجرت دیتے، اور جو بچ جاتیں اُنھیں مدینہ لے جاکر مستحق لوگوں تک اُن کی اہلیت کے اعتبار سے ایک، ایک یا دو، دو یا تین تین اُونٹنیوں کا بار کے گھروں تک پہنچا دیتے۔ پھر اس سے بھی جو بچ جاتیں تو اُنھیں چار سو دینار میں فروخت کر دیتے جبکہ باغ کی کُل آمدن چار ہزار دینار ہوتی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام علیہ السلام اپنے لیے باغ کے محصول کا دسواں حصّہ باقی رکھتے اور اس کے نو حصوں کو فی سبیل اللہ صرف کر دیتے تھے۔

حماد بن عثمان سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: مدینہ کے لوگ قحط سالی اور وسائل کی اس قدر قلت میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ایک معتدل درجے کا انسان بھی گندم کو جَو کے ساتھ ملا کر کھاتا تھا اور کھانے کی کچھ مقدار خریدتا تھا۔

اس وقت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس اعلیٰ قسم کی گندم تھی کہ جو آپؑ نے سال کے شروع میں خریدی تھی۔ آپؑ نے اپنے کسی خادم سے فرمایا: ہمارے لیے جَو خرید لاؤ اور اس گندم کے ساتھ ملا دو یا اسے بیچ دو، کیونکہ ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ ہم تو اعلیٰ قسم کی گندم کھائیں اور دوسرے لوگ عامیانہ قسم کی گندم پر گزارا کریں۔

ابوالصباح بن بسطام سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام دوسرے لوگوں کو اس قدر کھلاتے تھے کہ آپؑ کے گھر والوں کے لیے بھی کچھ نہ بچتا تھا۔

قارئین کرام! ہم امام عالی مقام علیہ السلام کے لوگوں کے ساتھ ہمدردی و ایثار کے انھی واقعات کو بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور حقیقت میں ایسے ہی واقعات سے انسان کی روح و ایمان کے زندہ ہونے اور خیر و خوبی کا خواہاں ہونے کا پتہ لگایا جاتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور انسانوں کے حقوق

جب ہم صادقِ آلِ محمد علیہم السلام کی حیاتِ مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں انسانیت کے ساتھ محبت کے بہت سے نمونے ملتے ہیں کہ جو امام علیہ السلام کی اعلیٰ نفسیت اور پاکیزہ روح کے آئینہ دار ہیں۔ ہم ان میں سے بعض کو آپ احباب کی نذر کرتے ہیں۔

مصادف سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں مکہ اور مدینہ کے درمیان حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ ہمارا گزر ایک شخص کے پاس سے ہوا۔ وہ ایک درخت کے نیچے بے خود پڑا ہوا تھا۔

امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: چلو اس کے پاس جاتے ہیں۔

میں سمجھ رہا تھا کہ وہ شخص پیاس سے نڈھال ہے۔ جب ہم اُس کے پاس پہنچے اور اُسے دیکھا تو وہ قبیلہ فرسان کا ایک لمبے بالوں والا شخص تھا۔ میں نے اُس سے پوچھا: کیا تو پیاسا ہے؟ وہ بولا: جی مَیں پیاسا ہوں۔

امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اے مصادق! سواری سے نیچے اُتر اور اُسے پانی پلا۔ امام علیہ السلام کے حکم پر مَیں سواری سے اُترا اور اُسے سیراب کیا۔ پھر میں گھوڑے پر سوار ہوا اور ہم وہاں سے چل پڑے۔

میں نے راستہ میں امام علیہ السلام سے پوچھا: مولاؑ! یہ تو نصرانی تھا، آپؑ نے اُسے سیراب کرنے کا حکم کیوں دیا؟

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جب یہ اس حالت میں ہوں تو اُن کی مدد کی جاسکتی ہے۔

شعیب سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ہم نے امام علیہ السلام کے باغ میں کام کرنے کے لیے کچھ مزدوروں کو کرائے پر لیا۔ ان کے کام کا وقت عصر تک تھا۔ جب وہ کام سے فارغ ہوئے تو

امام علیہ السلام نے معتب سے فرمایا: ان کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ان کی اُجرت ادا کرو۔

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ امام عالی مقام علیہ السلام لوگوں کے حقوق، اَموال اور کاموں کا بڑا اہتمام فرمایا کرتے تھے بلکہ امام علیہ السلام تو ہر اُس کام سے بھی اجتناب کرتے تھے کہ جو لوگوں کی اذیت کا موجب ہوتا تھا، خواہ وہ کام شرعاً مستحب و مستحسن ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ درج ذیل حدیثِ مبارکہ میں آیا ہے۔

حماد بن عثمانؒ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ایک شخص مکہ میں بنی اُمیہ کا غلام تھا۔ اُسے ابن ابی عوانہ کہا جاتا تھا۔ وہ آلِ نبیؐ کا بڑا دشمن تھا۔ جب بھی امام علیہ السلام یا آلِ محمد علیہم السلام کا کوئی بھی بزرگ فرد مکہ آتا تو یہ اُسے اپنی بدزبانی سے ایذا پہنچاتا تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ امام علیہ السلام بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے تو وہ آپؑ کے پاس آکر کہنے لگا: یا ابا عبداللہؑ! حجرِ اَسود کو بوسہ دینے کے متعلق آپؑ کی رائے کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے۔

اس پر وہ کہنے لگا: مگر میں نے تو آپؑ کو اسے بوسہ دیتے نہیں دیکھا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: مجھے یہ پسند نہیں کہ میں کسی ضعیف کو اذیت دوں یا خود اذیت میں جتلا ہو جاؤں۔

وہ بولا: آپؑ کا تو گمان یہ تھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے؟

امام علیہ السلام نے اُسے جواب دیا: ہاں یہ بات درست ہے، مگر جب لوگ رسولؐ اللہ کو دیکھتے تھے تو وہ ان کے حق کی پہچان رکھتے تھے جبکہ میرے حق کا لحاظ کوئی بھی نہیں کرتا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ایک بہترین مربی

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے لوگوں میں بہترین علم اور پاکیزہ فقہ کی ترویج کی۔ آپؑ نے انھیں علم و معرفت کے حصول اور اُمورِ دین کی سمجھ بوجھ پر اُبھارا اور اُن کی تربیت اتنے احسن انداز میں فرمائی کہ آپؑ کے شاگردوں میں سے ایک جماعت تشکیل پائی جس پر تاریخ اسلام آج تک فخر کرتی نظر آتی ہے۔ اور آپؑ کے ان شاگردوں کی زندگیوں کے

ہر معاملے میں آپؑ کی تربیت کی ایک واضح جھلک دکھائی دیتی تھی۔ ان بزرگواروں نے آپؑ کی تعلیمات پر عمل کر کے ایمان و تقویٰ، علم و عبادت، حکمت و معرفت اور طہارت و نزاہت میں نہایت بلند مقام حاصل کیا۔ ہم نے ان کے بارے میں "موسوعہ امام صادق علیہ السلام" میں مستقل طور پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی فصاحت و بلاغت

جہاں تک امام علیہ السلام کی فصاحت و بلاغت کا تعلق ہے تو یہ آپؑ کی فطرت و طبیعت کا حصہ تھی۔ آپؑ جب بھی گفتگو فرماتے تو وہ مکمل طور پر فصیح و بلیغ اور سامع کے معیارِ سماعت کے مطابق ہوتی تھی۔ آپؑ کے اپنے شیعوں کو لکھے گئے خطوط و مواعظ اور آپؑ کے کلماتِ قصار حکمت و معرفت کا خزانہ تھے اور لوگوں کی ان کے مسائل کے حل کی طرف رہنمائی کرتے تھے۔ آپؑ کے کلام میں لوگوں کی زندگیوں کے مختلف پہلوؤں سے درپیش مسائل کا حل موجود تھا کہ جو اسرارِ حیات، اسلوبِ معیشت، عقائد، اجتماعیت اور انفرادیت کے متعلق ہوتے تھے۔ اگر یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ امام عالی مقام علیہ السلام نے اپنے کلام میں زندگی کے سارے پہلوؤں کے بارے میں بتایا اور ان میں بہتر طریقے کو اختیار کرنے اور قابلِ فہم اُمور کو سمجھنے کا ذکر کیا اور اپنے ان مواعظ و کلمات کی بدولت آپؑ نے وہ بلند مقام حاصل کیا ہے کہ جو کسی بھی بڑے فلسفی، عظیم ترین مرشد اور لائق ترین مربی کو حاصل نہ ہوا۔ حالانکہ امام علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے کلام کے ایک بیشتر حصے کو محفوظ نہیں کیا جاسکا کیونکہ جو ہم تک پہنچا ہے یہ امام علیہ السلام کا کلام صرف اسی مقدار میں منحصر نہیں۔ علاوہ ازیں مذہب شیعہ کی بہت سی علمی میراث کو جلا دیا گیا اور دریا بُرد کر دیا گیا اور یہ اُمت اسلامیہ پر گرنے والی مصیبتوں میں سے ایک بڑی مصیبت و آفت تھی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ایک مضبوط علمی شخصیت

امام عالی مقام علیہ السلام کی شخصیت کا مطالعہ ہم ہزاروں حدیثوں اور تاریخی نصوص سے کر سکتے ہیں۔

امام علیہ السلام ایک مضبوط شخصیت اور قوی روح کے مالک تھے۔ امام علیہ السلام مصیبتوں اور حوادث کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے والے اور تکالیف پر صبر کرنے والے تھے۔ آپؑ اپنے عقائد میں پہاڑوں سے زیادہ مضبوط اور اپنی روشِ فکر وعمل میں بالکل سیدھے بلکہ مجسم صراطِ مستقیم تھے۔

یہ ایک طبیعی اَمر ہے کہ انسان کی زندگی میں کچھ ایسے اضطرابات آتے ہیں جو اس کی زندگی میں اپنے اثرات چھوڑ جاتے ہیں جیسے: کمزوری وقوت، سمتِ سفر کا بدل جانا اور سادگی و تلون وغیرہ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام چونکہ کُلِ ایمان کے فرزند تھے اس لیے یہ عوامل آپؑ کی حیاتِ مبارکہ پر اثرانداز نہیں ہوسکے۔ آپؑ اپنے رب پر پختہ ایمان رکھتے تھے اور دلوں کو دہلا دینے والے مصائب و آلام پر اسی کی ذات پر توکّل کرتے اور اسی کے سامنے دست دُعا بلند فرماتے تھے۔

یہ تو آپؑ کی شخصیت کا ایک پہلو انفرادی اعتبار سے تھا لیکن جہاں تک معاشرے میں آپؑ کے کردار کا تعلق ہے تو آپؑ اسلامی معاشرے کی ہر بدی و بُرائی کے مقابل کھڑے ہوجاتے، اپنے قول وفعل سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے اور حاکموں، والیوں اور قاضیوں کو بڑے عمدہ انداز میں وعظ ونصیحت فرماتے تھے۔

امام علیہ السلام کو حاکموں اور بادشاہوں کا خوف و دبدبہ بھی احقاقِ حق و ابطالِ باطل سے نہیں روک سکتا تھا کیونکہ آپؑ کو اس بات کا ذرا برابر بھی خوف نہیں ہوتا تھا کہ حق بات کہنے سے ظالموں کے دلوں میں میرے لیے رحم ختم ہوجائے گا۔ اسی لیے جب آپؑ سے منصور دوانیقی نے پوچھا: خداوند متعال نے مکھی کو کیوں خلق فرمایا؟

آپؑ نے اسے یہ جواب دیا تاکہ خدا اُس کے ذریعے ظالم و جابر حکمرانوں کو ذلیل کرے۔

جب بھی قاضی ابن ابی لیلیٰ اور ابوحنیفہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آتے تو امام علیہ السلام فرصت نکال کر اُن دونوں کو خلافِ شرع فیصلے کرنے اور فتاویٰ دینے پر تنبیہ کرتے۔ اور جب منصور کے بعض وزیروں کے لیے کھانا لایا جاتا اور اُس کے ساتھ شراب بھی ہوتی تو

امام علیہ السلام اُس برائی پر صریحاً غضب ناک ہو کر ان کے پاس سے اُٹھ جایا کرتے تھے جیسا کہ درج ذیل احادیث میں اس کا بیان آیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا کھانے کے دوران اُٹھ جانا

ہارون بن جہم سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ہم حیرہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ تھے۔ ابوجعفر المنصور نے اپنے کسی بیٹے کے سلسلے میں ایک دعوتِ طعام کا اہتمام کیا اور لوگوں کو کھانے کی اس دعوت پر مدعو کیا۔ امام علیہ السلام کو بھی اس محفل میں شریک ہونے کی دعوت دی گئی تھی۔ جب لوگ کھانا کھا رہے تھے تو کسی شخص نے پانی مانگا اور اُسے پانی کی جگہ ایک پیالے میں شراب ڈال کر دی گئی۔ جب وہ پیالہ اُس شخص نے اپنے ہاتھ میں پکڑا تو امام علیہ السلام اُس کے پاس سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جب آپؑ سے کھانے سے اُٹھنے کی وجہ پوچھی گئی تو آپؑ نے ارشاد فرمایا:

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ''جو شخص ایسے دسترخوان پر بیٹھے جس پر شراب پی جائے تو اُس پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے''۔

ایک دوسری روایت میں ہے: ''ملعون ہے، ملعون ہے وہ شخص جو ایسے دسترخوان پر خوشی کے ساتھ بیٹھے کہ جس پر شراب پی جارہی ہو''۔

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ کیا کہ کس طرح امام علیہ السلام نے جرأت و بہادری کے ساتھ ظالموں و جابروں کے سامنے کلمۂ حق کہا اور اُن لوگوں کی نشست کو چھوڑ دیا کہ جن کا سارا ہم و غم، فسق و فجور اور اَخلاقِ رذیلہ کا اِظہار ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ظالموں کو رُسوا کرنا

معاویہ بن حکیم سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: مجھ سے بیان کیا عبداللہ بن سلمان التمیمی نے، وہ کہتے ہیں: جب عبداللہ بن حسن کے دو بیٹے محمد و ابراہیم قتل کردیے گئے تو شیبہ بن غفال مدینہ آیا۔ منصور دوانیقی نے اُسے اہلِ مدینہ پر اپنا والی مقرر کیا تھا۔

روزِ جمعہ وہ مسجد نبویؐ میں آیا اور منبر پر چڑھ کر خداوند عالم کی حمد وثنا کے بعد کہنے لگا: علیؑ

بن ابی طالبؑ نے مسلمانوں کی جماعت میں تفریق پیدا کی اور مومنوں کے ساتھ جنگ کی۔ یہ سب کچھ اُنھوں نے اپنی بہتری کے لیے کیا تھا، اس لیے اپنے گھر کے افراد کو اس سے بچائے رکھا۔ لیکن خداوند عالم نے ان کی تمنا پوری نہ کی اور وہ اپنے غصے میں جل کر ختم ہو گئے (لعن اللہ من قال ھذا)۔

دیکھو! یہ ان کے بیٹے بھی فتنہ و فساد برپا کرنے میں انھی کی راہ پر لگے ہوئے ہیں اور بغیر استحقاق کے حکومت و بادشاہی کے خواہاں ہیں۔ لیکن یہ اپنی اس خواہش کو قبروں میں لے کر انھیں زمین کے مختلف اطراف میں مارا جاتا اور ان کے خون کو بہا دیا جاتا ہے (معاذ اللہ)۔

راوی کہتا ہے: اس خبیث کی یہ باتیں مسجد میں موجود لوگوں کو انتہائی ناخوشگوار لگیں لیکن مارے خوف کے ان میں سے کوئی بھی اس کے خلاف ایک لفظ تک نہ بول سکا۔ اس پر ایک شخص کھڑا ہوا۔ وہ معززانہ لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس والی کو مخاطب کر کے وہ شخص کہنے لگا:

ہم خداوند عالم کی حمد بجا لاتے ہیں اور حضرت محمد خاتم النبیینؐ، سیّد المرسلینؐ اور خدا کے دوسرے تمام انبیاءؑ و رسولوںؑ پر درود بھیجتے ہیں۔ اس کے بعد جو بھی تُو نے اچھی بات کہی اس کے ہم زیادہ سزاوار ہیں اور جو کچھ تم نے غلط کہا اس کے تم اور تمھارا بادشاہ زیادہ اہل ہو۔

اے دوسرے کی سواری پر سوار ہونے والے! اے اوروں کے زاد سے استفادہ کرنے والے! جا واپس چلا جا۔

پھر وہ شخص لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا: کیا میں تمھیں اس شخص کے بارے میں نہ بتاؤں کہ جس کے اعمال کا پلڑا قیامت کے روز ہلکا ہوگا اور جو کھلے خسارے میں ہوگا؟ سنو! وہ یہی فاسق ہے کہ جو اپنی آخرت کو دوسرے کی دنیا کے بدلے بیچ رہا ہے۔

اس شخص کی باتیں سن کر لوگ خاموش ہو گئے اور منصور کا مقرر کردہ والی بغیر کچھ کہے مسجد سے چلتا بنا۔

میں نے لوگوں سے اس شخص کے بارے میں پوچھا تو مجھے جواب ملا کہ یہ حضرت امام جعفر بن محمد بن الحسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام ہیں۔

قارئین کرام! آپ نے اس کتاب میں یہ دوسرا واقعہ ملاحظہ کیا کہ جس میں امام علیہ السلام

نے طاغوتِ وقت کو اُس کی اوقات یاد دلائی اور اس کی باطل پرستی پر خوب سرزنش فرمائی۔

قارئین کرام! یہ کتنی ہی عظیم بات ہے کہ ایک مومن جوانمردی کے ساتھ وقت کے ظالم و جابر کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جائے اور اُس کے سامنے حق بات اس طرح کہے کہ مارے شرم کے اُس کی اکڑی ہوئی گردن جھک جائے اور وہ رُسوا ہو کر مومنین کی محفل سے نکل جائے اور اس مومن کی ہیبت سے اُسے ایک لفظ تک بھی بولنے کا حوصلہ نہ دے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور فن شعروشاعری

أئمہ أہلِ بیت علیہم السلام شعروشاعری کی محفلوں کو بہت کم ہی وقت دیتے تھے کیونکہ ان ذواتِ مقدسہؑ کی دوسری اور بہت ذمہ داریاں ہوتی تھیں کہ جو شعروشاعری سے کہیں زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی تھیں۔ یہی وجہ ہے آپؑ کبھی کبھار کوئی شعر کہتے یا اپنے کلام میں کسی معروف شاعر کے شعر کا حوالہ دیتے تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے متفرق أشعار نقل کیے گئے ہیں کہ جو اپنے اندر حکمت ونصیحت کا ایک جہاں بسائے ہوئے ہیں۔ ذیل میں ہم امام عالی مقامؑ کے منظوم کلام کے بعض نمونے اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

امام علیہ السلام کے کلام میں آیا ہے:

تَعْصِي الْإِلٰهَ وَأَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهُ   هٰذَا لَعَمْرُكَ فِي الْفَعَالِ بَدِيْعٌ
لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَاطعته   إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعٌ

”اِدھر تو خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور اُدھر تو اُس کی محبت بھی ظاہر کرتا ہے۔ قسم ہے تمھاری یہ روش بہت ہی عجیب ہے۔ اگر تم اپنی محبت میں سچے ہوتے تو اس کی اطاعت بھی کرتے کیونکہ مُحب اپنے محبوب کا فرماں بردار ہوتا ہے“۔

ایک اور مقام پر امام علیہ السلام نے فرمایا:

عِلْمُ الْمُحَجةِ وَاضِحٌ لِمُرِيْدِهٖ   وَأَرَى الْقُلُوْبَ عَنِ الْمَحَجَّةِ فِي عَمٰى
وَلَقَدْ عَجِبت لِهَالِكٍ وَنَجَاتُهٗ   مَوْجُوْدَةٌ لَقَدْ عَجِبْتُ لِمَنْ نَجَا

”راستہ چلنے والے کے لیے اُس کے نشانات واضح ہیں لیکن میں دلوں کو

دیکھتا ہوں کہ وہ راہ سے غافل ہیں۔ اس پر مجھے نجات کے آثار موجود
ہونے کے باوجود بھی ہلاک ہونے والے پر حیرت ہوتی ہے اور میں ایسے
لوگوں میں سے نجات پا جانے والے پر حیران ہوں کہ وہ انہی لوگوں میں
سے ہونے کے باوجود بھی کامیاب ہوگیا"۔

اصمعی نے آپؑ کے یہ اَشعار نقل کیے ہیں:

أُثَامِنُ بِالنَّفْسِ النَّفِيسَةِ رَبَّهَا فَلَيْسَ لَهَا فِي الْخَلْقِ كُلِّهِمْ ثَمَنٌ
بِهَا يَشْتَرِي الْجَنَّاتِ إِنْ أَنَا بِعْتُهَا بِشَيْءٍ سِوَاهَا إِنَّ ذٰلِكُمْ غَبَنٌ
إِذَا ذَهَبَتْ نَفْسِي بِدُنْيَا أَصَبْتُهَا فَقَدْ ذَهَبَتْ نَفْسِي وَقَدْ ذَهَبَ الثَّمَنُ

سفیان ثوری نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: فرزند رسولؐ! آپؑ نے لوگوں سے کیوں منہ پھیر لیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے سفیان! زمانہ خراب ہوگیا ہے اور زمانے میں سگے بھائی بھی بدل گئے ہیں۔ میں نے چاہا کہ میں اپنے دل کو تسلی دینے کے لیے تنہائی اختیار کروں۔ اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا:

ذَهَبَ الْوَفَاءُ ذِهَابَ أَمْسِ الذَّاهِبِ وَالنَّاسُ بَيْنَ مُخَاتِلٍ وَمُوَارِبِ
يُفْشُونَ بَيْنَهُمُ الْمَوَدَّةَ وَالصَّفَا وَقُلُوبُهُمْ مَحْشُوَّةٌ بِعَقَارِبِ

"وفا شام کے مسافر کی مانند جا چکی ہے اور لوگ بڑے ہی دھوکہ باز و
فریب کار ہیں۔ یوں تو وہ آپس میں محبت و صفا ظاہر کرتے ہیں لیکن ان
کے دل بچھوؤں سے بھرے ہوتے ہیں"۔

سفیان ثوری نے امام علیہ السلام کا یہ کلام بھی نقل کیا ہے:

لَا الْيُسْرُ يَطْرُقُنَا يَوْمًا فَيُبْطِرُنَا وَلَا لَازِمَةُ دَهْرٍ نُظْهِرُ الْجَزَعَا
إِنْ سَرَّنَا الدَّهْرُ لَمْ نَبْهَجْ لِصِحَّتِهِ أَوْسَاءَنَا الدَّهْرُ لَمْ نُظْهِرْ لَهُ الْهَلَعَا
مِثْلَ النُّجُومِ عَلَى مِضْمَادِ أَوَّلِنَا إِذَا تَغَيَّبَ نَجْمٌ آخَرُ طَلَعَا

مناقب آل ابی طالبؑ اور بحار الانوار وغیرہ میں آپؑ کا یہ کلام نقل کیا گیا ہے:

اِعْمَلْ عَلٰی مَهَلٍ فَاِنَّكَ مَيِّتٌ وَاخْتَرْ لِنَفْسِكَ اَيُّهَا الْاِنْسَانَا
فَكَاَنَّ مَا قَدْ كَانَ لَمْ يَكُ اِذْمَضٰی وَكَاَنَّ مَا هُوَ كَائِنٌ قَدْ كَانَا

"اے انسان! اس زندگی کی دی گئی مہلت میں عمل کرلے اور اپنے لیے بہترین مقام منتخب کرلے کیونکہ ایک دن تجھے مرنا ہے۔ پس جب کوئی چلا گیا تو گویا وہ تھا ہی نہیں اور گویا جو ہو چکا ہے وہ ہونے والا ہی نہیں تھا"۔

امام علیہ السلام نے آلِ محمدؐ کی شان میں ارشاد فرمایا:

فِي الْاَصْلِ كُنَّا نُجُوْمًا يُسْتَضَاءُ بِنَا وَلِلْبَرِيَّةِ نَحْنُ الْيَوْمَ بُرْهَانُ
نَحْنُ الْبُحُوْدُ الَّتِي فِيْهَا لِغَائِصِكُمْ دُرٌّ ثَمِيْنٌ وَيَاقُوْتٌ وَمَرْجَانُ
مَسَاكِنُ الْقُدْسِ وَالْفِرْدَوْسِ نَمْلِكُهَا وَنَحْنُ لِلْقُدْسِ وَالْفِرْدَوْسِ خُزَّانُ
مَنْ شَذَّ عَنَّا فَبَرْهُوْتٌ مَسَاكِنُهٗ وَمَنْ اَتَانَا فَجَنَّاتٌ وَوِلْدَانُ

"اصل میں ہم ستارے تھے اور ہم سے ضیاء حاصل کی جاتی تھی لیکن آج ہم مخلوقِ خدا کے لیے اس کی حجت ہیں۔ ہم وہ سمندر ہیں کہ جس کی گہرائی میں جانے والوں کے لیے قیمتی موتی، یاقوت اور مرجان ہیں۔ ہم قدس و فردوس کے گھروں کے مالک ہیں اور اُن کے خزانہ دار ہیں۔ جو ہم سے دُور رہے گا اس کا ٹھکانہ برہوت (جہنم) ہے اور جو ہمارے پاس آجائے گا تو اُس کے لیے جنتیں اور غلمان ہیں"۔

صاحب بحارالانوار وغیرہ نے ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں: ایک سائل نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا تو آپؑ نے اسے کچھ عطا کیا۔ جب وہ سائل آپؑ کی عطا کو دیکھ کر شکریہ ادا کرنے لگا تو آپؑ نے ارشاد فرمایا:

اِذَا مَا طَلَبْتَ خِصَالَ النَّدٰی وَقَدْ عَضَّكَ الدَّهْرُ مِنْ جُهْدِهٖ
فَلَا تَطْلُبَنَّ اِلٰی كَالِحٍ اَصَابَ الْيَسَارَةَ مِنْ كَدِّهٖ
وَلٰكِنْ عَلَيْكَ بِاَهْلِ الْعُلٰی وَمَنْ وَرِثَ الْمَجْدَ عَنْ جَدِّهٖ
فَذَاكَ اِذَا جِئْتَهٗ طَالِبًا تُحِبُّ الْيَسَارَةَ مِنْ جَدِّهٖ

"جب زمانے نے اپنی پوری ہمت لگا کر تجھے کاٹ دیا ہو اور تم سخاوت و بزرگی دیکھنا چاہو تو تم کسی ایسے درشت خو کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا کہ جو خود کما کر مال دار ہوا ہو بلکہ تم پر لازم ہے کہ تم ایسے بلند مرتبہ شخص سے سوال کرو کہ جس نے مجد و کرم اپنے دادا سے ورثے میں پایا ہو اور ہاں جب تم ایسے شخص کے پاس اپنا سوال لے کر آؤ گے تو تمھیں اس کے دادا والی سخاوت کی ریت پسند آئے گی"۔

فن شعر و شاعری میں امام علیہ السلام کا موقف

اہلِ بیت علیہم السلام کے فضائل و مصائب پر مشتمل شاعری کی امام علیہ السلام کی تائید اور ایسے شعراء کی خوب حوصلہ افزائی فرمائی ہے جیسا کہ آپ کا فرمان ہے:

"جس نے بھی ہمارے (فضائل یا مصائب) کے متعلق ایک شعر کہا تو خداوند عالم اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دے گا"۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

"ہمارے (فضائل یا مصائب کے) بارے میں کوئی شاعر اس وقت تک کوئی شعر کہہ ہی نہیں سکتا کہ جب تک روح القدس اُس کی تائید نہ کرے"۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"جو بھی مومن ہماری تعریف میں کوئی شعر کہتا ہے تو خداوند عالم اس کے اس شعر کے بدلے میں اُس کے لیے جنت میں ایک شہر بنا دیتا ہے جو دنیا سے سات گنا زیادہ بڑا ہوتا ہے اور اس شہر میں ہر مَلکِ مقرب و نبی مرسلؐ اس مومن کی زیارت کو آئے گا"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا موقف شعراء کے بارے میں ان کے شعر کی نوعیت کے اعتبار سے ہوتا تھا۔ اگر کوئی شاعر ائمہ اہلِ بیتؑ اور بالخصوص حضرت امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت کے بارے میں شعر کہتا تو آپؑ بہت خوشی، دُعا اور معنوی و مادی عطا و بخشش کے

ساتھ اس کے کلام کا استقبال کرتے تھے۔ اور اگر شعر اس نوع سے ہٹ کر ہوتا تو آپؑ کا موقف وطرزِ عمل بھی اس کے برعکس ہوتا تھا۔ ذیل میں ہم امام علیہ السلام کی نظر میں مقبول شعراء کے بعض نمونے اپنے معزز قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

① زید الشحام سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ہم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس موجود تھے۔ ہماری جماعت کا تعلق کوفہ سے تھا۔ اتنے میں جعفر بن علی عفان امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام علیہ السلام نے انھیں اپنے قریب کیا اور مخاطب کر کے فرمایا: اے جعفر! اُنھوں نے جواب دیا: لبیک، مولا! میں آپؑ پر قربان!

امام علیہ السلام نے فرمایا: مجھے خبر ملی ہے کہ تم حضرت امام حسین علیہ السلام کی شان میں بڑے عمدہ شعر کہتے ہو؟

اُنھوں نے جواب دیا: قربان جاؤں، آپؑ نے صحیح سنا ہے۔

اس پر امام علیہ السلام نے فرمایا: اب ہمارے سامنے بھی کہو۔

امام علیہ السلام کا حکم سن کر وہ امامؑ اور ان کے آس پاس موجود لوگوں کو اشعار سنانے لگے یہاں تک کہ آنسوؤں سے آپؑ کا چہرہ اور داڑھی مبارک تر ہو گئی۔ پھر آپؑ نے فرمایا:

اے جعفر! خدا کی قسم! یہاں خدا کے مقرب فرشتے تمھیں دیکھ رہے ہیں اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں تمھارا کلام سن رہے ہیں اور تمھاری زبان سے مرثیہ سن کر وہ ہماری مانند یا ہم سے زیادہ روئے۔

اے جعفر! اس گھڑی خداوند عالم نے تمھارے لیے پوری جنت واجب کردی ہے اور تمھاری خطاؤں کو معاف کر دیا ہے۔

پھر فرمایا: اے جعفر! تھوڑا اور نہیں سناؤ گے؟

جعفر نے جواب دیا: میرے مولا! کیوں نہیں؟

پھر امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جو بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں ایک شعر کہہ کر خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رُلائے تو خداوند عالم اُس کے لیے جنت واجب کر دیتا ہے اور اُس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

② ابوہارون المکفوف سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؑ نے مجھ سے فرمایا: ابوہارون! مجھے اشعار سناؤ۔ میں نے چند اشعار ان کی نذر کیے تو امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں یوں نہیں، ویسے سناؤ جیسے تمہارا ایک مخصوص انداز ہے اور جیسے تم امام حسین علیہ السلام کی قبر اطہر کے پاس جا کر امام مظلومؑ کو پُرسہ دیتے ہو۔

ہارون کہتا ہے: اس پر میں نے امام علیہ السلام کو یہ شعر سنایا:

اُمْرُرْ عَلٰی جَدَثِ الْحُسَیْنِ
فَقُلْ لِاَعْظُمِهٖ الزَّکِیَّه

جب امام علیہ السلام نے گریہ فرمانا شروع کر دیا تو میں خاموش ہو گیا۔ پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: تم یہ پھر سے کہو۔ میں نے کہا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: اور کہو، اور کہو۔

ہارون کہتا ہے: پھر میں نے امام علیہ السلام کو یہ شعر سنایا:

یَامَرْیَمُ! قُوْمِیْ فَانْدُبِیْ مَوْلَاكِ
وَعَلَی الْحُسَیْنِ فَاَسْعِدِیْ بِبُکَاكِ

یہ شعر سن کر امام علیہ السلام کے ساتھ پردہ داروں نے بھی رونا شروع کر دیا۔ پھر جب گریہ ختم ہوا تو امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اے ابوہارون! جس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں کوئی شعر کہا اور اُس کا شعر سن کر دس لوگ رو پڑے تو اس کا صلہ جنّت ہے۔ پھر دس سے کم تعداد میں رونے والوں کا ایک ایک کر کے ثواب بتاتے گئے (یعنی پہلے دس رونے والوں کا ثواب بتایا، پھر نو کا، پھر آٹھ کا، پھر سات......) حتیٰ کہ ایک رونے والے کا ثواب بیان کرتے ہوئے امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شان میں شعر کہا اور اگر اس کا شعر سن کر ایک بھی شخص رو پڑا تو اس کا صلہ جنّت ہے۔

پھر امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جو شخص ان کا ذکر کر کے رو پڑا تو اس کا صلہ بھی جنّت ہے۔

③ حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام سے مروی ہے، آپؑ نے ارشاد فرمایا: میں اپنے

مولا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا کہ اشجع سلمی آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؑ کی مدح کرنے لگا۔ اس دوران اُس نے اپنے آپ کو بیمار پایا تو وہ بیٹھ گیا اور خاموشی اختیار کر لی تو امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: اپنی بیماری سے واپس آ اور وہ بات بتا کہ جس کی خاطر تو یہاں آیا ہے۔ پھر امام علیہ السلام نے یہ اشعار کہے:

أَلْبَسَكَ اللهُ مِنْهُ عَافِيَةٍ فِي نَوْمِكَ الْمُعْتَرِي وَفِي أَرَقِكَ
يُخْرِجُ مِنْ جِسْمِكَ السِّقَامُ كَمَا أَخْرَجَ ذُلَّ السُّؤَالِ مِنْ عُنُقِكَ

پھر امام علیہ السلام نے اپنے غلام سے پوچھا: تمھارے پاس کیا ہے؟

اس نے جواب دیا: چار سو درہم۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ اشجع کو دے دو۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں:

اشجع نے وہ درہم لے لیے اور شکریہ ادا کرتے ہوئے واپس چلا گیا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اسے واپس بلاؤ۔ جب وہ واپس آیا تو عرض کرنے لگا: میرے مولاؑ! میں نے آپؑ سے سوال کیا تو آپؑ نے اپنے مال سے میری حاجت پوری فرما دی۔ اب فرمائیے کیوں واپس بلوایا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: مجھے میرے باباؑ نے اپنے آبائے کرام علیہم السلام کے واسطے سے نقل کر کے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بہترین عطیہ وہ ہے کہ جو باقی رہ جانے والی نعمت کے طور پر بچ جائے۔ اور یہ جو مال میں نے تمھیں دیا ہے یہ تمھاری ضرورت کے پورا ہو جانے پر ختم ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کے ساتھ تم یہ انگوٹھی بھی لے لو۔ اگر تمھیں اس کی قیمت دس ہزار درہم ملے تو اسے فروخت کر دینا۔ اور اگر تمھیں کوئی بھی اس کی اتنی قیمت نہ دے سکے تو فلاں دن اسے لے کر میرے پاس آ جانا۔ میں تمھیں اس کی قیمت ادا کروں گا۔

اس پر اشجع کہنے لگا: مولاؑ! آپؑ نے تو مجھے غنی کر دیا ہے۔ مولاؑ! میں بہت زیادہ سفر کرتا ہوں مگر بعض مقامات پر خوف و وحشت میں گھبر جاتا ہوں۔ آپؑ مجھے کوئی ایسی دُعا تعلیم

فرمائیے کہ جو ایسے مشکل مقامات پر میرے دل کو تسلی فراہم کرے۔

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جب تم کسی اَمر سے خوف محسوس کرو تو اپنا دایاں ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر بلند آواز میں یہ آیت پڑھا کرو:

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ○

اشجع کہتا ہے: ایک وادی میں مجھے ڈر لگنے لگا۔ وہاں جنوں کا ڈیرا تھا۔ میں نے سنا، ایک کہنے والا یہ کہہ رہا تھا: اسے پکڑو، تو میں نے یہ آیت پڑھی: جب اُنھوں نے یہ آیت سنی تو ایک کہنے والا، کہنے لگا: ہم اُسے کیسے پکڑ سکتے ہیں؟ یہ تو ایک پاکیزہ آیت سے مدد لے رہا ہے۔

حسن بن راشد سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام روزہ رکھتے تو آپؑ خوشبو لگایا کرتے اور فرماتے: ”خوشبو روزہ دار کے لیے تحفہ ہے“۔

معاویہ بن عمار سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھا، آپؑ نے سرخ خضاب لگایا ہوا تھا۔

عبداللہ بن عثمان سے مروی ہے کہ اُنھوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو مونچھیں کاٹتے ہوئے دیکھا۔ آپؑ نے مونچھوں کو کاٹ کر جلد کے ساتھ ملا دیا تھا۔

عمر بن یزید سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میری موجودگی میں ایک شخص حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آیا۔ اُس شخص نے امام علیہ السلام سے کوئی چیز مانگی تو آپؑ نے اُسے فرمایا: آج تمھیں دینے کے لیے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ پھر کبھی آنا تو ان شاء اللہ ہم تمھیں کچھ ضرور دیں گے۔

لیکن اس روز وہ اپنی روایت سے ہٹ کر اپنے ساتھ خضاب والی بوٹی اور وسمہ فروخت کرنے کی غرض سے لیے ہوئے تھا۔ اس نے امام علیہ السلام سے کہا: مجھ سے وعدہ فرمائیے۔

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: نہیں، میں تم سے وعدہ نہیں کر سکتا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی سیرتِ مبارکہ اور زندگی کے معمولات

اسحاق بن عمار سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے غلام مسلم نے مجھے بتایا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری دو سالوں میں مسواک کرنا ترک کر دیا تھا کیونکہ آپؑ کے دندانِ مبارک کمزور ہو گئے تھے۔

روایت کیا گیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سکر (گڑ) صدقہ کیا کرتے تھے۔ جب آپؑ سے کہا گیا آپؑ سکر صدقہ کرتے ہیں؟!

آپؑ نے ارشاد فرمایا: یہ مجھے بہت پسند ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی پسندیدہ چیز صدقہ کروں۔

مرازم بن حکیم سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: امام علیہ السلام نے کسی کام میں کچھ تحریر کرنے کا حکم دیا تو وہ تحریر کر دیا گیا۔ جب وہ امام علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپؑ نے دیکھا تو اس تحریر میں کوئی استثناء نہیں تھا۔ آپؑ نے ارشاد فرمایا: تم کیا سمجھتے ہو کہ یہ استثناء کے بغیر مکمل ہو جائے گا؟

اسے مکمل طور پر دیکھو اور جہاں بھی استثناء موجود نہ ہو وہاں استثناء درج کر دو۔

قارئین کرام! واضح رہے کہ امام علیہ السلام کے اس کلام میں استثناء سے مراد ان شاء اللہ یا اس کے ہم معنی الفاظ کا ذکر کرنا ہے۔ یعنی تمام اُمور کو خداوند عالم کی مشیت کے ساتھ مربوط کر دینا ہے۔ جیسا کہ اس کی تائید اس فرمانِ الٰہی سے بھی ہوتی ہے:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ

"اور کسی کام کی نسبت نہ کہنا کہ میں اسے کل کر دوں گا مگر ان شاء اللہ کہہ

کر"۔ (سورۂ کہف: آیت ۲۳-۲۴)

اس حدیث شریفہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مستقبل قریب یا بعید میں انجام دینے والے اُمور یہاں تک کہ خطوط و تحریروں میں بھی خدا کی مشیت کا ذکر کرنا ضروری بتایا ہے اور اس میں سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ کسی بھی انسان کو اپنے فائدے یا نقصان کا کچھ اختیار نہیں اور سارے کے سارے معاملات خداوند سبحان کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا حکمت کے ساتھ معاملات انجام دینا

اُمور و معاملات کو حکمت و دانائی کے ساتھ نمٹانا انسان کی عقل کے کامل اور مضبوط ہونے کی دلیل ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم کی درج ذیل آیت میں اسی کا حکم دیا گیا ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝ (سورۂ فصلت: آیت ۳۴-۳۵)

"تو (سخت کلامی کا) ایسے طریق سے جواب دو جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے تم دیکھو گے) کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا وہ تمھارا گرم جوش دوست ہے۔ اور یہ بات انھی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے ہوتے ہیں اور ان ہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحبِ نصیب ہوتے ہیں"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشکلوں کو حل کرنے اور ہدف کو پانے کے لیے بہترین طریقوں کو استعمال کرنا ان جلد بازی پر مبنی طریقوں سے افضل ہوتا ہے کہ جنھیں لوگ عجلت بازی میں اختیار کرجاتے ہیں۔ ہم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ کے متعلق دسیوں ایسے قصوں و احادیث کا مطالعہ کریں گے کہ امام علیہ السلام کے لوگوں کے ساتھ حکمت، بہترین نصیحت اور جدل اَحسن کے ساتھ پیش آنے کو بیان کرتے ہیں جیسا کہ درج ذیل حدیث میں آیا ہے۔

محمد بن مرازم سے مروی ہے، اُنھوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:
جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مقامِ حیرہ سے منصور دوانیقی کے پاس سے نکلے تو ہم لوگ بھی امام علیہ السلام کے ہمراہ تھے۔ اس وقت امام علیہ السلام منصور کی اجازت سے نکلے تھے۔ اس وقت دن ختم ہونے کے قریب تھا۔ بہرحال ہم سفر کرتے رہے یہاں تک کہ رات کے ابتدائی حصّے میں ہم "مقامِ سالحین" پر پہنچ گئے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو "عاشر" نامی حکومت کے ایک کارندے نے امام علیہ السلام سے معارضہ شروع کر دیا۔ وہ بدبخت رات کے ابتدائی حصّے میں وہاں ڈیوٹی کرتا تھا۔ وہ امام علیہ السلام سے کہنے لگا: میں آپؑ کو یہاں سے گزرنے نہیں دوں گا۔ آپؑ نے اُس کی منت سماجت کی لیکن اُس نے سختی کے ساتھ امام علیہ السلام کی بات ٹھکرا دی۔ اس وقت مَیں اور مصادف امام علیہ السلام کے ساتھ تھے۔

اس ملعون کا رویہ دیکھ کر مصادف نے امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: قربان جاؤں! اس کتے نے آپؑ کو تکلیف دی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہیں یہ آپؑ کو واپس نہ بھیج دے۔ پھر نہیں معلوم منصور ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ یہاں میں اور مرازم دو ہیں۔ آپؑ ہمیں اجازت دیں تو ہم اُسے مار کر نہر میں پھینک آتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، مصادف یوں نہیں کرنا۔ پھر امام علیہ السلام اس سے اجازت لیتے رہے۔ جب رات کا کافی حصّہ گزر گیا تو اُس نے اجازت دے دی اور خود چلا گیا۔

اس پر امام علیہ السلام نے فرمایا: مرازم بتاؤ یہ بات ٹھیک ہے یا جو تم دونوں کہتے تھے وہ ٹھیک تھا؟ میں نے جواب دیا: قربان جاؤں، یہ ٹھیک ہے۔

میرا جواب سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: انسان چھوٹی ذلّت سے نکلتا ہے تو اس کا یہ نکلنا اسے بڑی ذلّت میں ڈال دیتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سرزمینِ غدیر میں

حسان الجمال سے مروی ہے، وہ کہتا ہے: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو اپنی سواری پر سوار کر کے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ لایا۔ وہ کہتا ہے: جب ہم مسجد الغدیر میں پہنچے تو

امام علیہ السلام نے مسجد کی دائیں جانب دیکھ کر فرمایا: یہ وہ مقام ہے کہ جہاں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا تھا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ. اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَّالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ

"جس جس کا میں مولا ہوں، اُس اُس کے علیؑ مولا ہیں۔ خدایا! جو انھیں دوست رکھے تو اُسے دوست رکھ اور جو اِن کے ساتھ دشمنی کرے تو اُس کے ساتھ دشمنی کر"۔

پھر رسولِ خدا نے مسجد کی دوسری جانب دیکھ کر فرمایا:

یہاں ابوفلاں، فلاں، ابوحذیفہ کے غلام سالم اور ابوعبیدہ الجراح کا خیمہ تھا۔ جب اُنھوں نے آپؐ کو حضرت علی علیہ السلام کا دستِ مبارک بلند کرتے ہوئے دیکھا تو اُن میں سے بعض افراد یہ کہنے لگے: (نعوذ باللہ) دیکھو، ان کی آنکھیں کیسے پاگلوں کی طرح پھر رہی ہیں۔

اس پر حضرت جبرائیلؑ یہ آیت لے کر آگئے:

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

"اور کفّار جب اس ذکر (قرآن) کو سنتے ہیں تو قریب ہے کہ اپنی نظروں سے آپؐ کے قدم اُکھاڑ دیں اور کہتے ہیں: یہ دیوانہ ضرور ہے۔ حالانکہ یہ (قرآن) عالمین کے لیے فقط نصیحت ہے"۔ (سورۂ قلم: آیت ۵۱-۵۲)

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: اے حسان! اگر تم جمالی نہ ہوتے تو میں تمھیں یہ حدیث نہ بتاتا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام میدانِ عرفات میں

عمرو بن ابی مقدام سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: روزِ عرفہ میں نے امام عالی مقام علیہ السلام کو دیکھا، آپؑ مقامِ عرفات پر کھڑے ہو کر بلند آواز میں یہ فرما رہے تھے:

"اے لوگو! سب سے پہلے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام تھے، پھر حضرت علی بن ابی طالبؑ، پھر حضرت امام حسنؑ، پھر حضرت امام حسینؑ، پھر حضرت علیؑ بن الحسینؑ، پھر حضرت محمد بن علیؑ اور پھر (یعنی اب) "حه" ہیں"۔

امام عالی مقام علیہ السلام نے اپنے آگے، پیچھے اور دائیں بائیں تین تین بار (یعنی کُل بارہ مرتبہ) یہ صدا دی۔

عمرو کہتے ہیں: جب میں منیٰ میں آیا تو میں نے "حه" کی تفسیر اہلِ عرب سے پوچھی تو اُنھوں نے مجھے جواب دیا کہ فلاں قبیلے کی لغت میں اس کا معنی یہ ہے: "میں ہوں، مجھ سے پوچھو"۔

وہ کہتے ہیں: میں نے یہی کچھ اور عربی دانوں کے سامنے رکھا تو اُنھوں نے بھی یہی جواب دیا۔

دین و دنیا کی ہیبت میں فرق

بادشاہ اور قبیلوں و خاندانوں کے سربراہوں کی جب تک بڑائی چلتی رہتی ہے تو اُن کی ہیبت عزت بھی موجود رہتی ہے اور جب اُنھیں حکومت و ریاست سے معزول کیا جاتا ہے تو اُن کی ہیبت بھی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ ایک ایسی حالت و کیفیت کا نام ہے کہ جو دیکھنے والے کے دل میں اُس کا رُعب بٹھا دیتی ہے۔ چنانچہ بادشاہ و رئیس کی عزت و تعظیم کی جاتی ہے اور واضح رہے کہ یہ ہیبت دنیوی، مصنوعی اور مستعار ہوتی ہے کیونکہ اس کی بنیاد غرور و تکبر پر ہوتی ہے۔

لیکن ایک حدیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے کہ جب تم بغیر عشیرہ و قبیلہ کے عزت اور بادشاہی کے بغیر ہیبت حاصل کرنا چاہو تو خداوندِ عالم کی نافرمانی کی ذلّت سے نکل کر اُس کی اطاعت کی عزت کی طرف آجاؤ۔ اور یہی وہ ہیبت ہوتی ہے کہ جو خداوندِ عالم اپنے اولیاء کو عطا کرتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ خداوندِ عالم کے اولیاء میں سرفہرست محمدؐ و آلِ محمدؑ ہیں کہ جن میں سے ایک حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بھی ہیں۔

قارئین کرام! جان لیجیے کہ امام عالی مقام بہت ہی متواضع شخصیت کے باوجود اس کے حامل تھے لیکن اس کے باوجود بھی دوست اور دشمن دونوں کے دلوں پر آپؑ کی ہیبت طاری

تھی۔ ہم نے موسوعہ امام عالی مقامؑ کے بعض اُن اصحاب علیہم الرحمۃ والرضوان کا ذکر کیا ہے کہ جب وہ آپؑ کے سامنے حاضر ہوتے تو وہ امام علیہ السلام کی الٰہی ہیبت سے مرعوب ہوجاتے۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ امام علیہ السلام نے عبدالکریم بن ابی العوجاء سے پوچھا: کیا وجہ ہے، تم بات کیوں نہیں کرتے؟ اُس نے جواب دیا: آپؑ کے جلال و ہیبت کے باعث میری زبان کچھ بھی بول سکتی ہے۔ میں نے علماء کا سامنا کیا اور بڑے بڑے متکلموں و مناظروں سے بھی میرا پالا پڑا ہے لیکن میرے دل میں اُن میں سے کسی کی بھی ایسی ہیبت نہیں بیٹھی کہ جیسی آپؑ کے سامنے آنے کی وجہ سے بیٹھی ہے...... اِلیٰ آخرِ کَلَامِہٖ۔

قارئین کرام! یہ وہی ذاتی اور لازوال ہیبت ہوتی ہے کہ جو تواضع و حُسنِ خلق کے باوجود بھی ختم نہیں ہوتی اور یہ ہیبت خداوندعالم اسے عطا فرماتا ہے کہ جو اس سے ڈرتا ہے کیونکہ جو اللہ سے ڈرتا ہے تو خداوندعالم ہر ایک دل میں اس کی ہیبت بٹھا دیتا ہے۔ اور جو خدا سے نہ ڈرے تو خداوندعالم اُس کے دل میں ہر چیز کا خوف ڈال دیتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک قاضی کو نصیحت کرنا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنا کچھ وقت دوسرے مذاہب کے علما اور قاضیوں کے ساتھ بحث وتمحیص کے لیے مختص فرمایا کرتے تھے، تاکہ اس عمل سے وہ بھی راہِ راست کی جانب ہدایت پائیں۔

ہم نے اپنے انسائیکلوپیڈیا میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے دوسرے مذاہب کے علماء کے ساتھ ہونے والے بہت سے مناقشوں اور مناظروں کو درج کیا ہے۔ یہ مناظرے امامت وغیرہ کے موضوعات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں ہم اپنے قارئین کی ضیافتِ طبع کے لیے ایک مناظرہ پیش کیے دیتے ہیں۔

سعید بن ابی الخضیب سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں اور ابن ابی لیلیٰ مدینہ میں آئے۔ جب ہم مسجد نبویؐ میں آئے تو حضرت امام جعفر صادق بن محمد علیہما السلام بھی وہاں تشریف لے آئے۔ ہم ان کے استقبال کے لیے اُٹھے، تو انھوں نے مجھ سے میرے اور میرے گھر والوں

کے احوال دریافت کرنے کے بعد فرمایا: تمھارے ساتھ یہ کون ہے؟ میں نے اُنھیں بتایا: یہ مسلمانوں کا قاضی ابن ابی لیلیٰ ہے۔

امام علیہ السلام نے اسے مخاطب کر کے فرمایا: کیا تم مسلمانوں کے قاضی ابن ابی لیلیٰ ہو؟

اُس نے جواب دیا: جی ہاں۔

امام علیہ السلام نے پھر اُس سے فرمایا: کیا تم اُس کا مال اُسے دے دیتے ہو اور میاں بیوی میں جدائی ڈال دیتے ہو اور کسی سے بھی نہیں ڈرتے؟

وہ بولا: جی ہاں، میں کسی سے بھی نہیں ڈرتا۔

امام علیہ السلام نے اُس سے پوچھا: تم کس چیز کے مطابق قضاوت کرتے ہو؟

اُس نے جواب دیا: میں ان اُصولوں کے مطابق قضاوت کرتا ہوں کہ جو مجھے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی جانب سے ملے ہیں۔

امام علیہ السلام نے اُس سے پوچھا: کیا تمھارے پاس رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان پہنچا ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"میرے بعد تم میں سب سے بہترین فیصلہ کرنے والے حضرت علی علیہ السلام ہیں"۔

وہ بولا: جی ہاں۔

امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: تم یہ حدیث مبارکہ جاننے کے باوجود بھی کیسے حضرت علی علیہ السلام کی قضاوت کو پیش نظر رکھے بغیر فیصلہ کرتے ہو؟!

اُس وقت تم کیا کہو گے کہ جب تمھارے پاس چاندی کی زمین اور چاندی کے آسمانوں کا معاملہ پیش کیا جائے (اور تم اُن کے بارے میں اپنے پاس سے فیصلہ دے دو) اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمھیں بازو سے پکڑ کر خداوندعالم کے حضور کھڑا کریں اور یہ فرمائیں: خدایا! اس شخص نے میرے فیصلے سے ہٹ کر فیصلہ دیا ہے؟

راوی کہتا ہے: جب اُس نے امام عالی مقام علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے یہ منطقی جواب سنا تو اُس کے چہرے کا رنگ زعفران کی مانند زرد ہو گیا۔ پھر مجھ سے کہنے لگا: تم مجھے اپنا ساتھی بنا لو، خدا کی قسم! میں تم سے محض اپنی ذاتی رائے و سمجھ پر مبنی کبھی بھی کوئی بات نہیں کروں گا۔

ہمارے معزز قارئین پر واضح رہے کہ حدیث اَقْضَا کُمْ عَلِیٌّ کو مؤرخین و محدثین کی ایک بہت بڑی جماعت نے مختلف الفاظ اور متعدد سندوں کے ساتھ ذکر کیا۔ ان میں سے بعض کی لفظیں یہ ہیں:

ارشادِ نبویؐ ہے: اَقْضَا کُمْ عَلِیٌّ، بعض کی یہ ہیں، ارشادِ نبویؐ ہے: اَقْضٰی اُمَّتِی عَلِیٌّ، اور بعض کی یہ ہیں: اَقْضٰی اُمَّتِی عَلِیُّ ابْنُ اَبِی طَالِبٍ وغیرہ۔

ابوحنیفہ دَر محضر صادقِ آلِ محمدؐ

فقہ حنفیہ کا امام نعمان بن ثابت المعروف ابوحنیفہ فکر، عقیدہ اور عمل ہر حوالے سے اہلِ بیت علیہم السلام کے طریقے سے منحرف تھا، لیکن اس کے باوجود بھی وہ امام عالی مقامؑ کی عظمتِ علمی کو تسلیم کرتے ہوئے، اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا، اُن کا بیان سنتا اور اُن سے سیکھتا تھا۔

بعض اوقات امام علیہ السلام اور اُس کے درمیان مناظرہ ہوتا تو امام علیہ السلام اُس کی ہدایت و راہنمائی کی سعیِ جمیل فرماتے اور اُسے دین میں قیاس کرنے سے منع فرماتے تھے۔

بعض اوقات منصور دوانیقی ابوحنیفہ کو استعمال کرتا تھا کہ وہ امام علیہ السلام پر مشکل سوالات کر کے اُنھیں لاجواب کرے اور اُس خدا کے نُور کو خاموش کرنے کی کوشش کرے لیکن کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیسے بجھے جسے روشن خدا کرے

یہاں ہم اس کے بعض نمونے اپنے پڑھنے والوں کی نذر کرتے ہیں:

① ابوالقاسم البغار نے مسند ابی حنیفہ میں ذکر کیا ہے: حسن بن زیاد کہتا ہے: جب ابوحنیفہ سے پوچھا گیا کہ آپ کی رائے کے مطابق سب سے بڑا فقیہ کون ہے؟

میں نے سنا، وہ جواب دے رہے تھے: میری نظر میں سب سے بڑے فقیہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب منصور نے اُنھیں اپنے پاس بلایا تو میری طرف یہ پیغام بھیجا: ''اے ابوحنیفہ! لوگ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا ہیں، لہٰذا تم اُنھیں لاجواب کرنے کے لیے چند مشکل سوالات تیار کرلو''۔

جب مجھے اس کا پیغام ملا تو میں نے امام علیہ السلام کے لیے چالیس سوال تیار کیے۔ پھر ابوجعفر منصور نے مجھے اپنے پاس بلایا (اس وقت وہ حیرہ میں تھا)۔ اس کا پیغام ملنے پر میں اس کی جانب چل پڑا۔ جب میں اُس کے دربار میں داخل ہوا تو میں نے امام علیہ السلام کو اس کی دائیں جانب تشریف فرما پایا۔ جب میں نے ان کی جانب توجہ کی تو منصور سے زیادہ اُن کی ہیبت میرے دل میں بیٹھنے لگی۔ میں نے منصور کو سلام کیا تو اُس نے مجھے اشارے سے جواب دیا اور میں بیٹھ گیا۔ پھر اس نے امام علیہ السلام کی جانب متوجہ ہو کر کہا: اے ابوعبداللہؑ! یہ ابوحنیفہ ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، میں اسے جانتا ہوں۔

پھر اس نے میری جانب توجہ کی اور کہا: اے ابوحنیفہ! ابوعبداللہؑ کے سامنے اپنے سوالات پیش کرو۔

میں نے امام علیہ السلام کے سامنے اپنے سوالات پیش کیے۔ امام علیہ السلام میرے سوالوں کے جوابات یوں دیتے تھے: اس چیز کے بارے میں تم یہ کہتے ہو، اہلِ مدینہ کی اس کے متعلق یہ رائے ہے اور ہمارا علم یہ کہتا ہے۔ بعض اوقات امام علیہ السلام کا نظریہ ہمارے نظریے کے مطابق ہوتا، بعض اوقات اہلِ مدینہ کے نظریے کے موافق ہوتا اور بعض اوقات امام علیہ السلام کا نظریہ ہم دونوں کے خلاف ہوتا۔ یہ ترتیب یونہی چلتی رہی حتیٰ کہ امام علیہ السلام نے مجھے چالیس کے چالیس سوالوں کے جوابات دے دیے اور کوئی اشکال باقی نہ چھوڑا۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد ابوحنیفہ نے (بطورِ استفہام انکاری) کہا: کیا لوگوں میں سب سے بڑا عالم وہ نہیں کہ جسے ان کے درمیان اختلافات کا سب سے زیادہ علم ہے؟

(۲) ایک دفعہ ابوحنیفہ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ کھانا کھایا۔ جب امام علیہ السلام کھانا تناول فرما چکے تو آپؑ نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. اَللّٰهُمَّ هٰذَا مِنْكَ وَمِنْ رَسُوْلِكَ

"تمام تر تعریفیں رب العالمین کے لیے ہیں، خدایا! یہ رزق تیری اور تیرے رسولؐ کی جانب سے ہے"۔

اس پر ابوحنیفہ کہنے لگا: اے ابوعبداللہؑ! کیا آپؑ خدا کے لیے شریک بنا رہے ہیں؟!

امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: تو ہلاک ہو جائے۔ کیا تُو نے خدا کی کتاب نہیں پڑھی؟ وہ ارشاد فرماتا ہے:

وَ مَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (سورۂ توبہ: آیت ۷۴)

"انھیں اس بات پر غصہ ہے کہ اللہ اور اُس کے رسولؐ نے اپنے فضل سے ان (مسلمانوں) کو دولت سے مالا مال کر دیا ہے"۔

ایک دوسرے مقام پر وہ ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗٓ (سورۂ توبہ: آیت ۵۹)

"اور کیا ہی اچھا ہوتا کہ اللہ اور اُس کے رسولؐ نے جو کچھ اُنھیں دیا ہے، وہ اس پر راضی ہو جاتے اور کہتے: ہمارے لیے اللہ کافی ہے، عنقریب اللہ اپنے فضل سے ہمیں بہت کچھ دے گا اور اُس کا رسولؐ بھی"۔

یہ سن کر ابوحنیفہ کہنے لگا: خدا کی قسم! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں یہ آیات ابھی ابھی سن رہا ہوں اور اس سے پہلے مجھے ان کی بالکل خبر نہ تھی!!

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیوں نہیں، بلکہ تم نے ان دونوں آیتوں کو پڑھا بھی ہے اور سنا بھی ہے لیکن خداوند متعال نے تجھے اور تجھ جیسوں کے بارے میں یہ آیات نازل کی ہیں:

اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (سورۂ محمد: آیت ۲۴)

"کیا یہ قرآن مجید میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں"۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ○

ہرگز نہیں، بلکہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے دل زنگ آلود ہو چکے ہیں"۔ (سورۂ مطففین: آیت ۱۴)

③ عبدالرحمٰن بن سالم سے مروی ہے، اُنھوں نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ابوجعفر منصور ملعون کے پاس آئے تو ابوحنیفہ اپنے

ساتھیوں سے کہنے لگا: آؤ! رافضیوں کے امامؑ کی طرف جاتے ہیں۔ آج ہم ان سے ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کریں گے کہ وہ دنگ رہ جائیں گے۔

ابوحنیفہ کی بات سن کر اُس کے ساتھی اُس کے ہمراہ چل پڑے اور جب وہ امام علیہ السلام کے پاس پہنچے تو امام علیہ السلام نے اُس کی طرف دیکھ کر فرمایا:

اے نعمان! میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، مَیں جو بات تم سے پوچھوں گا وہ مجھے سچ سچ بتانا۔ کیا تم نے اپنے ساتھیوں سے یہ نہیں کہا تھا کہ آؤ! رافضیوں کے امامؑ کے پاس جا کر اُسے حیران کرتے ہیں؟!

اس نے جواب دیا: جی ایسا ہی ہے۔

پھر امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: اب جو چاہو، پوچھ لو...... الی آخر الخبر۔

④ عیسیٰ بن عبداللہ القرشی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ابوحنیفہ، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آیا تو امام علیہ السلام نے اُس سے پوچھا: اے ابوحنیفہ! مجھے خبر ملی ہے کہ تم قیاس کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں، آپؑ نے صحیح سنا ہے۔

امام علیہ السلام نے اُسے فرمایا: قیاس نہ کیا کرو، کیونکہ سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس تھا کہ جب اس نے کہا: "مجھے تُو نے آگ سے بنایا ہے اور اسے (یعنی حضرت آدمؑ کو) مٹی سے"۔

پس اس نے آگ اور مٹی کے مابین قیاس کیا۔ اگر وہ حضرت آدم علیہ السلام کی نُورانیت کو آگ کی نُورانیت کے ساتھ قیاس کرتا تو اُسے پتا چل جاتا کہ ان دونوں نُوروں میں سے کون سا نُور زیادہ اور دوسرے کی نسبت اُجلا ہے۔

⑤ محمد بن مسلمؒ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ابوحنیفہ، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس آکر کہنے لگا: میں نے دیکھا کہ آپؑ کے فرزند حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے جبکہ لوگ اُن کے آگے سے گزر رہے تھے۔ اُنھوں نے لوگوں کو اس سے منع نہ کیا اور اپنی عبادت میں مصروف رہے۔

ابوحنیفہ کی بات سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: موسیٰ کاظمؑ کو بلایا جائے۔ جب وہ آئے تو

امام علیہ السلام نے اُن سے فرمایا: جانِ پدر! ابوحنیفہ کہہ رہا ہے کہ آپؑ نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ آپؑ کے آگے سے گزر رہے تھے تو آپؑ نے اُنھیں منع نہ کیا؟

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

جی بابا جانؑ! ایسا ہی ہے، کیونکہ جس کی نماز میں پڑھ رہا تھا وہ ان لوگوں سے زیادہ میرے قریب تھا۔

جیسا کہ وہ ارشاد فرماتا ہے:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ

اس پر امام جعفر صادق علیہ السلام نے اُنھیں اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا: "میرے ماں باپ آپؑ پر فدا، اے گنجینۂ اسرار"۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابوحنیفہ! تمھارے نزدیک قتل بڑا گناہ ہے یا زنا؟

اُس نے جواب دیا: قتل بڑا گناہ ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خداوند عالم نے قتل میں دو جبکہ زنا میں چار گواہ پیش کرنے کا حکم کیوں دیا ہے؟ اسے کیسے قیاس سے معلوم کیا جائے گا؟

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: نماز چھوڑ دینا زیادہ سخت گناہ ہے یا روزہ چھوڑ دینا؟

اُس نے جواب دیا: نماز چھوڑ دینا زیادہ سخت ہے۔

اُس کا جواب سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: پھر عورت روزوں کی قضا کیوں کرتی ہے جبکہ نماز کی قضا نہیں کرتی؟ (یعنی عورت کے لیے اس حکمِ شرع کی وجہ کیا ہے؟) اسے کیسے قیاس سے معلوم کیا جائے گا؟

خدا تجھ پر رحم کرے [1] اے ابوحنیفہ! روزی کمانے میں عورتیں کمزور ہیں یا مرد؟

---

[1] قارئین کرام! یہاں کلمہ "وَیْحَکَ" وارد ہوا ہے۔ یہ ہلاکت و رحمت دونوں کی دُعا کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور یہاں ہم نے اس کا ترجمہ "خدا تجھ پر رحم کرے" بمعنی خدا تمھیں ہدایت دے، کیا ہے اور یہ خاصانِ خدا کا شیوہ و شعار ہوتا ہے کہ وہ جسے بھی مخاطب کرنا چاہیں، پہلے اُسے دُعا دیتے ہیں، پھر مخاطب کرتے ہیں۔ واللہ العالم (از مترجم)

وہ بولا: عورتیں زیادہ ضعیف ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا نے (میراث میں) عورت کا ایک حصّہ اور مرد کے دو حصّے کیوں رکھے ہیں؟ اسے کیسے قیاس سے معلوم کیا جائے گا۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابوحنیفہ! بتاؤ پاخانہ زیادہ نجس ہوتا ہے یا منی؟

اُس نے جواب دیا: پاخانہ زیادہ نجس ہوتا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: بتاؤ پاخانہ نکلنے کی صورت میں استنجا کو کافی کیوں سمجھا جاتا ہے اور منی نکلنے کی صورت میں غسل کیوں کرنا پڑتا ہے؟ اب اسے کیسے قیاس سے معلوم کیا جائے گا؟

ابوحنیفہ، خدا تمھیں ہدایت دے، کیا تم اس بات کے قائل ہو کہ جو کچھ خداوندعالم نازل کر چکا ہے ایسا دوبارہ نازل ہوگا؟

ابوحنیفہ نے کہا: میں تو اس قول سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم اور تمھارے پیرو اسی کے قائل ہو مگر تمھیں اس کا شعور نہیں۔

ابوحنیفہ نے کہا: میں آپؑ پر قربان جاؤں مجھے کوئی ایسی حدیث بتایئے کہ جسے ہم آپؑ کے حوالے آگے نقل کریں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: مجھ سے بیان کیا میرے بابا حضرت امام محمدؑ بن علیؑ نے، انھوں نے نقل کیا اپنے بابا حضرت امام علیؑ بن الحسینؑ سے، اُنھوں نے نقل کیا اپنے بابا حضرت امام حسینؑ بن علیؑ سے، اور اُنھوں نے نقل کیا اپنے بابا حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ سے، آپؑ فرماتے ہیں: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ''بے شک خداوندعالم اہلِ بیت علیہم السلام کا میثاق اعلیٰ علیین سے لیا ہے اور ہمارے شیعوں کی خلقت کی طینت ہماری طینت سے لی ہے۔ اگر آسمان اور زمین والے سب مل کر بھی اس (میثاق) میں کوئی تبدیلی کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں گے''۔

راوی کہتا ہے: یہ حدیث سن کر ابوحنیفہ اور اُس کے ساتھی دھاڑیں مار مار کر روئے۔ پھر امام علیہ السلام کے پاس سے چلے گئے۔

⑥ حارث بن تیہان سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ابن شبرمہ نے مجھ سے کہا: میں اور ابوحنیفہ، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں امام علیہ السلام کا دوست تھا، میں نے سلام کے بعد امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: خدا آپؑ کو سلامت رکھے، یہ شخص اہلِ عراق میں سے ہے اور یہ بڑا فقیہ اور دانا ہے۔

امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: شاید یہ وہی شخص ہے کہ جو دین میں اپنی رائے سے قیاس کرتا ہے۔

پھر امام علیہ السلام نے میری طرف دیکھ کر فرمایا: یہ نعمان بن ثابت تو نہیں؟

ابوحنیفہ نے کہا: خدا آپؑ کا بھلا کرے آپؑ درست فرما رہے ہیں۔

اس پر امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: خدا سے ڈرو اور دین میں اپنی رائے سے قیاس نہ کیا کرو، کیونکہ سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس تھا کہ جب اُسے خداوند عالم نے سجدے کا حکم دیا تو اُس نے یہ کہا تھا: ”میں اس (یعنی حضرت آدمؑ) سے بہتر ہوں (کیونکہ) مجھے تُو نے آگ سے بنایا ہے اور اُسے مٹی سے“۔

پھر امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: کیا تُو اپنے سر کا قیاس اپنے بدن پر کرسکتا ہے؟

وہ بولا: نہیں۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے اُس سے پوچھا: مجھے بتا آنکھوں میں نمکینی، کانوں میں کڑواہٹ، ناک میں پانی اور ہونٹوں میں مٹھاس کیوں ہوتی ہے اور یہ سب کس وجہ سے ہے؟

وہ بولا: مجھے معلوم نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: خداوند عالم نے دو آنکھیں خلق فرمائیں تو انھیں چربی سے بنایا اور فرزند آدمؑ پر احسان کرتے ہوئے اس نے ان میں نمکینی پیدا کردی۔ اگر یہ نمکینی نہ ہوتی تو یہ دونوں ختم ہوجاتیں۔ اس نے فرزند آدمؑ پر احسان کرتے ہوئے اس کے دونوں کانوں میں تلخی و کڑواہٹ کو خلق فرمایا۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو کان کے راستے سے کیڑے مکوڑے داخل ہوجاتے اور انسان کے دماغ کو کھاجاتے، اس نے نتھنوں میں پانی اس لیے بنایا تاکہ سانس آجاسکے اور انسان بدبو سے خوشبو محسوس کرسکے (یعنی ان دونوں میں تمیز کرسکے) اور اس

نے ہونٹوں میں مٹھاس اس لیے خلق کی تا کہ فرزندِ آدمؑ اس سے کھانے اور پانی کا مزہ لے سکے۔

پھر امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: بتاؤ، وہ کلمہ کون سا ہے کہ جس کی ابتدا شرک سے ہوتی ہے اور انتہا ایمان پر؟

وہ بولا: معلوم نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ کلمہ لا إلٰہ إلا اللہ ہے۔

پھر امام علیہ السلام نے اُس سے پوچھا: خدا کے نزدیک انسان کا قتل بڑا گناہ ہے یا زنا؟

وہ بولا: قتل بڑا گناہ ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پھر خداوند عالم قتل میں دو گواہوں پر راضی کیوں ہو جاتا ہے جبکہ زنا میں وہ چار گواہ طلب کرتا ہے؟

پھر امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: خدا کے نزدیک روزے کی عظمت زیادہ ہے یا نماز کی؟

اُس نے جواب دیا: نماز کی عظمت زیادہ ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تو کیا وجہ ہے کہ عورت ایامِ حیض (وغیرہ) گزرنے کے بعد (حکمِ شرع کی بنا پر) روزوں کی تو قضا کرتی ہے، لیکن نماز کی قضا نہیں کرتی؟

پھر امام علیہ السلام نے اُسے یوں تنبیہ فرمائی:

> ''اے بندۂ خدا! خدا سے ڈرو کیونکہ کل جب ہم سب اور ہمارے مخالفین خداوند عزوجل کی بارگاہ میں پیش ہوں گے تو ہم کہیں گے: ہم کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جبکہ تم اور تمھارے ساتھی کہا کرتے تھے: فلاں نے ہم سے بیان اور فلاں نے روایت کیا، پھر خداوند عالم جو چاہے گا ہمارے اور تمھارے ساتھ کرے گا''۔

ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ ابوحنیفہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: تم کون ہو؟

اُس نے جواب دیا: ابوحنیفہ۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: کیا تم اہلِ عراق کے مفتی ہو؟

وہ بولا: جی ہاں۔

امام علیہ السلام نے اُس سے پوچھا: تم اُنھیں کس چیز کے مطابق فتویٰ بتاتے ہو؟

اُس نے جواب دیا: اللہ کی کتاب کے مطابق۔

امام علیہ السلام نے اُس سے پوچھا: کیا تم کتابِ خدا کے ناسخ ومنسوخ اور محکم ومتشابہ کا علم رکھتے ہو؟

اُس نے جواب دیا: جی ہاں، مجھے اس کا علم ہے۔

اس پر امام علیہ السلام نے فرمایا: اچھا تو مجھے اس فرمانِ الٰہی: وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ ① کے بارے میں بتاؤ کہ اس سے مراد کون سی جگہ ہے؟

ابوحنیفہ نے جواب دیا: یہ مکہ ومدینہ کے درمیان والی جگہ ہے۔

اس کا جواب سن کر امام علیہ السلام نے اپنی محفل میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: میں تمھیں خداوند متعال کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، مجھے بتاؤ کیا تم مکہ ومدینہ کے درمیان اس حالت میں سفر نہیں کرتے کہ اس سفر میں تمھارے خون بہائے جانے سے اور تمھارے اَموال چوری کیے جانے سے محفوظ نہیں رہتے؟ (یعنی کیا مکہ ومدینہ کے درمیان سفر میں قتل وغارت گری اور لوٹ مار نہیں ہوتی؟)

اُنھوں نے جواب دیا: ہم خدا کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ ایسا ہوتا ہے۔

پھر امام علیہ السلام نے ابوحنیفہ کی طرف دیکھ کر فرمایا: خدا تجھے ہدایت دے، خدا (کی بات میں ذرا برابر بھی باطل نہیں ہوتا اور وہ) سوائے حق کے کچھ بھی نہیں کہتا۔

اچھا! اب مجھے اس فرمانِ الٰہی وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا کے بارے میں بتاؤ کہ اس سے مراد کون سا مقام ہے؟

اس نے جواب دیا: اس سے مراد بیت اللہ الحرام ہے۔

یہ جواب بھی سن کر امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی محفل میں موجود افراد کی طرف توجہ کی اور فرمایا: میں تمھیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں بتاؤ کیا تم جانتے ہو کہ عبداللہ بن زبیر اور

---

① سورۂ سبا: آیت ۱۸

سعید بن جبیر بیت اللہ میں داخل تو ہوئے مگر قتل ہونے سے نہ بچ پائے؟

اُنھوں نے جواب دیا: خدایا! ہم تمھیں گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ یہ صحیح ہے۔

حاضرینِ محفل کا جواب سن کر امام علیہ السلام نے پھر فرمایا: خدا تجھے غارت کرے، اے ابوحنیفہ! وہ سوائے حق کے کچھ بھی نہیں کہتا۔

اس پر ابوحنیفہ کہنے لگا: میں کتابِ خدا کو نہیں جانتا، مجھے بس قیاس کرنا آتا ہے۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: اچھا! اگر تو قیاس ہی کرتا ہے تو بتا کہ تیرے قیاس کے مطابق خدا کے نزدیک قتل کرنا بڑا گناہ ہے یا زنا کرنا؟

اُس نے جواب دیا: قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پھر خداوند عالم قتل کے معاملے میں دو گواہ کیوں قبول کرتا ہے جبکہ زنا میں تو وہ چار گواہ پیش کرتا ہے؟

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: بتاؤ! نماز افضل ہے یا روزہ؟

اُس نے جواب دیا: نماز افضل ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پھر تمھارے قیاس کے مطابق تو حائضہ پر ایامِ حیض میں رہ جانے والی نمازوں کی قضا واجب ہوگی نہ کہ روزوں کی۔ حالانکہ خداوند عالم نے تو اُس پر نماز کے بجائے روزوں کی قضا بجالانا واجب قرار دی ہے۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا: پیشاب زیادہ نجس ہوتا ہے یا منی؟

وہ بولا: پیشاب زیادہ نجس ہوتا ہے۔

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: پھر تمھارے قیاس کی بنا پر تو منی کی بجائے پیشاب نکلنے پر غسل واجب ہونا چاہیے حالانکہ خداوند عالم نے تو پیشاب کی بجائے منی نکلنے پر غسل واجب کیا ہے۔

جب وہ ان اشکالات کا کوئی حل نہ پیش کر سکا تو کہنے لگا: میں تو صرف ایک صاحبِ رائے ہوں۔

اس پر امام علیہ السلام نے فرمایا: اچھا بتاؤ! اس شخص کے بارے میں تمھاری رائے کیا ہے کہ آقا اور غلام ایک ہی رات نکاح کرتے ہیں اور ایک ہی رات دونوں اپنی اپنی بیویوں کے

ساتھ جماع کرتے ہیں۔ پھر وہ اپنی اپنی بیویوں کو ایک ہی گھر میں چھوڑ کر سفر پر چلے جاتے ہیں تو وہ دونوں دو بچے جنتی ہیں۔ پھر مکان کی چھت گر جاتی ہے اور وہ دونوں عورتیں اس کے نیچے دب کر مر جاتی ہیں لیکن وہ دو بچے زندہ بچ جاتے ہیں۔ اب تمھاری رائے کے مطابق ان دونوں میں سے کون سا بچہ مالک اور کون سا بچہ مملوک ہوگا؟ بتاؤ کہ ان میں سے کون سا بچہ وارث اور کون سا بچہ موروث ہوگا؟

اس پر وہ کہنے لگا: میرا کام تو صرف حد جاری کرنا ہے۔

امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: تم اس اندھے شخص پر کیا حد جاری کرو گے جس نے کسی صحیح آنکھ والے کی آنکھ پھوڑ دی ہو اور اسی طرح اس ہاتھ کٹے شخص پر کیا حد لگاؤ گے جس نے صحیح ہاتھ والے کا ہاتھ کاٹ دیا ہو؟

اس پر وہ عذر کرنے لگا: مجھے تو صرف انبیاءؑ کے مباعث (یعنی بھیجے جانے) کا علم ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پھر مجھے خداوند عالم کے اس قول کے بارے میں بتاؤ (یعنی جو اس نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:) لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى۔

کیا تمھاری نظر میں لَعَلَّ شک کے لیے ہوتا ہے؟

وہ بولا: جی! ایسا ہی ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا جب خدا کے کلام میں بھی لَعَلَّ آئے تو بھی اس کا معنی شک والا ہوگا؟

ابو حنیفہ بولا: مجھے اس کا علم نہیں۔

(جب ہر طرح سے اس کی نااہلی عیاں ہوگئی) تو امام علیہ السلام نے فرمایا: تُو سمجھتا ہے کہ تُو کتابِ خدا کے مطابق فتویٰ دیتا ہے جبکہ اس کے وارثوں میں سے نہیں، پھر تو خود کو صاحبِ قیاس سمجھتا ہے حالانکہ سب سے پہلے قیاس کرنے والا ابلیس تھا اور اس کے علاوہ دینِ اسلام کی بنیاد بھی قیاس پر نہیں رکھی گئی۔ پھر تو خود کو صاحبِ رائے و نظر کہتا ہے اور رائے اگر رسولِ خدا کی جانب سے ہو تو وہ صحیح ہوتی ہے اور اگر ان سے ہٹ کر ہو تو خطا پر مبنی ہوتی ہے۔

کیونکہ خداوندعالم آپؐ کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللهُ

اور اس نے آپؐ کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے ایسا نہیں ارشاد فرمایا۔ پھر تُو نے اپنا صاحب حدود ہونا بیان کیا ہے حالانکہ انھیں جس پر نازل کیا گیا وہ تم سے بہتر انھیں جانتا ہے۔

پھر تو خود کو مباعث انبیاءؑ کا عالم سمجھتا ہے جبکہ خاتم النبیین ﷺ تم سے زیادہ اُن کے مباعث کو جانتے تھے۔ اگر یہ نہ کہا جاتا کہ وہ فرزند رسولؐ کے پاس آیا اور اُنھوں نے کسی چیز کے بارے میں پوچھا ہی نہیں تو میں تم سے کسی بھی چیز کا نہ پوچھتا۔ اگر تُو قیاس ہی کرتا ہے تو کرتا رہ۔

اس پر ابوحنیفہ کہنے لگا: میں اس ملاقات کے بعد کبھی دینِ خدا میں رائے و قیاس کے مطابق بات نہیں کروں گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، کیونکہ ریاست وسرداری کی محبت تمھیں اسی طرح نہیں چھوڑے گی کہ جس طرح اُس نے تم سے پہلے لوگوں کو نہیں چھوڑا تھا۔

قارئین کرام! میں آپ کو بتاتا ہوں کہ امام علیہ السلام نے ابوحنیفہ پر یہ سوالات اس لیے کیے تاکہ اُس سے اس کا احکامِ شرعیہ کے اِستنباط سے عاجز ہونا اور آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر سے جاہل ہونا واضح وآشکار ہوجائے۔ اور ظاہر ہے کہ ان تمام مسائل کا حل اس امامِ معصوم علیہ السلام کی طرف رجوع کرنے میں منحصر ہے کہ جس پر رسولِ خدا ﷺ نے نص فرمائی اور اسے اپنے علوم کا وارث بنایا۔

ابوزہیر بن شعیب بن انس سے مروی ہے، اُنھوں نے اپنے کسی دوست سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا کہ قبیلہ کندہ کا ایک لڑکا امام علیہ السلام کی محفل میں آیا۔ اس نے امام علیہ السلام سے چند مسائل کے بارے میں فتویٰ طلب کیا تو امام علیہ السلام نے اُسے فتویٰ بتایا۔ اس لڑکے کی شکل وصورت اور اس کا سوال میرے ذہن میں بیٹھ گیا۔ جب مَیں کوفہ میں آیا تو ابوحنیفہ کے پاس گیا۔ وہاں جاکر میں نے دیکھا کہ وہی لڑکا، وہی سوال لیے اس کے پاس بھی موجود تھا تو اس نے اس لڑکے کو جو فتویٰ دیا وہ

امام علیہ السلام کے فتویٰ کے برعکس تھا۔

اس پر میں نے کھڑے ہو کر اُس سے کہا: اے ابوحنیفہ! خدا تیرا بُرا کرے! اس سال جب میں حج پر گیا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہاں میں نے اسی لڑکے کو اس سوال کے ساتھ پایا تھا لیکن امام علیہ السلام نے اسے تمھارے فتویٰ کے برعکس فتویٰ بتایا تھا۔ یہ سن کر وہ کہنے لگا: جعفر صادقؑ کو کیا خبر؟! میں ان سے بڑا عالم ہوں۔ میں نے جہاں دیکھا ہے اور اس علم کو زمانے کی برجستہ اور اوّل درجے کی شخصیات کی زبانون سے سنا ہے اور جہاں تک امام جعفر صادق علیہ السلام کی بات ہے تو وہ کتابوں کے بندے ہیں اور ان کا علم صرف چند کتابوں کے مطالعے تک محدود ہے۔

جب میں نے اُس کی زبان سے یہ ناگفتہ بہ الفاظ امام علیہ السلام کے بارے میں سنے تو میں نے دل میں کہا: "یا خدا! میں اگلی دفعہ حج ضرور کروں گا خواہ اس کے لیے مجھے خود کو وہاں تک گھسیٹ کر ہی لے جانا پڑے"۔

راوی کہتا ہے: میں حج کی طلب میں تھا حتیٰ کہ مجھے اس کی سعادت نصیب ہوگئی۔ جب میں حج سے فارغ ہو چکا تو میں امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے ابوحنیفہ کی ساری باتیں امام علیہ السلام کے گوش گزار کر دیں۔

اس پر امام علیہ السلام مسکرانے لگے۔ پھر فرمایا: اس نے جو مجھے مردِ صحفی (یعنی صحیفوں کا پڑھنے والا یا محاورتاً کتابوں کا بندہ) کہا، درست کہا۔ کیونکہ میں نے اپنے آبائے کرام حضرت ابراہیم و حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفے پڑھے ہیں۔

میں نے اُن سے کہا: اور ایسے صحیفے پڑھنے والا ہو بھی کون سکتا ہے؟!!

راوی کہتا ہے: تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازے پر دستک دی۔ اس وقت امام علیہ السلام کے پاس اپنے اصحاب کی ایک جماعت بھی تھی۔ آپؑ نے غلام سے فرمایا: جاؤ دیکھو باہر کون ہے؟

غلام نے آکر بتایا: باہر ابوحنیفہ آیا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اسے اندر لے آؤ۔ وہ اندر آیا۔ اس نے امام علیہ السلام کو سلام عرض کیا

اور امامؑ نے اُس کے سلام کا جواب دیا۔ پھر وہ بولا: خدا آپ کا بھلا کرے کیا آپؑ مجھے بیٹھنے کی اجازت نہیں دیں گے؟

امام علیہ السلام اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر ان کے ساتھ باتوں میں مشغول ہو گئے اور اس کی طرف توجہ نہ کی۔ جب اس نے دو تین بار یہی سوال دہرایا اور امام علیہ السلام نے اُس کی طرف توجہ نہ کی تو وہ امام علیہ السلام کی اجازت کے بغیر خود ہی بیٹھ گیا۔ جب امام علیہ السلام کو پتہ چل گیا کہ وہ بیٹھ گیا ہے تو امام علیہ السلام نے اُس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ابوحنیفہ کہاں بیٹھا ہے؟

جواب دیا گیا: خدا آپ کا بھلا کرے وہ وہاں بیٹھا ہے۔

امام علیہ السلام نے اُس سے پوچھا: کیا تم اہلِ عراق کے فقیہ ہو؟

اُس نے جواب دیا: جی ہاں!

امام علیہ السلام نے پوچھا: تم انھیں کس چیز کے مطابق فتویٰ بتاتے ہو؟

وہ بولا: اللہ کی کتاب اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابوحنیفہ! کیا تو کتابِ خدا کی کماحقہ معرفت رکھتا ہے اور ناسخ و منسوخ کو جانتا ہے؟

اس نے جواب دیا: جی ہاں، میں جانتا ہوں۔

اس پر امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابوحنیفہ! تُو نے بہت بڑے علم کا دعویٰ کر دیا ہے، تیرا بُرا ہو، یہ علم تو صرف خداوندعالم نے اہلِ کتاب کے پاس قرار دیا ہے کہ جن پر اُس نے اس کتاب کو نازل فرمایا۔ تیرا بُرا ہو، یہ علم تو خاص طور پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذُریت کے پاس ہے اور خدا نے تجھے اس کے ایک حرف کا بھی وارث نہیں بنایا ہے اور اگر تُو اپنی بات میں سچا ہے تو مجھے اس فرمانِ الٰہی کے بارے میں بتا:

سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ

یہ مقام زمین میں کہاں ہے؟

اس نے جواب دیا: میں اسے مکہ و مدینہ کے درمیان سمجھتا ہوں۔

اس کا جواب سن کر امام علیہ السلام اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

کیا تم جانتے ہو کہ مکہ و مدینہ کے درمیان لوگوں کو ڈاکے پڑ جاتے ہیں اور ان کا مال و متاع چھین لیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح ان کی جانیں بھی محفوظ نہیں رہتی اور انھیں موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا ہے؟

اُنھوں نے جواب دیا: جی ہاں، آپؑ درست فرما رہے ہیں۔

راوی کہتا ہے: یہ سن کر ابوحنیفہ خاموش ہوگیا۔ الی آخر الحدیث۔

واضح رہے کہ یہ حدیث بھی سابقہ حدیث کے قریب قریب ہی ہے۔ ایک دفعہ ابوحنیفہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے کچھ علمی باتیں سننے کے لیے آیا تو امام علیہ السلام عصا کا سہارا لے کر چل پڑے۔ اس پر وہ کہنے لگا: فرزندِ رسولؐ! ابھی آپؑ اتنے بزرگ نہیں ہوئے کہ آپؑ کو عصا کے سہارے کی ضرورت پڑے۔

امام علیہ السلام نے اُسے فرمایا: بات اسی طرح ہے جیسا کہ تم کہہ رہے ہو مگر یہ رسولؐ خدا کا عصا ہے اور میں نے اسے تبرک کے طور پر اُٹھایا ہوا ہے۔

یہ سن کر ابوحنیفہ یہ کہتا ہوا اُچھل کر اس کی طرف بڑھا: فرزندِ رسولؐ! ٹھہریے! میں اسے بوسہ دینا چاہتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے اپنی آستین اُوپر چڑھا کر اس سے فرمایا: باخدا! تم جانتے ہو کہ یہ (میری) جلد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلد ہے اور یہ (میرے) بال رسولؐ اللہ کے بال ہیں، اس کے باوجود بھی تم ان کا بوسہ نہیں لیتے اور عصا کا بوسہ لیتے ہو؟

فقیہ مدینہ مالک بن انس، دَرمحضر صادقِ آلِ محمدؐ

مالک بن انس فقہ مالکی کا امام اور مدینہ کا فقیہ تھا۔ یہ بڑے ادب و احترام کے ساتھ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے بیٹھتا تھا اور اُن کے بحرِ علم سے سیرابی حاصل کرتا تھا۔ اس نے اپنے کلام میں امام عالی مقام علیہ السلام کی سیرتِ مبارکہ کا تعارف بڑے اچھے انداز میں کرایا ہے اور اُن کی الٰہی شخصیت کو خوب اُجاگر کیا ہے۔

محمد بن زیاد الازدی سے مروی ہے، وہ کہتا ہے: میں نے سنا فقیہ مدینہ حضرت مالک

بن انس یہ کہہ رہے تھے: جب بھی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں جاتا تو آپؑ بڑی گرم جوشی سے میرا استقبال کرتے، میری قدر و منزلت کا لحاظ فرماتے اور یہ کہتے تھے:

اے مالک! میں تجھے پسند کرتا ہوں۔ اس سے مجھ کو بڑی خوشی ہوتی تھی اور میں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد بجالاتا تھا۔

امام مالک کا کہنا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام تین حالتوں میں سے کسی نہ کسی ایک حالت میں ضرور ہوتے۔ آپؑ روزے سے ہوتے یا عبادتِ خداوندی میں قیام فرما رہے ہوتے اور یا ذکرِ خدا میں مشغول رہتے تھے۔

آپؑ بہت بڑے عابد و زاہد اور خوفِ خدا رکھنے والے انسان تھے۔ جب آپؑ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی فرمان پیش کرنے لگتے تو کبھی آپؑ (کے چہرۂ مبارک) کا رنگ سبز ہوجاتا اور کبھی زرد ہوجاتا حتیٰ کہ آپؑ کو اچھے طریقے سے جاننے والا شخص بھی آپؑ کو نہ پہچان پاتا۔

ایک سال میں نے ان کے ہمراہ حج کیا۔ انھوں نے احرام کے لیے اپنی سواری کو روکا اور تلبیہ (1) پڑھنے لگے۔ تب میں نے دیکھا کہ آپؑ جب بھی تلبیہ پڑھتے آپؑ کی آواز گلے میں اٹک جاتی اور آپؑ اپنی سواری سے گرنے کے قریب پہنچ جاتے۔ اس پر میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا:

فرزندِ رسولؐ! ہمت کیجیے، آپؑ کو یہ پڑھنا تو ضرور پڑے گا۔

آپؑ نے ارشاد فرمایا: اے ابن ابی عامر، میں لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ کہنے کی جسارت کیسے کروں، مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ یہ نہ کہہ دے: لَا لَبَّیْكَ وَلَا سَعْدَیْكَ۔

نوفلی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں فقیہ مدینہ امام انس بن مالک کو یہ کہتے ہوئے سنا: خدا کی قسم! میری آنکھ نے زُہد و بزرگی اور عبادت و تقویٰ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

---

(1) تلبیہ احرام کے واجبات میں سے ہے اور اس کا مطلب احرام باندھتے وقت یہ ذکر پڑھنا ہے:
لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ، لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ
اس کی مزید تفصیل فقہی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ (از مترجم)

سے بڑھ کر کسی کو بھی نہیں پایا۔ میں ان کے پاس جایا کرتا تو وہ میرے ساتھ شفقت و اکرام کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ایک دن میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا:

اے فرزندِ رسولؐ! جو شخص ماہِ رجب المرجب کا ایک روزہ ایمان و احتساب کے ساتھ رکھے تو اس کا ثواب کتنا ہے؟

آپؑ نے ارشاد فرمایا: (اور خدا کی قسم! آپؑ جو فرماتے سچ فرماتے) مجھ سے بیان کیا میرے باباؑ نے، انھوں نے نقل کیا اپنے باباؑ سے، اور انھوں نے نقل کیا اپنے دادا (حضرت علی علیہ السلام) سے، آپؑ فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص بھی ماہِ رجب المرجب کا ایک روزہ ایمان و احتساب کے ساتھ رکھے گا اسے بخش دیا جائے گا۔

پھر میں نے پوچھا: اے فرزندِ پیغمبرؐ! ماہِ شعبان کا ایک روزہ رکھنے والے کا کیا ثواب ہے؟

آپؑ نے ارشاد فرمایا: مجھ سے بیان کیا میرے باباؑ نے، انھوں نے نقل کیا اپنے باباؑ سے اور انھوں نے نقل کیا اپنے دادا (حضرت علی علیہ السلام) سے، آپؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص بھی ماہِ شعبان کا ایک روزہ ایمان و احتساب کے ساتھ رکھے گا تو اسے بخش دیا جائے گا“۔

مسئلہ امامت کے موضوع پر امام علیہ السلام کے اصحاب کے مناظرے

یونس بن یعقوبؒ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آپؑ کے شاگردوں کی ایک جماعت موجود تھی اور ان میں حمرانؒ بن اعین، محمد بن نعمانؒ، ہشام بن سالمؒ اور طیارؒ شامل تھے اور ایک دوسری جماعت بھی تھی کہ جس میں ہشام بن حکم کچھ اور افراد کے ہمراہ تھے۔ ہشامؒ اُس وقت جواں تھے۔

امام عالی مقام علیہ السلام نے اُنھیں مخاطب کر کے فرمایا: اے ہشامؒ! بتاؤ گے نہیں کہ تم نے عمرو بن عبید کے ساتھ کیا کیا؟ اور اُسے کس طرح سے لاجواب کیا؟

ھشام بولے: فرزندِ پیغمبرؐ! آپؑ کی بزرگی اور آپؑ سے حیا کے پیشِ نظر میری زبان میں آپؑ کے سامنے بولنے میں طاقت نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جب میں تمھیں کسی چیز کا حکم دوں تو اُسے کر دیا کرو (یعنی تمھارا یہ طریقہ اپنی جگہ درست ہے، لیکن جب مَیں اجازت دے دوں تو اُس میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

یہ سن کر ھشامؒ کہنے لگا: مجھے خبر ملی کہ عمرو بن عبید ایسا نظریہ رکھتا ہے اور بصرہ کی مسجد میں بیٹھتا ہے۔ مجھے یہ بات بڑی گراں گزری۔ سو مَیں اُس کے فتنے کو دبانے کے لیے نکل پڑا اور مَیں جمعہ کے روز بصرہ پہنچ گیا۔ جب میں مسجد میں پہنچا تو دیکھا کہ عمرو بن عبید کے گرد لوگوں کا ایک بہت بڑا حلقہ لگا ہوا ہے۔ اس نے پشم کی بنی ہوئی سیاہ چادر اُوڑھی ہوئی تھی اور لوگ اُس سے اپنے اپنے مسائل دریافت کر رہے تھے۔ میں نے اپنے بیٹھنے کی جگہ بنانے کے لیے لوگوں کو ساتھ ساتھ ہونے کا کہا تو اُنھوں نے ساتھ ساتھ ہو کر مجھے بیٹھنے کی جگہ دے دی۔ اور میں سب سے آخر میں اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ پھر میں نے اسے یوں مخاطب کیا:

اے عالم! مَیں ایک مسافر ہوں اور تم سے ایک مسئلہ دریافت کرنے آیا ہوں۔ کیا تم مجھے اجازت دو گے کہ مَیں تم سے سوال کروں۔

اُس نے کہا: کیوں نہیں سوال کرو۔

میں نے پوچھا: کیا تمھاری آنکھ ہے؟

اُس پر وہ کہنے لگا: بیٹے! یہ بھی بھلا کوئی پوچھنے والی بات ہے؟ جو چیز تمھیں نظر آ رہی ہے تم اس کے بارے میں کیوں سوال کرتے ہو؟

میں نے کہا: میں ایسے ہی سوال کیا کرتا ہوں۔

وہ بولا: بیٹے! اگرچہ تمھارا سوال اُحمقانہ ہے، لیکن کوئی بات نہیں، پوچھو۔

میں نے کہا: کیا تم مجھے جواب دو گے؟

اُس نے کہا: پوچھو۔

میں نے کہا: کیا تمھاری آنکھ ہے؟

وہ بولا: ہاں! ہے۔

میں نے پوچھا: تم اُس سے کون سا کام لیتے ہو؟

وہ بولا: میں اس کی مدد سے مختلف صورتوں اور لوگوں کی پہچان کرتا ہوں۔

پھر میں نے پوچھا: کیا تمھاری ناک ہے؟

وہ بولا: جی ہاں! ہے۔

میں نے کہا: تم اس سے کیا کام لیتے ہو؟

اُس نے جواب دیا: میں اُس سے خوشبو سونگھتا ہوں۔

پھر میں نے پوچھا: کیا تمھارا منہ ہے؟

وہ بولا: جی ہاں! ہے

میں نے کہا: تم اس سے کیا کام لیتے ہو؟

اس نے جواب دیا: میں اس کی مدد سے کھانے کا مزہ لیتا ہوں۔

پھر میں نے پوچھا: کیا تمھارا کان ہے؟

وہ بولا: جی! ہے۔

میں نے کہا: تم اس سے کون سا کام لیتے ہو؟

اُس نے جواب دیا: میں اس کی مدد سے آوازیں سنتا ہوں۔

پھر میں نے پوچھا: کیا تمھارا دل ہے؟

وہ بولا: جی ہاں! ہے۔

میں نے پوچھا: تم اس سے کون سا کام لیتے ہو؟

اس نے جواب دیا: جو کچھ میری اِن حسّوں اور جوارح پر وارد ہوتا ہے میں اس کی مدد سے انھیں پہچانتا ہوں (کہ یہ غلط ہے یا صحیح؟ اور مناسب ہے یا غیر مناسب)۔

میں نے پوچھا: کیا یہ جوارح دل کے بغیر کام نہیں کر سکتے؟

وہ بولا: نہیں۔

میں نے پوچھا: ایسا کیوں نہیں ہوتا؟ حالانکہ یہ حسّیں اور جوارح اپنی جگہ صحیح و سالم ہوتے ہیں؟

اُس نے جواب دیا: میرے بیٹے! اگر تجھے اپنے اعضا و جوارح میں سے کسی کے کام میں کوئی شک پڑے گا تو تُو اسے دل کی طرف لوٹائے گا۔ پھر اس سے تمھیں یقین حاصل ہو جائے گا اور تیرا شک زائل ہو جائے گا۔

ہشام کہتا ہے: اس کی یہ بات سن کر میں نے اس سے کہا: اس کا مطلب یہ ہوا کہ خداوند عالم نے دل کو اعضا و جوارح کے شک کو ختم کرنے کے لیے بنایا ہے؟

اس نے جواب دیا: ہاں، تم نے درست سمجھا۔

میں نے کہا: یعنی دل کا ہونا اشد ضروری ہے، وگرنہ اعضاء و جوارح کے اَفعال یقینی نہ ہوں گے؟

اس نے کہا: ہاں! بالکل ایسا ہی ہے۔

جب میں اس کی زبان سے اتنا کچھ اُگلوا چکا تو میں نے اُس سے کہا:

اے ابا مروان! تم کیا سمجھتے ہو کہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے تمھارے اعضا و جوارح کو تو ایک ایسے امامؑ کے بغیر نہیں چھوڑا کہ جو ان کی درست راہ کی طرف راہنمائی کرے اور ان کے شک کو ختم کر کے یقین کی طرف لے جائے اور اس ساری مخلوق کو ایک امامِ برحق کے بغیر چھوڑ دیا ہے، تا کہ یہ ہمیشہ شک وحیرت اور اختلاف وانتشار میں مبتلا رہیں؟

بتاؤ کہ اس نے ان کا کوئی امام کیوں نہیں بنایا کہ جو انھیں شک وحیرت سے نجات دے، حالانکہ اُس نے تیرے اعضا و جوارح کا تو ایک ایسا امام بنا دیا ہے کہ جو انھیں شک و حیرت سے نجات دیتا ہے؟ ایسا بھلا کیونکر ممکن ہے؟

ہشام کہتا ہے: میری یہ باتیں سن کر وہ بالکل خاموش ہو گیا اور آگے ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا۔

پھر اُس نے میری طرف توجہ کی اور مجھ سے پوچھا: کیا تم ہشام بن حکم ہو؟

میں نے جواب دیا: نہیں۔

پھر اُس نے پوچھا کیا تم اس کی محفل میں بیٹھنے والوں میں سے ہو؟

میں نے جواب دیا: نہیں۔

اس پر وہ کہنے لگا: پھر تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟

میں نے اُسے جواب دیا: میں اہلِ کوفہ میں سے ہوں۔

یہ سن کر وہ کہنے لگا: پھر تو تم وہی ہو۔ پھر اس نے مجھے اپنے پاس بلا لیا، مجھے اپنی جگہ پر بٹھایا اور جب تک میں وہاں بیٹھا رہا وہ خاموش رہا۔ پھر میں وہاں سے نکل آیا۔

ہشامؓ کی زبانی یہ واقعہ سن کر امام عالی مقام علیہ السلام مسکرانے لگے اور فرمایا: اے ہشامؓ! تمھیں یہ کس نے سکھایا ہے؟

میں نے عرض کیا: یہ آپؑ کی بارگاہ سے پایا ہوا فیض ہے۔

اس پر امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: خدا کی قسم! یہ حضرات ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے۔

قارئین کرام! واضح رہے کہ یہاں ہشامؓ بن الحکم نے مصلحت کے تحت اس کے سامنے اپنا نام ذکر نہیں کیا کیونکہ اگر وہ اپنا نام صراحت کے ساتھ بتا دیتے تو اس منحرف قاضی اور اُس کے ساتھیوں کی جانب سے اذیت میں مبتلا ہو جاتے۔ اس لیے آپؓ اُن کے شر سے بچنے کے لیے تقیہ پر عمل کیا اور اس کی تائید امام علیہ السلام کے سکوت وعدم انکار سے بھی ہوتی ہے اور ہر حال میں یہ راوی بہترین ثقہ اور صادق راویوں میں سے ایک ہے۔

② یونس بن یعقوب سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا کہ اہلِ شام میں سے ایک شخص آپؑ کے پاس آ کر کہنے لگا: میں علمِ کلام، علمِ فقہ اور علمِ فرائض میں مہارت رکھتا ہوں اور یہاں آپؑ کے شاگردوں کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے آیا ہوں۔

امام علیہ السلام نے اُس سے پوچھا: تمھارا (علم و) کلام رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل ہوا ہے یا تمھاری ذاتی اختراع ہے؟

اُس نے کہا: اس میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام بھی ہے اور میرا بھی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پھر تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شریک ٹھہرے؟

اُس نے کہا: نہیں! ایسا نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تو پھر کیا تم نے خدا کی جانب سے وحی سنی ہے کہ اس کے بارے

میں وہ تجھے بتا رہا ہے؟

اس نے کہا: نہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر ایسا ہو تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح تمھاری اطاعت بھی واجب ہوگی؟

اس نے کہا: نہیں۔

پھر امام علیہ السلام نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے یونس بن یعقوبؒ! یہ شخص کلام کرنے سے پہلے ہی اپنا دشمن بن گیا ہے۔

پھر فرمایا: دروازے سے باہر جاؤ اور جو بھی متکلم (علمِ کلام کا ماہر) ملے اُسے لے آؤ۔

وہ کہتا ہے: امام علیہ السلام کا حکم ملنے پر مَیں گیا اور حمران بن اعین، احول، ہشام بن سالم اور قیس بن الماصر کو لے آیا۔ یہ سبھی علمِ کلام میں بڑے ماہر تھے۔ مگر قیس بن الماصر اس علم کو باقی صاحبان سے زیادہ اُحسن انداز میں جانتے تھے۔ اور اُنھوں نے علمِ کلام حضرت امام علی بن الحسین علیہما السلام سے سیکھا تھا۔

ہماری مجلس طے ہوگئی (امام علیہ السلام اپنے معمول کے مطابق حج سے کچھ دن پہلے حرم کے ایک کونے میں ایک پہاڑ میں بنائے گئے سائے میں ٹھہرتے تھے)۔

راوی کہتا ہے: امام علیہ السلام نے اپنا سرِ مبارک اس سائے سے نکالا تو آپؑ کو گرد اُڑاتا ہوا ایک اُونٹ نظر آیا۔ آپؑ فرمانے لگے: ربِ کعبہ کی قسم! یہ ہشام آرہا ہے۔

راوی کہتا ہے: امام علیہ السلام کے اندازِ کلام سے ہم نے سمجھا کہ شاید وہ ہشام آرہا ہے کہ جو اولادِ عقیل میں سے ہے کیونکہ آنجنابؑ اُسے بہت چاہتے تھے، مگر جب وہ قریب آیا تو تب ہمیں پتا چلا کہ یہ تو ہشام بن حکم ہے۔ یہ عمر کے لحاظ سے ہم سب سے کم سن تھے۔

راوی کہتا ہے: امام علیہ السلام نے بڑی وسعتِ قلبی کے ساتھ اُس کا استقبال کیا اور فرمایا: "یہ شخص اپنے دل، زبان اور ہاتھ سے ہماری مدد کرنے والا ہے"۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے حمران! اس شامی سے بحث کرو۔ جب حمران نے اس کے ساتھ بحث کی تو اُسے مغلوب کر دیا۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: اے طاق (احول) اس سے بحث ومباحثہ کرو، تو اس نے اپنی علمی گفتگو سے شامی کو مغلوب کر دیا۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ہشام بن سالم! اس سے مناظرہ کرو۔ اس دوران شامی اور امام علیہ السلام کا یہ شاگرد ایک دوسرے کے برابر برابر رہے۔

پھر امام علیہ السلام نے قیس الماصر سے فرمایا: اب اس کے ساتھ تم بحث ومباحثہ کرو، تو یہ اس شامی کے ساتھ بحث وتمحیص میں مشغول ہو گئے۔ امام علیہ السلام ان دونوں کی گفتگو سننے لگے اور شامی کے شکست خوردہ چہرے کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: اس لڑکے (یعنی ہشام بن حکم) کے ساتھ بات چیت کرو تو شامی نے امام علیہ السلام کی اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے ہشام سے کہا: اے لڑکے! اس شخص (یعنی امام صادق علیہ السلام) کی امامت کے بارے میں مجھ سے سوال کرو۔

اس پر ہشام کو غصہ آ گیا اور انھوں نے شامی کی طرف ہیبت بھری نظروں سے دیکھ کر فرمایا: او کوڑھ مغز! بتا کیا تیرا رب اپنی مخلوق کے لیے بہتر فیصلہ کر سکتا ہے یا اس کی مخلوق اس کے بغیر بھی اپنا فیصلہ خوب کر لیتی ہے؟

شامی نے کہا: نہیں، میرا رب اپنی مخلوق کے لیے زیادہ بہتر فیصلہ کر سکتا ہے۔

ہشام نے سوال کیا: اچھا تو، بتاؤ کہ اس نے اس اعتبار سے اپنی مخلوق کی بہتری کے لیے فیصلہ کیا ہے؟

شامی نے کہا: اس نے اپنی مخلوق لیے حجت ودلیل بنائی ہے، تا کہ وہ اختلاف وانتشار سے بچے رہیں اور وہ حجت انھیں جوڑے رکھتی ہے، اُن کی شیرازہ بندی قائم رکھتی ہے اور انھیں ان کے پروردگار کے فرض سے آگاہ کرتی ہے۔

ہشام نے پوچھا: تو وہ حجت کون ہے؟

شامی نے جواب دیا: وہ حجت رسولؐ خدا ہیں۔

ہشام نے پوچھا: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وہ حجت کون ہے؟

شامی نے جواب دیا: کتاب وسنت۔

ہشام نے پوچھا: آج کتاب وسنت ہمارے اختلافات کو ختم کرنے کے لیے کافی ہیں؟

شامی نے کہا: کیوں نہیں۔

اس پر ہشام نے کہا: پھر ہمارے اور تمھارے درمیان اختلاف کی وجہ کیا ہے؟ اور تو کیوں ہماری مخالفت میں شام سے یہاں آیا ہے؟

راوی کہتا ہے: جب شامی نے ہشام کا یہ جواب سنا تو اُس کا ناطقہ بند ہو گیا اور اس نے چپ سادھ لی۔

یہ دیکھ کر امام علیہ السلام نے شامی سے فرمایا: تو بولتا کیوں نہیں؟ ہشام کو جواب دے۔

اس پر شامی کہنے لگا: اگر مَیں یہ کہوں کہ ہمارا آپس میں کوئی اختلاف نہیں تو یہ جھوٹ ہوگا۔ اگر مَیں یہ کہوں کہ کتاب وسنت ہمارے اختلافات کو ختم کر دینے کے لیے کافی ہیں تو میرا یہ کہنا بھی غلط ہوگا کیونکہ ان دونوں کی بھی آگے بہت سی مختلف صورتیں بنتی ہیں۔ اور اگر مَیں یہ کہوں کہ ہم سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور اس کے ساتھ ہم میں سے ہر ایک اپنے حق پر ہونے کا دعویٰ بھی کرتا ہے تو اس صورت میں تو کتاب وسنت ہمارے اختلافات کو ختم کرنے والی نہیں۔

امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: ان (ہشام) سے پوچھو، تم انھیں علم وحکمت سے بھرا ہوا پاؤ گے۔

اس پر شامی نے ہشام کو مخاطب کر کے سوال کیا: اے بندۂ خدا! بتا کہ مخلوق کے لیے کون بہتر فیصلہ کر سکتا ہے؟ ان کا ربّ یا وہ خود؟

ہشام نے جواب دیا: ان کا ربّ ان کے بارے میں خود ان سے بہتر فیصلہ کر سکتا ہے۔

شامی نے پوچھا: تو کیا اس نے اپنا کوئی ایسا نمایندہ بنایا ہے کہ جو ان کی شیرازہ بندی کو قائم رکھے، ان کی کجی کی اصلاح کرے اور انھیں باطل سے بچا کر حق کی طرف لائے؟

ہشام نے پوچھا: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کی بات کر رہے ہو یا اب کی؟

شامی نے کہا: اس زمانے میں تو نمائندۂ پروردگار رسولِ خدا ہی تھے۔ یہ تو مَیں جانتا ہوں لیکن میرا سوال یہ ہے کہ اب ایسا کون ہے جسے خدا کا نمائندہ کہا جا سکے؟

ہشام نے (امام عالی مقام علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے) کہا: یہ وہ محکم ستون ہیں کہ

جن کا سہارا لینے کے لیے قافلوں کے قافلے ان کی جانب کھینچے چلے آتے ہیں اور یہ ہمیں زمین و آسمان کی باتیں بتاتے ہیں اور یہ مقام اُنھوں نے اپنے باپ دادا سے ورثے میں پایا ہے۔

شامی نے کہا: مجھے اس کا پتہ کیسے چلے گا؟

ہشام نے کہا: تم اپنی تسلی کے لیے جو چاہو ان سے پوچھ کر آزمالو۔

اس پر شامی نے کہا: آپ نے تو میرا ہر طرح کا عذر ختم کر دیا ہے، لہٰذا اب مجھ پر لازم ہو گیا ہے کہ میں سوال کروں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے شامی! میں تجھے بتاتا ہوں کہ تمھارا سفر کیسا تھا اور تم کس راہ سے آرہے ہو؟ پھر امام علیہ السلام نے اُسے اس کے سفر کے اَحوال وغیرہ بتائے تو وہ کہنے لگا: آپؑ سچ فرما رہے ہیں، میں اب خدا کے لیے مسلمان ہوا ہوں۔

امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: بلکہ اب تُو خدا پر ایمان لایا ہے، کیونکہ اسلام، ایمان سے پہلے والی حالت ہوتی ہے اور اسی پر ہی لوگ ایک دوسرے کے وارث بنتے ہیں اور اسی پر ہی ان کے نکاح ہوتے ہیں جبکہ ایمان پر اُنھیں ثواب دیا جاتا ہے۔

اس پر شامی نے کہا: آپؑ سچ فرماتے ہیں:

فَأَنَا السَّاعَةَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ) وَاَنَّكَ وَصِيُّ الْاَوْصِيَاءِ.....

"یعنی میں اب گواہی دیتا ہوں کہ خداوند عالم کے علاوہ کوئی معبود نہیں، حضرت محمدؐ اُس کے رسولؐ ہیں اور آپؑ اوصیاء (رسولؐ) کے ایک وصی ہیں"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور دُعاؤں کی قبولیت

یہ بات ہر قسم کے تعجب و حیرت سے بلند تر ہے کہ خدا کا کوئی مومن بندہ اُس سے دعا کرے اور اُس کی بارگاہ میں کوئی حاجت پیش کرے تو وہ اسے قبول فرمالے۔ جیسا کہ اس کی صراحت عبادت و دُعا کے حکم پر مشتمل آیات اور بالخصوص اس آیت اُدْعُوْنِی اَسْتَجِبْ لَکُمْ سے بھی ملتی ہے۔ لیکن عام بندوں اور خدا کے اولیاء کی دُعا میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

اوّلاً یہ کہ اُن کی دُعائیں خداوند عالم سے پوشیدہ نہیں رہتیں، کیونکہ جو چیزیں دُعاؤں کی قبولیت میں رکاوٹ بنتی ہیں وہ انسانوں کے گناہ ہوتے ہیں جبکہ خدا کے اولیاء تو گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، لہٰذا یہ ایک طبیعی اَمر ہے کہ ان بزرگان کے خدا کے نزدیک قربت و بلند مقام ہونے کی وجہ سے ان کی دُعائیں قبولیت و استجابت کے ساتھ ملی ہوئی ہوں۔

ثانیاً یہ کہ خدا کے اولیاء مصالح ربانیہ و حکمِ الٰہیہ کے عالم ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب حکمت الٰہیہ کا تقاضا ہوتا ہے تب وہ دُعا کرتے ہیں وگرنہ وہ اپنا معاملہ خداوند عالم کی قضا و قدر کے حوالے کردیتے ہیں کیونکہ اس قضا و قدر میں خداوند عالم کی کچھ پوشیدہ مصلحتیں ہوتی ہیں، جو بعض اوقات لوگوں پر آشکار ہوجاتی ہیں اور بعض اوقات خدا کے علم میں ہی مخزون و مکنون رہتی ہیں۔

اسی بنا پر بعض اوقات حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بعض لوگوں کو دُعا اور بعض کو بددُعا دیا کرتے تھے۔ وہ بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوجایا کرتی تھیں۔ اس کی بہت سی مثالیں ہم نے ''موسوعہ امام جعفر صادق علیہ السلام'' میں ذکر کردی ہیں۔

ہمارے محترم قارئین پر واضح ہونا چاہیے کہ امام علیہ السلام چونکہ معصوم ہوتا ہے اور اُس کے پاس اسمِ اعظم ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی ہر دُعا مستجاب ہوتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ بعض اوقات امام علیہ السلام کی دُعا فوراً قبول ہوتی ہے اور بعض اوقات کچھ وقت گزرنے کے بعد

قبول ہوتی ہے۔ جیسا کہ آپؑ نے اپنے ایک صحابی کے لیے مال و اولاد کی کثرت اور حج کی دُعا پچاس بار فرمائی تھی۔

یہاں ہم امام علیہ السلام کی دُعاؤں کے فوراً قبول ہو جانے کے بعض نمونے اپنے قارئین کی نذر کرتے ہیں۔

لوگوں کا امام علیہ السلام کو اپنی بیماریوں سے شفایابی کا وسیلہ بنانا

سدیر صیرفیؒ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ایک عورت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آ کر عرض کرنے لگی: قربان جاؤں، میرے ماں باپ اور ہمارے گھر والے سب آپؑ پر محبت و ولا رکھتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم نے سچ کہا، بتاؤ کیا چاہتی ہو؟

اس عورت نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! میں آپؑ پر قربان، میرے بازو پر برص کے نشانات پڑ گئے ہیں۔ آپؑ خدا سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے اس تکلیف سے نجات دے۔

امام علیہ السلام نے یوں دُعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَتُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ اَلْبِسْهَا مِنْ عَفْوِكَ وَعَافِيَتِكَ مَا تَرَىٰ اَثَرَ اِجَابَةِ دُعَائِي

وہ عورت کہتی ہے: جب میں اٹھی تو میری تکلیف مکمل طور پر دُور ہو چکی تھی۔

معزز قارئین! اس عورت کا ایمان تھا کہ شفا تو خداوند عالم کے ہاتھ میں ہے اور اسے اس بیماری سے شفا دینے والا وہی ہے لیکن اس نے اپنی فطرتِ سلیمہ کی بنا پر درک کر لیا تھا۔ اس کے اس مرض سے چھٹکارا پانے کے لیے بہترین وسیلہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔ اسی لیے اس نے امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ وہ اس کی صحت یابی کے لیے خداوند سبحان کی بارگاہ میں دُعا فرمائیں۔ امام علیہ السلام نے بھی اس کی اُمید و توقع کو مایوسی میں تبدیل نہیں کیا اور نہ اُس کے اس توسّل کو کفر و حرام کہا، بلکہ اس کے حق میں خداوند منّان کی بارگاہ میں دُعا فرمائی اور وہ فوراً قبول ہوئی۔

واضح رہے کہ معصومؑ سے توسّل کرنا قرآنِ کریم سے ثابت ہے جیسا کہ سورۂ نساء کی ۶۴ ویں آیت میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ توسّل کرنے اور رسولؐ اللہ کی دُعا کا لوگوں کی مغفرت کا سبب ہونا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا

''اور کاش جب ان لوگوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا تو آپؐ کے پاس آتے اور خود بھی اپنے گناہوں کے لیے استغفار کرتے اور رسولؐ بھی ان کے حق میں استغفار کرتے تو یہ خدا کو بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے''۔

اسحاق، اسماعیل اور یونس بنی عمار سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: یونس کے چہرے پر برص کے نشانات ظاہر ہو گئے تھے۔ امام علیہ السلام نے اُن کی پیشانی کی طرف دیکھا۔ پھر دو رکعت نماز ادا کی اور پھر خداوند عالم کی حمد و ثنا اور نبی کریم ﷺ کی ذات پر درود بھیجنے کے بعد یہ دُعا پڑھی:

يَا اَللّٰهُ يَا اَللّٰهُ يَا اَللّٰهُ، يَا رَحْمٰنُ يَا رَحْمٰنُ يَا رَحْمٰنُ، يَا رَحِيْمُ يَا رَحِيْمُ يَا رَحِيْمُ ، يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ، يَا سَمِيْعَ الدَّعَوَاتِ ، يَا مُعْطِيَ الْخَيْرَاتِ، صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اَهْلِ بَيْتِهِ الطَّاهِرِيْنَ، وَاصْرِفْ شَرَّ الدُّنْيَا وَشَرَّ الْاٰخِرَةِ، وَاَذْهِبْ عَنِّيْ مَا بِيْ فَقَدْ غَاظَنِيْ ذٰلِكَ وَاَحْزَنَنِيْ

راوی کہتا ہے: خدا کی قسم! ہمارے مدینہ سے نکلنے سے پہلے اس کے چہرے سے برص کے داغ آٹے کے چھان کی مانند اُڑنے لگے اور غائب ہو گئے۔

حکم بن مسکین کہتے ہیں: میں نے خود اُسے دیکھا تھا، اس کے چہرے پر برص کے سفید داغ موجود تھے لیکن جب وہ واپس آیا تو اس کے چہرے پر کوئی داغ نہ تھا۔

قارئین کرام! واضح رہے کہ اس روایت کو ہم نے اصل کتاب میں اسی طرح پایا ہے۔

ممکن ہے صحیح یوں ہو کہ امام علیہ السلام نے اُسے دو رکعت نماز پڑھنے اور یہ دُعا تلاوت کرنے کا حکم دیا ہو یا دُعا کے فقرات میں اصرف عنی کی جگہ اصرف عنہ ہو اور باقی فقرات بالکل اسی طرح ہوں۔

بکر بن محمد الازدی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: مکہ کے راستے میں میرے ایک رشتہ دار پر جنّوں کا سایہ پڑ گیا۔ جب ہم امام علیہ السلام کی خدمت میں آئے تو آپؑ سے اس کا ذکر کیا اور اس سلسلے میں آپؑ کی خدمت میں دُعا کی درخواست کی۔ امام علیہ السلام نے دُعا فرمائی۔

بکر کہتا ہے: میں نے اُسے جونہی دیکھا تو اس کی حالت کو اچھا پایا۔

امام عالی مقام علیہ السلام کے بھانجے، حضرت اُمِ سلمہؓ کے بیٹے اسماعیل بن ارقط سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں ماہِ رمضان المبارک میں سخت بیمار ہوا اور اس بیماری سے میرا انتقال ہو گیا۔

جب یہ خبر بنی ہاشم نے سنی تو وہ رات کے وقت میرے جنازے کے لیے اکٹھے ہو گئے۔ وہ میری میت کو دیکھ رہے تھے اور میری والدہ گرامی کی آہ و بکا بہت بلند ہو رہی تھی۔ اس پر میرے ماموں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے میری والدہ سے فرمایا: مکان کی چھت پر جا کر کھلے آسمان کے نیچے کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھو اور سلام پھیرنے کے بعد یوں دعا کرو:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ وَهَبْتَهٗ لِيْ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا اَللّٰهُمَّ وَاِنِّيْ اِسْتَوْهِبُكَهٗ مُبْتَدِئًا فَاَعِرْنِيْهِ

وہ بتاتے ہیں کہ جب میری مادرِ گرامی نے امام علیہ السلام کے بتائے ہوئے اس عمل کو بجا لایا تو میں اُٹھ بیٹھا۔ پھر اُنھوں نے آٹے اور شکر کا بنا ہوا حلوہ منگوا کر اس سے سحری کی اور میں نے بھی ان کے ساتھ سحری کی۔

معاویہ بن وھب سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: اہلِ مرو میں سے ایک شخص نے امام علیہ السلام کی خدمت میں اپنے بیٹے کے سر کے درد کی شکایت کی تو امام علیہ السلام نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر یہ آیت اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَا اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ تلاوت فرمائی تو وہ خدا کے اِذن سے صحت یاب ہو گیا۔

جمیل سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا کہ ایک عورت آپؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی: میرا بیٹا مر گیا ہے اور مَیں اُس کے چہرے پر کپڑا اوڑھے آئی ہوں۔

امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: ہو سکتا ہے وہ ابھی نہ مرا ہو، لہٰذا تم یہاں سے اُٹھو اور گھر جا کر غسل کر کے دو رکعت نماز ادا کرو اور اس طرح سے کرو:

يَامَنْ وَهَبَهٗ لِيْ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا جَدِّدْ هِبَتَهٗ لِيْ

اس کے بعد اُسے ہلانا جلانا اور اس کی خبر کسی کو نہ ہونے دینا۔

وہ عورت کہتی ہے: جب میں نے امام علیہ السلام کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کر کے اُسے حرکت دی تو وہ زور زور سے رونا شروع ہو گیا (یعنی مَیں نے اُسے زندہ پالیا)۔

لوگوں کا امام علیہ السلام کو بلاؤں کے رفع دفع کے لیے وسیلہ بنانا

روایت کیا گیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام میزابِ رحمت کے نیچے کھڑے تھے اور آپؑ کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ اتنے میں ایک بوڑھا شخص آیا اور سلام عرض کرنے کے بعد کہنے لگا:

اے فرزندِ رسولؐ! میں آپؑ اہلِ بیت علیہم السلام سے محبت کرتا ہوں اور آپؑ کے دشمنوں سے تبرا و برأت کا اظہار کرتا ہوں۔

مولاؑ! میں ایک بڑی تکلیف میں مبتلا ہوں۔ میں اسی تکلیف سے چھٹکارا پانے کے لیے بیت اللہ میں آیا اور اس کے غلاف کے ساتھ چمٹ گیا۔ پھر میں نے آپؑ کو دیکھا تو اِدھر چلا آیا۔ اور مجھے اُمید ہے کہ میرا یہاں آنا میری تکلیف سے نجات کا سبب بن جائے گا۔

یہ کہتے ہوئے وہ رو پڑا اور امام علیہ السلام کے سر اور پاؤں پر بوسے دینے لگا تو امام علیہ السلام پیچھے کی جانب ہٹے اور اُس پر ترس کھا کر گریہ فرمانے لگے۔ پھر امام علیہ السلام نے اپنے ہمراہ موجود لوگوں سے فرمایا:

یہ تمھارا بھائی اپنی تکلیف سے نجات حاصل کرنے کی خاطر تمھارے پاس آیا ہے۔ لہٰذا

تم اپنے ہاتھوں کو اس کی خاطر دُعا کے لیے بلند کرو تو ہم نے اپنے ہاتھ دُعا کی خاطر بلند کیے اور امام علیہ السلام نے بھی اپنے مبارک ہاتھوں کو اُوپر اُٹھایا اور اس کے لیے یوں دُعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ ! اِنَّكَ خَلَقْتَ هٰذِهِ النَّفْسَ مِنْ طِيْنَةٍ اَخْلَصْتَهَا وَجَعَلْتَ مِنْهَا اَوْلِيَاءَكَ وَاَوْلِيَاءَ اَوْلِيَائِكَ. وَاِنْ شِئْتَ اَنْ تُنَحِّيَ عَنْهَا الْآفَاتِ فَعَلْتَ.

اَللّٰهُمَّ ! وَقَدْ تَعَوَّذَ (نَا) بِبَيْتِكَ الْحَرَامِ الَّذِيْ يَأْمَنُ بِهٖ كُلُّ شَيْءٍ، اَللّٰهُمَّ وَقَدْ تَعَوَّذَ بِنَا. وَاَنَا اَسْئَلُكَ ! يَا مَنِ احْتَجَبَ بِنُوْرِهٖ عَنْ خَلْقِهٖ. اَسْئَلُكَ. بحق محمد وعلی وفاطمة والحسن والحسین. يَا غَايَةَ كُلِّ مَحْزُوْنٍ وَمَلْهُوْفٍ وَمَكْرُوْبٍ وَمُضْطَرٍّ مُبْتَلًى اَنْ تُؤْمِنَهٗ بِاَمَانِنَا مِمَّا يَجِدُ، وَاَنْ تَمْحُوا مِنْ طِيْنَتِهٖ مَا قُدِّرَ عَلَيْهَا مِنَ الْبَلَاءِ، وَاَنْ تُفَرِّجَ كُرْبَتَهٗ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

جب امام علیہ السلام کی دُعا ختم ہوئی تو وہ شخص چل پڑا اور جب مسجد کے دروازے کے پاس پہنچا تو روتے ہوئے واپس آ گیا اور کہنے لگا: اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کس جگہ قرار دے۔ خدا کی قسم! میں ابھی مسجد کے دروازے کے پاس بھی نہ پہنچا تھا کہ میری ساری تکلیف رفع ہو گئی۔ یہ کہہ کر وہ شخص واپس چلا گیا۔

امام علیہ السلام کی بددُعا سے ایک ناصبی کا ہلاک ہو جانا

علی بن اسماعیل بن شعیب بن میثم بن یحیٰی التمار المعروف ''المیثمی'' کہتے ہیں: ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ ہم امام علیہ السلام کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ آپؑ نے اپنے غلام سے فرمایا: جاؤ اور ہمارے لیے آبِ زمزم لے آؤ۔ امام علیہ السلام کا حکم ملتے ہی غلام پانی لینے کے لیے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب امام علیہ السلام کا غلام واپس آیا تو اُس کے ہمراہ پانی نہ تھا۔ اُس نے امام علیہ السلام کو بتایا کہ ایک لڑکے نے مجھے یہ کہہ کر پانی سے روک دیا ہے کہ تو عراق کے خدا کے لیے پانی لے کر جانا چاہتا ہے۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے کھانے سے ہاتھ اُٹھالیا اور آپؑ کے لب ہائے مبارک ہلنے لگے۔ پھر آپؑ نے غلام سے فرمایا: واپس جاؤ اور ہمارے لیے پانی لے آؤ۔ اسے یہ حکم دینے کے بعد امام علیہ السلام کھانا تناول فرمانے لگے۔ آپؑ کا غلام پانی تو لے آیا مگر اُس کے چہرے کا رنگ اُڑا ہوا تھا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تجھے کیا ہوا ہے؟

غلام کہنے لگا: جس لڑکے نے مجھے پانی لینے سے روکا تھا وہ چاہِ زمزم میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا ہے اور لوگ اُسے نکال رہے ہیں۔

اس پر امام علیہ السلام نے خداوند عالم کی حمد بیان کی۔

امام علیہ السلام کی بددُعا اور والی مدینہ کی ہلاکت

ابنِ سنان سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: اس وقت ہم مدینہ میں تھے کہ جب والی مدینہ داؤد بن علی نے معلّیٰ بن خنیس کی طرف اپنے لوگوں کو بھیج کر اُسے قتل کروا دیا تھا۔ جب امام علیہ السلام کو یہ خبر ملی تو آپؑ ایک مہینہ اُس سے دُور رہے اور اُس کے پاس نہ گئے۔

ابنِ سنان کہتے ہیں: جب اس نے اتنے عرصے تک امام علیہ السلام کو نہ دیکھا تو اپنے کسی بندے کو ان کی طرف بھیجا تاکہ وہ اُنھیں اُس کی طرف سے دربار میں حاضر ہونے کا پیغام دے۔ مگر جب امام علیہ السلام کو اس کا پیغام ملا تو آپؑ نے دربار میں حاضر ہونے سے انکار کر دیا۔

پھر اس نے امام علیہ السلام کی طرف اپنے پانچ سپاہیوں کو یہ حکم دے کر بھیجا: اُنھیں میرے پاس لے آؤ، اگر وہ انکار کریں تو اُنھیں زبردستی لے آنا یا ان کا سرتن سے جدا کر کے میرے پاس لے آنا۔

جب وہ امام علیہ السلام کے پاس آئے تو اُس وقت ہم، امام علیہ السلام کے ساتھ نمازِ ظہر ادا کر رہے تھے۔ وہ امام علیہ السلام کے قریب آ کر کہنے لگے: داؤد بن علی کو جواب دیجیے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر نہ دوں تو؟

وہ بولے: پھر ہمیں اس کے حکم کے مطابق آپؑ کا سرِ مبارک اُسے پیش کرنا ہوگا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ تم فرزندِ رسولؐ کو قتل کرو گے؟
وہ بولے: ہم آپؑ کی کوئی بات نہیں سنیں گے۔ ہمیں تو صرف والی مدینہ کا حکم پورا کرنا ہے۔
امام علیہ السلام نے فرمایا: واپس چلے جاؤ یہ دنیا و آخرت دونوں میں تمھارے حق میں اچھا ہوگا۔

وہ کہنے لگے: خدا کی قسم! ہم آپؑ کو اپنے ساتھ لے کر جائیں گے، یا آپؑ کا سر!
راوی کہتا ہے: جب امام علیہ السلام کو یقین ہوگیا کہ یہ لوگ مجھے یا میرے سر کو لیے بغیر یہاں سے نہ جائیں گے تو آپؑ نے اپنے ہاتھوں کو اُوپر اُٹھا کر اپنے کندھوں پر رکھا، پھر پھیلا دیا۔ پھر امام علیہ السلام نے اپنی اُنگشت شہادت کو دعا کے لیے کھڑا کیا تو ہم نے سنا، وہ کہہ رہی تھی: اَلسَّاعَة. اَلسَّاعَة (ابھی! ابھی!)

پھر ہم نے ایک زوردار چیخ سنی، اس پر سپاہی امام علیہ السلام سے کہنے لگے: اُٹھیے۔
امام علیہ السلام نے فرمایا: تمھارا والی مر گیا، اور یہ چیخ اُسی کے مرنے پر بلند ہوئی ہے۔ تم اپنے میں سے کسی کو بھیج کر اس خبر کی تصدیق کر سکتے ہو۔ اگر یہ رونے کی آواز اس کی موت پر نہ ہوئی تو مَیں خود ہی تمھارے ساتھ چلا جاؤں گا۔ (اور تمھیں زور زبردستی کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی)۔

اُن سپاہیوں نے اپنے میں سے ایک سپاہی کو اس خبر کی تحقیق کے لیے بھیج دیا اور کچھ ہی دیر بعد اُس نے واپس آکر خبر دی: بھائیو! واقعاً والی مدینہ کا انتقال ہوگیا ہے اور یہ رونے کی آوازیں اسی کے مرنے پر بلند ہوئی ہیں۔
یہ خبر سنتے ہی تمام سپاہی واپس چلے گئے۔

اس پر میں نے امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: قربان جاؤں، یہ کیا ماجرا ہے؟
امام علیہ السلام نے فرمایا: اس نے میرے دوست معلیٰ بن خنیس کو قتل کر دیا تھا اور میں نے ایک مہینے سے اُس کے ساتھ میل ملاپ ختم کیا ہوا تھا۔ اس نے پیغام بھیج کر مجھے بلایا۔ مگر مَیں نہ گیا اور اگر اب کی بار بھی مَیں نہ جاتا تو مجھے مار دیا جاتا، لہٰذا میں نے خدا کی بارگاہ میں اس کے اسم اعظم کے ساتھ دُعا کی تو اس نے ایک فرشتے کو ایک نیزہ دے کر بھیجا اور اس نے اس

نیزے سے اس کا کام تمام کر دیا...... الی آخر الحدیث۔

امام علیہ السلام کا کھانے اور لباس کے لیے خدا سے دُعا کرنا

لیث بن سعد سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے سن ۱۱۳ ہجری میں حج کیا۔ جب میں مکہ آیا تو نمازِ عصر ادا کرنے کے بعد مَیں کوہِ ابوقبیس پر چڑھا۔ وہاں میں نے ایک شخص کو دیکھا جو یَارَبِّ، یَارَبِّ کہہ رہا تھا، حتیٰ کہ اس کی سانس ٹوٹ گئی۔ پھر اس نے رَبِّ رَبِّ کہا، حتیٰ کہ اس کی سانس ختم ہو گئی۔ پھر اس نے یَااَللّٰہُ، یَااَللّٰہُ کہا حتیٰ کہ اس کی سانس ٹوٹ گئی۔ پھر اس نے یَاحَیُّ یَاحَیُّ کہا یہاں تک کہ اس کی سانس ختم ہو گئی۔ پھر اُس نے کہا: یَارَحِیْمُ یَارَحِیْمُ کہا یہاں تک کہ اُس کی سانس ٹوٹ گئی۔ پھر اُس نے یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ کہا یہاں تک کہ اُس کی سانس سات بار ختم ہوئی۔ پھر اس نے یہ دُعا کی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَشْتَھِی مِنْ ھٰذَا الْعِنَبِ فَاَطْعِمْنِیْهِ. اَللّٰھُمَّ! وَاِنَّ بُرْدَیَّ قَدْ اَخْلَقَا

"خدایا! میں یہ اُنگور کھانا چاہتا ہوں، سو تُو مجھے کھلا اور خدایا! میری یہ دونوں چادریں بھی بوسیدہ ہو چکی ہیں (سو تو مجھے نئی چادریں عطا فرما)۔

لیث کہتا ہے: خدا کی قسم! ابھی اس شخص کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ میں نے اُس کے سامنے اُنگوروں سے بھرا ہوا ایک طشت (حالانکہ ان دنوں پوری زمین میں کہیں بھی اُنگور نہ تھے) اور نئی تیار کی ہوئی دو چادریں دیکھیں۔ جب وہ شخص اُنگور تناول کرنے لگا تو میں نے اُس سے کہا: اس میں مَیں بھی آپؑ کے ساتھ شریک ہوں۔

اس نے پوچھا: وہ کیسے؟

میں نے کہا: کیونکہ آپؑ دُعا فرما رہے تھے اور مَیں آمین کہہ رہا تھا۔

اُس نے کہا: اچھا تم آؤ اور کھاؤ۔

مَیں نے اُنگور کھانے لگ گیا۔ ان اُنگوروں میں بیج نہ تھے اور ایسے اُنگور میں نے

زندگی بھر نہیں کھائے تھے۔ میں مزے مزے کے ساتھ انھیں کھاتا رہا حتیٰ کہ مَیں مکمل طور پر سیر ہوگیا لیکن وہ طشت ویسے کا ویسا ہی بھرا ہوا تھا۔ پھر اس شخص نے مجھ سے کہا: ان میں سے ایک چادر تم اُٹھالو۔

میں نے عرض کیا: مجھے چادر کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر اُس شخص نے کہا: اچھا تو پھر تم ایک طرف ہو کر چھپ جاؤ تاکہ میں انھیں پہنوں۔ میں چھپ گیا اور اس نے ایک چادر کو پہنا اور دوسری کو اُوپر اُوڑھ لیا۔ پھر وہ پرانی دو چادریں لے کر پہاڑ سے نیچے اُتر آیا اور میں بھی اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑا یہاں تک کہ جب وہ شخص سعی کے مقام پر پہنچا تو ایک سائل نے اس سے سوال کیا: مجھے لباس دیجیے، خدا آپؑ کو لباس دے گا۔

اُس نے وہ دو چادریں اُس سائل کو دے دیں۔ اس پر مَیں اس سائل کے قریب گیا اور اُس سے اس شخص کی بابت دریافت کیا تو اُس نے بتایا کہ حضرت امام جعفرؑ بن محمدؑ ہیں۔

لیث کہتا ہے: جب میں نے سنا کہ یہ تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام تھے، تو مَیں آپؑ کو ڈھونڈنے لگ گیا، تاکہ اُن سے کچھ (بھلائی کی باتیں) سنوں، مگر مَیں انھیں دوبارہ نہ پاسکا۔ سبحان اللہ! کیا بلند شان ہے، سبحان اللہ! کیا ہی عظیم مقام ہے۔

صاحب کشف الغمہ کہتے ہیں کہ لیث کی حدیث مشہور ہے اور اسے راویوں اور محدثین کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے۔

اس حدیث کو علمائے اَعلام کی ایک کثیر تعداد نے بیان کیا ہے۔ شیخ ابوالفرج الجوزی نے اپنی کتاب "صفۃ الصفوۃ" میں اُسے نقل کیا ہے۔ اور ان سب نے اسے لیث سے نقل کیا ہے اور لیث خود بھی ایک ثقہ اور معتبر راوی تھا۔

ایک شخص کا اپنی بہت سی حاجتوں کے لیے امام علیہ السلام کو وسیلہ بنانا

روایت کیا گیا ہے کہ حماد بن عیسیٰ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: مولاؑ! دُعا فرمائیں کہ خدا مجھے مال و دولت عطا کرے، تاکہ مَیں اس کی مدد سے بہت

سے حج کروں۔ نیز یہ بھی دُعا فرمائیں کہ خداوند عالم مجھے ایک بہترین باغ، ایک بہترین گھر، ایک صالح گھرانے سے بیوی اور نیک اولاد عطا فرمائے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اُس کے حق میں یوں دُعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْ حَمَّادَ بْنَ عِيْسٰى مَا يَحُجُّ بِهٖ خَمْسِيْنَ حَجَّةً، وَارْزُقْهُ ضِيَاعًا حَسَنَةً، وَدَارًا حَسْنَاءَ، وَزَوْجَةً صَالِحَةً مِنْ قَوْمٍ كِرَامٍ، وَاَوْلَادًا اَبْرَارًا

جو لوگ اس دُعا کے وقت موجود تھے، ان میں سے ایک شخص کہتا ہے: اس کے چند سال بعد میں بصرہ میں حماد بن عیسٰی کے گھر گیا تو وہ مجھ سے کہنے لگے: تمھیں یاد ہے امام علیہ السلام نے میرے لیے کیا دُعا فرمائی تھی؟

میں نے کہا: ہاں، کیوں نہیں۔

اس پر وہ کہنے لگا: دیکھو! یہ میرا گھر ہے۔ پورے شہر میں ایسا گھر کسی کا نہیں ہے۔ میرا باغ تمام باغات سے حسین ہے۔ میری بیوی کا تعلق ایک اعلیٰ خاندان سے ہے، جسے تم خود بھی اچھی طرح سے جانتے ہو، میری اولاد بھی نیک ہے۔ جیسا کہ یہ تم پر بھی واضح ہے اور جہاں تک میرے حجوں کی بات ہے تو میں اب تک اڑتالیس حج کر چکا ہوں۔

راوی کہتا ہے: اس کے بعد حماد نے دو حج کیے (اور امام علیہ السلام کی دُعا کے مطابق اس کے پچاس حج پورے ہو گئے)۔ اور جب وہ اکانوے حج کرنے کے لیے نکلا اور جحفہ کے مقام پر پہنچ کر غسل احرام کے لیے ایک سیل میں داخل ہوا تو پانی اُسے اپنے ساتھ بہا لے گیا۔ اس کے لڑکے اُسے ڈھونڈنے لگ گئے اور کافی دیر تلاش کرنے کے بعد اُنھوں نے اُسے پانی سے مُردہ حالت میں باہر نکال لیا۔ اسی وجہ سے اسے حماد غریق جحفہ بھی کہا جاتا ہے۔

امام علیہ السلام کی دُعا سے بعض قیدیوں کو رہائی ملنا

زید الشحام سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ میرا ہاتھ امام علیہ السلام کے ہاتھ میں تھا اور آپؑ کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر آپؑ کے رخساروں پر گر رہے

تھے۔ اس وقت آپؑ نے ارشاد فرمایا:

اے شحام! تُو نے دیکھا میرے رب نے کس طرح میری لاج رکھی؟

پھر امام علیہ السلام نے مزید گریہ و دُعا کے بعد فرمایا: اے شحام! میں نے سُدیر اور عبدالسلام بن عبدالرحمٰن کے لیے بارگاہِ الٰہی میں سوال کیا ہے۔ وہ دونوں قید خانے میں قید تھے تو میرے سوال پر وہ دونوں مجھے مل گئے (یعنی انھیں قید سے رہائی مل گئی)۔ اور ان کی راہ خالی کر دی گئی۔

قارئین کرام! اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ امام علیہ السلام کے دو صحابی سُدیرؓ اور عبدالسلام بن عبدالرحمٰنؓ قید و بند کی صعوبت میں گھرے ہوئے تھے۔ اب یہ صحیح طور پر معلوم نہیں کہ وہ کس جگہ اور کس وجہ سے قید کیے گئے۔ بہرکیف امام علیہ السلام نے طواف کے دوران اُن کی آزادی کی دُعا فرمائی تو خداوند عالم نے آپؑ کی دُعا کو قبول کیا۔

اسی لیے امام علیہ السلام نے زید الشحام سے فرمایا:

مَا رَأَيْتَ مَا صَنَعَ رَبِّي إِلَيَّ

"یعنی دیکھو! میری دُعا کس طرح فوراً قبول ہوئی ہے"۔

عبدالحمید بن ابی علاء سے مروی ہے (یہ شخص محمد بن عبداللہ بن حسین کا ایک خاص دوست تھا) اسے ابوجعفر منصور دوانیقی نے پکڑ کر قید خانے میں ڈال دیا۔ محمد حج کے موسم میں مکہ گیا۔ روزِ عرفہ، مقامِ عرفات میں جب اُس کی ملاقات امام جعفر صادق علیہ السلام سے ہوئی تو امام علیہ السلام نے فرمایا: اے محمد! تمھارے دوست عبدالحمید کو کیا ہوا ہے؟

محمد نے جواب دیا: ابوجعفر منصور نے اُسے قید کر لیا ہے۔

امام علیہ السلام نے اسی وقت اپنے ہاتھ دُعا کے لیے بلند فرمائے۔ پھر محمد کی طرف دیکھ کر فرمایا: محمد! خدا کی قسم! تمھارے دوست کی راہ خالی کر دی گئی ہے (یعنی وہ رہا ہو گیا ہے)۔

جب محمد نے حج سے واپس آ کر مجھ سے پوچھا: منصور نے کس وقت تجھے آزاد کیا ہے؟

میں نے جواب دیا: اس نے مجھے روزِ عرفہ عصر کے وقت رہا کیا ہے۔

یحییٰ بن ابراہیم بن مہاجر سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: فلاں، فلاں اور فلاں آپؑ کو سلام کہہ رہے تھے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ان پر میرا بھی سلام ہو۔

میں نے عرض کیا: اُنھوں نے آپؑ سے دُعا کی درخواست کی ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اُنھیں کیا پریشانی ہے؟

میں نے عرض کیا: اُنھیں ابوجعفر منصور نے قید کیا ہوا ہے۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: کیوں؟ کس وجہ سے؟

میں نے بتایا: اُس نے انھیں اپنے چند کاموں میں پھنسا کر قید کیا ہے (یعنی اُس نے کچھ کاموں کے سلسلے میں اُنھیں کچھ رقم دے کر پھنسایا ہے)۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: انھیں اس کی کیا ضرورت تھی؟ کیا میں نے انھیں منع نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے انھیں منع نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے انھیں منع نہیں کیا تھا؟ وہ آگ میں ہیں، وہ آگ میں ہیں، وہ آگ میں ہیں۔

وہ کہتا ہے: پھر امام علیہ السلام نے اُن کے حق میں دعا فرمائی: خدایا! ان لوگوں سے اس کے قبضہ وقدرت کو ختم فرما۔

وہ کہتا ہے: جب میں مکہ سے واپس آیا تو اُن کے متعلق سوال کیا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ قید سے رہا ہو گئے ہیں اور جب میں نے حساب لگایا تو ان کی رہائی امام علیہ السلام کی دُعا فرمانے کے تین دن بعد ہوئی۔

بکر بن ابی بکر الحضرمی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ابوجعفر منصور ملعون نے میرے والد کو قید کرلیا۔ اس پر میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں گیا اور اُنھیں اس کی اطلاع دی تو اُنھوں نے فرمایا: فی الحال میں اپنے بیٹے اسماعیلؒ کے معاملے میں مصروف ہوں، لیکن جلد ہی مَیں تمھارے والد کے لیے بھی دُعا کروں گا۔

وہ کہتا ہے: اس کے بعد مَیں چند دن مدینہ میں رہا۔ پھر امام علیہ السلام نے میری طرف اپنے قاصد کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ تم چلے جاؤ، خدا نے تیرے والد کے معاملے میں تیری مدد فرمائی ہے اور میرے اسماعیل کے لیے اُس نے موت کو پسند فرمایا ہے۔

وہ کہتا ہے: یہ پیغام ملنے پر میں اپنی سواری پر سوار ہو کر مدینہ میں ابن ہبیرہ کے پاس

جانے لگا تو راستے میں مجھے منصور دوانیقی گھوڑے پر سوار مل گیا۔ میں نے رونے کی چیخ بلند کر کے اس سے درخواست کی: میرے والد ابوبکر الحضرمی شیخ بزرگ کا کیا بنے گا؟ اُس نے کہا: اس کا بیٹا اپنی زبان کی حفاظت نہیں کرتا، لہٰذا اس کی راہ خالی کر دو۔

امام علیہ السلام کی دُعا سے ایک مومنہ کو قید سے رہائی ملی

بشار المکاری سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں کوفہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں امام علیہ السلام کو بہت ہی عمدہ قسم کی کھجوروں کا ایک طبق پیش کیا گیا اور امام علیہ السلام اس میں سے تناول فرما رہے تھے۔ جب انھوں نے مجھے دیکھا تو آپؑ نے فرمایا:

بشار، اِدھر آؤ اور میرے ساتھ کھجوریں تناول کرو۔

میں نے عرض کیا: خدا آپؑ کو برکت عطا کرے اور میں آپؑ پر قربان ہو جاؤں۔

میں نے راستے میں ایک چیز دیکھی ہے جسے میری غیرت نے گوارا نہ کیا۔ اس چیز نے میرے دل کو بڑی ٹھیس پہنچائی اور میرے بس سے نکل گئی ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں تجھے اپنے حق کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ میرے قریب آؤ اور انھیں کھاؤ۔

وہ کہتا ہے: اس پر میں امام علیہ السلام کے قریب گیا اور امام علیہ السلام کے ساتھ کھجوریں کھانے لگ گیا۔

پھر امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اب بتاؤ، تم نے راستے میں کیا دیکھا ہے؟

میں نے عرض کیا: (مولاؑ) میں نے دیکھا کہ چند سپاہی ایک عورت کے سر پر زور زور سے مار رہے تھے اور اُسے دھکے دیتے ہوئے قید خانے کی طرف لے جا رہے تھے اور وہ عورت زور زور سے چیخ کر یہ ندا دے رہی تھی:

اَلْمُسْتَغَاثُ بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ

یعنی میں اپنی فریاد خدا اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ہی پیش کرتی ہوں، لیکن کوئی بھی اس کی مدد نہیں کر رہا تھا۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: اس عورت کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا گیا؟

میں نے جواب دیا: لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ اُس عورت نے یہ کلمہ کہا:

لَعَنَ اللهُ ظَالِمِيكِ يَا فَاطِمَةُ!

”یعنی اے فاطمہؑ! خدا آپؑ پر ظلم کرنے والوں پر لعنت کرے“۔

اور اب اسے اسی کلمے کی سزا دی جارہی ہے۔

راوی کہتا ہے: اس پر امام علیہ السلام نے کھانے سے ہاتھ روک لیا اور گریہ فرمانے لگے یہاں تک کہ آپؑ کا رومال، ڈاڑھی اور سینہ مبارک آنسوؤں سے بھیگ گیا۔ پھر آپؑ نے فرمایا: بشار! اٹھو آؤ، مسجد سہلہ جا کر اس عورت کی رہائی کے لیے خدا سے دُعا کرتے ہیں۔

بشار کہتا ہے: پھر امام علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی کو بادشاہ کے دروازے کی طرف بھیجتے ہوئے یہ حکم صادر فرمایا کہ جب تک تمھارے پاس میرا کوئی پیغام رساں، پیغام لے کر نہ آئے تو تم نے وہیں پر رہنا ہے اور دیکھو کہ اگر عورت کے ساتھ کوئی واقعہ پیش آجاتا ہے تو تم نے ہماری طرف وہاں آجانا ہے کہ جہاں ہم پہلے موجود تھے۔

وہ کہتا ہے: اس کے بعد ہم مسجد سہلہ گئے اور ہم میں سے ہر ایک نے دو دو رکعتیں ادا کیں۔ پھر امام علیہ السلام نے دستِ دُعا آسمان کی جانب بلند کر کے فرمایا:

أَنْتَ اللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ مُبْدِئُ الْخَلْقِ وَمُعِيْدُهُمْ وَأَنْتَ اللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ خَالِقُ الْخَلْقِ وَرَازِقُهُمْ، وَأَنْتَ اللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ، وَأَنْتَ اللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ مُدَبِّرُ الْأُمُوْرِ، وَبَاعِثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ وَأَنْتَ وَارِثُ الْأَرْضِ وَمَنْ عَلَيْهَا۔

أَسْئَلُكَ بِاسْمِكَ الْمَخْزُوْنِ الْمَكْنُوْنِ الْحَيِّ الْقَيُّوْمِ، وَأَنْتَ اللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ عَالِمُ السِّرِّ وَأَخْفَى، أَسْئَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِي إِذَا دُعِيْتَ بِهِ أَجَبْتَ، وَإِذَا سُئِلْتَ بِهِ أَعْطَيْتَ،

وَأَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَأَهْلِ بَيْتِهِ، وَبِحَقِّهِمُ الَّذِي أَوْجَبْتَهُ عَلَى نَفْسِكَ أَنْ تُصَلِّيَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَأَنْ تَقْضِيَ لِي حَاجَتِي

اَلسَّاعَۃَ اَلسَّاعَۃَ.

یَاسَامِعَ الدُّعَاءِ. یَاسَیِّدَاہُ. یَامَوْلَاہُ یَاغِیَاثَاہُ. اَسْئَلُکَ بِکُلِّ اسْمٍ سَمَّیْتَ بِہٖ نَفْسَکَ. اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِہٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَکَ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَاَنْ تُعَجِّلَ خَلَاصَ ھٰذِہِ الْمَرْأَۃِ.

یَامُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ وَالْاَبْصَارِ. یَاسَمِیْعَ الدُّعَاءِ

بشار کہتا ہے: پھر امام علیہ السلام نے سجدہ کیا اور سجدے کی حالت میں میں صرف امام علیہ السلام کی سانسوں کی آواز کو ہی سن سکا (اور وہ ذکر مجھے سنائی نہ دیا کہ جو امام علیہ السلام نے حالت سجدہ میں پڑھا)۔ پھر امام علیہ السلام نے اپنا سر مبارک اُوپر اُٹھا کر فرمایا: اُٹھو، آؤ اب اس عورت کو آزاد کر دیا گیا ہے۔

بشار کہتا ہے: اس کے بعد ہم سارے مسجد سے چل پڑے۔ جب ہم نے کچھ راستہ طے کر لیا تو ہمیں وہ شخص ملا کہ جسے ہم نے بادشاہ کے دروازے پر کھڑا کیا ہوا تھا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: سناؤ، کیا خبر ہے؟

اس نے امام علیہ السلام کو بتایا: مولا! اس عورت کو رہائی مل گئی ہے۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: اسے (قید خانے سے) کیسے نکالا گیا؟

اس شخص نے جواب دیا: اس کا پورا علم تو مجھے نہیں، لیکن اتنا جانتا ہوں کہ میں بادشاہ کے دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ وہاں سے ایک دربان نکلا۔ اس نے اس عورت کو بلا کر پوچھا: اے عورت! تم نے کیا کہا؟

اس عورت نے جواب دیا: مجھے (جناب سیدہ فاطمہؑ بنت پیغمبرؐ کی مظلومیت کا) علم ہوا تو میں نے کہا:

لَعَنَ اللّٰہُ ظَالِمِیْكِ یَافَاطِمَۃُ!

''یعنی اے فاطمہؑ! آپؑ پر ظلم کرنے والوں پر لعنت ہو''۔

پھر میرے ساتھ جو ہونا تھا، وہ ہوا۔

اس شخص نے بتایا: پھر اس دربان نے دو سو درہم نکال کر اس عورت کو پیش کرتے

ہوئے کہا: یہ لے لو اور امیر (یعنی بادشاہ) کے ساتھ شادی کر لو۔

مگر اُس عورت نے وہ درہم لینے سے انکار کر دیا۔ جب دربان نے عورت کا یہ طرزِ عمل دیکھا تو جا کر امیر کو اس کی خبر دی اور پھر واپس آ کر اس عورت سے کہا: تم واپس اپنے گھر چلی جاؤ (یعنی تمھیں آزاد کر دیا گیا ہے)۔ تو وہ اپنے گھر کی طرف چلی گئی۔

امام علیہ السلام نے اُس شخص سے دوبارہ پوچھا: کیا واقعی اس نے دو سو درہم ٹھکرا دیے ہیں؟

اُس نے جواب دیا: جی بالکل، حالانکہ خدا کی قسم! اُسے ان کی اشد ضرورت تھی۔

بشار کہتا ہے: اس پر امام علیہ السلام نے اپنی جیب سے ایک تھیلی نکالی۔ اس میں سات دینار تھے۔ امام علیہ السلام نے وہ تھیلی میرے حوالے کی اور فرمایا:

یہ تھیلی لے کر اس عورت کے گھر چلے جاؤ، پہلے اسے میرا سلام کہنا اور بعد میں یہ دینار اُس کے حوالے کر دینا۔

بشار کہتا ہے: امام علیہ السلام کا حکم ملنے پر ہم سب اس عورت کے گھر چلے گئے۔ جب ہم نے اسے امام علیہ السلام کا سلام پہنچایا تو وہ کہنے لگی: خدا کے لیے سچ سچ بتاؤ، کیا امام جعفرؑ بن محمدؑ نے مجھے سلام کہا ہے؟

میں نے کہا: ہاں، خدا کی قسم (خدا تجھ پر رحمت نازل کرے)۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے تجھے سلام کہا ہے۔ اس پر (خوشی کے سبب) اس کی چیخ نکل گئی اور وہ بے ہوش ہو گئی۔

بشار کہتا ہے: اس پر ہم وہاں رُک گئے یہاں تک کہ اسے افاقہ ہوا اور اس نے کہا: مجھے دوبارہ بتاؤ کہ امام علیہ السلام نے مجھے سلام کہا ہے؟ ہم نے اُسے دوبارہ بتایا تو وہ پھر بے ہوش ہو گئی، یہاں تک کہ تین مرتبہ اس پر یہی حالت طاری ہوئی۔

پھر ہم نے اس سے کہا: یہ امام علیہ السلام کی طرف تمھاری طرف بھیجا گیا ہے، اسے لے لو اور خوش ہو جاؤ۔

پھر اس عورت نے وہ دینار ہم سے لے لیے اور کہنے لگی: امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرنا کہ اپنی کنیز کے لیے بارگاہِ خداوندی سے بخشش طلب فرمایئے۔ کیونکہ میرے پاس آپؑ اور آپؑ کے آباؤ اجداد علیہم السلام سے بڑھ کر خدا تک پہنچنے کا وسیلہ اور کوئی نہیں ہے۔

بشار کہتا ہے: اس کے بعد ہم واپس امام علیہ السلام کی طرف چلے گئے۔

اس کے ملاقات کا سارا واقعہ امام علیہ السلام کے گوش گزار کیا اور امام علیہ السلام اُسے سن کر گریہ فرمانے لگے اور اس مومنہ کے حق میں دُعا کرنے لگے۔ پھر میں نے کہا: اے کاش! مجھے معلوم ہو جاتا کہ آلِ محمدؐ کی فرج (کشائش، حکومت) کب (قائم) ہوگی؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے بشار! جب میرے چوتھے بیٹے ولی خدا (یعنی حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام) برے اور شریر لوگوں کی طرف سے سختیوں کی وجہ سے شہادت پا جائیں گے تو اس وقت بنی فلاں (بنی عباس) کو سیاہ اندھیرے کی مصیبت گھیر لے گی جب تو اُسے دیکھے گا تو بڑا ہی سخت پائے گا اور خدا کے اُمر کو کوئی بھی ٹال نہیں سکتا۔

امام علیہ السلام کا اپنے ایک صحابی کے لیے کثرتِ مال و اولاد کی دُعا کرنا

بشر بن طرخان سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حیرہ میں آئے تو میں آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُنھوں نے مجھ سے میرے پیشے کے متعلق پوچھا۔

میں نے عرض کیا: میں بیوپار کرتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: کیا جانوروں کی بیوپاری کرتے ہو؟

میں نے جواب دیا: جی ہاں، مگر اب میرے حالات اچھے نہیں ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میرے لیے ایک ایسی خچر تلاش کرو جس میں یہ یہ صفات ہوں۔

میں نے عرض کیا: ایسی صفات کی حامل خچر تو میں نے آج تک نہیں دیکھی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اچھا، ٹھیک ہے۔

اس کے بعد میں نے امام علیہ السلام سے رخصت کی اجازت لی اور واپس چلا آیا۔ میں نے راستہ میں دیکھا کہ ایک لڑکا انھی صفات کی حامل ایک خچر پہ سوار تھا۔ میں نے اُس سے اس کے بارے میں بات کی تو وہ مجھے اس کے مالک کے پاس لے گیا۔ میں نے اُس کے ساتھ معاملہ طے کر کے وہ خچر اس سے خرید لی اور اسے لے کر امام علیہ السلام کی خدمت میں چلا آیا۔

جب امام علیہ السلام نے اُسے دیکھا تو فرمایا: ہاں، مجھے ایسی ہی خچر کی ضرورت تھی۔ پھر

امام علیہ السلام نے مجھے یہ دُعا دی:

أَنْمَى اللهُ وُلْدَكَ وَ كَثَّرَ مَالَكَ

"خدا تجھے کثرتِ مال و اولاد سے نوازے"۔

اس دُعا کی برکت سے میرا دامن ان نعمتوں سے بھی بھر گیا۔

معزز قارئین! اس سلسلے میں اخبار و روایات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، لیکن ہم یہاں اسی مقدار کو کافی سمجھتے ہیں۔ اور ہم نے ان کی ایک کثیر تعداد کو موسوعہ امام صادقؑ میں بھی نقل کیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور جنّت کی ضمانت

سب سے پہلے ہم اس سوال کو سامنے رکھتے ہیں کہ آیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی کو جنت میں داخل ہونے کی ضمانت دے؟

مصادرِ اسلام اس سوال کا جواب ہاں میں دیتے ہیں لیکن اس کے ساتھ یہ دو شرطیں بھی بیان کرتے ہیں:

پہلی شرط: کسی کو جنت کی ضمانت دینے کی پہلی شرط یہ ہے کہ ضمانت دینے والے شخص کو یہ یقین ہو کہ جس کی ضمانت وہ دے رہا ہے وہ بعد میں کوئی ایسا گناہ نہیں کرے گا کہ جس کی وجہ سے جنت اس پر حرام اور جہنم اُس کا ابدی ٹھکانا نہ بن جائے۔ اور یہ واضح ہے کہ اس کا علم صرف انبیاءؑ اور اُن کے اوصیاء علیہم السلام ہی رکھتے ہیں۔

دوسری شرط: کسی کو جنت کی ضمانت دینے والا خود معصوم عن الخطا ہو کیونکہ غیر معصوم کو تو خود اپنا پتہ نہیں ہوتا کہ اس کا ٹھکانہ کون سی جگہ پر ہے؟ لہٰذا اگر اس کی نیکیاں قبول ہو گئیں اور برائیاں معاف کر دی گئیں تو وہ اہلِ جنت میں سے قرار پائے گا اور ممکن ہے کہ وہ کسی کے حق میں شفاعت کرے تو اُسے قبول کر لیا جائے۔

اور اگر اس کی نیکیاں رد کر دی گئیں اور گناہ نہ بخشے گئے تو واضح ہے کہ اس کا ٹھکانا بھی جہنم ہے۔ لیکن جہاں تک معصوم کی بات ہے تو یہ ایسے لوگ ہیں کہ جن کی نیکیاں قطعی وحتمی طور پر قبول ہوتی ہیں اور رہا مسئلہ برائیوں کی معافی کا، تو جب ان میں اصالت سے کوئی برائی ہوتی ہی نہیں تو اُن سے معافی کیسی؟ لہٰذا یہ بزرگوار بلاشبہ اہلِ جنت میں سے ہوتے ہیں اور انھیں ان کی شان ومقام کے اعتبار سے دوسرے لوگوں کی شفاعت کا حق بھی دیا جاتا ہے۔

بنابریں اس امر میں کوئی مانع نہیں ہے کہ معصوم جسے چاہے جنت کی ضمانت دے کیونکہ

اُسے یقینی طور پر علم ہوتا ہے کہ یہ شخص اہلِ جنّت میں سے ہے۔ نیز اُسے اس بات کا بھی یقین ہوتا ہے کہ اس کی شفاعت بارگاہِ خداوندی میں قبول ہوگی۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض لوگوں کو جنّت کی ضمانت دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا تھا:

جو شخص یہ کام کرے گا میں اُس کی جنّت کا ضامن ہوں اور اسی طرح ائمہ طاہرین علیہم السلام بھی اپنے بعض اصحاب کو جنّت کی ضمانت دیا کرتے تھے۔

ہمارے معزز قارئین پر واضح ہونا چاہیے کہ یہ ضمانت اس شفاعت کی ایک فرع ہوتی ہے کہ جو بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوتی ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی اسی قاعدے و کلیے کے تحت اپنے بعض شیعوں کو جنّت کی ضمانت دی ہے۔ اس کے نمونے حسبِ ذیل ہیں:

ہشام بن حکمؒ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ایک کوہستانی علاقے میں رہنے والا شخص ہر سال حج کے موسم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ امام علیہ السلام اسے مدینہ میں اپنے گھر میں ٹھہرایا کرتے تھے اور وہ امام علیہ السلام کے پاس کچھ دن گزار کر جاتا تھا۔ اس نے امام علیہ السلام کو دس ہزار درہم دیے تاکہ آپؑ اس کے لیے مدینہ میں ایک گھر خریدیں۔ وہ یہ رقم امام علیہ السلام کو دے کر حج پر چلا گیا۔ اور جب وہ حج سے واپس آیا تو اُس نے امام علیہ السلام سے پوچھا: قربان جاؤں کیا آپؑ نے میرے لیے گھر خریدا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی بالکل خریدا ہے۔ پھر امام علیہ السلام نے اسے ایک تحریر دکھائی اور وہ تحریر یہ تھی:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ هٰذَا مَا اشۡتَرٰی جَعۡفَرُ بۡنُ مُحَمَّدٍ لِفُلَانِ ابۡنِ فُلَانٍ الۡجَبَلِیِّ: (اِشۡتَرٰی) لَهٗ دَارًا فِی الۡفِرۡدَوۡسِ. حَدُّهَا الۡاَوَّلُ: رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ. وَ الۡحَدُّ الثَّانِیۡ: اَمِيۡرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ. وَالۡحَدُّ الثَّالِثُ: اَلۡحَسَنُ بۡنُ عَلِیٍّ. وَالۡحَدُّ الرَّابِعُ اَلۡحُسَيۡنُ ابۡنُ عَلِیٍّ

"اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ یہ

دستاویز اس خریداری کی ہے کہ جو حضرت جعفر بن محمد علیہما السلام نے فلاں بن فلاں کوہستانی کے لیے کی ہے: اُنھوں نے اس کوہستانی کے لیے جنّت میں ایک گھر خریدا ہے، جس کی پہلی حد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دوسری حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام، تیسری حضرت امام حسن بن علی علیہما السلام اور چوتھی امام حسین بن علی علیہما السلام ہیں"۔

جب اس کوہستانی نے اس تحریر کو پڑھا تو کہنے لگا: میں آپؑ پر قربان! میں آپؑ کے معاملے پر راضی ہوں۔

راوی کہتا ہے: اس پر امام علیہ السلام نے اسے بتایا: میں نے یہ مال لے کر حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں تقسیم کر دیا ہے اور مجھے اُمید ہے کہ خداوند عالم اُسے قبول کرے گا اور اس کا بدلہ تجھے جنّت عطا فرمائے گا۔

راوی کہتا ہے: اس کے بعد وہ شخص اس تحریر کو اپنے ساتھ لے کر اپنے وطن چلا گیا اور وہاں بیمار ہوگیا۔ اور جب اُس کی موت کا وقت قریب آیا تو اُس نے اپنے اہلِ خانہ کو اکٹھا کیا اور اُنھیں قسم دی کہ وہ تحریر (قبر میں) اس کے ساتھ رکھنا۔ اُنھوں نے اس کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے وہ تحریر اس کی قبر میں اس کے ہمراہ رکھ دی۔

دوسری صبح جب وہ اُس کی قبر پر گئے تو اُنھوں نے اس تحریر کو اس کی قبر کے باہر پایا اور اس کے اُوپر یہ عبارت درج تھی۔

وَفَى وَلِيُّ اللّٰهِ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ علیہما السلام

"یعنی خدا کے ولی حضرت امام جعفر بن محمد علیہما السلام نے اپنا وعدہ پورا کر دیا"۔

حضرت ابوبصیرؒ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: اہلِ شام میں سے ایک شخص ہمارے پاس آیا۔ میں نے اُس پر یہ امر (یعنی ولایتِ ائمہؑ کو) پیش کیا تو اس نے اسے قبول کرلیا۔

اس کے چند دن بعد میں اس کے پاس گیا تو وہ سکراتِ موت کے عالم میں تھا۔ اس وقت اُس نے مجھ سے کہا: اے ابوبصیرؒ! جو آپؒ نے مجھ سے کہا تھا میں نے اسے قبول کرلیا ہے، اب میری جنّت کا کیا بنے گا؟

میں نے اُس سے کہا: میں ضمانت دیتا ہوں کہ میں تجھے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے جنّت دلواؤں گا۔

اس کے بعد میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے داخل ہوتے ہی امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: تمہارا دوست سے کیا ہوا جنّت کا وعدہ پورا کر دیا گیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور مواریثِ انبیاءؑ

قارئین کرام! انبیائے کرام علیہم السلام کی موارث اور متروکہ چیزوں کے بارے میں ہم اپنی کتاب اَلْاِمَامُ الْمَھْدِیُّ مِنَ الْمَھْدِ اِلَی الظُّھُوْرِ (1) میں بیان کر چکے ہیں۔ یہاں ہم چند لفظوں میں اس کا خلاصہ آپ احباب کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

واضح رہے کہ یہاں "مواریث" سے مراد وہ چیزیں نہیں کہ جو مرنے والا اپنے بعد وارثوں کے لیے چھوڑ جاتا ہے۔ جیسے گھر، مکان اور مال و اسباب وغیرہ۔ بلکہ یہاں اس لفظ سے مراد وہ قیمتی اور نفیس چیزیں ہیں کہ جو انبیاءؑ اپنے بعد اوصیاءؑ کے لیے چھوڑ جاتے ہیں اور پھر وہ ایک وصی سے دوسرے وصی تک ترتیب وار پہنچتی ہیں۔

یہ مواریث سابقہ انبیاء علیہم السلام سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی ہیں اور آپؐ کی وفات کے بعد یہ مواریث بمع آپؐ کے تبرکات کے، حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو منتقل ہوئیں۔ پھر آپؑ سے حضرت امام حسن علیہ السلام کو، پھر ان سے حضرت امام حسین علیہ السلام کو، پھر یہ سلسلہ یونہی چلتے چلتے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام تک پہنچا اور اُن کے بعد دیگرے آنے والے ائمہ علیہم السلام سے ہوتے ہوئے وارث زمانہ حضرت حجت ابن الحسن العسکری علیہ السلام تک پہنچ گیا اور ان مواریثِ انبیاء و اوصیاء علیہم السلام کا ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کے حصے میں آنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ذواتِ مقدسہ علیہم السلام باقی تمام لوگوں سے افضل ہیں۔

یہاں ہم اس موضوع سے متعلق بعض روایات اپنے قارئین کی نذر کرتے ہیں:

(1) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: میرے پاس ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار اور غلبہ پانے والا عَلَم (پرچم) ہے۔ میرے پاس ہی حضرت سلیمان بن داوٗد علیہم السلام کی

(1) ادارہ اس کتاب کا اُردو میں ترجمہ شائع کر چکا ہے۔

انگوٹھی ہے۔ میرے پاس ہی وہ نیزہ ہے کہ جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام قربانی کے جانوروں کو نحر کیا کرتے تھے۔ میرے پاس ہی وہ اسم ہے جسے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان رکھ دیتے تو مشرکوں کا کوئی بھی تیر مسلمانوں تک نہ پہنچ پاتا۔ اور ہمارے لیے ہتھیار، بنی اسرائیل کے تابوتِ سکینہ کی مانند ہیں۔

② اعمش کی روایت میں آیا ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تختیاں اور عصا ہمارے پاس ہے اور ہم ہی انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔

③ آپؑ نے فرمایا: ہمارا علم پوشیدہ طریقے سے لکھا ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کا القاء ہمارے دل میں ہوتا ہے اور بعض اوقات اسے ہمارے کانوں میں پھونک دیا جاتا ہے۔ جفرِ احمر، جفرِ ابیض اور مصحفِ فاطمہؑ ہمارے پاس ہیں (یعنی ہمارے علمی وسائل میں سے ہیں)۔ نیز ہمارے پاس الجامعۃ بھی ہے اور اس میں لوگوں کی ضرورت کی تمام چیزیں موجود ہیں۔

④ ایک حدیث میں آپؑ نے ارشاد فرمایا: بے شک رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہتھیار، تلوار اور زرہ ہمارے پاس ہے۔ باخدا! مصحفِ فاطمہؑ بھی ہمارے پاس ہے۔ اس میں قرآنِ مجید کی ایک آیت بھی نہیں۔ یہ رسولِ خدا نے حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کو اِملاء کرایا تھا اور اب یہ حضرت علی علیہ السلام کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا ہمارے پاس محفوظ ہے، اور خدا کی قسم! ہمارے پاس جفر بھی ہے اور تم کیا جانو کہ وہ کیا ہے؟

پھر امام علیہ السلام نے ہماری طرف دیکھ کر فرمایا: بشارت ہو تمھیں! کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ قیامت کے روز تم حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ تھامے ہوئے آؤ گے اور حضرت علی علیہ السلام نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کو پکڑا ہوگا۔

قارئین کرام! بعض دشمنانِ اہلِ بیت مصحفِ فاطمہؑ کے بارے میں ہمیں الزام دیتے ہیں کہ ہم اُسے قرآنِ مجید کے مقابل سمجھتے ہیں۔ ہم پہلے اس جھوٹے الزام پر لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ پڑھتے ہیں پھر آپ احباب کو بتاتے ہیں کہ ان کا یہ الزام سراسر غلط اور بدباطنی پر مبنی ہے۔ نیز اس کی وضاحت ہم نے اپنی کتاب فَاطِمَۃُ الزَّھْرَاءِ مِنَ الْمَھْدِ اِلَی اللَّحدِ میں کردی۔ فَرَاجِع ھُنَاكَ۔

حضرت ابوبصیرؓ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ایک روز میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا۔ امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:

اے ابا محمد! کیا تم اپنے امام علیہ السلام کی معرفت رکھتے ہو؟

میں نے عرض کیا: جی کیوں نہیں، اس خدا کی قسم کہ جس کے سوا کوئی بھی بندگی کے لائق نہیں۔ آپؑ ہی وہ امامؑ ہیں۔ پھر میں نے اپنا ہاتھ امام علیہ السلام کے پائے اَقدس یا گھٹنوں پر رکھا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم نے صحیح کہا، تمہیں اپنے امامؑ کی معرفت ہے۔ بس اب اسی کے ساتھ جڑے رہنا۔

میں نے عرض کیا: میں چاہتا ہوں کہ آپؑ مجھے امامؑ کی کوئی نشانی بتائیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابا محمد! معرفت کے بعد کسی بھی نشانی کی ضرورت نہیں ہوتی۔

میں نے کہا: میں اپنے ایمان و یقین میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابا محمد! کوفہ واپس چلے جاؤ، خدا نے تجھے عیسیٰ نامی بیٹا عطا کیا ہے (سنو) عیسیٰ کے بعد خدا تجھے محمد دے گا اور اس کے بعد تمہاری دو بیٹیاں پیدا ہوں گی۔ جان لو کہ تمہارے دونوں بیٹوں کے نام ہمارے پاس موجود صحیفہ جامعہ میں ہمارے شیعوں کے ناموں کے ساتھ درج ہیں۔ وہاں ان کے باپوں، ان کی ماؤں، ان کے اجداد و انساب اور قیامت تک ہونے والی ان کی اولادوں کے نام بھی درج ہیں۔

پھر امام علیہ السلام نے مجھے وہ نکال کر دکھایا تو وہ زرد رنگ کا تھا اور اس کی تہیں بنی ہوئی تھیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور قومِ جنات

معزز قارئین! ہم جنوں کے وجود کو ثابت کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے، کیونکہ یہ وہ ثابت شدہ حقیقت ہے جس میں ذرا برابر بھی شک و انکار کی گنجائش نہیں۔ لیکن ہمیں ان مسلمانوں پر رہ رہ کر تعجب ہوتا ہے کہ جو جنوں کے وجود کا انکار کرتے ہیں اور اس حقیقت کا مذاق اُڑاتے ہیں، حالانکہ اس کا ذکر اٹھتیس سے زائد قرآنی آیات میں ہوا ہے۔ بعض مقامات پر خداوند عالم اس مخلوق کے لیے لفظ اَلْجَآنُّ استعمال کرتا ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں آیا ہے:

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (سورۂ حجر: آیت ۲۷)

بعض جگہ وہ انھیں لفظ اَلْجِنُّ سے مخاطب کرتا ہے، جیسے سورۂ رحمٰن کی اس آیت:

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ

اور بعض جگہ وہ انھیں لفظ اَلْجِنَّۃ سے یاد کرتا ہے جیسا کہ سورۃ الناس میں آیا ہے:

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ

بلکہ قرآن مجید میں تو اَلْجِنّ نام کی ایک مکمل سورہ ہے اور اس کی بہت سی آیات میں ذکر بھی انھی کا ہوا ہے جیسا کہ سورۃ الاحقاف میں بھی آیا ہے:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ......

مزید برآں مصادرِ اسلامی میں بہت سی ایسی احادیث وارد ہوئی ہیں کہ جن سے قومِ جنات کے وجود کی صراحت ملتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو لوگ جنوں کے وجود کا انکار کرتے ہیں اُن کے پاس صرف یہی عذر ہے کہ جنوں کو ہر وقت اور ہر کوئی دیکھ نہیں سکتا۔

اور یہ بات ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ صرف خاص حالات میں اور خاص لوگوں کو نظر آتے ہیں لیکن یہ مادہ پرست لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جس چیز کو وہ حواسِ خمسہ سے درک

نہیں کر سکتے اس کا انکار کر دیتے ہیں اور جن بھی انھی میں سے ایک ہیں حالانکہ یہ لوگ قوتِ جاذبہ اور دوسری بہت سی چیزوں کو بن دیکھے ہی مانتے اور قبول کرتے ہیں مگر جب فرشتوں، روح اور جنوں کا معاملہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو انکار پر انکار کرتے چلے آتے ہیں۔

اس مقدمے کو ذکر کرنے سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ آپ احباب کو بہت سی ایسی احادیث ملیں گی کہ جن میں جنات سے بچنے اور اُن کے شر کو دفع کرنے کے حرزوں اور دُعاؤں کا بیان ہوا ہے اور ہم نے اپنے موسوعہ کے کتاب الدعا میں ان کو درج کیا ہے اور بعض احادیث میں تو صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور دوسرے ائمہ طاہرین علیہم السلام اپنے بعض کام جنوں کے ذریعے کروایا کرتے تھے۔

اگر کسی کے ذہن میں یہ سوال اُٹھ رہا ہو کہ امام علیہ السلام جنات سے اپنے کام کیسے کروا کرتے تھے اور جن کیونکر امام علیہ السلام کا کہنا مانتے اور آپ کا حکم بجالایا کرتے تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام چونکہ جن و انس تمام مخلوقات پر اللہ رب العالمین کی حجت ہوتا ہے اسی لیے انسانوں کی طرح، جن بھی حکمِ امامؑ کی بجاآوری کے پابند ہوتے ہیں اور حکمِ امامؑ کے مقابلے میں ان کی کوئی دوسری رائے نہیں ہوتی جیسا کہ فرشتے بھی امام علیہ السلام کے خادم اور فرمانبردار ہوتے ہیں اور یہ سب خداوند عالم کے اذن سے ہوتا ہے۔

اور اس پر مستزاد یہ کہ ہم تو بعض غیر معصوم لوگوں کو بھی اپنے اُمور میں جنوں سے مدد لیتے دیکھتے ہیں۔ پس جب ایک عام اور غیر معصوم انسان اتنا کچھ کر سکتا ہے تو کیا وہ امامؑ یہ سب کچھ کرنے پر قادر نہ ہوگا جسے حقیقت میں تائید ایزدی حاصل ہوتی ہے۔

قارئین کرام! یہ بحث کافی تفصیل طلب ہے لیکن ہم یہاں اپنے موضوع سے مربوط بعض احادیث کو آپ احباب کی نذر کر کے بات کو آگے بڑھاتے ہیں کیونکہ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت مفضل بن عمر سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے دو اصحاب کو خراسان سے آپؑ کی طرف کچھ مال دے کر بھیجا گیا۔ راستے میں وہ مال اُن سے گم ہوتا گیا حتیٰ کہ جب وہ دونوں رَے سے گزرے تو ان دونوں کے ایک دوست نے انھیں ایک

بیگ دیا، جس میں دو ہزار درہم تھے۔ اس کے بعد ہر روز اُن سے ایک ایک بیگ گم ہوتا گیا حتیٰ کہ وہ مدینہ کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں ان میں سے ایک شخص نے دوسرے سے کہا: آؤ بھیا! ذرا ایک نظر اپنے سازوسامان پر ڈال لیں۔ جب اُنھوں نے دیکھا تو وہاں سوائے رازی کے بیگ کے، سارے کا سارا مال اسی طرح موجود تھا۔ اس پر ان میں سے ایک دوسرے سے کہنے لگا: خدا خیر کرے، اب ہم امام علیہ السلام کو کیا جواب دیں گے؟

دوسرا کہنے لگا: امام علیہ السلام بڑے سخی و مہربان ہیں اور مجھے اُمید ہے کہ جو کچھ ہم ان سے کہیں گے، وہ اسے پہلے سے ہی جانتے ہوں گے۔

مدینہ جا کر یہ دونوں امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امام علیہ السلام سے سلام عرض کیا۔ امام علیہ السلام نے اُن سے پوچھا: بتاؤ، رازی کا بیگ کہاں ہے؟ اُنھوں نے امام علیہ السلام سے پورا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم اس بیگ کو دیکھو گے تو پہچان لو گے؟

وہ بولے: کیوں نہیں۔

پھر امام علیہ السلام نے اپنی کنیز کو کچھ نشانیاں بتا کر فرمایا کہ جس بیگ میں تجھے یہ نشانیاں پوری ملیں اُسے میرے پاس لے آؤ۔

جب کنیز وہ بیگ لے کر آئی تو امام علیہ السلام نے اُسے اُٹھا کر اُنھیں دکھایا اور فرمایا: پہچانو! کہیں یہ وہ بیگ تو نہیں؟

جب اُنھوں نے اُسے دیکھا تو کہنے لگے: واقعی، یہ وہی بیگ ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: رات کی تاریکی میں مجھے کچھ مال کی ضرورت پیش آ گئی تھی اس لیے میں نے جنات میں سے اپنے ایک شیعہ کو بھیجا تو وہ تمھارے سامان سے یہ بیگ لے آیا۔

بروایتِ دیگر امام علیہ السلام نے فرمایا: جس طرح انسانوں میں ہمارے پیرو (شیعہ) ہیں، اسی طرح جنوں میں سے بھی ہیں۔ جب ہمیں کوئی کام ہوتا ہے تو ہم اُنھیں بھیج دیتے ہیں۔

عمار سجستانی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس جایا کرتا تھا اور اجازت لے کر اُن کے پاس بیٹھ جاتا تھا۔ ایک رات منیٰ میں مَیں اُن کے خیمے میں بیٹھا

ہوا تھا کہ کچھ جوانوں نے ان سے داخل ہونے کی اجازت چاہی تو امام علیہ السلام نے انھیں اندر آنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ وہ دیکھنے میں سوڈانی لگتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد عیسیٰ شلقان میرے پاس آئے۔ پھر اُنھوں نے اندر جا کر امام علیہ السلام سے میرا ذکر کیا تو امام علیہ السلام نے مجھے اندر آنے کی اجازت دی اور فرمایا: عمار! تم کب آئے ہو؟

میں نے عرض کیا: میں ان جوانوں سے پہلے آیا تھا کہ ابھی آپؑ کی خدمت میں موجود تھے، لیکن اب پتہ نہیں وہ کدھر چلے گئے ہیں؟

اس پر امام علیہ السلام نے فرمایا: ان کا تعلق قومِ جنات سے ہے اور وہ اپنے مسائل پوچھ کر چلے گئے ہیں۔ نیز علامہ مجلسیؒ نے اپنی گراں بہا تالیف بحارالانوار کی ستائیسویں جلد میں ایک مستقل باب قائم کیا ہے جس میں احادیث معصومین علیہم السلام کی روشنی میں بتایا ہے کہ جن ان ذواتِ مقدسہؑ کے خادم ہیں اور ان کے پاس آ کر مسائلِ دین سیکھتے ہیں۔

اسی باب میں سعد الاسکاف سے مروی ہے کہ وہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُنھوں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں نے عمامے باندھے ہوئے ہیں اور وہ امام علیہ السلام سے رخصت ہو رہے ہیں۔ ان کی رنگت سوڈانیوں سے ملتی جلتی تھی۔ جب اسکاف نے امام علیہ السلام سے ان کے بارے میں دریافت کیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ جنات میں سے تمھارے بھائی (یعنی شیعہ) تھے۔ یہ ہمارے پاس آتے ہیں اور حلال و حرام اور دینی تعلیمات کا علم حاصل کرتے ہیں۔

فرشتے، خدامِ امام جعفر صادق علیہ السلام

سلیمان بن خالد سے مروی ہے، اُنھوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس فرمانِ الٰہی اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (سورۂ حم السجدہ: آیت ۳۰) کے بارے میں نقل کیا ہے۔

امام علیہ السلام فرماتے ہیں: باخدا! ہم اکثر اوقات اُن کے لیے اپنے گھروں میں تکیے

لگاتے ہیں۔

قارئین کرام! اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کی موت کے وقت فرشتے اس کے پاس اُترتے ہیں اور اُسے جنت کی بشارت دیتے ہیں۔ لیکن یہاں امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ فرشتے آپؑ کے گھر میں آکر بیٹھا کرتے تھے اور امام علیہ السلام ان کے لیے تکیے لگوا دیتے تھے۔

بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ فرشتے اہلِ بیت علیہم السلام کے خادم ہوتے ہیں اور اُن کی ولایت اور اُن کے دشمنوں سے بے زاری و برأت سے خداوند متعال کا قرب حاصل کرتے ہیں۔

عبداللہ بن نجاشی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں عبداللہ بن حسن کے حلقہ میں موجود تھا۔ وہ کہہ رہے تھے: اے فرزند نجاشی! خدا سے ڈرو، ہمارے پاس صرف وہی کچھ ہے کہ جو دوسرے لوگوں کے پاس بھی ہے۔

نجاشی کہتے ہیں: میں نے یہ خبر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو بتائی تو انھوں نے ارشاد فرمایا:

خدا کی قسم! ہم میں بعض وہ ہوتے ہیں جن کے دلوں میں القاء کیا جاتا ہے، کانوں میں پھونکا جاتا ہے اور فرشتے اُن سے مصافحہ کرتے ہیں۔

میں نے پوچھا: کیا آج کل بھی ایسا ہوتا ہے؟ یا یہ پہلے وقتوں کی باتیں ہیں؟

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: خدا کی قسم! اے فرزند نجاشی! آج بھی ایسا ہوتا ہے۔

حسین بن علاء القلانسی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے گھر میں بچھے ہوئے چمڑے کے تکیے پر ہاتھ مار کر فرمایا: ”اے حسین! خدا کی قسم! اس پر فرشتوں نے ٹیک لگائی تھی۔ کبھی کبھی ہم اس سے اُون اور بال وغیرہ نکال دیتے ہیں“۔

معجزات کا قانون

احادیث کی بڑی بڑی کتابوں میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور دوسرے ائمہ علیہم السلام کے معجزات پر مشتمل بہت سی روایات ملتی ہیں۔ ہم نے اپنی کتاب اَلْاِمَامُ الْهَادِي مِن

المَهدِ اِلَی اللَّحدِ میں معجزات کے قانون کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ یہاں بھی اس بحث کا مختصر سا خلاصہ ذکر کر دیا جائے تاکہ اس کتاب کے قارئین کے لیے امام علیہ السلام کے معجزات کے بارے میں وارد شدہ روایات کو قبول کرنا آسان ہو جائے۔

ہم کہتے ہیں: پوری کائنات میں ان دو نظریوں کے حامل لوگ ہی ملتے ہیں:

① مادہ پرست ② غیب پر ایمان لانے والے۔

مادہ پرستوں کا یہ نظریہ ہے کہ پوری کائنات مادہ سے بنی ہے اور مادے کے بغیر کسی چیز کا وجود ہی ممکن نہیں ہوتا۔ اس بنا پر اُن کا ایمان صرف اور صرف مادے پر ہوتا ہے اور وہ اس سے ماورا کسی چیز کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

واضح رہے کہ یہاں مادہ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا اِدراک حواسِ خمسہ میں سے کسی نہ کسی حس سے ہوتا ہے۔ یعنی ہر وہ چیز جسے دیکھا جا سکتا ہے یا سنا جا سکتا ہے یا سونگھا جا سکتا ہے یا چکھا جا سکتا ہے اور یا چھوا جا سکتا ہے۔ مادہ پرستوں کے نظریے کے مطابق صرف انھی چیزوں کا وجود ہوتا ہے اور ان کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔

جبکہ ایمان بالغیب رکھنے والے اس سے آگے کی سوچ بھی رکھتے ہیں۔ ''غیب'' شہادت کے خلاف ہوتا ہے یعنی وہ کہ جسے محسوس نہ کیا جا سکے۔ اس لحاظ سے غیب کا اطلاق ان چیزوں پر ہوتا ہے کہ جنھیں حواسِ خمسہ (اور جدید آلات وغیرہ) سے معلوم نہ کیا جا سکے۔ جیسے خداوند عالم اور اس کی وہ نشانیاں جو ہمارے حواس کے اِدراک سے باہر ہیں جیسے وحی وغیرہ۔

یہ ایک فلسفی بحث ہے۔ یہاں ہم نے اسے اپنی بات کو آسان کرنے کے لیے اسے بطورِ مقدمہ ذکر کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ معجزہ کیا ہوتا ہے؟

اہلِ لغت نے اس کی متعدد تعریفیں کی ہیں، لیکن وہ سب ایک ہی معنی کو بیان کرتی ہیں اور وہ معنی یہ ہے: ''معجزہ ایک ایسا خلافِ عادت فعل ہے کہ جو دعوٰی نبوت و امامت وغیرہ کے ساتھ ملا ہوتا ہے۔ خدا اس سے اپنے اولیا علیہم السلام کی تائید فرماتا ہے، تاکہ یہ ان کے دعوٰی کی صداقت کی دلیل بنے''۔

معجزہ اور قرآن

قرآن مجید میں بہت سی ایسی آیات ہیں جو خارق العادۃ اُمور سے بحث کرتی ہیں اور طبیعت کی روشنی میں قلم اُن کی تحلیل و تجزیے کے آگے بے بس نظر آتا ہے۔ جیسے:

① حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا (سورۂ بقرہ: آیت ۳۸)

''یعنی ہم نے کہا: تم سب یہاں سے نیچے اُتر جاؤ''۔

اسی سورہ کی آیت نمبر ۳۶ میں آیا ہے:

وَ قُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ (سورۂ بقرہ: آیت ۳۶)

''یعنی ہم نے کہا: (اب) تم ایک دوسرے کے دشمن بن کر نیچے اُتر جاؤ اور ایک مدت تک زمین میں تمھارا قیام اور سامانِ زیست ہوگا''۔

قارئین کرام! خداوند عالم نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں خلق کرکے فرمایا:

''اے آدمؑ! تم اور تمھاری زوجہ جنت میں قیام کرو اور اس میں جہاں چاہو فراوانی سے کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا''۔

مگر جب اُنھوں نے اس درخت سے پھل توڑ کر کھایا تو خدا نے انھیں جنت سے نکل کر کرۂ ارضی پر اُتر جانے کا حکم دیا اور وہ زمین پر آ گئے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ زمین پر کیسے آئے؟ انھیں وہاں سے یہاں لے آنے کا وسیلہ کون سی چیز بنی؟ کیا اس وقت کوئی ایسی فضا میں اُڑنے والے مادی آلات موجود تھے کہ جن کے ذریعے سے وہ یہاں پہنچے؟

میرا نہیں خیال کہ کوئی شخص یہ تصور بھی کرے کہ اس وقت ہوائی جہازوں کی مانند کوئی آلہ جس کے وسیلے سے وہ یہاں منتقل ہوئے۔ لہٰذا اب اس مسئلے کا اس کے علاوہ بھی کوئی حل ہے کہ ہم یہ کہیں کہ وہ خدا کی قدرت سے وہاں سے یہاں آئے تھے، نہ کہ مادی وسائل کی مدد سے۔

② حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں آنے والے طوفان کے قصہ میں آیا ہے کہ پوری

زمین حتیٰ کہ پہاڑ بھی اس سیلاب میں ڈوب گئے تھے اور اس پانی کی وجہ سے سوائے حضرت نوح علیہ السلام کے ہمراہ کشتی میں موجود افراد کے تمام حیوانات و نباتات مر گئی تھیں۔ اور طوفان کے بعد حیوانات و نباتات کی زندگی کا آغاز نئے سرے سے ہوا تھا۔

یہاں پر پہلا سوال یہ ذہن میں آتا ہے کہ اتنا پانی کہاں سے آیا تھا؟ اور کدھر چلا گیا؟

اس کے بارے میں قرآن مجید کے الفاظ یہ ہیں:

قِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ

"کہ اے زمین! اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان! تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا"۔

اب پہلے مرحلے میں بارشوں کے برسنے اور تنور سے پانی کے اُبلنے اور بہت زیادہ پھیل جانے کے بارے میں بہت سے سوال ذہن میں آتے ہیں۔ اس پانی نے اپنا راستہ نہروں اور سمندروں کو کیوں نہ بنایا حتیٰ کہ پوری زمین پر پانی ہی پانی ہو گیا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ لائق تعجب امر یہ ہے کہ اس پانی نے زمین پر اور اس کے اندر موجود تمام چیزوں کو نابود کر دیا مگر زمین خشک نہ ہو سکی۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے سوالات ہیں جو اس قصے سے جنم لیتے ہیں۔

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعے میں آیا ہے کہ جب ان کی قوم نے انہیں جلانا چاہا تو تمام موجودات نے [illegible] لکڑیاں اکٹھی کی تھیں، ان میں آگ جلائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو [illegible] میں پھینک دیا۔ ارشاد قدرت ہوا:

قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا

"ہم نے کہا اے آگ! ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا"۔

[illegible]

[illegible]

کہ خدایا! میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟

خداوندعالم نے فرمایا: اے ابراہیمؑ! کیا تیرا اس پر ایمان نہیں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: کیوں نہیں، میرا اس پر ایمان ہے لیکن میں اپنے دل کو تسلی و اطمینان دینا چاہتا ہوں۔

اس پر خداوندعالم نے فرمایا: اچھا! تم چار پرندوں کو پکڑ کر اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو اور ان کا ایک ایک حصہ ہر پہاڑ پر رکھ دو، پھر انھیں بلاؤ تو وہ تیزی سے تمھارے پاس آجائیں گے۔

یہ حکم ملنے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار مختلف قسم کے پرندوں کو پکڑا، اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کیے اور اُنھیں کوٹ کوٹ کر ان کی کھال اور خون ایک کر دی۔ پھر ان کے اجزا کو نو یا دس پہاڑوں پر رکھ کر انھیں یوں ندا دی: اَجِبْنَ بِاِذْنِ اللهِ۔

ان کے بکھرے ہوئے اجزا جڑ گئے۔ ان کی ہڈیاں اور گوشت اپنی اپنی جگہ پر آگئیں اور وہ پرواز کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آگئے۔

⑤ حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ میں آیا ہے:

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ (سورۂ دھر: آیت ۱۰)

لوہا جب حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں میں آتا تو مثلِ موم بتی یا آٹا نرم ہو جاتا تھا۔ اس کے لیے آپؑ کو لوہا آگ میں رکھنے یا اسے ہتھوڑے وغیرہ سے کوٹنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ آپؑ لوہے سے زرہیں بنایا کرتے تھے۔ زرہ ایک جنگی لباس ہوتا ہے اور اسے تیر و تلوار اور نیزے وغیرہ سے بچنے کے لیے پہنا جاتا ہے۔ نیز آثار کے مطالعے سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ سب سے پہلے زرہ آپؑ نے ہی بنائی تھی۔

⑥ حضرت یونس علیہ السلام، کہ جنھیں مچھلی نگل گئی تھی کے قصہ میں آیا ہے:

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ۝ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝ (سورۂ صافات: آیت ۱۴۲-۱۴۳)

"یعنی اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوجاتے تو اُٹھائے جانے والے دن (قیامت) تک اس (مچھلی) کے پیٹ میں ہی رہتے"۔

⑦ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ کے بارے میں آیا ہے کہ نوے برس کی عمر تک ان کی کوئی اولاد نہ تھی مگر اس کے بعد خدا نے انھیں حضرت اسحاق علیہ السلام کی صورت میں ایک بیٹا عطا کیا، جن کی نسل سے بہت سے انبیاء علیہم السلام پیدا ہوئے۔ اور اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی کبرسنی کی آخری حد کو پہنچے ہوئے تھے۔

⑧ حضرت موسیٰ بن عمرانؑ کے قصہ میں آیا ہے کہ اُن کا عصاء اژدھا بن کر جادوگروں کی رسیوں اور چھڑیوں کو کھا گیا تھا اور اس کے بعد اپنی سابقہ حالت پر واپس آ گیا تھا۔

اب یہ سوچ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ ایک لکڑی کیسے اژدھا بن گئی؟ اس کی ماہیت کیسے تبدیل ہوگئی؟ اس میں روح وحیات کیونکر آ گئی؟ پھر یہ لکڑی کا بنا ہوا اژدھا جادوگروں کی ڈالی ہوئی رسیوں کو نگل کر کس طرح اپنی سابقہ حالت کی طرف لوٹ گیا اور نہ جانے وہ رسیاں اور چھڑیاں کدھر گئیں؟

⑨ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سمندر میں عصا مار کر راستہ بنانے کے بارے میں قرآن مجید میں ارشادِ قدرت ہوا ہے:

فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا (سورۂ طٰہٰ: آیت ۷۷)

"پھر اُن کے لیے دریا میں عصا مار کر خشک راستہ بنا دو"۔

حکمِ الٰہی ملنے پر حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے جونہی عصا سمندر میں مارا تو پانی پھٹ گیا اور سمندر کے نیچے زمین ظاہر ہوگئی اور اس میں بارہ راستے بن گئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے تمام اسباط میں سے ہر ایک سبط کے لیے ایک راستہ ٹھہرا اور اس راستے کی دونوں طرف پانی رُک گیا اور اس کی حرکت میں جمود پیدا ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں نے راستہ طے کیا اور مصر سے لبنان چلے گئے۔ اِدھر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہیوں میں سے آخری شخص سمندر سے نکلا اور اُدھر سے فرعون کا لشکر سمندر میں داخل ہوا۔ اور جب اس کا پورا لشکر سمندر کے بیچ میں آ گیا تو سمندر کے پانی نے انھیں آ لیا اور وہ سارے غرق ہو گئے۔

⑩ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے قصہ میں آیا ہے کہ وہ بغیر باپ کے معجزانہ طور پر پیدا ہوئے۔ کیا عام طور پر اس بات کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ مرد کے نطفہ کے بغیر ماں کے بطن

میں ایک انسان کی تخلیق و تکوین ہو جائے؟

ہاں! یہ قدرتِ الٰہیہ کا ہی عالی شان نمونہ ہے۔ جیسا کہ وہ سورۂ مبارکہ تحریم کی آیت نمبر ۱۲ میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيٓ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا

تفاسیر میں ملتا ہے کہ حضرت جبرائیل امینؑ نازل ہوئے اور اُنھوں نے حضرت مریم علیہاالسلام کے کُرتے کے گریبان میں پھونکا تو انھیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حمل ٹھہر گیا۔

بہرحال...... کیا مادہ و طبیعت کی روشنی میں ان اُمور کی تحلیل ممکن ہے؟

(۱۱) اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہی آیا ہے کہ آپؑ مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو خدا کے اِذن سے شفا دیا کرتے تھے۔ اس مقصد کے لیے آپؑ کوئی مادی ذریعہ بروئے کار نہ لاتے، بلکہ آپؑ صرف مریض کی طرف دیکھتے یا اس کے جسم کے بیماری والے حصّے پر اپنا دست مبارک پھیرتے اور یا اس کی شفایابی کے لیے بارگاہِ الٰہی میں دُعا کرتے تو خداوند عالم بیمار شخص کو صحت سے نواز دیتا۔ اسی طرح آپؑ کا مُردوں کو زندہ کرنا اور مٹی کا پرندہ بنا کر اس میں پھونک مارنا اور اس کا خدا کے اِذن سے سچ مچ پرندہ بن جانا بھی آپؑ کے روشن معجزات میں سے تھے۔

اسی طرح اور بھی ایسی سیکڑوں آیات ہیں کہ جو ایسے ہی خارق العادت اُمور سے بحث کرتی ہیں کہ جن کی مادیات کے قانون میں کوئی تفسیر نہیں۔

ہم نے یہ چند آیات آپ قارئین کی خدمت میں پیش کر دی ہیں کہ جو خلافِ عادت و طبیعت اُمور سے بحث کرتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا علمِ جدید ان اُمور و قضایا کو طبیعت و مادہ کی روشنی میں حل کرسکتا ہے؟ کیا نئی مسلمان نسل کتابِ خدا اور اس کے کلام میں کوئی شک کرسکتی ہے؟ کیا یہ آیات ہمیں اس بات پر آمادہ نہیں کرتیں کہ ہم مادہ و طبیعت سے ہٹ کر بھی کچھ سوچیں اور کسی چیز پر ایمان رکھیں؟ جبکہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ خداوند عالم کی قدرت محدود نہیں، وہ جو کرنا چاہتا ہے اس کے لیے اُسے صرف "کُن" کہنا پڑتا ہے تو وہ ہو جاتا ہے اور چیزیں تو اس کے اُمر کی نہیں بلکہ ارادے اور قول کی نہیں بلکہ مشیت کی پابند ہوتی ہیں۔

اب اتنی طویل بحث کے بعد کیا ہمارے لیے درست نہیں کہ ہم معجزات کے قانون پر ایمان رکھیں، کیونکہ یہ خدا کے افعال ہوتے ہیں کہ جنھیں خداوند عالم اپنے ان اولیاء مکرمین کے ہاتھوں پر جاری کرتا ہے کہ جنھیں وہ ان قدروں سے نواز دیتا ہے حتیٰ کہ لوگ ان کی باتوں کی تصدیق کرنے، اُن کی رسالت کو ماننے اور ان کے منجانب اللہ ہادی ہونے کو ماننے لگ جاتے ہیں۔

عقل اور معجزہ

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عقل معجزات کے قانون کو نہیں مانتی۔ ایسے لوگوں سے ہمارا سوال یہ ہے کہ یہ عقل کون سی ہے؟ کیا یہ وہی مادی عقل ہے کہ جو نہ آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتی ہے اور نہ ہی خدا اور اس کی قدرت پر؟ اور اس کا ایمان فقط اور فقط مادہ پر ہوتا ہے۔ اگر معترض عقل سے مراد اِسے لیتا ہے تو ہم اسے عقل تسلیم کرنے پر تیار نہیں، بلکہ یہ ایک جہالت ہے جس کا کوئی وزن نہیں۔ کیونکہ نہ تو اس سے اُمور کو پرکھا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس سے حقائق کا اِدراک کیا جاسکتا ہے۔

معجزہ، اور اس کا استہزاء کرنے والے

فلسفہ کے بعض دعویدار کہتے ہیں کہ ہمیں معجزات کو بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ نئی نسل کے لیے اسے قبول کرنا اور اس پر ایمان لانا مشکل ہوتا ہے۔ یہ خلافِ عادت ہونے کی وجہ سے مزاح کا مورد بنتا ہے اور علمِ جدید بھی اسے ماننے پر تیار نہیں۔

ایسے لوگوں کے جواب میں ہم صرف اتنا کہتے ہیں کہ کسی چیز کو بعید قرار دینا اور اسے موردِ مزاح ٹھہرانا، اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوتا کیونکہ یہاں ایسے بہت سے ثابت شدہ حقائق ہیں کہ جو خواہ مخواہ مذاق و تمسخر کرنے والوں کے طنز و مزاح کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ تو کیا صرف ایسے مسخرہ بازوں کے تمسخر و تحقیر کے بل بوتے پر ان عظیم الشان حقائق ثابتہ کا انکار کر دیا جائے گا؟ اور بس!

ہمارے قارئین پر واضح ہونا چاہیے کہ جاہلوں کا حقائق، عقائد صحیحہ اور مقدس چیزوں کا

مذاق اُڑانا تو نئی بات نہیں، بلکہ ایسا تو انبیاء کرام علیہم السلام کے اُدوار و اَزمان میں بھی ہوتا رہا ہے جیسا کہ بہت سی قرآنی آیات میں اس کی تصریح موجود ہے۔

تو کیا ہم انبیاء علیہم السلام کے معجزات پر مشتمل آیات کو قلم زد کر دیں؟ یا نئی نسل کی رعایت کرتے ہوئے حقائق سے منہ موڑ لیں؟ یا ان سب کی نسبت ہمارے لیے یہ بات آسان ہے کہ ہم نئی مسلمان نسل کے افکار کو اس قدر بلند کر دیں کہ وہ آسانی کے ساتھ حقائق کو مان لیں۔ اپنی فکر کو مادیت کے بندھن سے آزاد کر لیں، ماورائے طبیعت کا اعتراف کرنا شروع کر دیں اور خدا کی اس قدرت پر ایمان لے آئیں کہ جو ہر طرح کی طبیعت، مادیت اور عادت سے بالاتر ہے؟!

معجزاتِ اِذنِ الٰہی سے صادر ہوتے ہیں

یہ بھی ایک واضح اور بدیہی اَمر ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے ہاتھوں پر خدا کے اذن سے معجزات کا صدور ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ قدرت ہوتا ہے:

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ○ (سورۂ غافر: آیت ۷۸)

"اور کسی پیغمبرؐ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ کے اِذن کے بغیر کوئی معجزہ پیش کرے، پھر جب اللہ کا حکم آ گیا تو حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور اس طرح اہلِ باطل خسارے میں پڑ گئے"۔

یہ آیت مکمل صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے بس میں نہیں ہوتا کہ وہ اپنے پاس سے کوئی معجزہ پیش کریں یا جونہی لوگ معجزہ طلب کریں وہ فوراً اُسے ان کے سامنے ظاہر کر دیں بلکہ یہ سارا کام خداوند قدیر کے قبضۂ قدرت میں ہے اور جب وہ مصلحت دیکھتا ہے تو معجزہ کروا دیتا ہے اور انبیائے علیہم السلام کے پاس ایسے تصرفات کا کوئی مستقل اختیار نہیں ہوتا اور وہ بغیر اذنِ الٰہی کسی بھی ایسے خلافِ عادت فعل پر قدرت نہیں رکھتے، بلکہ وہ ایسے معاملات میں خدا کی قدرت و مدد پر انحصار کرتے ہیں۔

مزید برآں اس آیت میں وارد شدہ کلمہ (اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ) بھی توجہ طلب ہے۔ اس لفظ کے بہت سے معانی ہوتے ہیں اور بعض اوقات یہ تیسیر و تکوین (بنانے) کے معنی میں بھی ہوتا ہے، جیسا کہ سورۂ بقرہ میں آیا ہے:

تُؤْتِیْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا (آیت ۲۵)

"وہ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل دے رہا ہے"۔

ممکن ہے کہ اس آیت اور اسی طرح ہر اس آیت میں باذن اللہ کا معنی یہی ہو کہ جس میں معجزے کا ذکر آیا ہے۔ یعنی اللہ ہی ہے جو معجزے کی انجام دہی کو آسان و ممکن بناتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ خداوند عالم ہر چیز پر قادر ہے اور وہ تمام جہانوں کی ہر ہر چیز اس کے ارادے کے تابع اور اُس کی مشیت کے آگے جھکی ہوئی ہے اور جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو فقط "کُن" کہتا ہے اور وہ چیز ہو جاتی ہے۔

بنابرایں اس اَمر میں کوئی مانع نہیں ہے کہ وہ پوری کائنات کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارادے کے تابع کر دے اور وہ اس میں جیسے چاہیں اس کی حکمت و مصلحت کے مطابق تصرف کریں۔

اور یہ بھی واضح رہے کہ اگرچہ معجزہ ایک خلافِ عادت و طبیعت فعل ہے لیکن خدا طبیعت کا خالق ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے لیے اس طبیعت میں ردّ و بدل کرنا اور اُس کی خصوصیات کو سلب کرنا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔

اوصیاءؑ تسلسلِ انبیاءؑ ہیں

ہم نے اُوپر جو انبیائے علیہم السلام کے معجزات اور ان کے امکان و صدقِ وقوع کے بارے میں ایک تمہیدی مقدمہ ذکر کیا ہے اس کا اصل ہدف یہ آنے والی بحث ہے کہ انبیاءؑ کے اوصیاءؑ کو بھی بالکل اسی وجہ سے ہی معجزہ دکھانے کی صفت سے متصف کیا جاتا ہے، کیونکہ جو شخص کسی نبیؑ کا وصی ہونے کا دعویٰ کرے اور خود کو اس کا قائم مقام سمجھے تو ضروری ہے کہ اُس کے پاس اپنے اس دعویٰ کی کوئی سند و حجت اور اطمینان بخش دلیل موجود ہو تا کہ لوگ اُس کی تصدیق کریں اور

اس کے احکام کی پیروی کریں۔

یہ حقیقت تو بالکل واضح ہے کہ معجزہ دکھانا صرف انبیائے علیہم السلام کا ہی خاصہ نہیں، بلکہ اُن کے اوصیاءؑ بھی اس الٰہی طاقت کے حامل ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت آصف بن برخیا جو حضرت سلیمان بن داوٗد علیہما السلام کے وصی تھے، جو چشم زدن میں تختِ بلقیس کو یمن کے شہر "سبا" سے اُردن لے آئے تھے اور اُن کے پاس کتاب کا کچھ علم یعنی اسمِ اعظم کا ایک حرف تھا۔ ①

اور جہاں تک ائمہ اثنا عشر کی بات ہے تو یہ ہستیاں تو پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصیاء و خلفاء ہیں جیسا کہ اس کے دلائل اپنے مقام پر مذکور ہیں۔ بنابرایں یہ نفوسِ طاہرہؑ اپنی امامت اور اپنے کلام کی صداقت دوسروں کی نسبت زیادہ محکم دلائل رکھتے تھے اور ان میں امامت اُمت کی شرائط پورے کمال کے ساتھ پائی جاتی تھیں اور ان شرائط میں سے ایک شرط معجزہ دکھانا بھی ہے۔

احادیث کے بڑے دفتر میں ائمہ طاہرین علیہم السلام کے ہاتھوں سے صادر ہونے والے معجزات اتنے زیادہ بیان کیے گئے ہیں جو حدِ تواتر سے بھی متجاوز ہیں۔ یہ معجزات ائمہ علیہم السلام کے تحت صادر ہوئے ہیں، کیونکہ بعض اوقات ائمہ علیہم السلام لوگوں کو معجزہ دکھا کر قائل کرتے تھے اور بعض اوقات اس کے علاوہ وہ ذرائع سے مدد لیتے تھے اور معجزہ دکھانے سے عجز ظاہر کرتے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہر طرح کی قوت و طاقت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کا یہ طرزِ عمل بھی چند ایسے مصالح پر مبنی ہوتا ہے جو ظاہراً ہماری دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔

ہم نے یہ بحث اس لیے ذکر کی ہے، تا کہ ہمارے قارئین اس کتاب اور دیگر کتب میں مندرج ائمہ معصومین علیہم السلام کے معجزات پر مشتمل روایات کو آسانی سے سمجھ لیں، تا کہ نہ کوئی ہمیں ان روایات کی بنا پر غالی کہے اور نہ ہی کوئی ہمیں خرافات کا معتقد سمجھے اور لوگوں کو

---

① تفسیر منہج الصادقین کی جلد ۷، ص ۱۵ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ایک روایت میں آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تختِ بلقیس کو حضرت علی علیہ السلام نے خدا کے اسمائے اعظم میں سے ایک اسم کی مدد سے ظاہر کیا تھا۔

بہکانے کے لیے یہ کہتا پھرے: شیعہ حضرات تو اپنے ائمہؑ کے بارے میں ایسی ایسی خرافات کا عقیدہ رکھتے ہیں جن کے بارے میں اُن کے پاس کوئی بھی محکم دلیل نہیں ہے۔

اب ہم اس بحث میں ایک اور بات کا اضافہ کرتے ہیں کہ اگر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے زمانے میں علی الاعلان بات پر معجزہ دکھاتے اور طبیعت و عادت کو چیلنج کرتے تو آپؑ کے لیے قیامت بپا ہوجاتی اور لوگ آپؑ کو بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح جادوگر کہنا شروع کر دیتے جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد آیات اس پر شاہد ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ مسلمان ساحر کو قتل کرنا اس کی معروف سزا ہے۔ اس بنا پر آپؑ کے دشمنوں کو ایک موقع ہاتھ آجاتا اور وہ آپؑ کے الٰہی معجزے کو سحر و جادو کہہ کر آپؑ کے قتل کے سنگین اِقدام کے دَرپے ہوجاتے۔

البتہ یہ بات درست ہے کہ امام علیہ السلام اپنے بعض شیعوں کے سامنے معجزات و کرامات کا اظہار کرتے تھے، لیکن انھیں ظاہر کرنے سے پہلے امام علیہ السلام ان سے پکّی قسمیں لیتے تھے کہ وہ ان کے بارے میں کسی کو بھی نہ بتائیں گے مگر اس کے باوجود بھی بعض لوگ ضبط نہ کر پاتے اور لوگوں کے سامنے انھیں بیان کر کے خود ہلاکت میں ڈال دیتے تھے۔ جیسا کہ معلّیٰ بن خنیسؒ کی طرف اسی کی نسبت دی گئی ہے اور بعض امام علیہ السلام کی وفات تک یہ باتیں کسی سے نہ بیان کرتے اور انھیں راز میں ہی رہنے دیتے تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے معجزات

معزز قارئین! اب جب ہم یہ بات آپ کے اذہان میں اچھی طرح بٹھا چکے ہیں کہ جس طرح نبی علیہ السلام سے معجزات صادر ہوتے ہیں اسی طرح امام علیہ السلام سے بھی صادر ہوتے ہیں لہٰذا ہم یہاں آپ احباب کی خدمت میں سرکار صادقِ آلِ محمد علیہ السلام کے بعض معجزات کو پیش کرتے ہیں اور جو صاحبانِ تفصیل کے طالب ہیں وہ ہمارے موسوعہ کی طرف رجوع کریں۔

امام علیہ السلام کا عربی زبان میں بات کرنا اور حاضرین کا اُسے اپنی اپنی زبانوں میں سننا

ابان بن تغلب کہتے ہیں: ایک دفعہ مدینہ میں، میں اپنے گھر سے صادقِ آلِ محمد علیہ السلام کی خدمت میں حاضری دینے کی نیت سے نکلا۔ جب میں امام علیہ السلام کے دولت خانے کے دروازے پر پہنچا تو میں نے چند لوگوں کو دیکھا وہ بہت اچھے قدوقامت اور شکل وشمائل والے افراد تھے اور وہ بڑے ہی وقار واطمینان کے ساتھ امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضری دے کر واپس جارہے تھے۔

پھر ہم امام علیہ السلام کے آستانہ قدس میں داخل ہوئے۔ امام علیہ السلام نے ہم سے کلام کرنا شروع کر دیا۔ ہم پندرہ افراد تھے اور ہماری زبانیں مختلف تھیں۔ کوئی عربی زبان سے آشنا تھا تو کوئی فارسی اور کوئی نبطی وحبشی زبانوں کو جانتا تھا تو کوئی سقلبی زبان بولتا تھا۔ مگر امام علیہ السلام نے ایک ہی بار ہم سے گفتگو فرمائی اور ہم سب نے وہ گفتگو اپنی اپنی زبان میں سمجھ لی۔

پھر جب ہم امام علیہ السلام کی محفل سے باہر آئے تو ہم میں سے کسی نے کہا: کوئی جانتا ہے کہ وہ حدیث کیا تھی جو امام علیہ السلام نے ہم سے بیان کی۔

تو ایک عربی زبان بولنے والے نے کہا: امام علیہ السلام نے عربی زبان میں مجھ سے یہ حدیث بیان کی۔

اس پر فارسی زبان والا بولا: مجھے تمھاری سمجھ نہیں آتی۔ امام علیہ السلام نے تو فارسی زبان میں ہم سے یہ کہا۔

اس کی بات سن کر حبشی زبان والا کہنے لگا: مجھ سے تو امام علیہ السلام نے حبشی زبان میں بات کی۔

سقلبی زبان جاننے والے نے کہا: نہیں! امام علیہ السلام نے تو مجھ سے سقلبی زبان میں بات کی ہے۔

اس اختلاف کے پیش نظر ہم سارے امام علیہ السلام کی خدمت میں واپس آئے اور انھیں اس کی خبر دی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: بات ایک ہی تھی مگر تم سب کو اپنی اپنی زبان میں سمجھائی گئی۔
(بحارالانوار: جلد ۴۹، ص ۹۹)

قارئین کرام! آپ نے اس حدیث میں ملاحظہ کیا کہ امام علیہ السلام نے کس طرح اپنے ایک دفعہ ہی بیان کرنے میں اپنی بات مختلف زبانوں اور قومیتوں کے لوگوں کو سمجھا دی۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا ہونا اس معجزانہ قدرت سے ہی ممکن ہوا ہے کہ جو خداوند عالم اپنی حجتوں اور اولیاء کو عطا کرتا ہے۔

ممکن ہے کوئی شخص یہ کہے کہ جناب یہ بات تو آج کل کا معمول بنی ہوئی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں روز میڈیا پر ایسے ایسے پروگرام نشر ہوتے ہیں جو ایک ہی وقت میں مختلف لوگوں کو ان کی علاقائی زبانوں میں سنوائے جاتے ہیں۔ اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ کیا یہ بھی ایک معجزہ ہے یا علمی ارتقاء کی ایک صورت ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ آج کل جو ہم دیکھ رہے ہیں وہ علمی ارتقا کا ایک کرشمہ ہے لیکن واضح رہے کہ اس میں اور امام علیہ السلام کے معجزے میں ایک بڑا فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ جو ایک ہی پروگرام مختلف زبانوں میں نشر ہوتے ہیں ان میں بہت سے ترجمانوں اور مصنوعی سیاروں سے مدد لی جاتی ہے جبکہ امام علیہ السلام نے انھیں بغیر کسی واسطے کے ایک ہی بیان مختلف زبانوں میں سنوایا تھا۔

امام علیہ السلام کا ایک شخص کو بھیڑیے سے بچنے کا طریقہ بتانا

عبداللہ بن یحییٰ کاہلی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا: اگر تم بھیڑیے کو دیکھو تو اس کے شر سے نجات پانے کے لیے کون سا دم پڑھو گے؟

میں نے عرض کیا: میرے علم میں تو کوئی ایسا دم نہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جب تم اسے دیکھو تو اس کے سامنے آیت الکرسی کی تلاوت کرنا اور یہ دم پڑھنا تو وہ تمھارے راستے سے ہٹ جائے گا:

عَزَمْتُ عَلَيْكَ بِعَزِيْمَةِ اللهِ وَعَزِيْمَةِ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَعَزِيْمَةِ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ وَعَزِيْمَةِ عَلِيٍّ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْاَئِمَّةِ مِنْ بَعْدِهٖ

عبداللہ کاہلی کہتے ہیں: اس کے بعد میں کوفہ آیا اور اپنے چچازاد بھائی کے ہمراہ ایک بستی کی طرف نکل گیا۔ ہم جا رہے تھے کہ ہمارے راستے میں ایک بھیڑیا آ گیا۔ میں نے اس کے سامنے آیت الکرسی کی تلاوت کی۔ پھر امام علیہ السلام کا تعلیم کیا ہوا دم پڑھا اور اسے راستہ چھوڑنے اور ہمیں اذیت نہ دینے کا کہا تو اس نے اپنا سر نیچے کر لیا۔ اس نے اپنی دم اپنی ٹانگوں کے اندر کر لی اور جدھر سے آیا تھا اُدھر واپس چلا گیا۔

میری زبان سے یہ کلمات سن کر میرا چچازاد بھائی کہنے لگا: اتنا اچھا کلام میں نے پہلے کبھی تمھاری زبان سے نہ سنا تھا۔

میں نے اُسے بتایا: یہ جو تم نے سنا ہے یہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا کلام ہے۔

اس پر وہ پکار اُٹھا:

اَنَا اَشْهَدُ اَنَّهٗ اِمَامٌ فَرَضَ اللهُ طَاعَتَهٗ

"میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ ایسے امام ہیں جن کی اطاعت خدا نے فرض کی ہے"۔

اس سے پہلے اُسے امام علیہ السلام کی کچھ معرفت نہ تھی۔

عبداللہ کہتے ہیں: واپس آ کر جب میں نے یہ خبر امام علیہ السلام کو بتائی تو امام علیہ السلام نے

فرمایا: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تم دونوں کو نہیں دیکھ رہا تھا؟! اگر تمھارا خیال یہ ہے تو پھر تمھارا بہت غلط خیال ہے۔

پھر آپؑ نے فرمایا:

اِنَّ لِی مَعَ کُلِّ وَلِیٍّ اُذُنًا سَامِعَةً وَعَیْنًا نَاظِرَةً وَلِسَانًا نَاطِقًا

"میرے ہر دوست اور ماننے والے کے ساتھ میرا ایک سننے والا کان، دیکھنے والی آنکھ اور بولنے والی زبان ہوتی ہے"۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! اے عبداللہ! میں نے اس بھیڑیے کو تم دونوں سے دُور کیا تھا اور اس کی نشانی یہ ہے کہ اس وقت تم نہر کے کنارے پر ایک غیر آباد زمین میں تھے۔ اور تمھارے چچازاد بھائی کا نام ہمارے (ہمارے شیعوں کی فہرست میں) لکھا ہوا ہے اور جب تک وہ اس امر (ولایت) کی معرفت حاصل نہ کرے گا خدا اُسے موت نہ دے گا۔

عبداللہ کہتے ہیں: میں نے واپس کوفہ آ کر اپنے چچازاد بھائی کو امام علیہ السلام کی یہ والی بات سنائی تو وہ بے حد خوش ہوا اور وہ تاحیات اسی طرح بابصیرت رہا۔ (بحار الانوار: جلد ۴۷، ص ۹۵)

بے موسمی پھل

داؤد بن کثیر رقی کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی بارگاہِ معلیٰ میں موجود تھا کہ آپؑ کے فرزند موسیٰؑ سردی سے کپکپاتے ہوئے آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

امام علیہ السلام نے اُن سے پوچھا: تُو نے کس حال میں صبح کی؟

وہ کہنے لگے: میں نے خدا کی پناہ میں اور اس کی نعمتوں میں گھرے ہوئے عالم میں صبح کی۔ اب میرا جی کر رہا ہے کہ ایک عمدہ قسم کے انگوروں کا گچھا اور ایک سبز انار ہو اور میں اُنھیں کھاؤں!

داؤد کہتے ہیں: یہ سن کر میں نے کہا: سبحان اللہ! اتنے سرد موسم میں اُنگور مانگے جا رہے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے داؤد! خداوند عالم ہر شے پر قادر ہے، تم باغ میں جا کر تو دیکھو۔ جب میں نے وہاں جا کر دیکھا تو مجھے ایک ہی درخت پر عمدہ قسم کے انگوروں کا ایک گچھا اور سبز انار نظر آئے۔ یہ دیکھ کر میں بے ساختہ کہہ اٹھا:

آمَنْتُ بِسِرِّكُمْ وَعَلَانِيَتِكُمْ

"میں آپؑ کی پوشیدہ وعلانیہ تمام حالتوں پر ایمان لایا"۔

پھر میں نے وہ پھل توڑ کر حضرت موسیٰؑ کو دیے اور وہ بیٹھ کر انھیں تناول کرنے لگے۔

امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اے داؤد! خدا کی قسم! یہ رزق بھیجنے کا فضل قدیم ہے خداوند عالم نے اس سے حضرت مریمؑ بنت عمرانؑ کو افق اعلیٰ سے مخصوص فرمایا تھا۔

جعلی دراہم سے اصلی کو پہچان لیا

شعیب عقرقوفی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ایک شخص نے مجھے ایک ہزار درہم دیے اور کہا: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا اُن کے اہل بیتؑ پر فضل ومرتبہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ پھر کہنے لگا: پانچ چاندی کے درہم لو اور پانچ ان درہموں میں سے لو اور انھیں اپنے کرتے کی جیب میں ڈال لو تو یہ جلدی ہی امام علیہ السلام کا فضل ومرتبہ دیکھ لے گا۔

وہ کہتا ہے: جب میں وہ درہم لے کر امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا تو امام علیہ السلام نے ان درہموں کو پھیلایا اور ان میں سے پانچ درہم چُن کر فرمایا: تم اپنے پانچ لے لو اور ہمارے پانچ ہمیں دے دو۔

صادقِ آلِ محمدؐ کے دستِ مبارک میں اعجازِ ابراہیمیؑ

یونس بن ظبیان سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں ایک جماعت کے ہمراہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا، میں نے عرض کیا: مولاؑ! خداوند عالم نے یہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا تھا: فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ، کیا وہ چاروں پرندے ایک ہی قسم کے تھے یا مختلف اقسام کے تھے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ میں بھی تمھیں ویسا ہی معجزہ دکھاؤں؟

ہم نے کہا: کیوں نہیں؟

ہمارا جواب سن کر امام علیہ السلام نے پہلے مور کو آواز دی: اے مور!

امام علیہ السلام کے آواز دینے کی دیر تھی کہ مور پرواز کرتا ہوا امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ گیا۔ پھر امام علیہ السلام نے کوے کو بلایا۔ وہ بھی آپؑ کے سامنے آ گیا۔ پھر امام علیہ السلام نے باز کو آواز دی تو وہ بھی حاضر ہو گیا۔ پھر امام علیہ السلام نے کبوتر کو بلایا وہ بھی آ گیا۔ اس کے بعد امام علیہ السلام نے حکم دیا کہ ان چاروں پرندوں کو ذبح کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے، ان کی کھال اُتار لی جائے اور ان سب کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا جائے۔ جب یہ سارا کچھ ہو گیا تو امام علیہ السلام نے پہلے مور کا سر پکڑا اور آواز دی: اے مور!

امام علیہ السلام کا آواز دینا تھا کہ ہمارے دیکھتے دیکھتے مور کا گوشت، ہڈیاں اور کھال دوسرے پرندوں کے گوشت، ہڈیوں اور کھالوں سے جدا ہو کر سارا اس کے سر کے ساتھ لگ گیا اور وہ مور زندہ ہو کر امام علیہ السلام کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ پھر اسی طرح امام علیہ السلام نے ایک ایک کر کے باقی تین پرندوں کو بھی بلایا اور وہ زندہ ہو کر امام علیہ السلام کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ (الخرائج والجرائح، جلد ۱، ص ۲۹۷)

امام علیہ السلام کا ایک شخص کے مُردہ بھائی کو زندہ کرنا

محمد بن راشد نے اپنے دادا سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک مسئلہ دریافت کرنے کی غرض سے آپؑ کے آستانۂ اقدس پر حاضر ہوا تو مجھے بتایا گیا کہ سید حمیری شاعر کا انتقال ہو گیا ہے اور آپؑ اس کی نماز جنازہ کے لیے وہاں تشریف لے گئے ہیں۔ میں آپؑ کے پیچھے قبرستان کی طرف چل پڑا۔ وہاں جا کر میں نے آپؑ سے اپنا مسئلہ پوچھا اور اُنھوں نے مجھے اس کا جواب دیا۔ پھر جب میں اُٹھ کر واپس آنے لگا تو آپؑ نے میرے کُرتے سے مجھے اپنی طرف کھینچ کر فرمایا: تم حدیث والوں نے علم کو ترک کر رکھا ہے۔ (بروایت دیگر تم فتنہ پرور لوگوں نے علم کو ترک کر رکھا ہے)

میں نے ان سے پوچھا: کیا اس زمانے کے امام آپ ہیں؟

اُنھوں نے جواب دیا: جی ہاں! مَیں ہی اس زمانے کا امامؑ ہوں۔

میں نے پوچھا: کیا آپؑ اس کی کوئی دلیل یا نشانی دکھا سکتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: اس کی نشانی یہ ہے کہ تم جس چیز کے بارے میں بھی سوال کرو گے مَیں ان شاء اللہ تمھیں اس کا جواب دوں گا۔

میں نے عرض کیا: میرا بھائی فوت ہوگیا ہے اور میں نے اُسے اس قبرستان میں دفن کردیا ہے۔ اگر آپؑ کرسکتے ہیں تو اُسے خدا کے اِذن سے زندہ کردیجیے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تو خود تو اس کا اہل نہیں، مگر تمھارا وہ بھائی مومن تھا اور اس کا نام احمد تھا۔ یہ کہہ کر امام علیہ السلام اُس کی قبر کے قریب گئے اور آپؑ نے دُعا فرمائی۔ خدا کی قسم! وہ اپنی قبر سے اُٹھ کر میری طرف آیا اور یہ کہنے لگا:

یَا اَخِی اِتَّبِعْهُ وَ تُفَارِقْهُ

''اے میرے بھائی! ان کی پیروی کرنا اور ان کا ساتھ نہ چھوڑنا''۔

اتنی سی بات کہہ کر وہ دوبارہ اپنی قبر میں چلا گیا۔ اس کے بعد امام علیہ السلام نے مجھ سے قسم لی کہ مَیں یہ بات کسی کو نہ بتاؤں گا۔ (الخرائج والجرائح، الثاقب فی المناقب)

امام علیہ السلام کا مسروقہ چادر کو واپس پلٹانا

ابراہیم بن عبدالحمید سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے مکہ سے ایک چادر خریدی اور قسم کھائی کہ میں اسے اپنی ملکیت سے نہ نکالوں گا حتیٰ کہ یہی چادر میرا کفن بنے گی۔ ایک دفعہ میں اس چادر کو اُوڑھ کر عرفہ کی جانب نکل گیا۔ وہاں میں کچھ دیر ٹھہرا اور واپس مزدلفہ آگیا۔ پھر میں نے نماز کے وقت وضو کرنے کے لیے اسے اُتارا اور وضو کرنے چلا گیا۔ لیکن جب میں واپس آیا تو وہ چادر اپنی جگہ سے غائب تھی۔ اس سے مجھے بہت دُکھ ہوا اور ساری رات اسی فکر نے مجھے گھیرے رکھا حتیٰ کہ صبح ہوگئی اور میں وضو کر کے لوگوں کے ہمراہ منیٰ کی جانب چل پڑا۔ خدا کی قسم! جونہی میں مسجد الخیف میں پہنچا تو امام جعفر صادق علیہ السلام کا قاصد میرے پاس آیا اور اُس نے مجھے کہا: امام علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ فوراً ہمارے پاس آؤ۔

یہ پیغام سن کر میں جلدی سے اُٹھا اور امام علیہ السلام کے خیمہ میں چلا گیا۔ میں نے انھیں سلام عرض کیا اور ان کے پاس بیٹھ گیا تو امام علیہ السلام نے میری طرف دیکھ کر فرمایا:

يَا اِبْرَاهِيْمُ! اَتُحِبُّ اَنْ نُعْطِيَكَ بُرْدَةً تَكُوْنُ كَفَنَكَ؟

"اے ابراہیم! کیا تم چاہتے ہو کہ ہم تمھیں ایک ایسی چادر عطا کریں جو تمھارا کفن بنے؟"

ابراہیم کہتا ہے: میں نے کہا: اس خدا کی قسم! جس کی ابراہیم قسم کھا رہا ہے، میری ایک چادر گم ہوگئی ہے۔

ابراہیم کہتا ہے: یہ سن کر امام علیہ السلام نے اپنے غلام کو آواز دی تو وہ ایک چادر لے آیا۔ خدا کی قسم! وہ میری ہی چادر تھی جو میں نے خود اپنے ہاتھوں سے تہہ کی تھی۔

اس پر امام علیہ السلام نے فرمایا:

خُذْهَا يَا اِبْرَاهِيْمُ وَاحْمَدِ اللهَ

"اے ابراہیم! اسے لے لو اور خدا کا شکر ادا کرو"۔ (کشف الغمہ: جلد ۲، ص ۱۹۲)

معزز قارئین! واضح رہے کہ جب چادر چوری ہوئی تھی تو امام علیہ السلام نے معجزے کے ذریعے اسے چور سے لے لیا تھا اور بعد میں اسے اس کے اصلی مالک کے سپرد کر دیا اور وہ چادر بالکل اسی طرح تہہ شدہ تھی جیسے اس نے خود تہہ کی تھی۔

امام علیہ السلام کا قبر میں موجود ایک میت کا حال بتانا

عروہ بن موسیٰ جعفی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ایک روز ہم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ بات چیت کر رہے تھے تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

اَلسَّاعَةَ اِنْفَقَأَتْ عَيْنُ هِشَامٍ فِيْ قَبْرِهٖ

"ابھی ابھی ہشام کی قبر میں اُس کی آنکھ پھوڑی گئی ہے"۔

ہم نے پوچھا: وہ کب مرا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: آج اُسے مرے ہوئے تیسرا دن ہے۔

عروہ کہتے ہیں: امام علیہ السلام کے فرمانے پر ہم نے سمجھ لیا کہ وہ مرگیا ہے اور جب ہم نے اُس کے بارے میں اِدھر اُدھر سے معلومات لیں تو بات بالکل اسی طرح تھی جس طرح امام علیہ السلام نے ہمیں بتائی تھی۔

امام علیہ السلام کا ایک شخص کو اس کی والدہ کے عنقریب انتقال کرجانے کی خبر دینا

صفوان کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں موجود تھا کہ ایک شخص آکر کہنے لگا: میری والدہ فوت ہوگئی ہیں۔

امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: نہیں، تمھاری ماں فوت نہیں ہوئی۔

اس نے کہا: میں خود ان پر کپڑا ڈال کر آیا ہوں۔

یہ سن کر امام علیہ السلام اُٹھ کر اُس کے ساتھ چل پڑے اور آپؑ نے اُس کے گھر جا کر دیکھا تو وہ عورت اپنی جگہ بیٹھی ہوئی تھی۔

امام علیہ السلام نے اُس کے بیٹے سے کہا: اپنی ماں کی خدمت کرو اور جو چیز یہ مانگے اسے کھلاؤ۔

اس لڑکے نے ماں سے کہا: اے اماں! آپ کون سی چیز کھانا پسند کریں گی؟

اُس عورت نے جواب دیا: میرا دل پکے ہوئے منقی پر کر رہا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اسے ایک بڑا طشت منقے کا پیش کرو۔

جب اس لڑکے نے منقے کا طشت اپنی ماں کے سامنے رکھا تو اُس نے اس میں سے جتنی اس کی طبیعت تھی، کھایا۔

پھر امام علیہ السلام نے اس لڑکے کو کہا: اپنی ماں سے کہو: فرزندِ پیغمبرؐ کہتے ہیں کہ آپ وصیت کریں۔ تو اس عورت نے وصیت کی اور پھر اُس کی روح پرواز کرگئی۔

راوی کہتا ہے: ہم امام علیہ السلام کے ہمراہ ہی تھی کہ امام علیہ السلام نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور اُسے دفن کردیا گیا۔ (الخرائج والجرائح)

امام علیہ السلام کا سجدہ کرنا اور لوگوں کو نظر نہ آنا

معاویہ بن وہب بیان کرتے ہیں: میں مدینہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے

ساتھ تھا۔ آپؑ اپنے گدھے پر سوار تھے۔ اس وقت ہم بازار میں یا اس کے قریب کسی مقام پر تھے۔ امام علیہ السلام اپنی سواری سے نیچے اُترے اور سجدے میں گر گئے۔ آپؑ نے کافی طویل سجدہ ادا کیا اور میں آپؑ کا انتظار کرنے لگا۔

پھر جب آپؑ نے اپنا سرِ مبارک سجدے سے اُٹھایا تو میں نے عرض کیا: قربان جاؤں! آپ نے اپنی سواری سے اُتر کر کیوں سجدہ کیا ہے؟!

امام علیہ السلام نے فرمایا: مجھے اُوپر کیے ہوئے خدا کے احسانات یاد آ گئے تھے۔

میں نے عرض کیا: مولا! ادھر قریب ہی بازار ہے اور لوگ آ جا رہے ہیں؟! (یعنی اگر آپؑ نے سجدہ کرنا تھا تو یہاں ہی کیوں کیا؟ خدا کی زمین وسیع ہے کہیں اور کر لیتے، حالانکہ یہاں تو لوگوں کی آمد و رفت بھی بہت زیادہ ہے)۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگرچہ یہاں لوگوں کی آمد و رفت بہت زیادہ ہے مگر مجھے کسی نے بھی نہیں دیکھا۔

امام علیہ السلام کا زکوٰۃ کے دیناروں سے ہدیے کے دینار الگ کر دینا

حضرت ابو بصیرؒ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: شعیب عقرقوفی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے پاس دیناروں کی ایک تھیلی تھی۔ اس نے وہ تھیلی امام علیہ السلام کے سامنے رکھ دی۔ امام علیہ السلام نے اس سے پوچھا: یہ مالِ زکوٰۃ ہے یا قرابتِ رسولؐ خدا کا صلہ ہے؟

وہ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گیا اور کہنے لگا: زکوٰۃ بھی ہے اور صلہ بھی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہمیں زکوٰۃ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(حضرت ابو بصیرؒ فرماتے ہیں:) پھر امام علیہ السلام نے ان دیناروں کی مٹھی بھری اور اس کے حوالے کر دی۔

حضرت ابو بصیرؒ کہتے ہیں: جب وہ شخص چلا گیا تو میں نے امام علیہ السلام سے پوچھا: ان میں زکوٰۃ کے کتنے درہم تھے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جتنے اس نے مجھے دیئے تھے، باخدا! اس سے ایک دانہ بھی کم یا

زیادہ نہیں تھا۔

کھوکھلے تنوں والے کھجور کے ایک درخت کا فوراً پھل دار ہو جانا

سلیمان بن خالد کہتے ہیں کہ ابو عبداللہ بلخی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ سفر کر رہا تھا۔ جب وہ ایک کھجور کے کھوکھلے تنوں والے درخت کے پاس پہنچے تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

اَيَّتُهَا النَّخْلَةُ السَّامِعَةُ الْمُطِيْعَةُ لِرَبِّهَا اَطْعِمِيْنَا مِمَّا جَعَلَ اللهُ فِيْكِ

"اے اپنے رب کا فرمان سننے والی اور اس کا حکم ماننے والی کھجور! ہمیں وہ چیز کھلا جو خداوند عالم نے تجھ میں قرار دی ہے"۔

راوی کہتا ہے: امام علیہ السلام کا یہ فرمانا تھا کہ ہم پر اچھی اچھی اور ذائقہ دار کھجوریں گرنا شروع ہو گئیں اور ہم نے جی بھر کے کھائیں۔

یہ دیکھ کر بلخی کہنے لگا: قربان جاؤں! آپؑ میں تو حضرت مریمؑ کی سنت بھی موجود ہے۔ (بصائر الدرجات)

ایک کنوے سے میٹھے پانی کا اُبل پڑنا

سلیمان بن خالد ہی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ابو عبداللہ بلخی سفر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: دیکھو! کہیں تمھیں کوئی کنواں دکھائی دیتا ہے؟

بلخی نے دائیں بائیں دیکھا اور کہنے لگا: نہیں، مجھے تو کچھ بھی نظر نہیں آ رہا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پھر دیکھو:

اُس نے دوبارہ دیکھا مگر پہلے کی طرح پھر بھی اُسے کچھ نظر نہ آیا۔ تب امام علیہ السلام نے بلند آواز میں فرمایا:

اَلَا يَا اَيُّهَا الْجُبُّ الزَّاخِرُ السَّامِعُ الْمُطِيْعُ لِرَبِّهٖ اَسْقِنَا مِمَّا جَعَلَ اللهُ فِيْكَ

''خبردار! اپنے رب کے فرمان کو سننے اور اس کے حکم کی اطاعت کرنے والے! موجیں مارتے کنوے! ہمیں وہ مشروب پلا جو خداوند عالم نے تجھ میں قرار دیا ہے''۔

راوی کہتا ہے: امام علیہ السلام کا یہ فرمانا تھا کہ اس کنوے سے میٹھا اور خوشبودار اور خوش ذائقہ وشیریں پانی اُبل پڑا۔ یہ دیکھ کر بلخی بولا: قربان جاؤں! آپؑ میں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سنت بھی موجود ہے۔ (بصائر الدرجات)

قارئین کرام! ممکن ہے کہ سنتِ موسویؑ سے اس کا اشارہ اس فرمانِ الٰہی کی طرف ہو۔

فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا (سورۂ بقرہ: آیت ۶۰)

''ہم نے کہا: اپنا عصا پتھر پر ماریں۔ پس (پتھر پر عصا مارنے کے نتیجے میں) اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے''۔

ایک کھجور کی گٹھلی سے سبز پتّے کا نکلنا

حضرت محمد بن مسلمؒ بیان کرتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا کہ اتنے میں حضرت معلّٰی بن خنیسؒ روتے ہوئے واردِ محفل ہوئے۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: معلّٰی! کیوں رو رہے ہو؟

اُنھوں نے جواب دیا: مولاؑ! دروازے پر کچھ لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ آپؑ (اہلِ بیتؑ) کو اُن پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور آپؑ اور وہ ایک ہی چیز ہیں۔ اتنی سی بات کرکے معلّٰی خاموش ہوگئے۔

امام علیہ السلام نے کھجوروں کا ایک طبق منگوایا۔ اُس میں سے ایک کھجور اُٹھا کر اُس کے دو حصّے کیے، اُنھیں تناول فرمایا اور گٹھلی کو زمین میں دبا دیا۔

امام علیہ السلام نے جونہی گٹھلی زمین میں دبائی تو وہ درخت بن گئی اور اس پر تازہ کھجوریں لگ گئیں۔ پھر امام علیہ السلام نے اُن میں سے بھی ایک کھجور لی۔ اُسے دو برابر حصوں میں تقسیم

کر کے تناول فرمایا اور اس کھجور میں سے ایک پتا نکال کر معلیؒ کو دیا اور اُن سے فرمایا: اسے پڑھیں۔ جب اُنھوں نے اس پتے کو دیکھا تو اس پر یہ عبارت درج تھی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ عَلِيٌّ الْمُرْتَضٰى او الحسنُ وَالحُسَيْنُ وَعَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ...... وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَابْنُهٗ (الخرائج والجرائح: جلد ۲، ص ۶۲۴)

ایک طشت سے دیناروں کا گرنا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی کا بیان ہے: میں کچھ اموال اُٹھا کر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں لے گیا۔ میں دل میں سوچ رہا تھا کہ آج تو میں امام علیہ السلام کی خدمت میں بہت زیادہ اموال لے کر جا رہا ہوں۔ مگر جب میں امام علیہ السلام کے سامنے حاضر ہوا تو امام علیہ السلام نے اپنے ایک غلام کو بلایا اور فرمایا:

"گھر کے بالکل آخری کونے میں ایک طشت پڑا ہے۔ ذرا اُسے لے آؤ"۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے کوئی بات کی (کوئی ذکر پڑھا)۔

جب غلام وہ طشت لے کر حاضر خدمت ہوا تو اُس طشت سے دینار گرنا شروع ہو گئے اور اتنی زیادہ تعداد میں گرے کہ میرے اور اس غلام کے درمیان حائل ہو گئے۔ اس پر امام علیہ السلام نے میری طرف دیکھ کر فرمایا:

اَتَرٰى نَحْتَاجُ اِلٰى مَا فِيْ اَيْدِيْكُمْ ؟ اِنَّمَا نَأْخُذُ مِنْكُمْ مَا نَأْخُذُ لِنُطَهِّرَكُمْ بِهٖ

"تم کیا سمجھتے ہو کہ ہم تمھارے اَموال کے محتاج ہیں؟! یہ تو ہم صرف تمھارے تزکیہ کے لیے تم سے لیتے ہیں"۔ (بحار الانوار: ج ۴۷، ص ۱۰۱)

امام علیہ السلام کا ایک مُردہ گائے کو زندہ کرنا

حضرت مفضل بن عمرؒ فرماتے ہیں: میں مکہ یا منیٰ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ چل رہا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ ایک عورت اور اُس کی ایک چھوٹی سی بچی مُردہ گائے اپنے

سامنے رکھ کر رو رہی تھیں۔

امام علیہ السلام نے اُس سے پوچھا: تمھیں کیا ہوا ہے اور یہ رونا کس بات پر ہے؟

اس نے جواب دیا: میرا اور میری اس بچی کا گزارا اسی گائے سے چل رہا تھا مگر اب یہ مر گئی ہے اور مجھے اپنی روزی کی فکر دامن گیر ہو رہی ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر خدا اسے زندہ کر دے تو کیا تم خوش ہو جاؤ گی؟

وہ کہنے لگی: کیا آپؑ میری مصیبت میں میرا مذاق اُڑا رہے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں۔ میرا ارادہ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ پھر امام علیہ السلام نے دُعا کی اور اُسے پاؤں مار کر بلند آواز میں پکارا تو وہ تیزی سے ٹھیک ہو کر کھڑی ہو گئی۔

یہ دیکھ کر وہ عورت کہنے لگی: ربِ کعبہ کی قسم! یہ عیسیٰؑ بن مریمؑ ہیں۔

پھر امام علیہ السلام لوگوں کے درمیان تشریف لے گئے اور وہ عورت انھیں نہ پہچان سکی۔ (الخرائج والجرائح: ج ۱، ص ۲۹۴)

ایک پہاڑ کا اپنی جگہ سے سرک جانا

حسن بن عطیہؒ کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کوہِ صفا پر کھڑے تھے تو عباد بن بصری کہنے لگا: ایک حدیث آپؑ سے روایت کی جاتی ہے۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: بھلا کون سی؟

اُس نے جواب دیا: آپؑ کا فرمان ہے کہ مومن کی عزت و حرمت اس گھر (کعبہ) سے زیادہ ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی بالکل یہ میرا فرمان ہے، اور اگر کوئی مومن اس پہاڑ کو حکم دے کہ اپنی جگہ چھوڑ دے تو یہ اپنی جگہ چھوڑ دے گا۔

وہ کہتا ہے: میں نے دیکھا کہ پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ رہا تھا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: تم اپنی جگہ پر ہی ٹھہرو۔ میں تمھیں نابود نہیں کرنا چاہتا۔ (اختصاص: ص ۳۲۵)

امام علیہ السلام کا ایک شیر کو کان سے پکڑ کر راستے سے ہٹانا

عبدالغفار بن حسنؒ کہتے ہیں: ابراہیم بن ادھم کوفہ آئے اور میں ان کے ساتھ تھا۔ یہ منصور کے زمانے کی بات ہے۔ اس وقت جعفر بن محمد علوی بھی کوفہ آیا تھا۔ تب امام علیہ السلام کوفہ سے مدینہ واپس جانے لگے تو کوفہ کے اہلِ علم وفضل آپؑ کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ ان میں سفیان ثوری اور ابراہیم بن ادھم جیسے لوگ بھی تھے۔ جب یہ آپؑ سے آگے نکلے تو ایک شیر نے اُن کا راستہ روک لیا۔ اس پر ابراہیم بن ادھم نے کہا: رُکو! حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو آنے دو۔ ذرا ہم بھی دیکھیں کہ وہ کیا کرتے ہیں؟

اُنھوں نے کچھ دیر انتظار کیا تو امام علیہ السلام آ گئے۔ اُنھوں نے امام علیہ السلام کے سامنے شیر کا ذکر کیا تو آپؑ شیر کے پاس چلے اور اُسے کان سے پکڑ کر ان کے راستے سے ہٹا دیا۔ پھر ان لوگوں کی طرف دیکھ کر فرمایا: "اگر لوگ، خدا کی اطاعت اس طرح کرتے کہ جس طرح اس کا حق ہے تو وہ اس شیر پر اپنے بوجھ لاد دیتے"۔

ایک شخص کا تنور کی آگ سے نہ جلنا

مامون رقیؒ بیان کرتے ہیں: میں اپنے مولا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی محفل میں موجود تھا کہ اتنے میں سہل بن حسن خراسانی آیا اور امام علیہ السلام کو سلام عرض کر کے بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ بولا: فرزندِ پیغمبرؐ! رحمت و رأفت آپؑ کے لیے ہے اور آپؑ اہلِ بیتؑ امامت ہیں۔ اس کے باوجود بھی آپؑ کیوں نہیں بیٹھتے، حالانکہ آپؑ اپنے ایک لاکھ شیعوں کو تلوار اُٹھائے ہوئے (جہاد کے لیے تیار) دیکھ رہے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے خراسانی! بیٹھ جاؤ، خدا تیرے حق کی حفاظت کرے۔

پھر فرمایا: اے حنیفہ! تنور روشن کرو۔ میں نے اس میں آگ جلا دی اور وہ انگارے کی مانند سرخ اور اس کے اُوپر والا حصّہ بالکل سفید ہو گیا۔ تب امام علیہ السلام نے فرمایا: اے خراسانی! اُٹھو اور اس تنور میں بیٹھ جاؤ۔

خراسانی کہنے لگا: اے میرے مولاؑ! اے فرزندِ رسولؐ! مجھے آگ میں نہ جلایئے، مجھے

معاف کیجیے خدا آپؑ کو معاف کرے گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جا، تجھے معاف کیا۔

اس کے کچھ ہی دیر بعد ہارون مکیؒ آ گئے۔ اُنھوں نے اپنی شہادت کی اُنگلی میں ایک چھلا پہنا ہوا تھا۔ اُنھوں نے امام علیہ السلام کو مخاطب کر کے کہا: اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ پر میرا اسلام ہو۔

امام علیہ السلام نے (اُنھیں سلام کا جواب دے کر) اُن سے فرمایا: تم اپنے ہاتھ سے نعل (چھلا) اُتار دو اور اس جلتے ہوئے تنور میں بیٹھ جاؤ۔

راوی کہتا ہے: امام علیہ السلام کا حکم سنتے ہی اُنھوں نے اپنی اُنگشتِ شہادت سے نعل اُتاری اور تنور میں بیٹھ گئے۔

اِدھر امام علیہ السلام اُس خراسانی کے ساتھ خراسان کے موضوع پر گفتگو کرنے لگے۔ اُسے ایسا لگ رہا تھا کہ گویا یہ سارا منظر اُس کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ پھر امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: ”اے خراسانی! اُٹھو اور جو تنور میں ہے ذرا اس کی خبر تو لو“۔

وہ کہتا ہے: امام علیہ السلام کا حکم سن کر میں اُٹھا اور اس کی طرف گیا۔ جب میں نے اُنھیں دیکھا تو وہ تنور میں چارزانو ہو کر بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر وہ تنور سے نکلے اور اُنھوں نے ہمیں سلام کیا۔

اس پر امام علیہ السلام نے خراسانی سے فرمایا: تمھیں خراسان میں اس جیسے کتنے شیعہ دکھائی دیتے ہیں؟

خراسانی نے کہا: خدا کی قسم! ان میں سے تو مجھے ایسا ایک بھی دکھائی نہیں دیتا۔

امام علیہ السلام نے بھی فرمایا: خدا کی قسم! کوئی ایک بھی نہیں۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا: جس زمانے میں ہمیں پانچ افراد بھرپور ساتھ دینے والے نہ ملیں، ہم اس زمانے میں خروج نہیں کیا کرتے اور زمانہ کو ہم سے بہتر کون جانتا ہے؟

امامؑ کا ٹڈیوں کے تباہی پھیلانے کی خبر دینا

ابراہیم بن عبدالحمیدؒ کا بیان ہے کہ مَیں کھجوریں خریدنے کے ارادے سے قبا کی جانب نکلا، راستے میں میری ملاقات امام جعفر صادق علیہ السلام سے ہو گئی۔ وہ مدینہ میں داخل ہو چکے تھے۔

امام علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا: تمھارا ارادہ کدھر کا ہے؟

میں نے عرض کیا: کھجوریں خریدنے جا رہا ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تمھیں ٹڈیوں کا خطرہ نہیں ہے؟

میں نے کہا: خدا کی قسم! میں کھجوریں نہیں خریدوں گا۔ خدا شاہد ہے کہ اس کے پانچ ہی دن بعد ٹڈیاں آگئیں اور اُنھوں نے کھجوروں کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ [1]

امام علیہ السلام کا صحرا میں موجود پیاسے شخص کی مدد کے لیے حضرت خضر علیہ السلام کو بھیجنا

داؤد رقی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میرے دو بھائی زیارت کی غرض سے مدینہ منورہ کی جانب نکلے۔ راستے میں ان میں سے ایک کو شدید پیاس لگی اور وہ پیاس کے مارے اپنے گدھے سے گر پڑا اور دوسرے کو حیرت و پریشانی نے گھیر لیا۔ بہرکیف اس نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی اور حضرت محمدؐ، حضرت امیر المومنینؑ اور ایک ایک کر کے تمام ائمہ علیہم السلام کو پکارنے لگا حتیٰ کہ جب وہ ان ائمہؑ میں سے (اس زمانے تک کے) آخری امام حضرت صادقِ آلِ محمدؐ کے نام پر پہنچا تو مسلسل ندا دینے لگا اور اس ندا میں لذت محسوس کرنے لگا۔

کچھ ہی دیر بعد اُس نے اپنے پاس ایک شخص کو حاضر پایا، وہ اس سے پوچھ رہا تھا کہ اے بندۂ خدا! تمھارا مسئلہ کیا ہے؟ اس نے اپنا حال اُس شخص کے گوش گزار کیا۔

اس کی بات سن کر اس حاضر ہونے والے شخص نے عود کا ایک ٹکڑا لیا اور اُس سے کہا: اسے اپنے دونوں ہونٹوں کے درمیان رکھو۔ جب اُس نے ایسا کیا تو اس نے آسانی کے ساتھ اپنی آنکھیں کھول لیں اور اُٹھ بیٹھا۔ اس کی پیاس ختم ہوگئی اور وہ چلا گیا حتیٰ کہ اس نے آرام و سکون کے ساتھ مدینہ جا کر زیارت کر لی۔

جب وہ دونوں واپس کوفہ میں آگئے اور مدینہ میں جس نے دعا کی تھی وہ امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو امام علیہ السلام نے اُسے بیٹھنے کا کہا اور فرمایا: تمھارے بھائی کا کیا حال

---

[1] واضح رہے کہ یہاں وہ کھجوریں مراد ہیں کہ جو درختوں پر ہی ہوتی ہیں اور خوشوں سے علیحدہ کی ہوئی نہیں ہوتیں۔ (از مترجم)

ہے؟ اور عود کہاں ہے؟

اس نے جواب دیا: میرے مولاؑ! جب میرا بھائی تکلیف میں تھا تو میں بہت زیادہ پریشان تھا اور جب اس کی تکلیف رفع ہوگئی ہے تو اس خوشی میں عود کا خیال ہی میرے ذہن سے نکل گیا۔

اس پر امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جس وقت تو اپنے بھائی کے بارے میں حیران و پریشان تھا، اس وقت میرے پاس میرے بھائی حضرت خضرؑ آئے تھے تو میں نے اُن کے ہاتھ میں تمھارے لیے شجرۂ طوبیٰ کے عود کا ٹکڑا بھیجا تھا۔

پھر امام علیہ السلام نے اپنے خادم کی طرف دیکھ کر فرمایا: ذرا ٹوکری اِدھر لے آؤ۔

جب ٹوکری لائی گئی تو امام علیہ السلام نے اُسے کھول کر اس میں بعینہٖ وہی عود کا ٹکڑا نکال کر اُسے دکھایا اور اُس نے بھی اس ٹکڑے کو پہچان لیا۔ پھر امام علیہ السلام نے اسے واپس ٹوکری میں رکھ دیا۔ (مناقب آلِ ابی طالبؑ)

امام علیہ السلام کو حرام جانوروں کا گوشت پیش کیا جانا اور امامؑ کا اس کی حقیقت کو جان کر اُسے ٹھکرا دینا

سعد الاسکافؒ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ایک دن میں صادقِ آلِ محمد علیہم السلام کی خدمت میں موجود تھا کہ ایک پہاڑوں اور بیابانوں میں رہنے والا شخص کچھ ہدایا و تحائف لے کر امام علیہ السلام کے پاس آیا۔ وہ اپنے ساتھ ایک تھیلے میں وحشی جانوروں کا گوشت بھی لایا تھا۔ امام علیہ السلام نے جب اس تھیلے کو کھولا تو آپؑ نے فرمایا: اسے اُٹھاؤ اور کتوں کے آگے ڈال دو۔

وہ بولا: آخر کیوں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ پاک نہیں ہے۔

اس شخص نے کہا: میں نے اسے ایک مسلمان سے خریدا ہے اور وہ بتا رہا تھا کہ یہ پاک ہے۔

امام علیہ السلام نے اس کی بات سن کر گوشت کو واپس تھیلے میں ڈال دیا اور اس پر کچھ پڑھا

جو میں نہ سمجھ سکا۔ پھر اس شخص سے فرمایا: اُٹھو! اسے لے کر اُس گھر میں چلے جاؤ اور اسے گھر کے زاویہ میں رکھ دو۔

جب اس نے امام علیہ السلام کے فرمان پر عمل کیا تو اُسے گوشت سے یہ آواز سنائی دی:

اے بندۂ خدا! میں پاک نہیں ہوں اور میرے جیسی ناپاک چیزوں کو امامؑ اور انبیاءؑ کی اولادیں نہیں کھایا کرتیں۔

یہ آواز سن کر اُس نے وہ گوشت والا تھیلا اُٹھایا اور اس گھر سے باہر آ گیا۔

امام علیہ السلام نے اُس سے پوچھا: یہ کیا کہتا ہے؟

اُس نے جواب دیا: یہ بھی وہی کہتا ہے جو آپؑ فرماتے ہیں یعنی کہ یہ پاک نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابوہارون! کیا تم نہیں جانتے کہ جو باتیں دوسرے لوگ نہیں جانتے، وہ ہم (اہلِ بیتؑ) جانتے ہیں۔

اُس نے کہا: کیوں نہیں۔ یہ کہہ کر وہ امام علیہ السلام کے پاس سے نکل گیا اور راستے میں اُسے ایک کتا ملا تو اُس نے وہ گوشت اُس کتے کے آگے ڈال دیا۔ (بحارالانوار: ج ۴۷، ص ۹۵)

ایک اعرابی کا مسخ ہو جانا اور بعد میں اپنی سابقہ حالت پر پلٹ آنا

علی بن حمزہ کا بیان ہے: ایک دفعہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ حج پر گیا۔ ہم راستے میں کھجور کے ایک خشک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے کہ امام علیہ السلام نے اپنے مبارک لبوں کو جنبش دی اور کوئی دُعا پڑھی جو میں نہ سمجھ سکا۔ پھر آپؑ نے فرمایا:

يَا نَخْلَةُ! أَطْعِمِيْنَا مِمَّا جَعَلَ اللهُ فِيْكِ مِنْ رِزْقِ عِبَادِهٖ

"اے کھجور کے درخت! خدا نے اپنے بندوں کا جو رزق تم میں رکھا ہے، وہ ہمیں کھلا"۔

وہ کہتا ہے: میں نے دیکھا کہ وہ کھجور امام علیہ السلام کی طرف جھکی، اس کے اُوپر خوشے لگے ہوئے تھے اور ان میں بڑی ہی عمدہ کھجوریں تھیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: قریب ہو اور بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔

یوں ہمیں بہت ہی شیریں اور ذائقہ دار کھجوریں کھانا نصیب ہوئیں۔ وہاں ایک اعرابی آکر کہنے لگا: میں نے آج سے پہلے اتنا بڑا جادو کبھی نہیں دیکھا۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: ہم انبیاءؑ کے وارث ہیں، ہم میں کوئی جادوگر ہے اور نہ ہی کوئی کاہن، بلکہ ہم تو صرف اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دُعا کرتے ہیں اور وہ اُسے قبول کرلیتا ہے اور اگر میں اس کی بارگاہ میں دُعا کروں تو وہ تجھے کتے کی صورت میں مسخ کردے گا اور تو اپنے گھر جاکر، گھر والوں کے سامنے اپنی دُم ہلانا شروع کردے گا۔

امام علیہ السلام نے دُعا کی تو وہ اسی وقت کتا بن گیا اور اپنے گھر کے راستے پر چل پڑا۔

امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: تم اس کے پیچھے جاؤ۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا حتیٰ کہ جب وہ اپنے قبیلے والوں کے پاس سے گزر کر اپنی بیوی بچوں کے پاس پہنچا اور اپنی دُم ہلانے لگا تو اُنھوں نے ڈنڈے مار مار کر اسے گھر سے باہر نکال دیا۔ جب میں واپس امام علیہ السلام کے پاس آیا تو میں نے یہ سارا ماجرا امام علیہ السلام کے گوش گزار کیا۔ ہم ابھی باتوں میں ہی مشغول تھے کہ وہ آکر امام علیہ السلام کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ پھر اُس نے مٹی میں خود کو اُلٹ پلٹ کرنا شروع کردیا اور اُونچا اُونچا بھونکنے لگا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر امام علیہ السلام کو اُس پر رحم آگیا اور آپؑ نے دُعا کی تو وہ اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آیا۔

اس پر امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: اے اعرابی! کیا اب تو ایمان لے آیا ہے؟

اُس نے کہا: جی ہاں! میں تو ہزار ہزار بار ایمان لے آیا ہوں۔ (الخرائج والجرائح: جلد۱، ص۲۹۶)

امام علیہ السلام کا زمین سے سونے کی اینٹیں نکالنا

یونس بن ظبیان، مفضل بن عمر، ابوسلمہ سراج اور حسین بن ثویر بن ابی فاختہ بیان کرتے ہیں: ہم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے، آپؑ نے ارشاد فرمایا: زمین کے خزانے اور اس کی کنجیاں ہمارے پاس ہیں۔ اگر میں چاہوں تو اپنے پاؤں کی ایک ٹھوکر مار کر اسے کہوں کہ جتنا بھی سونا تجھ میں ہے، وہ نکال دے تو زمین وہ سب

اُگل دے گی۔

پھر امام علیہ السلام نے اپنے پائے اُقدس سے زمین پر ایک خط کھینچا تو زمین شق ہوگئی اور امام علیہ السلام نے اس میں سے ایک بالشت جتنی سونے کی اینٹ نکالی۔ پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: اس میں اچھی طرح دیکھو۔

جب ہم نے دیکھا تو وہاں بہت سی سونے کی اینٹیں چمک رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر ہم میں سے کسی نے کہا: قربان جاؤں جب آپؑ کو اتنا کچھ دیا گیا ہے تو اس کے باوجود بھی آپؑ کے شیعہ کیوں محتاجی کی زندگی گزار رہے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جلد ہی خداوند متعال ہمیں اور ہمارے شیعوں کو دنیا و آخرت دونوں میں جمع کردے گا۔ (یعنی ان کی محتاجی بھی ختم کردے گا) اور انھی نعمتوں سے بھری جنتوں میں بسائے گا اور ہمارے دشمنوں کو دوزخ میں ڈال دے گا۔

میں کہتا ہوں: ممکن ہے کہ امام علیہ السلام کے اس فرمان: ''جلد ہی خدا ہمیں اور ہمارے شیعوں کو جمع کردے گا'' میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کی حکومت کا زمانہ ہو کہ جب زمین اپنی ساری برکتیں اور خزانے اُگل دے گی۔

ایک اندھے شخص کا بینائی حاصل کرنا

حضرت ابوبصیرؒ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے جسدِ اَطہر اور مبارک کندھوں کو مَس کیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابومحمدؒ! کیا تو مجھے دیکھنا چاہتا ہے؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں، قربان جاؤں، میں آپؑ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

اس پر امام علیہ السلام نے اپنا دستِ مبارک میری آنکھوں پر پھیرا تو میں آپؑ کو دیکھنے لگ گیا۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابامحمدؒ! اگر لوگوں میں تمھارے نابینا ہونے کی شہرت نہ ہوتی تو میں تمھیں اسی بینائی والی حالت پر چھوڑ دیتا لیکن اس طرح تم ٹھیک نہیں رہو گے۔

پھر امام علیہ السلام نے اپنا دستِ مبارک میری آنکھوں پر پھیرا تو میں پہلے کی طرح ہوگیا۔

(بحارالانوار)

یہ روایت بھی حضرت ابوبصیرؒ نے ہی بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم اپنی آنکھوں کو دیکھنا چاہتے ہو؟

میں نے عرض کیا: جی! دیکھنا چاہتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے میری آنکھوں پر اپنا دستِ مبارک پھیرا تو میں نے آسمان کی جانب دیکھا۔ (بحارالانوار: ج ۴۷، ص ۷۸)

تعلیمِ قرآن اور امامؑ کا اعجاز

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا مسلم نامی ایک غلام تھا۔ وہ اچھی طرح قرآن مجید نہیں پڑھ سکتا تھا۔ آپؑ نے ایک رات میں اسے قرآن مجید کی تعلیم دی اور جب صبح ہوئی تو وہ یوں قرآن مجید پڑھنے لگا کہ گویا وہ پہلے سے پڑھا ہوا تھا۔

ریت کا سونے کے بھاؤ بکنا

ایک روز منصور نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو بلایا تو امام علیہ السلام اس کے ہمراہ اپنی سواری پر سوار ہو کر کہیں چلے گئے۔ وہاں منصور اپنی سواری سے اتر کر ایک ٹیلے پر بیٹھ گیا اور اس کے پہلو میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بھی بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہاں ایک سائل آیا اور اس نے منصور سے سوال کرنا چاہا مگر اس سے منہ پھیر کر امام علیہ السلام سے سوال کرنے لگا تو امام علیہ السلام نے اسے وہاں سے تین مٹھیاں ریت کی بھر کر دیں اور فرمایا:

اِذْهَبْ وَ غَلِّ

"جاؤ اور اسے بھاری قیمت پر فروخت کرو"۔

یہ دیکھ کر منصور کے ایک بندے نے کہا: تم نے بادشاہ کو چھوڑ کر ایک ایسے فقیر سے سوال کیا ہے جو کسی شے کا بھی مالک نہیں۔

امام علیہ السلام کی عطا و بخشش کو دیکھ کر اس سائل کے چہرے سے پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔ وہ منصور کے اس نوکر کو کہنے لگا:

اِنِّي سَأَلْتُ مَنْ اَنَا وَالشَّقِيُّ بِعَطَائِهِ

"جس کے عطا کر دینے پر مجھے یقین تھا، میں نے اسی سے ہی مانگا ہے"۔

پھر وہ امام علیہ السلام کی عطا کردہ ریت کو لے کر اپنے گھر آ گیا۔ جب اُس کی زوجہ نے اُس کے پاس ریت دیکھی تو وہ پوچھنے لگی: یہ تمھیں کس نے دی ہے؟

اس نے جواب دیا: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے۔

بیوی نے کہا: کیا امام علیہ السلام نے اُس کے بارے میں تجھ سے کچھ کہا تھا؟

اُس نے کہا: ہاں! یہ فرمایا تھا کہ اُسے بھاری قیمت پر فروخت کرو۔

وہ کہنے لگی: امام علیہ السلام ہمیشہ سچ فرماتے ہیں۔ تم اس میں تھوڑی سی ریت لے کر (سونے وغیرہ کی) جان پہچان رکھنے والے کسی شخص کو دکھاؤ۔ مجھے تو اُس سے بڑی دولت و ثروت کی خوشبو آ رہی ہے۔ بیوی کے مشورہ پر وہ اس میں سے کچھ ریت لے کر ایک یہودی کے پاس گیا تو اُس نے اسے اس کے بدلے میں دس ہزار درہم دیے اور کہا: باقی بھی اسی قیمت پر مجھے دے دو۔ (بحار الانوار: ج ۲، ص ۱۵۶)

امام علیہ السلام کا ایک مُردہ عورت کو زندہ کرنا

عبدی کا بیان ہے: ایک دفعہ میری بیوی مجھ سے کہنے لگی: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ ہماری ملاقات کو کافی عرصہ گزر گیا ہے۔ اگر پھر سے حج کا موقع مل جاتا تو ہم امام علیہ السلام سے تجدید عہد کر لیتے۔

میں نے اُس سے کہا: خدا کی قسم! میرے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ ہم حج کر سکیں۔

اُس نے کہا: ہمارے پاس کپڑے اور زیورات ہیں، آپ اُنھیں بیچ کر حج کا زادِ راہ مہیا کر لیں۔ میں نے اُس کے اِس بہترین مشورے پر عمل کیا اور ہم دونوں زادِ راہ تیار کر کے حج کے لیے روانہ ہو گئے اور جب ہم مدینہ کے قریب پہنچے تو وہ سخت بیمار ہو گئی اور ایسا لگتا تھا کہ جلد ہی اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ میں اس کی صحت سے نا اُمید سا ہو کر امام علیہ السلام کے پاس آ گیا۔ اس وقت امام علیہ السلام نے ہلکے سرخ رنگ کی دو چادریں اُوڑھی ہوئی تھیں۔ میں نے امام علیہ السلام کو سلام عرض کیا۔

امام علیہ السلام نے میرے سلام کے جواب کے بعد اُس کے بارے میں پوچھا تو میں نے امام علیہ السلام کو اُس کی حالت کے بارے میں بتایا اور کہا: میں تو اُس کی صحت یابی سے ناامید ہو کر آپؑ کے پاس آ گیا ہوں۔

میری بات سن کر امام علیہ السلام نے غم و پریشانی کے عالم میں کچھ دیر اپنا سر مبارک جھکایا۔ پھر فرمانے لگے: اے عبدی! کیا تو اُس کی وجہ سے پریشان ہے؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں! میں اس کی وجہ سے ہی پریشان ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اُسے کچھ نہیں ہوگا۔ میں نے اس کی صحت یابی کے لیے دُعا کی ہے۔ تم واپس چلے جاؤ۔ تم اُسے شفایاب حالت میں بیٹھے ہوئے پاؤ گے اور خادمہ اُسے پھل کھلا رہی ہوگی۔

وہ کہتا ہے: امام علیہ السلام کی بات سن کر میں فوراً اُس کی طرف گیا۔ جب میں نے اُسے دیکھا تو وہ ٹھیک ہو کر بیٹھی ہوئی تھی اور خادمہ اُسے پھل کھلا رہی تھی۔

میں نے اُس سے پوچھا: اب تمھارا کیا حال ہے؟

اس نے جواب دیا: خداوند عالم نے مجھے صحت و عافیت سے نوازا ہے اور میرا جی کر رہا تھا کہ میں یہ (کھجور جیسا) پھل کھاؤں۔

عبدی کہتا ہے: میں نے اُسے بتایا کہ میں تمھاری صحت یابی سے بالکل ناامید ہو کر امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس چلا گیا تھا اور جب امام علیہ السلام نے مجھ سے تیرے بارے میں پوچھا تو میں نے اُنھیں تیری حالت کے بارے میں بتایا۔ اس پر اُنھوں نے فرمایا: اُسے کچھ نہیں ہوگا۔ تم واپس اُس کی طرف چلے جاؤ۔ جب تم اُسے دیکھو گے تو وہ ایک میٹھا پھل کھا رہی ہوگی۔

میری بات سن کر وہ کہنے لگی: جب آپ میرے پاس سے چلے گئے تو میں اپنی جان کھونے لگ گئی۔ اتنے میں ایک شخص ہلکے سرخ رنگ کی دو چادریں اوڑھے ہوئے آیا اور مجھ سے کہنے لگا: تجھے کیا ہوا ہے؟

میں نے کہا: میں مرنے والی ہوں اور یہ موت کا فرشتہ میری روح قبض کرنے کے لیے آیا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرشتۂ موت کو مخاطب کر کے فرمایا:

يَامَلَكَ الْمَوْتِ! ''اے فرشتۂ موت!''

فرشتے نے کہا: لَبَّيْكَ! اَيُّهَا الْاِمَامُ ''لبیک! اے امامؑ!''

امام علیہ السلام نے فرمایا: اَلَسْتُ اُمِرْتَ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ لَنَا؟

''کیا تمھیں ہماری بات سننے اور ہماری اطاعت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا؟''

فرشتے نے کہا: بَلٰی ''کیوں نہیں''۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: فَاِنِّي آمُرُكَ اَنْ تُؤَخِّرَ اَمْرَهَا عِشْرِيْنَ سَنَةً

''میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ تُو اُس کی موت کا معاملہ بیس سال تک مؤخر کر دے''۔

فرشتے نے کہا: اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ ''مولا! میں نے سنا اور اطاعت کی''۔

اس عورت نے کہا: امام علیہ السلام کا یہ فرمان سن کر فرشتۂ موتؑ اور امامؑ دونوں میرے پاس سے چلے گئے اور اسی وقت مجھے افاقہ ہو گیا۔ (الخرائج والجرائح، ج ۱، ص ۲۹۴)

عیسیٰ بن مہران بیان کرتے ہیں: اہلِ خراسان میں سے ایک شخص نہر کے پار والے کنارے پر موجود تھا۔ وہ بڑا ہی مال دار اور اہلِ بیت علیہم السلام کا حُب دار تھا۔ وہ ہر سال حج پر جاتا تھا اور اُس نے ہر سال اپنے مال میں سے دس ہزار دینار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرنا فرض کیے ہوئے تھے۔ اُس نے اپنے چچا کی بیٹی سے شادی کی ہوئی تھی، جو نیکی اور دیانت میں اس کے ساتھ ساتھ تھی۔

ایک سال وہ اپنے شوہر سے کہنے لگی: اے میرے چچازاد! اس سال مجھے حج پر لے جائیں۔ اُس نے اپنی بیوی کی فرمائش قبول کر لی۔ شوہر کی رضامندی دیکھ کر اس عورت نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بچوں اور بچیوں کے لیے خراسان کے عمدہ کپڑے اور دیگر تحائف خریدے اور اُس کے شوہر نے ایک ہزار دینار ایک تھیلی میں بند کیے، جو اُس نے امام علیہ السلام کے لیے الگ کر کے رکھے ہوئے تھے۔ پھر اُس نے وہ تھیلی ایک صندوقچے میں رکھ دی، جس میں اُس کی چچازاد کے زیورات و عطریات تھے۔

یہ سب لے کر وہ مدینہ کے ارادہ سے اپنے گھر سے نکل پڑا۔ وہاں پہنچ کر وہ امام جعفر

صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کرنے کے بعد کہنے لگا:

مولاؑ! میں اپنی زوجہ کو حج و زیارت کی غرض سے اپنے ہمراہ لایا ہوں۔ آپؑ اجازت دیجیے، تاکہ وہ آپؑ کے بیت الشرف پر حاضر ہو کر زیارت کی سعادت حاصل کر سکے۔

آپؑ کے اجازت دینے پر وہ مومنہ آپؑ کے گھر آئی۔ اُس نے اپنے ساتھ لائے ہوئے تحفے تحائف آپؑ کے بچوں کو دیے اور واپس اپنی قیام گاہ کی طرف چلی گئی۔

دوسرے دن شوہر نے بیوی سے کہا: وہ صندوقچہ نکالو جس میں ایک ہزار دینار رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے کہنے پر بیوی نے وہ صندوقچہ اُس کے حوالے کر دیا۔ مگر جب اُس نے وہ صندوقچہ کھولا تو اُس میں سے وہ تھیلی غائب تھی۔ یہ دیکھ کر وہ بہت ہی حیران ہوا کہ صرف وہی تھیلی غائب ہے اور باقی سب چیزیں اسی طرح سے پڑی ہوئی ہیں۔ بہرحال اس نے مجبور ہو کر زیورات رہن رکھے اور ایک ہزار دینار قرض لے کر امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تمھارے ایک ہزار دینار تو ہم تک پہنچ چکے ہیں۔

اس نے پوچھا: مولاؑ وہ کیسے؟

آپؑ نے فرمایا: مجھے کچھ رقم کی ضرورت تھی۔ اس لیے جو رقم تم میرے لیے لے کر آرہے تھے میں نے ایک جن کے ذریعے سے وہ رقم منگوا لی اور جب کبھی مجھے کوئی ضرورت درپیش ہوتی ہے تو میں اپنے شیعہ جنوں سے کام کرا لیتا ہوں۔

الغرض وہ شخص واپس اپنی زوجہ کے پاس قیام گاہ کی طرف چل پڑا۔ اُس نے راستے میں ایک ہزار دینار اپنے امین کو واپس کیے اور اس سے رہن رکھے ہوئے زیورات واپس لے کر اپنی رہائش پر آگیا۔ مگر جب اُس نے یہاں آ کر دیکھا تو اُس کی زوجہ انتقال کر چکی تھی۔ اُس نے اپنی خادمہ سے اُس کے بارے میں دریافت کیا تو اُس نے بتایا کہ اُنھیں دل کا دورہ پڑا ہے اور اسی وجہ سے اُن کی روح پرواز کر گئی ہے۔ اس پر مجبوراً اُسے صبر سے کام لینا پڑا۔ اس کے بعد وہ تجہیز و تکفین کے انتظامات میں مشغول ہو گیا۔ پھر امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا اور عرض کرنے لگا: مولاؑ! آپؑ کی کنیز (میری زوجہ) کا انتقال ہو گیا ہے۔ آپؑ اس کی نماز جنازہ پڑھا دیں۔

یہ اندوہناک خبر سن کر امام علیہ السلام اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپؑ نے دو رکعت نماز ادا کر کے بارگاہِ رب العزت میں دعا کی۔ پھر اُس سے فرمایا: تم اپنی اپنی رہائش گاہ کی طرف واپس چلے جاؤ۔ تمھاری زوجہ فوت نہیں ہوئی ہے تم وہاں جا کر دیکھو، وہ کنیز کو سمجھا رہی ہے اور بالکل صحیح ہے۔

وہ شخص یہ سن کر اپنی قیام گاہ کی طرف چل دیا اور وہاں جا کر اُس نے امام علیہ السلام کے فرمان کے عین مطابق اُسے زندہ پایا تو وہ بے حد مسرور ہوا۔ اس کے بعد وہ حج کے ارادے سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوگیا اور امام علیہ السلام بھی وہاں تشریف لے گئے۔ دورانِ طواف جب اُس کی بیوی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھا کہ لوگوں نے آپؑ کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے تو وہ اپنے شوہر سے کہنے لگی: یہ کون ہیں، جن کو لوگوں نے گھیر رکھا ہے؟

اُس نے جواب دیا: یہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔

اس پر وہ بولی: باخدا! اُنھوں نے ہی بارگاہِ خداوندی میں میری سفارش کی تھی یہاں تک کہ اُس نے میری روح کو واپس میرے جسم میں پلٹا دیا۔ (الخرائج والجرائح: ج ۲، ص ۶۹۸)

امام علیہ السلام کا مال میں خیانت کے بارے میں خبر دینا

سُدیر صیرفیؒ کا بیان ہے، وہ کہتے ہیں: میرے پاس امام علیہ السلام کا مال جمع تھا۔ مَیں وہ مال امام علیہ السلام کے حوالے کرنے کے لیے آپؑ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ امام علیہ السلام کے مال میں سے ایک دینار میں نے اپنے پاس رکھ لیا، تاکہ دیکھوں کہ لوگ میرے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

پس جب میں نے امام علیہ السلام کے سامنے رکھا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: اے سُدیرؒ! تُو نے ہمارے ساتھ خیانت کی ہے، مگر اس سے تمھارا ارادہ ہمیں نقصان پہنچانے کا نہ تھا۔

میں نے عرض کیا: قربان جاؤں! بھلا وہ کیسے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم نے ہمارے مال کا کچھ حصّہ اپنے پاس رکھا ہے تاکہ اس کے بارے میں تمھیں ہمارے نظریے کا علم ہو جائے۔

میں نے کہا: قربان جاؤں! آپؑ سچ فرماتے ہیں۔ اس سے مرا مقصد یہ جاننا تھا کہ

میرے دوست میرے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

اس پر امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ہر وہ چیز جس کی لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے اسے ہم جانتے ہیں اور وہ ہمارے پاس ہوتی ہے۔

کیا تم نے خدا کا یہ فرمان نہیں سنا:

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ (سورۂ یٰسٓ: آیت ۱۲)

"اور ہم نے ہر چیز کو امامِ مُبین میں جمع کر دیا ہے"۔

جان لو! انبیائے کرام علیہم السلام کا علم ہمارے علم میں محفوظ اور ہمارے پاس جمع ہے اور ہمارا، انبیائے علیہم السلام کے علم میں سے ہے، تو یہ تمہیں کہاں لے جائے گا۔

میں نے کہا: قربان جاؤں! آپؑ سچ فرماتے ہیں۔ (مناقب آلِ ابی طالبؑ، ج ۴، ص ۲۲۷)

مدرسہ امام جعفر صادق علیہ السلام

معزز قارئین! واضح رہے کہ یہاں مدرسہ سے مراد کوئی تعلیمی درس گاہ ہے اور نہ ہی وہ حلقاتِ درسیہ ہیں، جو علمی حوزوں میں دیکھے جاتے ہیں، بلکہ تمام زبانوں اور قوموں کی نظر میں اس کا اصطلاحی معنی یہ ہے:

> "ان تمام افکار وآرا کے مجموعے کو مدرسہ کہا جاتا ہے جنھیں لوگوں کی ایک جماعت قائم کرتی ہے اور ان افکار کی بنا رکھنے والے کو صاحبِ مدرسہ کہا جاتا ہے"۔

اس اِصطلاح سے ہمارا مقصد یہ بتانا ہرگز نہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہی اسلامی اَحکام کے موسس وبانی ہیں، بلکہ ہمارا مقصود امام علیہ السلام کو اس زمانے کا اِحکامِ اسلامیہ کا ناشر بتانا ہے کہ امام علیہ السلام نے اس زمانے میں جتنے وسیع پیمانے پر ان کی نشرواشاعت کرسکتے تھے، کی۔

بالفاظِ دیگر مدرسہ امام جعفر صادقؑ سے مراد وہ خط اور راستہ ہے جس پر امام علیہ السلام نے چل کر اپنی حیاتِ مبارکہ کے مقدس لحات گزارے اور وہ راستہ آپؑ کے آبائے کرام علیہم السلام اور بالخصوص رسولِ اسلام کا تھا اور یقیناً وہی صحیح اسلام تھا کہ جو ہرقسم کے تلاعب اور کمی وبیشی سے محفوظ تھا۔

اس کلام میں غلو ومبالغہ آرائی والی کوئی بات نہیں، کیونکہ اس بات پر تو تمام اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واضح حق اور ایسے سیدھے راستے پر قائم رہے کہ جو ہرطرح کے انحراف، کجی، شک اور گمراہی سے پاک تھا اور اسی طرح امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے لے کر حضرت امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام تک سارے کے سارے ائمہ معصومین علیہم السلام آپؐ

ہی کی سنت وسیرت پر چلنے والے تھے۔

اور یہ وہ حقیقت ہے کہ جسے ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ رسولِ خدا ﷺ کی وفات ہجرت کے گیارہویں سال میں ہوئی تھی۔ اس سے لے کر ۲۶۰ ہجری تک گیارہ ائمہ علیہم السلام اڑھائی سو سالہ جو دور گزارا، اس میں ان بزرگواروں کی جانب سے نہ دین میں کوئی انحراف سامنے آیا، نہ اسلام کے کسی حکم کی مخالفت ان سے سرزد ہوئی، نہ اُنھوں نے شریعت میں کوئی تبدیلی کی اور نہ ہی احکام سے تلاعب کیا۔ بلکہ اپنی زندگیوں کے آخری سانسوں تک رسول اللہ ﷺ کی سنت اور طریقے پر چلتے رہے اور اس سے سرمو انحراف نہیں کیا۔

اور یہ بھی واضح ہے کہ ائمہ علیہم السلام عام لوگوں کے معاشرے میں رہتے تھے اور اُن کے دشمن اُن کی ہر حرکت پر نظر رکھتے تھے، تاکہ اُنھیں ان کی کوئی کمزوری ہاتھ آجائے جس سے وہ ان پر زبانِ اعتراض دراز کرسکیں اور ان کی عزت و ناموس کی طرف اپنے ناپاک ہاتھ بڑھا سکیں مگر ہر حربہ آزمانے کے باوجود بھی وہ اس حسرت کو پورا ہوتے نہ دیکھ سکے، بلکہ اس کے برعکس اُنھوں نے ان ذواتِ مقدسہؑ میں سے ہر ایک کو کمالاتِ نفسیہ اور مکارمِ اَخلاقیہ کا منبع ومصدر، دین واسلام کا کامل مظہر اور تقویٰ و پرہیزگاری کا بلند نشان پایا۔ روحِ اسلام اپنے تمام معانی کے ساتھ ان میں سموئی ہوئی تھی اور کوئی بھی عیب جو اور بدخواہ انسان ان میں کوئی خامی نہ پاسکا۔

تاریخ کے صفحات ہمارے اس بیان کے سچے شاہد ہیں۔ ہاں! ہم یہ بات بھی تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا کے اس خیر وشر کے معرکہ میں بعض ایسے بدطینت افراد بھی موجود رہتے ہیں جو اس خاندانِ عصمت وطہارت کے مقدس افراد کے خلاف اپنی زہرآلود قلموں کو استعمال کر کے ہمیشہ اپنے نامۂ اعمال سیاہ کرتے رہتے ہیں۔ ہم ایسے لوگوں کو آدمیت کی گنتی میں شمار نہیں کرتے، کیونکہ یہ پیسے کے پجاری حقائق کا چہرہ مسخ کرنے کے لیے اور حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ کرنے کے لیے ظالموں اور طاغوتوں کے آگے بک جاتے ہیں اور شیطان مردود کو راضی کرتے ہیں۔

اب ہم اپنے کلام کا رُخ پھر سے مدرسۂ امام جعفر صادقؑ کی طرف موڑتے ہیں اور اپنے قارئین کو اُس کے فیوض وبرکات سے روشناس کراتے ہیں۔

محقق حلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''المعتبر'' میں لکھتے ہیں:

آپؑ کا مدرسہ مدینہ منورہ میں آپؑ کا گھر اور مسجد تھی بلکہ آپؑ جس جگہ بھی ہوتے وہی جگہ آپؑ کا مدرسہ بن جاتی تھی۔ حج کے موسم اور دیگر مختلف مناسبتوں پر پوری دنیا علم و حکمت کے متلاشی آپؑ کے خانہ فیض پر آتے اور دُرِ مراد کو پا کر واپس جاتے۔ ایسے لوگ آپؑ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے مختلف سوالات تیار کر کے لاتے تھے۔ آپؑ سے (خصوصاً علمِ کلام کے موضوع پر) بہت کچھ نقل کیا گیا ہے۔ حضرت مفضل بن عمرؓ نے آپؑ سے ایک کتاب روایت کی ہے جو ''توحید مفضلؒ'' کے نام سے معروف ہے۔ دہریوں کے رد کے لیے یہ بہت ہی عمدہ کتاب ہے...... اِلٰی آخِرِ کَلَامِہٖ طَابَ ثَرَاہُ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد

لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کر کے آپؑ کے نورِ علم سے استفادہ و استفاضہ کیا۔ آپؑ کے شاگردوں میں سے بعض نے علم و فضل اور تقویٰ و کمال میں بہت ہی بلند مدارج و مراتب حاصل کیے اور بعض نے مختلف علوم و معارف پر قیمتی کتابیں تحریر کر کے اہلِ زمانہ سے اپنا سکّہ منوایا اور اپنے اس علمی سرمایہ کو بعد والوں کے لیے بطورِ یادگار چھوڑا۔

مشہور یہی ہے کہ آپؑ کے شاگردوں کی تعداد چار ہزار ہے، مگر ہماری تحقیق و تدقیق کے مطابق آپؑ کی صحبت علمی کا فیض اُٹھانے والوں کی تعداد پانچ ہزار سے اُوپر ہے اور ہم اپنے مہربان خالق کی حمد بجالاتے ہیں کہ جس نے ہمیں آپؑ سے ملاقات کا شرف پانے والوں اور آپؑ کے بحرِ علمی سے اپنی دیرینہ پیاس بجھانے والوں کو شمار کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ ہم نے اپنے انسائیکلوپیڈیا کی ایک جلد میں ان کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

مدرسۂ امام صادقؑ کے امتیازی پہلو

قارئین کرام! ہر مدرسہ اساتذہ، طلّاب اور ایک عمارت سے تشکیل پاتا ہے اور بعض مدارس اپنے اساتذہ، طلّاب اور مقامات حتیٰ کہ زمانوں اور ظروف کے اعتبار سے بھی دیگر مدارس سے مختلف ہوتے ہیں اور جہاں تک حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے مدرسے کی بات ہے تو اُس کے اُستاذ اور مدیر خود امام عالی مقامؑ تھے۔ لہٰذا یہ مدرسہ ہر حوالے سے دوسرے تمام مدارس سے ممتاز تھا۔ کیونکہ اس مدرسے کی مسئولیت و ادارت اس زمانے کی سب سے بڑی علمی شخصیت کے مقدس ہاتھوں میں تھی اور ان کے علم و فضل کا چرچا ملک ملک اور ہر قوم میں تھا۔ اور وہ شخصیت اوّلین و آخرین کے علوم کی عالم اور دین کے تمام احکام احاطہ و دسترس رکھنے والی تھی،

جیسا کہ ارشادِ ربّ العزت ہے:

وَ كُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ إِمَامٍ مُّبِيْنٍ (سورۂ یٰسٓ: آیت ۱۲)

"اور ہم نے ہر چیز کو امامِ مُبین میں جمع کر دیا ہے"۔

جب اس مدرسے کے معلّم و مربی کے یہ اوصاف تھے تو اس میں پروان چڑھنے والے اکثر شاگرد اپنے زمانے کے آسمانِ علم و فضل کے روشن اور دمکتے ہوئے ستارے تھے۔ یہ اپنے امام علیہ السلام کے علمی مقام و مرتبے، سیرت کی قُداست اور اَخلاقِ عالیہ کی لطافت و نفاست کی اچھی طرح سے معرفت رکھتے تھے اور انتہائی مؤدبانہ نظروں سے آپؑ کی طرف دیکھتے تھے۔

حوزاتِ علمیہ کے درسی حلقوں میں بعض اوقات اساتذہ اور طلّاب کے درمیان دلیل میں مناقشہ اور اختلافِ رائے ہو جاتا ہے یا وہ عمومی طور پر موضوعِ بحث میں ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف کرنے لگ جاتے ہیں۔ لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام کی مجلسِ درس میں ایسا نہیں ہوتا تھا کیونکہ آپؑ کے اکثر شاگرد آپؑ کی امامت کا اعتقاد رکھتے تھے اور آپؑ کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے ہر ہر لفظ کو خداوندِ عالم کا ایسا حکم سمجھتے تھے جس میں کسی قسم کے جدل و انکار اور اجتہاد و اظہارِ رائے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی تھی۔ البتہ بعض اوقات امام علیہ السلام کے شاگرد اُن سے کسی حکم کی علت پوچھ لیتے اور جدل و مناقشہ سے ہٹ کر سیکھنے سمجھنے والا سوال کرتے تھے۔

مزید برآں امام علیہ السلام کی مجلسِ درس میں غیر شیعہ بھی حاضر ہوتے تھے اور وہ بلا تامّل آپؑ کے فرمان کو قبول کر لیتے تھے اور یہ نہیں پوچھتے تھے کہ آپؑ کس بنیاد پر یہ بات کہہ رہے ہیں۔

ہاں! بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ امام علیہ السلام بذاتِ خود اُنھیں بتا دیتے تھے کہ یہ حدیث میں نے اپنے آبائے کرام علیہم السلام کے واسطے سے اپنے جدِ امجد حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اَصحاب و تلامذہ کا حصولِ علم سے ہدف ریا و سمعہ کا اظہار کرنا یا شہرت اور نام و نمود پانا نہیں تھا اور نہ ہی وہ یہ چاہتے تھے کہ جب وہ امام علیہ السلام کے دروسِ علمی سے فیض یاب ہو جائیں گے تو امام علیہ السلام اُنھیں کوئی سند و سرٹیفکیٹ دے دیں گے

جیسا کہ آج کل کے دور میں طلاب کو ماسٹر یا ڈاکٹریٹ وغیرہ کی ڈگریاں دی جاتی ہیں بلکہ ان کا پہلا اور آخری ہدف پہلے سیکھنا پھر خدمت کرنا تھا۔

امام علیہ السلام اپنے شاگردوں کے سامنے بہترین تعلیمات اور قیمتی مواعظ و نصائح پیش فرمایا کرتے تھے۔ آپؑ انھیں علم و حدیث سکھانے سے امانت و سچائی کا حکم دیتے تھے اور اُنھیں اپنے علم پر عمل کرنے کا فرمان بھی سناتے تھے تاکہ وہ عمل کو چھوڑ کر محض علم کو ہی کافی سمجھنا شروع نہ کردیں۔

آپؑ اُنھیں حکم دیا کرتے تھے کہ وہ یہ علم دوسروں تک منتقل کریں۔ یہ غافلوں کو خوابِ غفلت سے جگائیں اور سیکھنے والوں پر تکبر نہ کریں۔ آپؑ انھیں حصولِ علم کی راہ میں مشقتیں سہنے پر اُبھارتے تھے۔ آپؑ اُنھیں اس بات کی تاکید فرمایا کرتے تھے کہ وہ علم کو اس کے اہل، صاف و شفاف منابع اور قابلِ بھروسہ مقامات سے حاصل کریں اور مشکوک و ملوث راستوں کو چھوڑ دیں۔ نیز آپؑ اُنھیں علماء کی عزت و احترام، اُن کے اُمور میں اُن کی مدد اور ان کے ساتھ محبت و مہربانی سے پیش آنے کا حکم دیتے تھے۔

مدرسۂ امام جعفر صادقؑ میں تخصص

مدرسۂ امام جعفر صادقؑ کے امتیازی پہلوؤں میں سے ایک علوم و معارف میں تخصص و مہارتِ تامہ حاصل کرنا بھی تھا۔ اگرچہ آج کل یہ طب اور دوسرے علمی میدانوں میں بہت معروف ہوگیا ہے لیکن اس کی ابتدا امام جعفر صادق علیہ السلام کے مدرسہ سے ہوئی تھی اور امام علیہ السلام کے شاگردوں نے علم کے مخصوص میدانوں میں تخصص کرکے بلند مقام حاصل کیا تھا۔ ہم یہاں پر بطورِ مثال ان میں سے بعض کا ذکر آپ احباب کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

حضرت جابر بن حیان رحمۃ اللہ علیہ

اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کے بڑے بڑے ناموں میں سے ایک نام حضرت جابر بن حیانؒ کا بھی ہے۔ اُنھوں نے علمِ کیمیا میں تخصص (Ph.D) کیا تھا۔ یہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی تعلیم و تربیت کا ایک شاہکار تھے۔ امام علیہ السلام نے اُن میں علمِ کیمیا کو سمجھنے کی اہلیت و لیاقت

دیکھ کر انھیں یہ علم اس طرح تعلیم فرمایا: "ابوالکیمیا، معلم الکیمیا اور اُستاذ الکیمیا جیسے القاب اُن کی پہچان کا ذریعہ بنے۔ آپ نے مختلف علوم وفنون جیسے فلسفہ، احکام، اشیاء کے خواص، کیمیا اور آلاتِ حربیہ وغیرہ پر بہت سی کتابیں تالیف کیں۔ اسی طرح آپ نے علمِ طب کے موضوع پر بھی ایک ضخیم کتاب لکھی اور متعدد رسائل علمِ کیمیا اور علمِ مختبرات پر تحریر کیے۔ آپ کے ہاتھوں سے تحریر شدہ آپ کی بعض تصانیف اب بھی بعض عمومی کتب خانوں، لائبریریوں اور بعض مغربی ممالک میں ملتی ہیں۔ اور ان میں سے بعض کا ترجمہ انگریزی اور دوسری زبانوں میں بھی چھپ چکا ہے۔

یہاں یہ بات ذکر کرنا نہایت ہی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ حضرت جابر بن حیانؒ اپنی ہر کتاب کی ابتداء یوں فرمایا کرتے تھے:

حَدَّثَنِي سَيِّدِي وَمَوْلَايَ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ

"میرے آقا و مولا حضرت امام جعفر بن محمد علیہما السلام نے مجھ سے بیان فرمایا"۔

اُنھوں نے بہت سے تجربات اور بڑی محنتوں کے بعد حاصل ہونے والے انکشافات و اختراعات کو دنیا کے سامنے پیش کر کے بہت بلند مقام حاصل کیا۔ محمد بن زکریا رازی جیسا شخص یہ کہہ کر بہت فخر محسوس کرتا تھا کہ وہ جابر بن حیانؒ کے شاگردوں میں سے ہے۔

ہم نے آسمانِ علم وفضل کے اس خورشیدِ منور کا تذکرہ اپنے موسوعہ کی ایک مخصوص جلد میں تفصیل کے ساتھ کیا ہے کہ جہاں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہہ کرنے والوں کے اَحوال درج کیے گئے ہیں۔ یہاں جو ہم نے ان کا تھوڑا بہت تذکرہ کیا ہے تو اس کا مقصد صرف مدرسۂ امام صادق علیہ السلام کا بہترین انداز میں ایک تعارف پیش کرنا تھا۔

ہشام بن حکم رحمۃ اللہ علیہ

امام عالی مقام علیہ السلام کے یہ شاگرد علمِ کلام وعقائد میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ مخالفوں اور راہِ راست سے منحرف ہوجانے والوں کے ساتھ مناظرہ وجدل اَحسن میں اُنھیں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ امام علیہ السلام اُنھیں دیکھ کر بڑی خوشی وراحت محسوس کرتے تھے۔ امام علیہ السلام نے اُنھیں

ایسے معنوی تمغوں اور اعزازی نشانوں سے نوازا تھا جو بادشاہوں اور وزیروں کے تاجوں سے کہیں زیادہ قیمتی تھے۔

امام علیہ السلام نے ان کے بارے میں فرمایا تھا:

نَاصِرُنَا بِيَدِهٖ وَلِسَانِهٖ وَقَلْبِهٖ

"یہ اپنے ہاتھ، زبان اور دل سے ہماری مدد کرنے والا ہے"۔

ان کے بعض مناظرے ہم سابقاً اسی کتاب میں بیان کر چکے ہیں جیسا کہ ان کا تفصیلی ذکر ہم نے امام علیہ السلام کے شاگردوں سے متعلقہ اپنے موسوعہ کی ایک خاص جلد میں کیا ہے۔

محمد بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ

یہ بزرگوار علم فقہ وحدیث میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے تھے۔ انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سولہ ہزار احادیث روایت کی ہیں۔ اس مردِ خدا نے علمِ فقہ وحدیث میں محنت کر کے نہایت ہی بلند مقام حاصل کیا ہے۔

معزز قارئین! ہم نے آپ احباب کو مدرسۂ امام صادق علیہ السلام کا تعارف کرانے کے لیے یہ چند نمونے آپ کی خدمت میں پیش کیے ہیں اور جو برادران تفصیل کے خواہش مند ہیں وہ ہمارے موسوعہ کی اس جلد کی طرف رجوع کریں جس میں امام علیہ السلام کے اصحاب وتلامذہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

عصرِ امام صادق علیہ السلام کے امتیازات

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ بعض خصوصیات کی بنا پر دوسرے زمانوں سے ممتاز تھا۔ ان میں سے چند ایک خصوصیات درج ذیل ہیں:

① وہ زمانہ ذہنوں کے وسیع ہوجانے کی وجہ سے علم کے نور سے چمک گیا تھا۔

② اس زمانے میں چھپے ہوئے اَسرار آشکار ہوگئے تھے اور انسانی معاشرہ غفلت و جہالت کی نیند سے بیدار ہو چکا تھا۔

③ اس زمانے کے لوگوں میں حصولِ معرفت کی رغبت زیادہ ہوگئی تھی۔

④ دنیا کے مختلف حصوں اور بالخصوص مدینہ منورہ میں بعض اصحاب، تابعین اور تبع تابعین کی بہ دولت علمی مراکز قائم ہو گئے تھے۔

⑤ اس زمانے میں لوگوں کے اذہان علوم دینیہ سے جیسے علمِ کلام، علمِ تفسیر اور علمِ حدیث وغیرہ کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔ اس دور میں ان علوم کو مرکزیت حاصل تھی جبکہ دوسرے علوم جیسے علمِ طب و نجوم وغیرہ کو ثانوی حیثیت دی گئی تھی۔

⑥ ان حالات و ظروف میں بہت سے مذاہب ایجاد ہو گئے، جن میں سے ہر ایک علیحدہ اور مخصوص نظریے کا حامل تھا۔ جیسے قدریہ، کیسانیہ، مرجئہ، حشویہ اور خوارج وغیرہ۔ ان تمام مذاہب کے ماننے والے ایک ایک امام کے پیچھے چلتے تھے۔ وہ ہر آواز لگانے والے کے پیچھے دوڑ پڑتے تھے اور جدھر کی ہوا ہوتی اُدھر ہی منہ پھیر لیتے تھے۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ ہر انسانی معاشرے میں ایسے لوگ موجود رہتے ہیں جو ہر رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ ان کی اپنی کوئی سمت معین نہیں ہوتی ہے۔ جو چیز بھی ان کے سامنے آتی ہے وہ بلا سوچے سمجھے اُسے قبول کر لیتے ہیں۔

معزز قارئین! ایسے حالات میں مذہبِ شیعہ اور مدرسۂ امام جعفر صادقؑ امام عالی مقام علیہ السلام کے وجودِ مبارک کی برکت سے مثلِ آفتاب چمکتا اور دمکتا رہا اور مذہبِ جعفری کے نام سے مشہور ہو گیا۔ جیسا کہ اس کی کچھ تفصیلات آئندہ فصل میں آنے والی ہیں۔

مذہبِ جعفری

تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کا منبع و مصدر قرآن کریم اور سنتِ نبویہؐ ہے، لیکن وہ ان دو مصدروں تک پہنچنے کے طریقوں میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں۔ بہت سے افراد اپنے عقائد و نظریات اور احکامِ شرعیہ کو غیر معتبر افراد سے حاصل کرتے ہیں اور وہ فقط تعصب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیتؑ کے ساتھ دشمنی کے اظہار کے لیے ایسا کرتے ہیں اور ان کا مقصد حق و حقیقت کو پانا نہیں ہوتا۔ اور اسی وجہ سے ہی لوگوں میں مختلف نظریات اور جدا جدا فرقے وجود میں آتے ہیں، کیونکہ وہ قرآن پاک اور سنتِ نبویہؐ تک

پہنچنے کے لیے مختلف راہیں اپناتے ہیں۔ ہم اپنے مقصود کو واضح کرنے کے لیے ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نماز کے لیے وضو کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ (سورۂ مائدہ: آیت ۶)

"اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنے چہروں اور کہنیوں سمیت اپنے ہاتھوں کو دھولو اور اپنے سروں اور ٹخنوں تک پاؤں کا مسح کرلو"۔

مگر اب ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مسلمان کہنیوں سے لے کر انگلیوں کے سروں پر اپنے ہاتھوں کو دھوتے ہیں اور بعض اس کے اُلٹ کرتے ہیں اور اسی طرح بعض سر کے اگلے حصّے اور ٹخنوں تک پاؤں کا مسح کرتے ہیں اور بعض مسح کرنے کے بجائے پاؤں کو دھو لیتے ہیں۔

بنابرایں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس اختلاف کا منشا کیا ہے؟ کیا خدا اور رسولؐ نے انھیں وضو میں اس طرح اختلاف کرنے کا حکم دیا ہے؟ کیا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو سکھانے کی خاطر اُن کے سامنے وضو نہیں فرماتے تھے؟ کیا رسولِ خدا پورے سر کا مسح کرتے تھے یا اس کے کچھ حصّے کا؟ اور کیا رسولِ خدا اپنے پاؤں دھوتے تھے یا ان کا مسح کرتے یا کبھی ایک کو دھوتے اور دوسرے کا مسح کرلیتے تھے؟! اور کیا رسولِ خدا ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے تھے یا ہاتھ کھول کر پڑھتے تھے؟!!

مَیں یہاں یہ نہیں ثابت کرنا چاہتا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلیم کردہ وضو کون سا ہے کیونکہ یہ بحث کافی شرح و بسط کی محتاج ہے۔ اور خدا بھلا کرے ہمارے فقہائے کرام علیہم الرضوان کا کہ جنھوں نے قیمتی کتابیں لکھ کر ہماری اس مشکل کو آسان کردیا ہے۔ میں نے تو یہ فقہی مسئلہ صرف مسلمانوں کے ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف کو ظاہر کرنے کے لیے درج کیا ہے۔

اور یہ واضح ہے کہ وضو میں لوگوں کا اختلاف کرنا ان طریقوں اور راستوں کے مختلف

ہونے کی وجہ سے ہے کہ جن سے اُنھوں نے اپنے معالمِ دین حاصل کیے ہیں اور اس کے علاوہ بھی تمام اختلافی مسائل کی یہی صورت ہے اور انھی اختلافات کی وجہ سے مختلف مذاہب اسلامی وجود میں آئے ہیں۔

مذہب جعفری وہی مذہب ہے کہ جسے مختلف اعتبارات کی بنا پر شیعہ یا امامی کہا جاتا ہے اور شیعہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو اپنا امام اور رسولؐ خدا کا بلافصل جانشین مانتے ہیں۔ اور ان کا اعتقاد ہے کہ ان کے بارہ اماموں کی امامت پر رسولؐ خدا کی نص موجود ہے۔ اور ان کے مذہب کو مذاہبِ اربعہ کے مقابلے میں مذہب جعفری کہا جاتا ہے۔

اس کا مطلب یہ بالکل نہیں کہ اس مذہب کا مرجع صرف حضرت صادق آلِ محمد علیہ السلام ہی کی ذات ہے، بلکہ شیعہ اپنے دین کے اُصول وفروع کو قرآنِ کریم اور سنتِ پیغمبرؐ کے ساتھ ساتھ ائمہ طاہرین علیہم السلام کے اقوال سے بھی اخذ کرتے ہیں، کیونکہ ان کا سلسلہ بھی رسولِ اکرمؐ تک پہنچتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مذہب امام جعفر صادق علیہ السلام کے نامِ نامی سے ہی کیوں مشہور ہوا؟ کسی اور امامؑ کے نام کے ساتھ کیوں نہ مشہور ہوا؟

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اس کی درج ذیل وجوہات ہیں:

اوّل: اس کی پہلی وجہ حریتِ کلام ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے باطل عقائد اور منحرف اَفکار کے افراد کے لیے مناظرہ وجدل احسن کا میدان وسیع کیا۔ آپؑ ان کے ساتھ آدابِ مناظرہ، اُسلوبِ تفاہیم سا منطق سلیم اور محکم دلیل پر مبنی گفتگو کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے۔ اور مقابل کی باتوں کو پورے حوصلے کے ساتھ سنتے، پھر اس کا جواب دیتے تھے۔ اس کی ایک جھلک ہمیں اس مناظرے میں بھی نظر آتی ہے کہ جو حضرت مفضل بن عمرؒ اور ابن ابی العوجاء ملحد کے درمیان ہوا تھا۔ جب حضرت مفضل بن عمرؒ نے اس ملحد اور اُس کے ساتھی کی زبان سے کفریہ کلمات سنے تو شدید غصے میں آ کر کہنے لگے: اے دشمنِ خدا! تُو تو دینِ خدا میں اِلحاد کر بیٹھا ہے۔

اس پر ابن ابی العوجاء نے اُن سے کہا: اگر آپ اہلِ کلام میں سے ہیں تو ہم تم سے بات کریں گے اور اگر تمھاری حجت ثابت ہوگئی تو ہم تمھاری بات مان لیں گے، لیکن اگر آپ

اہل کلام و مناظرہ میں سے نہیں ہیں تو تمھاری بات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اگر آپ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگردوں میں سے ہیں تو آپ کو ہم سے یوں بات نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اُنھوں نے تو ہم سے کبھی اس طرح بات نہیں کی اور نہ ہی آپ کبھی ہم سے جھگڑے ہیں۔ اُنھوں نے تو ہماری زبان سے اس سے بھی سخت باتیں سنی ہیں، مگر اُنھوں نے کبھی ہم سے سخت لہجے میں بات نہیں کی اور نہ ہی کبھی ہمیں جواب دینے میں ہم پر تعدی کی۔ وہ تو بڑے ہی حلیم و بردبار اور دانا و حکیم تھے۔ نہ وہ کبھی اُصول و قواعد کی خلاف ورزی کرتے، نہ غصہ و طیش میں آتے اور نہ ہی جلد بازی کا مظاہرہ کرتے۔ وہ ہماری بات پوری توجہ کے ساتھ سنتے اور جب ہم اپنی بات پوری کر لیتے تو اپنے مختصر سے کلام سے ہمارے دلائل کو کمزور ثابت کر دیتے۔ جس سے ہم پر حجت تمام ہو جاتی۔ ہمارا عذر ختم ہو جاتا اور اُن کے اشکالات کا ہمارے پاس کوئی جواب نہ رہتا۔ پس اگر آپ ان کے شاگرد ہیں تو آپ بھی ہم سے اُنھی کے طریقے کے مطابق گفتگو کریں۔

اگر چہ یہ کلام ایک ملحد کی زبان سے صادر ہوا ہے لیکن اس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام گمراہوں کی ہدایت کے لیے کس طرح وسعتِ قلبی اور بلند حوصلے کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اب ہم اس بات کو یہیں پر ہی روکتے ہیں اور اس کی تفصیل کو ان شاء اللہ آئندہ فصل میں بیان کریں گے۔

ثانی: امام علیہ السلام جب دوسرے مذاہب کا سامنا کرتے تو اُن کے سامنے امام علیہ السلام کا قول ایک مذہب قرار پاتا اور بعض لوگ شیعوں کو جعفریہ کہنا شروع کر دیتے تھے اور تب سے اب تک عرب و عجم میں یہ لفظ شیعوں کے لیے بولا جاتا ہے۔

ثالث: امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور میں اُموی حکومت سقوط و زوال کا شکار ہو رہی تھی اور عباسی حکومت عراق میں بن رہی تھی اور عراق اور حجاز کے درمیان مسافت بہت زیادہ تھی۔ ان کی باہمی کشمکش میں امام جعفر صادق علیہ السلام کو علوم و معارف کی اشاعت اور نیک اور اعلیٰ ثقافتی معیار پر انسانوں کی تربیت کا موقع مل گیا۔ اس زمانے میں امام علیہ السلام نے ہر ایک سے اپنی علمیت کا لوہا منوایا اور امام علیہ السلام کی اسی محنت و کاوش کی وجہ سے اس مذہب کو مذہبِ جعفریہ

کے نامِ نامی سے موسوم کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ اس کے اور بھی اسباب و وجوہات ہیں یہاں جنھیں ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے نزدیک آزادیٔ کلام

باطل عقائد کے حامل افراد کے لیے یہ بات آسان نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اپنے غلط عقائد کی صراحت کریں۔ ان میں سے جو بھی عام لوگوں کے سامنے اپنے فاسد عقائد بیان کرتا یا اپنے گمراہ افکار کے بارے میں بات کرتا تو لوگ اُسے جواب میں یہی کہتے:

خاموش ہو جاؤ! زبان بند رکھو! کافر! مشرک! خبیث! پلید! اسی طرح کے اور دوسرے الفاظ جو کہ اَدب و اَخلاقیات سے گرے ہوئے ہوتے تھے۔

اس پر سوال یہ اُٹھتا ہے کہ کیا اس کا حل صرف ایسے کلمات ہی رہ گئے ہیں؟!! کیا اہلِ باطل کے شبہات کا جواب یہی ہے؟!! اور ان مفاسد کا علاج صرف سب و شتم کرنا ہی باقی رہ گیا ہے؟!

لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام ایسے لوگوں کو اپنا ما فی الضمیر بیان کرنے کی مکمل اجازت دیتے تھے اور ان کے اَباطیل و اَکاذیب کو خوب غور و خوض سے سننے کے بعد اُنھیں ابطال فرماتے تھے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اُنھیں اپنے معتقدات بیان کرنے کی اجازت کیوں نہ دیتے، جبکہ آپؑ ان شبہات و ایرادات کو باطل کرنے کے لیے مضبوط ترین علمی اسلحے سے مسلح تھے؟ اسی لیے امام علیہ السلام اُنھیں اپنی بات اور موقف بیان کرنے کا پورا پورا موقع فراہم کرتے تھے۔ عنقریب ہم اپنے قارئین کو مانوی عقیدہ کے حامل ابوشاکر دیصانی کے امام علیہ السلام کے اندازِ گفتگو بتائیں گے۔

امام علیہ السلام اس جیسے اور بھی باطل افکار و عقائد کے حامل افراد جیسے ابن ابی العوجاء اور ابن المقفع وغیرہ کے ساتھ بھی اسی طریقہ و روش کے مطابق گفتگو کرتے تھے کہ جو اسلامی عقائد اور احکامِ دینیہ پر اعتراض کرتے تھے، اور اس پر مستزاد یہ کہ ان میں سے بعض کا کلام تو

حد درجہ بے ادبی پر مبنی اور احمقانہ قسم کا ہوتا تھا۔

بہر کیف امام علیہ السلام ایسے لوگوں کو اپنی رائے کے اظہار کا پورا پورا حق دیتے تھے۔ آپؑ مکمل حوصلے اور توجہ کے ساتھ ان کے اعتراضات اور مناقشوں کو سنتے تھے، پھر انھیں ان کا جواب دیتے تھے۔

بسا اوقات یہ کام امام علیہ السلام کے شاگردوں میں کوئی کر دیتا تھا اور مقصودہ ہدف حاصل ہو جاتا تھا۔ جبکہ دوسرے لوگ نہ تو ان منحرفوں کو کوئی بات کہنے کا موقع دیتے اور نہ ہی ان کے دلائل و مناقشات کو توجہ سے سنتے، بلکہ اُنھیں خاموش کرنے کے لیے کوئی خلافِ ادب بات کہہ دیتے تھے جیسا کہ سابقاً اس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

مذہبِ شیعہ اور مذاہبِ اربعہ کا ایک سرسری جائزہ

بہت سے لوگ یہ سوال اُٹھاتے ہیں کہ شیعہ اُصولِ دین میں مذہبِ اشعری اور فروعاتِ دین میں مذاہبِ اربعہ کی تقلید کیوں نہیں کرتے؟ اور مذہبِ اہلِ بیت علیہم السلام پر ہی کیوں اکتفا کرتے ہیں؟ جیسا کہ الازہر یونیورسٹی کے وائس چانسلر سلیم بشری نے بھی سید عبدالحسین شرف الدین علیہ الرحمہ سے یہی سوال کیا تھا اور سید بزرگوار نے اُنھیں اُن کے سوال کا شافی جواب دیا تھا۔ ہم اپنے قارئین کی ضیافتِ طبع کے لیے اس سوال و جواب کو ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔

سوال: ① میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ شیعہ جمہور مسلمانوں کے مذاہب کی پیروی کیوں نہیں کرتے؟ میری مراد یہ ہے کہ وہ اُصولِ دین میں اشعری مذاہب اور فروعاتِ دین میں مذاہبِ اربعہ کی رائے کو کیوں نہیں اپناتے؟ حالانکہ سلفِ صالح کا دین بھی یہی تھا۔ وہ انھیں تمام مذاہب سے زیادہ صحیح اور افضل سمجھتے تھے۔ ہر زمان و مکان میں ان کا ان مذاہب کے مطابق عبادات کے صحیح ہونے پر اتفاق تھا اور وہ بالاجماع ان مذاہب کے بانیوں اور لیڈروں کو عادل و مجتہد، امین و متقی، زاہد و پاک دامن اور اچھی سیرت والے علمی و عملی اقتدار کا حامل سمجھتے تھے۔

② آپ بہتر جانتے ہیں کہ آج ہمیں اتحاد و اتفاق کی کتنی زیادہ ضرورت ہے اور یہ بھی آپ کے علم میں ہے کہ دشمنانِ اسلام کے سینے ہمارے خلاف کینہ وحسد سے پُر ہیں اور وہ ہمیں ختم کرنے کے لیے ہر حربہ آزما رہے ہیں۔ اس سلسلے میں اُنھوں نے اپنی آرا مضبوط کرلی ہیں اور اپنے دلوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرلیا ہے لیکن ہم مسلمان ہیں کہ غفلت و نادانی میں پڑے ہوئے ہیں اور دشمنوں پر اپنی کمزوریاں عیاں کر کے اُنھیں اپنے خاتمہ کی راہ دکھا رہے

ہیں۔ ہماری قوم پراگندگی کا شکار ہے اور ہم نے گروہی اختلافات، فرقہ بندی اور تعصب کی فضا قائم کرکے پرچمِ وحدت کو تار تار کرکے رکھ دیا ہے۔ اتفاق و اتحاد کی فضا مکدر ہو چکی ہے اور ایک دوسرے کو گمراہ کہتا ہے تو دوسرا پہلے سے بیزار ہو جاتا ہے اور یوں ہم ظالم و خونخوار بھیڑیوں کے پنجوں اور لالچی کتوں کی للچائی ہوئی نظروں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔

کیا آپ کو ان باتوں سے کوئی اختلاف ہے؟ — والسلام!

جواب: ① شیعہ حضرات کا اُصولِ دین میں اشاعرہ کا ہم خیال نہ ہونا اور اسی طرح فروعاتِ دین میں مذاہبِ اربعہ کے علاوہ مذہب کو اپنانا کسی گروہی اختلاف، فرقہ بندی اور تعصب کی وجہ سے نہیں بلکہ شرعی دلائل ہمیں ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کے مذہب کو اپنانے پر مجبور کرتے ہیں کہ جو آغوشِ رسالتؐ کے پروردہ اور خاندانِ وحی کے افراد ہیں۔ انھی وجوہات کی بنا پر ہم دین کے اُصول و عقائد، اُصولِ فقہ و قواعد، کتاب و سنت کے معارف، اَخلاق و آداب اور ہر طرح کے کاموں میں انھی ہستیوں کا دامن تھامے ہوئے ہیں۔ ہم نے اس راہ کا انتخاب صرف اس لیے کیا ہے کہ ہم اَدِلّہ و براہین کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اور سنتِ پیغمبرِ گرامی قدر کے حضور اظہارِ عبودیت کیے ہوئے ہیں۔

اگر شرعی دلیلیں ہمیں آلِ محمد علیہم السلام میں سے ہونے والے اَئمہ طاہرین علیہم السلام کی مخالفت کی ذرا برابر بھی اجازت دیتیں، یا ہمارے لیے دوسرے مذاہب کے مطابق اعمال انجام دینا تقربِ الٰہی کا ذریعہ ہوتا تو ہم بھی قدم بہ قدم جمہور مسلمین کے نظریہ پر چلتے، تاکہ دوستی کی پہچان محکم تر اور رشتۂ اُخوت مضبوط تر ہو جائے۔ لیکن قطعی دلیلیں مومن کے لیے سنگِ راہ بنی ہوئی ہیں اور خواہشات میں حدِ فاصل کا کردار ادا کر رہی ہیں۔

② علاوہ ازیں جمہور کے پاس ان کے مذاہب کے رجحان کی بھی کوئی دلیل نہیں، چہ جائیکہ ان پر عمل کرنا واجب ہو۔ ہم نے مسلمانوں کے دلائل کو بڑی گہرائی و باریک بینی کے ساتھ ملاحظہ کیا ہے، لیکن ہمیں ان میں کوئی بھی صحیح اور قابلِ احتجاج نظر نہ آئی، ماسوائے اس کے کہ جو آپ نے ان کے اجتہاد و امانت اور عدالت و جلالت کا تذکرہ کیا ہے۔

لیکن واضح رہے کہ اجتہاد و امانت اور عدالت و جلالت صرف اُنھی میں ہی نہیں بلکہ ان

کے علاوہ بھی ان صفات کے حامل افراد موجود ہیں۔ بنابرایں کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ صرف انھی کی ہی پیروی کی جائے اور باقیوں کو چھوڑ دیا جائے؟

میرا نہیں خیال کہ کوئی یہ کہنے کی جرأت و جسارت کر سکے کہ وہ علم و عمل میں ائمہ طاہرین علیہم السلام سے افضل ہیں، کیونکہ وہ تو عترت کے امام، نجات کے سفینے، ابوابِ مغفرت، دین میں اختلاف سے امان، ہدایت کے نشان، ثقلِ پیغمبرؐ اور آپؐ کی اُمت میں آپؐ کا بقیہ ہیں اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

> فَلَا تُقَدِّمُوْهُمْ فَتَهْلِكُوا وَلَا تُقَصِّرُوا عَنْهُمْ فَتَهْلِكُوا. وَلَا تُعَلِّمُوْهُمْ فَاِنَّهُمْ اَعْلَمُ مِنْكُمْ
>
> ''ان سے آگے نہ بڑھنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے، ان سے پیچھے بھی نہ رہنا، ورنہ ابھی ہلاک ہو جاؤ گے اور انھیں سکھانے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ یہ تم سے زیادہ علم رکھتے ہیں''۔

لیکن یہ مذاہب اربعہ کا قیام ایک سیاست تھی اور تم کیا جانو کہ صدرِ اسلام میں کس بات کا تقاضا تھا؟ اور اس سے بھی بڑھ کر تعجب تو ہمیں تمھاری اس بات پر ہوتا ہے کہ سلف صالح انھی مذاہب کے پیرو اور پابند تھے۔ وہ انھیں تمام مذاہب کی نسبت زیادہ عادل اور افضل قرار دیتے تھے، اور ہر زمان و مکان میں انھی کے مطابق عبادات بجالاتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمھیں شیعہ اَسلاف کی خبر نہیں ہے حالانکہ وہ فی الحق مسلمانوں کا نصف ہیں۔ وہ مذاہب ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کے پیروکار ہیں اور اس سے سرمو انحراف کرنے والے نہ تھے۔ اور وہ حضرت علی اور فاطمہ علیہما السلام کے زمانے سے آج تک اسی مسلک پر چلے آرہے ہیں اور اس زمانے میں اشعری کا کوئی وجود تھا اور نہ ہی کوئی مذاہب سے واقف تھا۔

۳ ابتدائی تین اَدوار کے مسلمانوں میں سے کوئی بھی ان مذاہبِ اربعہ پر عمل نہ کرتا تھا۔ یہ مذاہب کجا اور ابتدائی تین سنہری اَدوار کے مسلمان کجا؟! کیونکہ اشعری ۲۷۰ ہجری میں دنیا میں آئے اور ۳۳۰ ہجری میں دنیا سے چلے گئے۔ احمد بن حنبل نے ۱۶۴ ہجری میں دنیا میں آنکھ کھولی اور ۲۴۱ ہجری میں سفرِ آخرت کو اپنا لیا۔ شافعی کی ولادت ۱۵۰ ہجری میں ہوئی،

اور وہ ۲۰۶ ہجری کو انتقال کر گئے۔ امام مالک کی پیدائش ۹۵ ہجری میں ہوئی اور وہ ۱۷۹ ہجری میں داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے اور ابو حنیفہ کا تولد ۸۰ ہجری میں ہوا اور ۱۰۵ ہجری کو یہ بھی سفرِ آخرت کے راہی ہو گئے۔

ہم شیعہ تو صدرِ اسلام سے موجود ہیں اور آئمہ اہلِ بیت علیہم السلام کے طریقے و ہدایت پر چلے آرہے ہیں۔ یعنی ہمارا مرجع ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام ہیں جبکہ دوسرے لوگ صحابہ وتابعین کے پیروکار ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تمام مسلمانوں پر کیونکر واجب ہو گیا ہے کہ ابتدائی تین اَدوار کے بعد مسلمان آئمہ اربعہ کے مسالک کو اختیار کرلیں اور اس مذہب کو ترک کر دیں جس پر شروع سے عمل ہوتا چلا آرہا ہے؟

اور یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ مذاہب اہلِ سنت میں جتنے بھی اختلافات موجود ہیں وہ شیعہ وسُنّی اختلافات سے کچھ کم نہیں ہیں۔ اس پر فریقین کی اُصول وفروع کی ہزاروں کتب شاہد ہیں۔ بنابریں بار بار یہی رَٹ کیوں لگائی جارہی ہے کہ شیعہ سُنّی کا مخالف ہے اور یہ کیوں نہیں بیان کیا جاتا کہ سُنّی بھی شیعہ کا مخالف ہوتا ہے اور اس بات کو بھی کیوں نہیں ہوا دی جاتی کہ اہلِ سنّت کے بعض گروہ دوسرے بعض سے مخالفت رکھتے ہیں؟!

جب چار مذاہب کے ہونے سے کچھ نہیں بولا جاتا تو پانچ مذاہب ہونے میں کیا مسئلہ ہے؟ کس عقل میں یہ بات آتی ہے کہ مذاہب اربعہ ہونا اتفاق کی علامت اور جونہی پانچواں مذہب آئے گا مسلمانوں کا اتفاق ختم ہونا شروع ہوجائے گا۔ پراگندگی اور انتشار پھیل جائے گا اور ان کی آپس میں جدائی ہوجائے گی۔

آپ کیوں ایسا سوچتے ہیں کہ مذہب اہلِ بیت علیہم السلام کی پیروی سے اجتماعیت ختم ہوجائے گی، پراگندگی رواج پکڑ لے گی اور دوسرے مذاہب کی پیروی سے اُن کے دل ملے رہیں گے اور عزائم ایک ہی رہیں گے خواہ اُن کے نظریات ومشارب ایک دوسرے سے مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔

مَیں نہیں سمجھتا کہ آپ بھی میرے ہم خیال ہوں گے بلکہ میں آپ میں خاندانِ عصمت

وطہارت کی محبت ومودّت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے ماننے پر تیار نہیں ہوں۔

ہاں! ہم تب ہی متحد ہو سکتے ہیں کہ جب دوسرے مذاہب شافعی، حنفی، مالکی اور حنبلی کے پیروکاروں کے ساتھ ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کے ماننے والوں اور پیروکاروں کو سامنے رکھا جائے۔ پس ہم ان سب کو ایک نگاہ سے دیکھیں گے تو اتحاد خود بخود قائم ہو جائے گا۔(المراجعات: ص ۲۵)

امام جعفر صادق علیہ السلام اور آپؑ کے زمانے کے دوسرے مذاہب

امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے کے مذاہب کو بیان کرنے سے پہلے ہم ایک سوال اور اُس کا جواب پیش کرتے ہیں اور وہ سوال یہ ہے کہ یہ غلط اَفکار اور باطل مذاہب کیونکر پھیلے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب بھی اسلامی معاشروں میں حق کی تجلیاں ظاہر ہوتی ہیں تو باطل کی تعلیمات چھپ جاتی ہیں اور جونہی حق کو کوئی کمزوری لاحق ہوتی ہے تو باطل قوت پکڑ لیتا ہے۔

ہمارے اس بیان پر سب سے بڑا شاہد اسلامی تاریخ ہے بلکہ موجودہ زمانہ بھی اس فتنے سے خالی نہیں ہے۔ اس میں جب بھی حق کی آواز مکمل آزادی کے ساتھ بلند کی جاتی ہے تو باطل کی آواز دب جاتی ہے اور جونہی دین میں کمزوری کا مظاہرہ کیا جاتا ہے تو ظالم حکومتیں اس کمزوری سے بھرپور فائدہ اُٹھاتی ہیں اور اہلِ حق کے خلاف اپنا ہر طرح کا کینہ وحسد نکالتی ہیں اور پھر انھیں اس ظلم و بے دینی کے عام کرنے سے کوئی بھی روکنے والا نہیں ہوتا۔

اور جب حکومت کمزور ہوتی ہے یا اس کے نظام میں کوئی تبدیلی آتی ہے تو اس کے حالات بھی منقلب ہو جاتے ہیں۔

ہم اکثر و بیشتر اپنی کتابوں میں ذکر کر چکے ہیں کہ ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام اور اُن کے ماننے والے اپنے زمانے کی ظالم حکومتوں کے ہاتھوں طرح طرح کے مصائب و آلام میں گرفتار تھے۔ جب بھی کوئی اُموی یا عباسی بادشاہ تخت نشین ہوتا تو وہ ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کے استیصال کی ہر ممکن کوشش کرتا تھا۔ نیز ان کے علاوہ لوگوں کے لیے بھی میدان وسیع ہو جاتا تھا اور انھیں ہر طرح کی آزادی مل جاتی تھی کہ وہ جو چاہیں کریں اور جو چاہیں کہیں، بالخصوص اس

صورت میں کہ جب ان کے اہداف و مقاصد حکومت کے اہداف و مقاصد کے ساتھ مل جاتے تھے۔ پس ان زمانوں میں ظالم حکومتوں کو اسلامی معاشرے میں باطل و بے بنیاد باتیں پھیلانے کا پورا پورا موقع مل جاتا تھا۔ جیسے جبر و تفویض کے مفاسد، اشاعرہ و معتزلہ کے گمراہ کن عقائد، غالیوں اور ملحدوں کے اعتقادات اور حلول و تناسخ جیسی بے بنیاد باتیں وغیرہ۔

ممکن ہے کہ کوئی شخص ہمارے اس بیان کو ہمارا ادیبانہ اُسلوبِ تحریر قرار دے تو ہم ان صاحبان کے لیے واضح کیے دیتے ہیں اور ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ مسلمان بادشاہ ہی نہ تھے کہ جنھوں نے کفریہ عقائد پر مشتمل یونانی فلسفے کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کروا کر اوساطِ علمیہ میں پھیلایا تھا؟!

قارئین کرام! واضح رہے کہ ہم نے یہ مختصری تمہید اس لیے ذکر کی ہے تاکہ ہمیں معلوم ہوجائے کہ یہ غلط افکار اور باطل عقائد دوسری صدی ہجری کے اوائل میں اسلامی معاشرے میں کس مقصد کے تحت پھیلائے گئے تھے۔ چنانچہ اس کے درج ذیل اسباب ہمارے سامنے آئے ہیں:

پہلا سبب: اس کا پہلا سبب أئمہ اہلِ بیت علیہم السلام کو ان مراتب و مقام سے ہٹا دینا ہے کہ جو اُنھیں خدا کی جانب سے عطا کیے گئے تھے۔ وقت کے ظالم و جابر حکمرانوں نے أئمہ اہلِ بیت علیہم السلام کے لیے آزادی و حریت کے دروازے ہر طرف سے بند کر رکھے تھے اور جو شخص بھی ان ذواتِ مقدسہؑ کے ساتھ کوئی نیکی کرتا، یا ان کی کوئی بات کرتا حتیٰ کہ اگر ان کا نام بھی لیتا تو اُسے مظالم کا نشانہ بنایا جاتا اور اُس کو دھمکیاں دے کر دہشت زدہ کر دیا جاتا تھا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ أئمہ طاہرین علیہم السلام کو سامنے سے ہٹا کر پیچھے لے جانے سے ظالم حکمرانوں کا مقصد ایسے لوگوں کو آگے لانا تھا کہ جو ان کی غلطیوں کو صحیح کہیں، ان کے گناہوں کو نیکی کہیں، ان کی بداعمالیوں پر پردہ ڈالیں اور ان کے عیبوں کی تاویلیں کریں۔ چنانچہ حکومتوں نے ایسے لوگوں کو وسیع میدان دے رکھا تھا اور ان کے لیے تمام راہیں کھولی ہوئی تھیں، تاکہ یہ جو چاہیں انجام دیں، خواہ یہ غلط فیصلے کریں یا باطل پر مبنی فتوے دیں اور خواہ اُن کے لیے احادیث میں تحریف کریں یا قرآنِ مجید کی تفسیر بالرائے کریں اور اُن لوگوں کے ہاتھوں قرآنِ مجید گویا ایک

کھلونا تھا کہ وہ جیسے چاہتے اس کی تفسیر بالرائے کرتے اور یہ باطل افکار اور کفریہ عقائد کے پھیلنے کے اسباب میں سے ایک دوسرا سبب تھا۔

کیا خدا کے مجسم (یعنی وہ ایک جسم ہے) ہونے کا عقیدہ اسلامی دنیا میں اس زمانے سے اب تک پھیلا ہوا نہیں ہے؟ اور میں نے خود کئی بار ذرائع ابلاغ جیسے ٹیلی ویژن اور ریڈیو وغیرہ سے سنا ہے کہ (معاذ اللہ) خدا آسمانِ دنیا پر اُترا؟

نیز میں نے بعض عرب ممالک میں بعض مشائخ سوء سے یہ بھی سنا کہ شب معراج حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، حالانکہ یہ سب جانتے ہیں کہ یہ کفریہ عقیدۂ توحید کے سراسر خلاف اور ان قرآنی نصوص کے بالکل برعکس ہے جیسا کہ وہ ارشاد فرماتا ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ

''آنکھیں اُس کا اِدراک نہیں کرسکتیں''۔

اور ـــــ

لَنْ تَرَانِي

''تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکوگے''۔

اس کے علاوہ عقلی دلائل اور احادیث صحیحہ سے بھی اس (تجسیم باری) کی نفی ہوئی ہے۔

جب اس زمانے میں علمائے سوء نے توحید جیسے عظیم عقیدے میں تلاعب کرنے سے گریز نہیں کیا تو اس کے علاوہ چیزوں کی حیثیت ہی کیا ہے؟ جیسا کہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں ایسے بہت سے اَباطیل واَکاذیب اور کفریات کا ذکر کیا ہے جنھیں پڑھ کر اسلام اور مسلمانوں کی پیشانی پسینے سے شرابور ہوجاتی ہے۔

اس کا تیسرا سبب لوگوں میں عزت وشہرت پانے کی محبت ہے۔ پرانے وقتوں میں کہا جاتا تھا:

خَالِفْ تُعْرَفْ

''کسی کی مخالفت شروع کردو تاکہ تمھیں بھی شہرت مل جائے''۔

بنابریں بہت سے غلط اَفکار اور باطل مذاہب کو جن لوگوں نے ایجاد کیا وہ بالکل ہی

گمنام تھے۔ نہ انھیں کسی اعلیٰ شرف کا حق دار سمجھتا تھا اور نہ ہی کوئی ان کا احترام کرتا تھا۔ گویا ان کی بے شعوری اور حقارتِ نفسانی نے انھیں ایک مذہب ایجاد کرنے پر مجبور کر دیا تاکہ وہ لاشعوری طور پر اور پست لوگوں کو اس مذہب کی دعوت دیں اور اس گندے اور شیطانی طریقے سے انھیں کچھ نہ کچھ شہرت مل ہی جاتی ہے۔

معزز قارئین! آپ کی توجہ ان اُمور کی طرف دلانے سے ہمارا مقصد یہ سمجھانا تھا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور میں باطل مذاہب کی ترویج کیسے اور کیونکر ممکن ہوئی؟

ان تمام مذاہب میں سے ہر ایک مذہب کے کچھ ماننے والے تھے جو ان کی اندھی تقلید پر ڈٹے ہوئے تھے اور ان غلط افکار کی ترویج و اشاعت میں مگن تھے اور وہ زیادہ تر اپنی اس باطل پرستی کا نشانہ دین سے دُور اور بے خبر لوگوں کو بناتے تھے۔

اگر ہم ان مذاہب کے بارے میں یہ کہیں کہ ان میں سے ہر ایک مذہب کا رُخ امام علیہ السلام کے مقابل جنگی تیر کے رُخ کی مانند تھا تو غلط نہ ہوگا حالانکہ آپ کا خط وہی اپنے نانا رسولؐ خدا والا خط تھا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے کتنی حکمت کے ساتھ ان مذاہب کا مقابلہ کیا اور انھیں علمی طور پر ختم کرنے کی کتنی کد و کاوش کی، حالانکہ آپؑ کو ہر طرف سے پابندیوں اور مظالم کا سامنا تھا۔

امام علیہ السلام کے زمانے کے دوسرے مذاہب

اب ہم یہاں اپنے قارئین کی خدمت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے کے بعض باطل اور منحرف مذاہب کا مختصر سا تعارف پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض کا تو اَب کوئی نام ونشان ہی نہیں رہا اور بعض ابھی تک باقی ہیں اور ان کا گمراہ کن سلسلہ ابھی تک چل رہا ہے۔

① مجبرہ

جب کوئی انسان انحراف پر مبنی اپنی افکار کو اپنے پیروکاروں کے سامنے پیش کرتا ہے تو اُس کے چاہنے والے ان میں من پسند اضافے کر کے انھیں سادہ لوح افراد میں عام کر دیتے ہیں اور وہ ان اَباطیل و اَکاذیب کو یوں قبول کر لیتے ہیں کہ گویا یہ ان کی طرف وحی کی گئی ہے۔ اور اس سے بھی بڑا المیہ یہ ہے کہ یہ ظالم لوگ ذاتِ باری کے متعلق بھی اپنے پاس سے خیالات واوہام بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ کبھی وہ اس کے لیے علم کو ثابت کرتے ہیں تو کبھی اِس کی اُس سے نفی کر دیتے ہیں اور اسی طرح کبھی اُسے قادر کہتے ہیں اور کبھی اُس سے قدرتِ اختیار کو سلب کر لیتے ہیں۔ اس طرح مقدساتِ اسلامیہ اور معتقداتِ دینیہ ان کی خواہشات کے تابع اور ان کی ان آراء کا نشانہ بن جاتی ہیں جن کی خدا نے کوئی دلیل نہیں اُتاری ہے۔

شیطان مردُود کے چیلوں کے ایجاد کردہ مذاہب میں سے ایک مذہب "جبریہ یا مجبرہ" کا ہے۔ وہ جبر کے قائل ہیں۔ وہ انسانوں کے تمام اچھے یا بُرے افعال کی نسبت خداوند متعال کی طرف دیتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمارا کوئی بھی فعل ذاتی نہیں اور ہمیں ان کی انجام دہی پر کوئی اختیار حاصل نہیں بلکہ ہم تو اس کے ارادے اور مشیت کے تحت مجبور محض ہیں۔ بنابرایں جب خدا چاہتا ہے کہ ہم نماز پڑھیں تو ہم پڑھ لیتے ہیں اور جب خدا چاہتا ہے کہ ہم شراب پئیں تو

ہم پی لیتے ہیں اور وہ اپنے اس فاسد عقیدہ پر بعض قرآنی آیات کی غلط تفسیر و تاویل سے دلیلیں بنا بنا کر پیش کرتے ہیں اور یہ عقیدۂ فاسدہ اشاعرہ کی طرف منسوب ہے۔

اور یہ بھی واضح ہے کہ جو شخص اس عقیدہ کا معتقد ہوگا وہ اپنے لیے ہر گناہ و معصیت کو جائز و مباح قرار دے گا، وہ شراب پیئے گا، زنا کرے گا اور چوری کرے گا۔ پھر کہے گا: اللہ نے چاہا کہ مَیں شراب پیوں تو مَیں نے پی، اللہ نے چاہا کہ میں زنا کروں، سو میں نے کیا، اللہ نے چاہا کہ مَیں چوری کروں، لہٰذا میں نے چوری کی اور اللہ نے چاہا کہ میں نماز نہ پڑھوں، سو مَیں نے نہیں پڑھی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس عقیدے کے مطابق خدا خود ہی بندے سے گناہ کراتا ہے پھر اُسے اس پر سزا دیتا ہے اور یہ سراسر ظلم ہے اور خدا کی شان اس سے بہت بلند ہے۔

۲ جارودیہ

انھیں سرحوبیہ بھی کہا جاتا ہے اس کی نسبت ابوالجارود زیاد بن منذر سرحوب کی طرف دی جاتی ہے۔ وہ اندھا تھا اور افراط کا قائل تھا۔ (1)

۳ حروریہ

یہ مذہب جنگِ صفین میں حکمین کی تحکیم کے سبب ایجاد ہوا۔ اُنھوں نے امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے خلاف خروج کیا تھا، اس لیے انھیں ''خوارج'' کہا جاتا ہے اور سرزمین حروراء میں انھیں قتل کیا گیا تھا۔ اس وجہ سے انھیں ''حروریہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ حروراء کوفہ کے قریب ایک مقام ہے۔

۴ کیسانیہ

یہ حضرت محمد بن حنفیہ بن امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے ماننے والے تھے اور یہ وہ پہلا فرقہ ہے جو امامیہ سے منحرف ہوا تھا۔ انھیں ''کیسانیہ'' کہنے کے مختلف اسباب بیان کیے جاتے

(1) یعنی وہ کہتا تھا کہ اولادِ سیدہ فاطمہؑ میں سے ہر فرد امام ہے اور اس کی اطاعت فرض ہے۔ (از مترجم)

ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کی نسبت حضرت علی علیہ السلام کے ایک غلام کی طرف دی جاتی تھی۔ اور ایک دوسرے قول کے مطابق "کیسان" حضرت مختار بن ابی عبیدہ الثقفیؒ کا نام ہے۔ جب ان کے والد انھیں اُٹھا کر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے پاس لائے تھے تو آپؑ ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے تھے اور یہ کہتے تھے: کیس کیس (اے زیرک! اے دانا!)

اس فرقہ کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے بعد منصب امامت آپؑ کے بھائی حضرت محمد بن حنفیہؒ کا حق ہے۔ وہ ہی مہدی ہیں جن کے ذریعے سے خداوند عالم زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا، وہ زندہ ہیں اور اُن کی وفات نہیں ہوئی اور وہ یمن میں جبلِ رضوی میں غائب ہو گئے ہیں۔

باوجود اس کے آنجناب میں امامت کی شرائط نہیں پائی جاتی تھیں مگر کچھ لوگوں نے انھیں خواہ مخواہ ہی حد سے بڑھا دیا اور انھیں امام کہہ ڈالا اور جب دلائل کی باری آئی تو اُن لوگوں نے اُن کی امامت کے ایسے بے ہودہ اور مضحکہ خیز دلائل دیے کہ جنھیں سن کر اپنے بیٹے کے غم میں رونے والی بھی ہنس پڑتی ہے۔ ہمیں اب تک یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ اس مذہب کا بانی کون تھا؟ کس نے یہ کام شروع کیا تھا؟ کس نے اس فاسد عقیدے کو شیعوں میں ہوا دی تھی؟ اور ان کے کیا کیا شیطانی اہداف تھے؟

نہیں معلوم کہ اس فکر کی ابتداء خود محمد بن حنفیہؒ نے ہی کی تھی؟ یا لوگوں کی ایک جماعت نے اس کی نسبت ان کی طرف دی تھی۔ بہرصورت یہ فکر بعض اذہان میں راسخ ہوگئی تھی اور ایک جماعت نے اس مذہب کو اپنا لیا تھا اور حضرت محمد بن حنفیہؒ کی وفات کے بعد وہ ان کے بیٹے ابوہاشم عبداللہ کی امامت کے قائل ہو گئے تھے اور اسی وجہ سے وہ "ہاشمیہ" کے نام سے بھی مشہور تھے۔ عبدالمالک بن سلیمان نے سرزمین شام کے علاقے "الحمیمہ" میں اسے زہر دلوا کر قتل کرا دیا تھا۔

ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب اس مذہب کے آثار ختم ہو چکے ہیں اور ان کا کوئی بھی پیروکار یا عقیدت مند باقی نہیں رہا ہے۔

۵ حیانیہ

یہ حیان بن سراج کے طریقے پر چلنے والے ہیں۔ ان کا گمان یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے بعد حضرت محمد بن حنفیہؒ امام ہیں۔ اور حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کا منصبِ امامت میں کوئی حصّہ نہیں ہے اور رزامیہ بھی انھی میں سے ہیں۔

۶ رزامیہ

یہ رازم کے پیروکار ہیں۔ یہ ابوہاشم بن محمد بن حنفیہؒ کے بعد عبداللہ بن عباس تک امامتِ منصوصہ کے قائل ہیں۔ اس سے مراد وہی رازم بن مسلم ہے، جو خالد بن عبداللہ القسری الکوفی کا غلام تھا۔ شیخ طوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اُسے امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے شمار کیا ہے اور شیخ محمد بن عمر بن عبدالعزیز کشی نے اس کے بارے میں احادیث بھی نقل کی ہیں۔

۷ مرجئہ

یہ کلمہ "الارجاء" بمعنی تاخیر سے مشتق ہے اور اس فرمانِ الٰہی سے ماخوذ ہے:

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ (سورۂ توبہ: آیت ۱۰۶)

یعنی ان کا معاملہ اس وقت تک موخر کر دیا گیا ہے کہ جب تک اُس کی تاخیر چاہتا ہے۔ اس کے بعد وہ اُنھیں عذاب دے گا یا ان کی توبہ قبول کرے گا۔

ایک قول یہ ہے کہ "الارجاء" سے مراد گناہانِ کبیرہ انجام دینے والے کے حکم کو قیامت تک موخر سمجھنا ہے۔ بنابرایں دنیا میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ جنّتی ہے یا جہنّمی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایسے لوگوں سے برأت کا اظہار کیا تھا۔ آپؑ نے اُن پر لعنت کی اور مومنین کو اُن کی محفلوں میں شریک ہونے سے منع کیا۔ جیسا کہ فضیل بن یسار نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔ آپؑ نے ارشاد فرمایا:

لَا تُجَالِسُوْهُمْ (یعنی المرجئة) لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَلَعَنَ مِلَلَهُمُ الْمُشْرِكَةَ الَّذِيْنَ لَا يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ عَلٰى شَيْءٍ

"تم ان (یعنی مرجئہ) کے ساتھ نہ بیٹھا کرو، خدا ان پر اور اُن کی مشرک ملتوں پر لعنت کرے، جو کہ کچھ عبادت نہیں کرتیں"۔

۸ مُفوِضَہ

یہ لفظ بہت سے گروہوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک گروہ، وہ ہے جس کا گمان یہ ہے کہ خداوند عالم نے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خلق کر کے پورے جہاں کا ہر اُمر اُن کے سپرد کر دیا ہے اور اب وہی اس دنیا و مافیہا کے خالق ہیں۔ بقولِ دیگر خداوند عالم نے یہ سارے اُمور حضرت علی علیہ السلام یا تمام ائمہؑ کے سپرد کر دیے ہیں تو یہ صریحاً کفر و شرک ہے۔

تفویض کے اور بھی بہت سے معانی ہیں جنھیں یہاں ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں جو چیز ہم بیان کرنا چاہتے ہیں وہ اس عقیدے کا ابطال ہے کہ بندوں کے افعال میں خداوند عالم کا کوئی عمل دخل نہیں اور بندے اپنے افعال میں بالکل آزاد ہیں۔ خدا کا کام تو بس انھیں خلق کرنا اور انھیں قدرت عطا کر کے تمام اُمور اُن کے حوالے کر دینا ہے اور اب مستقل طور پر انھیں آزادی حاصل ہے کہ وہ جو چاہیں کرتے پھریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد خدا اپنی مخلوق کے کسی بھی معاملے میں کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا۔ یہ عقیدہ معتزلہ کی طرف منسوب ہے اور بلاشبہ یہ فاسد عقیدہ ہے۔

اور سب سے بہترین بات اور سب سے صحیح ترین عقیدہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

"(دینِ خدا میں) نہ جبر ہے نہ ہی تفویض بلکہ اصل معاملہ ان دونوں صورتوں کے درمیان ہے"۔

علاوہ بریں ہم نے اپنی کتاب اَلْاِمَامُ الْهَادِي مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ میں جبر و تفویض کے بطلان کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک رسالہ اور آپؑ کا کلام ذکر کیا ہے۔

۹ خطابیہ

یہ ابوخطاب محمد بن مقلاص اسدی اجدع کی طرف منسوب ہیں۔ یہ شخص شروع شروع میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھا اور بعد میں منحرف و مرتد ہو گیا تھا۔ یہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو خدا کہتا تھا اور خود کو ان کا نبی بتاتا تھا اور کہتا تھا کہ اُنھوں نے مجھے

آسمان پر معراج کرائی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس سے برأت کا اظہار کیا، اس پر لعنت کی اور اپنے ماننے والوں کو بھی اس سے بے زاری کا حکم دیا۔

حنان بن سدیر نقل کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

ابوخطاب پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ وہ کافر ہے، وہ فاسق ہے، وہ مشرک ہے اور دردناک عذاب کی حالت میں فرعون کے ساتھ محشور ہوگا جو اسے صبح و شام دیا جائے گا۔

آپؑ نے پھر فرمایا: خدا کی قسم! مجھے وہ جسم بہت برے لگتے ہیں جو اس کے ساتھ آگ میں ڈالے جائیں گے۔

زید نرسی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: جب ابوخطاب نے کوفہ میں لَبَّیْكَ جَعْفَر. لَبَّیْكَ مِعرّاج کہا اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں اپنا دعویٰ ظاہر کیا تو میں عبید بن زرارہؒ کو لے کر امام علیہ السلام کی خدمت میں چلا گیا۔ میں نے وہاں جا کر عرض کیا: قربان جاؤں! ابوخطاب اور اُس کے ساتھیوں نے آپؑ کے بارے میں بہت بڑا دعویٰ کیا ہے۔ اس نے لَبَّیْكَ جَعْفَر. لَبَّیْكَ مِعرّاج کہہ کر تلبیہ کہا ہے۔

اس کے ساتھیوں کا گمان ہے کہ اُسے آپؑ کی طرف معراج ہوئی ہے اور جب وہ معراج سے واپس زمین پر آیا تو اُس نے یہ دعویٰ کیا اور اسی وجہ سے اُس نے آپؑ کو لبیک کہا۔

وہ کہتا ہے: میں دیکھ رہا تھا کہ یہ بات سن کر امام علیہ السلام کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور آپؑ نے فرمایا: خدایا! بنی اسد کے غلام اجدع نے میرے بارے میں جو دعویٰ کیا ہے میں اس سے بے زار ہوں، میرے بدن کے بال اور میری جلد بھی تجھ سے خوف کھاتی ہے۔ میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے ایک بندے کا بیٹا ہوں اور تیرے حضور عاجز و پست ہوں۔

پھر امام علیہ السلام نے تھوڑی دیر کے لیے زمین کی طرف سر جھکایا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپؑ کسی سے سرگوشی کر رہے ہیں۔ اس کے بعد امام علیہ السلام نے اپنا سرِ مبارک اُوپر اُٹھایا اور آپؑ نے فرمایا:

آجَلْ آجَلْ، عَبْدٌ خَاضِعٌ خَاشِعٌ، ذَلِيْلٌ لِرَبِّهٖ، صَاغِرٌ، رَاغِمٌ، مِنْ رَّبِّهٖ خَائِفٌ وَجِلٌ، لِيْ، وَاللّٰهِ، رَبٌّ اَعْبُدُهٗ، لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا مَالَهٗ؟ اَخْزَاهُ اللّٰهُ، وَاَرْعَبَهٗ، وَلَا اٰمَنَ رَوْعَتَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

''ہاں! ہاں! میں خضوع وخشوع کرنے والا، اپنے رب کے سامنے ذلیل، کمزور، ناتواں اور اپنے رب سے ڈرنے والا بندہ ہوں۔ خدا کی قسم! میرا ایک پروردگار ہے جس کی مَیں بندگی کرتا ہوں، میں اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کرتا۔ اسے کیا خبط ہوگیا ہے؟ خدا اسے ذلیل و رُسوا کرے۔ اپنے رُعب وجلالت کا نشانہ بنائے اور روزِ قیامت اسے خوف سے امان نہ دے''۔

نہ انبیاءؑ کا تلبیہ اس طرح تھا اور نہ ہی رسولوںؑ کا، اُنھوں نے اِس طرح تلبیہ کہا تھا:

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ

پھر ہم نے امام علیہ السلام سے رخصت کی اجازت چاہی تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

اے زید! میں نے تمھارے سامنے یہ اس لیے بیان کیا ہے، تاکہ میں اپنی قبر میں اس کا اقرار کرسکوں۔ اے زید! اس بات کو دشمنوں سے مخفی رکھنا۔

مفضل بن مزید کہتے ہیں: جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے ابوخطاب کے ساتھیوں اور غالیوں کا ذکر ہوا تو آپؑ نے ارشاد فرمایا: اے مفضل! تم ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھا کرو، نہ انھیں کھلایا پلایا کرو، نہ ان سے ہاتھ ملایا کرو اور نہ ہی ان سے بات کیا کرو۔ (بروایتِ دیگر: اور نہ ہی ان سے وہ تعلق اُستوار کیا کرو جو میراث کا سبب بنتے ہیں)۔

عمران بن علی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے سنا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام یہ ارشاد فرمارہے تھے: خدا ابوخطاب، اُس کے ساتھ قتل کیے جانے والوں، ان (خطابیوں) میں سے باقی رہ جانے والوں اور ہر اس پر خدا کی لعنت ہو جس کے دل میں ان کے دل میں ان کے لیے محبت ورحمت ہے۔

یہاں ہم اسی مقدار پر اکتفا کرتے ہیں جو حضرات زیادہ تفصیل کے خواہش مند ہیں۔

وہ ہمارے موسوعہ کی طرف رجوع کریں۔

⑩ مغیریہ

اس کی نسبت مغیرہ بن سعید العجلی کی طرف دی جاتی ہے۔ مغیرہ کوفہ میں رہتا تھا۔ وہ عقائد منحرفہ کا حامل تھا۔ وہ مقدساتِ اسلامیہ کے ساتھ تلاعب کیا کرتا تھا۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام پر جھوٹ بولتا تھا اور ان کی طرف اکاذیب و اباطیل کی نسبت دیتا تھا۔ اُس نے بھی اپنے ان مسموم اُفکار کا حامل ایک حلقہ تیار کیا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اُس پر لعنت کی اور اُس سے بے زاری کا اظہار کیا۔ اس کے بارے میں بعض روایات ذیل میں پیش کی جارہی ہیں جو صاحبان زیادہ تفصیل کے خواہش مند ہیں وہ موسوعہ امام صادق علیہ السلام کی طرف رجوع کریں۔

عبدالرحمن بن کثیر سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ایک روز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اصحاب کے سامنے فرمایا:

خدا مغیرہ بن سعید پر لعنت کرے اور اُس یہودی عورت پر بھی لعنت کرے، جو اُس کے پاس جادو، شعبدے بازیاں اور (سفلی) تعویذات وغیرہ سیکھنے کے لیے جاتی ہے۔ مغیرہ نے میرے بابا پر جھوٹ بولا، تو خدا نے اس سے دولتِ ایمان سلب کرلی اور ایک قوم نے مجھ پر جھوٹ بولا، اُنھیں کیا ہوا تھا؟ (جو مجھ پر جھوٹ بولنے لگ گئے)۔ خدا انھیں جہنم کی گرمی کا مزہ چکھائے۔

خدا کی قسم! ہم اس خدا کے بندے ہیں جس نے ہمیں خلق کیا اور ہمیں منتخب فرمایا۔ ہمیں اپنے نفع ونقصان کا کچھ اختیار نہیں۔ اگر وہ ہم پر رحم کرے تو یہ اس کے رحم وکرم کا تقاضا ہے اور اگر وہ ہمیں عذاب میں مبتلا کرے تو وہ ایسا ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہی کرے گا۔ باخدا! ہمارے لیے خدا پر کوئی حجت نہیں ہے اور نہ ہم اس کی طرف سے آزادی کا پروانہ رکھتے ہیں اور بے شک ہمیں مرنا ہے، قبروں میں جانا ہے، پھر وہاں سے اُٹھایا جانا ہے (خدا کے حضور) میدانِ حشر میں جانا ہے وہاں کھڑے ہونا ہے اور جواب دہ ہونا ہے۔

ویل ہو ان لوگوں کے لیے۔ انھیں کیا ہو گیا ہے؟ خدا ان پر لعنت کرے۔

اُنھوں نے خدا اور اس کے رسول ﷺ کو قبر اُطہر میں، امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام، حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام، حضرت امام حسن علیہ السلام، حضرت امام حسین علیہ السلام، حضرت امام علی بن الحسین علیہ السلام اور حضرت امام محمد بن علی علیہ السلام کو ایذا پہنچائی ہے۔

دیکھو! میں تمھارے سامنے رسولِ خدا ﷺ کا گوشت و پوست اپنے بستر پر خوف و خشیت الٰہی سے کانپتے ہوئے اپنی راتیں گزارتا ہوں، ہر وقت مجھ پر اس کا رُعب طاری رہتا ہے۔ وہ (خطابی) امن و اطمینان کے ساتھ رہتے ہیں اور مَیں ہر وقت مضطرب و بے چین رہتا ہوں۔ وہ اپنے بستروں پر سو کر راتیں گزارتے ہیں اور مَیں ہر وقت خائف و ہراساں رہتا ہوں اور کوہ و بیابانوں میں بے قراری و بے چینی سے مارا مارا پھرتا ہوں۔

جو کچھ بنی اسد کا غلام ابوخطاب اجدع میرے بارے میں کہتا ہے میں خدا کے حضور اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں، خدا اس پر لعنت کرے۔

بخدا! اگر ہمارے ذریعے ان کی آزمائش کی جاتی اور ہم انھیں اس بات کا حکم دیتے تب بھی ان پر واجب تھا کہ وہ اسے قبول نہ کریں، اور اب کیسے صحیح ہو سکتا ہے جبکہ وہ مجھے خائف و مضطرب دیکھ رہے ہیں؟

میں ان کے مقابل خداوند عالم کی مدد کا طلب گار ہوں اور خدا کی جانب ان سے لاتعلقی کا اظہار کرتا ہوں۔

میں تمھیں گواہ بنا کر کہتا ہوں: میں ایک انسان ہوں، مجھے رسول اللہ ﷺ نے پیدا کیا ہے (یعنی میرے نانا رسولِ خدا ہیں) اور میرے پاس خدا کی جانب سے (جہنم سے) آزادی کا کوئی پروانہ نہیں ہے، اگر میں اس کی اطاعت کروں گا تو مجھ پر وہ رحم فرمائے گا اور اگر مَیں اس کی معصیت کروں گا تو وہ مجھے دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا یا اس سے بھی سخت اپنے عذاب میں مبتلا کرے گا۔

ممکن ہے ہمارے معزز قارئین کو اس حدیث کے بعض مطالب سمجھ نہ آئے ہوں، اس لیے ہم ان کی تھوڑی بہت وضاحت کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

قارئین کرام! اس حدیث مبارکہ میں صادق آلِ محمد علیہ السلام اپنا تعارف اپنے مقام و مرتبے اور ایک الٰہی منصب پر فائز ہونے سے قطع نظر ان مسلمانوں میں سے ایک مسلمان کی حیثیت سے کرا رہے ہیں کہ جن پر تکالیف و اَحکام الٰہیہ کی پابندی کرنا لازم ہے۔ اس بنا پر امام علیہ السلام خدا کی مخلوق اور اُس کے بندے ہیں اور اُنھیں مستقل طور پر اپنے نفع یا نقصان کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے یہ جو فرمایا:

فَلَقَدْ آذَوُا اللّٰهَ

"یعنی اُنھوں نے خدا کو اذیت دی"۔

اس کا مطلب وہی ہے جو اس آیت کریمہ کا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ○ (سورۂ احزاب: آیت ۵۷)

"جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولؐ کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ نے لعنت کی ہے اور اس نے ان کے لیے ذلّت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے"۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام نے يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ یعنی جو حکمِ خدا کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اس کے متعلق وہ باتیں کہتے ہیں جن سے وہ پاک ہے اور اُس کو اس کے غیر کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔

کیونکہ خدا کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اُسے کوئی اذیت دے، لیکن جب ہمارے امر کی کوئی مخالفت کرتا ہے تو ہم اسے اذیت شمار کرتے ہیں، اسی طرح یہاں بھی ہمیں یہی کچھ سمجھایا گیا ہے۔

ایک قول کے مطابق اس کے معنی یہ ہے کہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دیتے ہیں اور خدا کا ذکر یہاں بطورِ تعظیم کیا گیا ہے، کیونکہ اس نے اپنے رسولؐ کی ایذا کو اپنی ایذا اور اپنے رسولؐ کی عزت و شرف کو اپنا عزّ و شرف قرار دیا ہے۔ بالفاظ دیگر گویا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر

خدا کو کسی چیز سے ایذا پہنچانا ممکن ہوتی تو وہ یہی اس کے پیغمبرؐ کو ایذا دینا تھی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! اگر انھیں ہماری وجہ سے آزمائش میں ڈالا جاتا۔ یہ آخر تک سارا بیان فرض محال کی مثال ہے، یعنی اگر خدا انھیں اس طریقے سے آزماتا کہ ہم انھیں غلو کرنے کا حکم دیتے تب بھی ان پر واجب تھا کہ وہ ہمارے قول کو قبول نہ کریں، اور اب جب کہ ہم نے انھیں اس سے منع کر دیا ہے تو یہ ان کے لیے کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟

آگے امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر میں اس کی اطاعت کروں گا تو وہ مجھ پر رحم کرے گا اور اگر میں اس کی نافرمانی کروں گا تو وہ مجھے عذاب میں مبتلا کرے گا......

یہ چیز صرف حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ اس میں تمام مکلفین حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام بھی شامل ہیں اور یہ صورت ان سے معصیت کے سرزد ہونے کے بارے میں فرض کی گئی ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ محال کو فرض کرنا محال نہیں ہے۔

حضرت مفضل بن عمرؓ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: مولاؑ! مغیرہ کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ کہتا ہے: جب بندہ اپنے خدا کی معرفت حاصل کر لیتا ہے تو اس پر اس معرفت کے سوا کچھ بھی واجب نہیں رہتا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اسے کیا خبط ہو گیا ہے؟ خدا اس پر لعنت کرے۔ کیا جوں جوں بندے میں خدا کی معرفت بڑھتی جاتی ہے وہ اس کا زیادہ اطاعت گزار نہیں ہوتا؟ بھلا ایسے بھی کوئی خدا کی اطاعت کرتا ہے جو اس کی معرفت نہ رکھتا ہو؟

خدائے بزرگ و برتر نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا امر (حکم) دیا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگے حضرت علی علیہ السلام کو حکم دیا ہے۔ پس جب تک خدا کی جانب سے نہی و ممانعت نہ آجائے وہ اسی حکم پر عمل پیرا رہتے ہیں اور امر و نہی دونوں مومن کے لیے برابر حیثیت رکھتے ہیں۔

مفضلؓ کہتے ہیں: پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: جو بندہ بھی خدا کے فرائض میں سے کسی فریضہ کو ترک کرے یا گناہانِ کبیرہ میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کرے تو خداوند عالم نہ اس پر رحمت کی نظر کرتا ہے نہ اُسے پاک (یعنی عذابِ جہنم سے آزاد) کرتا ہے۔

مفضلؒ کہتے ہیں: میں نے پوچھا: کیا خدا اس پر رحمت کی نظر نہیں کرے گا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں! کیونکہ اُس نے خدا کے ساتھ شرک کیا ہے۔

مفضلؒ کہتے ہیں: میں نے پوچھا: کیا واقعی؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں! اور وہ اس طرح کہ ایک حکم اسے خدا نے دیا اور ایک حکم ابلیس نے دیا، تو وہ خدا کا حکم چھوڑ کر ابلیس کے حکم کی پیروی میں لگ گیا، لہٰذا وہ ابلیس کے ساتھ جہنم کے ساتویں طبقے میں ہوگا۔

ابنِ مسکان نے ایک شیعہ راوی سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے سنا، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام یہ ارشاد فرما رہے تھے: ''خدا مغیرہ بن سعید پر لعنت کرے، وہ میرے والد بزرگوارؑ پر جھوٹ بولتا تھا، تو خدا نے اس کو جہنم کی گرم آگ کا مزہ چکھایا، اس شخص پر خدا کی لعنت ہو جو ہمارے بارے میں وہ بات کہے جو ہم خود نہیں کہتے، اور اس شخص پر بھی خدا کی لعنت ہو جو ہمیں اس خدا کی عبودیت کے درجے سے ہٹائے کہ جس نے ہمیں خلق کیا، جس کی طرف ہمیں لوٹنا ہے، جو ہماری پناہ گاہ ہے اور جس کے قبضۂ قدرت میں ہماری جانیں ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اور زنادقہ وملحدین کا سامنا

جب بعض اسلامی ملکوں میں الحاد و زندقہ کا فتنہ کھڑا ہوا تو دوسرے بہت سے لوگ بھی اس فتنہ سے متاثر ہوئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دنوں میں اسلامی مراکز میں الحاد و زندقہ کی فکر نے کس طرح جنم لیا تھا؟ حالانکہ ہونا اس کے برعکس چاہیے تھا، کیونکہ اسلامی معاشرے کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ لوگوں میں ایمان و توحید کا عقیدہ رائج کرے، نہ کہ الحاد و زندقہ کا۔ بعید نہیں کہ اس کے من جملہ اسباب میں سے ایک سبب یہ ہو کہ جن لوگوں نے جھوٹ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ و جانشین ہونے کا دعویٰ کیا اور خود کو سب سے زیادہ خدا کے قریب سمجھتے تھے۔ ان کی ساری زندگیاں فسق و فجور، ناحق خون کرنے، حرمت والی چیزوں کی ہتک کرنے، لوگوں کے اَموال غصب کرنے اور اسی طرح دوسرے غلط اور ناجائز اُمور انجام دینے میں گزری تھیں۔

اس کے علاوہ اُنھوں نے لوگوں کے دلوں میں موجود دینی ثقافت کی قدر ہی ختم کر دی تھی۔ انھیں حقائق سے بے زاری کا عادی بنا دیا تھا اور انھیں جھوٹے دعوؤں کے ذریعے فریب خوردہ کر رکھا تھا۔ چنانچہ لوگ بنی اُمیہ کے طاغوتوں اور بنی عباس کے فرعونوں کو دیکھ کر یہی خیال کرتے تھے کہ اسلام میں خلافت اسی کا نام ہے اور وہ اپنی ان بداعمالیوں، بداخلاقیوں اور خلافِ دین وشریعت حرکات کو دیکھ کر یہ سمجھتے تھے کہ یہ سارا کچھ صاحبِ شریعت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اِتباع واقتداء میں ہو رہا ہے۔ اور اسلام اسی فسق وفجور، شراب نوشی، جنسی بے راہ روی اور ظالموں کو خوش کرنے کے لیے شریف لوگوں کے سر قلم کرنے کا ہی نام ہے۔

پس جب قیادتِ دینی کا یہ حال ہوگا اور اس کا چہرہ یوں مسخ کر کے پیش کیا جائے گا تو یقیناً بدظنی و بدگمانی اپنی حد سے آگے نکل جائے گی اور بات یہاں تک پہنچ جائے گی کہ بعض لوگ وجودِ باری تعالیٰ میں شک کرنے لگیں گے۔

واضح سی بات ہے کہ جو کسی چیز کی اصل میں شک کرتا ہے تو لازماً وہ فرع میں بھی شک کا شکار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وجودِ خدا میں شک انسان کے دل میں انبیاءؑ، اُن کی نبوت، آسمانی کتابوں اور اوامرِ الٰہیہ میں شک پیدا کر دیتا ہے اور اسی طرح سے ہی اسلامی معاشرے میں الحادی فکر اپنا زور پکڑ لیتی ہے اور ممکن ہے کہ اس کا صرف یہی سبب ہو۔ اور ملحدانہ فکر توحید وغیرہ سے متعلقہ سوالات وشبہات سے بہت زیادہ ملتی جلتی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ علمائے سوء اور فقہائے سلاطین توحید کے محکم اور واضح دلائل سے بے خبر و نا آشنا ہوتے ہیں، اسی لیے اس سلسلے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوالات کیے جاتے ہیں، جو کہ اپنے نانا پیغمبر اکرم ﷺ اور اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام کے علوم کے وارث ہیں۔

تمام ملاحدہ اور شیطان کے جال میں آنے والے علم و ایمان کے مرکز حضرت امام صادق علیہ السلام کے دَرِ اَقدس کا رُخ کرتے تھے اور اپنے اَذہان میں آنے والے سوالات کو امام عالی مقام علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر کے اپنے شبہات کے ازالے کی کوشش کرتے تھے اور امام علیہ السلام بھی بڑی وسعتِ نظری اور کشادہ قلبی سے ان کے سوالات کو توجہ سے سن کر انھیں

جواب دیتے تھے اور اُنھیں راہِ راست پر لانے کی سعی فرماتے تھے۔

ہم اس کی چند مثالیں امام علیہ السلام کے نزدیک آزادئ کلام کے عنوان کے تحت آپ احباب کی خدمت میں پیش کر چکے ہیں اور چند ایک حسبِ ذیل ہیں:

ایک روز ابوشاکر دیصانی امام علیہ السلام کی مجلس میں کھڑا ہو کر کہنے لگا:

إِنَّكَ لَأَحَدُ النُّجُومِ الزَّوَاهِرِ، وَكَانَ آبَاؤُكَ بُدُوْرًا بَوَاهِرَ،
وَأُمَّهَاتُكَ عَقِيلَاتٌ عَبَاهِرُ، وَعُنْصُرُكَ مِنْ أَكْرَمِ الْعَنَاصِرِ،
وَإِذَا ذُكِرَ الْعُلَمَاءُ فَعَلَيْكَ تُثْنَى الْخَنَاصِرُ

"آپؑ چمکتے ہوئے ستاروں میں سے ایک ہیں۔ آپؑ کے آبائے کرام روشن چاند تھے۔ آپؑ کی مائیں بڑی زیرک اور نیک تھیں۔ آپؑ کے عنصر (تخلیق) تمام عناصر سے اعلیٰ ہے اور جب علماء کی بات کی جاتی ہے تو بولنے والے آپؑ کی تعریف و توصیف بیان کرنے لگ جاتے ہیں۔ اے علم کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر! ہمیں بتائیں کہ عالم کے حادث ہونے پر کیا دلیل ہے؟"

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں تمھیں اس کی سب سے آسان دلیل دیتا ہوں۔ پھر امام علیہ السلام نے ایک انڈہ منگوایا اور اُسے اپنی ہتھیلی پر رکھ کر فرمایا: یہ ایک گول قلعہ ہے۔ اس کے اندر بالکل باریک سی ایک تہہ ہے۔ اس کے اردگرد ایک چاندی نما سیال چیز اور سونے کی مانند ایک مائع ہے۔ کیا اس بات میں تجھے کوئی شک ہے؟

ابوشاکر نے کہا: بالکل اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: (دیکھو!) جب یہ پھٹتا ہے تو اس سے مور جیسا پرندہ نکلتا ہے۔ کیا اس میں سوائے اس چیز (سینک) کے جسے تم جانتے ہو کوئی اور چیز داخل ہوئی ہے؟

اُس نے کہا: نہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: عالم کے حادث ہونے کی یہی دلیل ہے۔

اس پر ابوشاکر کہنے لگا: اے ابوعبداللہ! آپؑ نے بڑی واضح دلیل دی، نہایت اچھی

بات کہی، مختصر سا بیان دیا اور آپؑ جانتے ہیں کہ ہم (دہریے) اسی چیز کو قبول کرتے ہیں جو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں یا کان سے سنتے ہیں یا منہ (یعنی زبان) سے چکھتے ہیں یا ناک سے سونگھتے ہیں اور یا جلد سے مَس کرتے ہیں۔

اس کی بات سن کر امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: یہاں تم نے حواسِ خمسہ کا ذکر کیا ہے اور یاد رکھو! دلیل کے بغیر ان سے بھی کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا ہے کہ جس طرح چراغ کے بغیر تاریکی کا پردہ چاک نہیں کیا جاسکتا۔

واضح رہے کہ امام علیہ السلام کا مطلب یہ ہے کہ عقل کے بغیر حواس سے بھی مخفی چیزوں کی معرفت نہیں ہوسکتی اور امام علیہ السلام نے اسے جو حدوثِ عالم کی صورت بتائی ہے وہ معقول ہے یعنی محسوس کے بارے میں صحیح علم اِسی عقل پر موقوف ہے۔

② ابنِ ابی العوجاء نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: لوگوں کی اَموات مختلف کیوں ہوتی ہیں؟ بعض پیٹ کی بیماری سے مرتے ہیں تو بعض سِل یعنی ٹیوبرکولوسس (Tuberculosis) کی بیماری سے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر سب لوگوں کی بیماری ایک جیسی ہی ہوتی تو وہ اس سے بچ جاتے، یہاں تک کہ پھر وہی بیماری آجاتی۔ چنانچہ خداوند عالم نے چاہا کہ لوگ ایک ہی حالت پر نہ رہیں۔

اس نے دوسرا سوال کیا: دل زیادہ تر ہری چیزوں کی طرف کیوں مائل ہوتا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: خداوند عالم نے دل کو سبز رنگ کا بنایا ہے اور ہر چیز اپنی ہم شکل چیز کی طرف مائل ہوتی ہے۔

③ ابنِ ابی العوجاء کا نام عبدالکریم تھا۔ جب وہ امام جعفرؑ صادق علیہ السلام کے پاس آیا تو امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: تمھارا نام کیا ہے؟ اس نے امام علیہ السلام کے سوال کا جواب نہیں دیا اور امام علیہ السلام دوسرے شخص کی طرف دیکھنے لگ گئے۔

ابن ابی العوجاء نے مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا تو اُنھوں نے پوچھا: تمھارے پیچھے کیا ہے؟ (یعنی امام علیہ السلام نے تم سے کس چیز کے بارے میں سوال کیا ہے؟)

اُس نے کہا: امام علیہ السلام نے مجھے بہت بری طرح پھنسایا ہے۔ یہ مجھ سے میرا نام پوچھتے ہیں۔ اگر میں انھیں جواب میں کہوں کہ میرا نام عبدالکریم ہے تو یہ پھر سوال کر دیں گے: وہ کریم کون ہے؟ جس کا تُو غلام ہے؟ اس پر مجھے ایک (قادرِ مطلق) بادشاہ کا اقرار کرنا پڑے گا یا اپنے دل کی بات کو آشکار کرنا پڑے گا۔

یہ سن کر اُس کے ساتھی کہنے لگے: آؤ! واپس چلیں۔

جب وہ (اپنے ساتھیوں سمیت) واپس چلا گیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: ابن ابی العوجاء مغلوب ہوکر اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا۔ اس پر شکست کی ذلت چھائی ہوئی تھی اور وہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: کیا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے نہیں جنھوں نے لوگوں کو قتل کرایا؟ سر منڈوانے کا، ختنے کرانے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا اور (محرم) عورتوں سے نکاح کرنا حرام قرار دیا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور غالیوں کا سامنا

خداوند عالم اپنی لاریب کتاب میں ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ○ (سورۂ نساء: آیت ۱۷۱)

"اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں غلو سے کام نہ لو اور اللہ کے بارے میں حق بات کے سوا کچھ نہ کہو۔ بے شک مسیح عیسیٰ بن مریمؑ تو اللہ کے رسولؑ اور اس کا کلمہ ہیں، جو اللہ نے حضرت مریم علیہا السلام تک پہنچا دیا اور اس کی طرف سے وہ ایک روح ہیں۔ لہٰذا اللہ اور اُس کے رسولوںؑ پر ایمان

لے آؤ اور یہ نہ کہو کہ تین ہیں، اس سے باز آجاؤ۔ اس میں تمھاری بہتری ہے یقیناً اللہ تو بس ایک ہی معبود ہے، اُس کی ذات اِس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو، آسمان اور زمین میں موجود ساری چیزیں اسی کی ہیں اور کارسازی کے لیے اللہ ہی کافی ہے"۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝ (سورۂ مائدہ: آیت ۷۷)

"کہہ دیجیے، اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں ناحق مبالغہ نہ کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو، جو پہلے ہی گمراہی میں مبتلا ہیں اور دوسرے بہت سے لوگوں کو بھی گمراہی میں مبتلا کر چکے ہیں اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے ہیں"۔

"غلو" سے مراد کمی یا زیادتی میں حد سے آگے بڑھنا ہے۔ پس جو بھی خدا کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز کرے گا وہ غالی ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں سے پہلی آیت میں فقط نصاریٰ یا یہود و نصاریٰ دونوں سے خطاب ہے۔ یہ دونوں حضرت عیسیٰؑ بن مریمؑ کی شان میں غلو کرتے تھے۔ نصرانیوں میں سے بعض اُنھیں خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ بعض خدا کہتے تھے اور بعض ان کو باپ، بیٹا اور روح القدس میں سے ایک سمجھتے تھے اور اسی طرح یہودی بھی ان کی شان میں غلو کرتے تھے اور ان کی نسبت باپ کی طرف دے کر ان کے نسب مبارک میں طعن کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ حضرت عزیرؑ کو بھی خدا کا بیٹا کہتے تھے جیسا کہ سورۂ توبہ کی آیت ۳۰ میں آیا ہے:

قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ

بنابرایں اس فرمانِ الٰہی میں اہلِ کتاب سے یہود و نصاریٰ کو مراد لینا درست ہے، کیونکہ وہ خدا کے بارے میں غلط عقیدہ رکھتے تھے اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت عزیرؑ کی شان میں حد سے گزر جاتے تھے۔

دوسری آیت میں تھوڑی بہت کمی و بیشی کے ساتھ یہی مضمون وارد ہوا ہے۔ اس آیت میں پہلے ہی سے گمراہ لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرنے سے منع کیا گیا ہے اور ان سے مراد یہود و نصاریٰ کے وہ اسلاف اور بڑے تھے، جنھوں نے مختلف مذاہب و آرا ایجاد کیں۔ پھر جن جن لوگوں نے ان کی آرا کو اپنایا وہ عقیدہ کے حوالے سے گمراہ اور صراطِ مستقیم سے منحرف ہو گئے۔ اب جب کہ ہم آپ احباب کی خدمت میں قرآنِ مجید کے حوالے سے غلو کا تعارف پیش کر چکے ہیں تو ہم کہتے ہیں:

ان دو آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ غلو کا نظریہ گذشتہ اُمتوں میں بھی پایا جاتا تھا اور ہوتا یوں ہے کہ ایک شخص ایک خاص نظریہ ایجاد کرتا ہے۔ پھر وہ رفتہ رفتہ پھیلتا جاتا ہے اور بالآخر ایک پسندیدہ مذہب کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

ہم صحیح طریقے سے یہ نہیں بتا سکتے ہیں کہ یہ نظریہ کن کن اسباب کے تحت وجود میں آتا ہے اور اس نظریے کے بانی لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے کس قسم کے دلائل پیش کرتے ہیں۔

ان دو آیتوں میں غلو کے بارے میں وارد شدہ ممانعت میں غور کرنے سے یہ بات ہم پر واضح ہو گئی ہے کہ تعریف میں بھی حد سے گزر جانا گمراہی اور دوسروں کو گمراہ کرنے کا بہانہ ہے۔ لیکن بڑے دُکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس اُمت کے بعض افراد نے بھی اپنے خاص مقاصد کو حاصل کرنے کی غرض سے اس غلیظ اور گندی فکر اسلامی معاشروں میں رائج کیا اور بعض سادہ لوح افراد ان کے اس شیطانی جال میں پھنس کر رہ گئے۔

غلو کی نوعیت کا اختلاف

اس اُمت کے غالیوں کے غلو کی نوعیت ایک دوسرے سے مختلف تھی۔ ان میں سے بعض امام جعفر صادق علیہ السلام کو نبی کہتے تھے۔ بعض اُنھیں لائق بندگی سمجھتے تھے اور بعض نے اپنے لیے یا اہلِ زمانہ میں سے کسی کے لیے نبوت کا دعویٰ کرتے تھے۔

اور سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ اس زمانے میں بھی لوگ، مخلوقِ خدا کو رب کہہ دیتے تھے، حالانکہ اس زمانے میں ثقافتِ دینیہ سے تھوڑا بہت تعلق رکھنے والے بھی

ہر مسلمان کو سورۂ توحید (قُلْ هُوَ اللهُ......) یاد تھی، اور وہ اسے اپنی نمازوں میں بھی پڑھتے تھے۔ یعنی وہ ایک طرف تو خداوند سبحان کو لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ کہتے تھے اور دوسری طرف لوگوں کو رب کہتے تھے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ جن لوگوں کو وہ رب کہہ رہے ہیں وہ کسی نہ کسی کی اولاد ضرور ہیں اور آگے ان کی اولادیں بھی ہیں۔ لوگ انھیں ان کے آباء، ان کے بیٹوں اور ان کی بیویوں (وخاندانوں) کے حوالے سے انھیں جانتے پہچانتے تھے اور اس پر مستزاد یہ کہ یہ آیتِ قرآنی بھی ان کے سامنے تھی:

مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا (سورۂ جن: آیت ۳)

"اس نے نہ کسی کو اپنی بیوی بنایا اور نہ ہی بیٹا"۔

ان ساری چیزوں کو ذہن میں رکھ کر بار بار یہی سوالات سامنے آتے ہیں:

یہ واضح حقائق اُن پر کیوں مخفی رہ گئے؟ اتنے واضح اُمور اور محکم عقائد میں اُنھیں کیونکر شبہ ہوا؟ ان آیاتِ قرآنیہ کے ہوتے ہوئے بھی ان کے باطل خیالات ان کی عقلوں پر کیسے غالب آگئے؟ اور حق کی تعلیمات اور اسلام و مسلمانوں کے عقائد کے مقابل ان کی کفریات نے کیونکر غلبہ پایا؟

خلاصہ یہ ہے کہ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں غلو جیسی گندگی کا ظاہر ہونا بڑا تعجب خیز امر ہے۔ واضح رہے کہ یہاں پر غلو سے ہماری مراد انسان کو لائق پرستش اور رب کہا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک بدیہی اُمر ہے کہ یہ نظریہ، صحیح اسلامی نظریہ کے بالکل برعکس و متضاد ہے بلکہ اس کا تعلق ان بنیادی چیزوں سے ہے کہ جن کے ہوتے ہوئے عقیدۂ توحید درست نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ کھلم کھلا شرک اور خدائے واحد کے وجود کے منافی ہے۔ اور دین اسلام میں غالیوں کو تمام گمراہوں اور کافروں سے زیادہ گندا اور غلیظ سمجھا جاتا ہے۔

غلو کے پھیلنے کے اسباب

عقیدۂ غلو کے اسلامی معاشروں میں پھیل جانے کی تین وجوہات ہوسکتی ہیں:

اوّل: اس کی پہلی وجہ زمانۂ جاہلیت اور فلاسفۂ یونان سے نقل کیا جانے والا فلسفۂ حلول

ہے۔ یہ فلسفہ جزیرہ نما عرب وغیرہ میں پھیلا ہوا تھا اور اسی فلسفہ کی بنا پر وہ بتوں کی پوجا پاٹ کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ خدا نے ان بتوں میں حلول کیا ہے (یعنی خدا ان میں داخل ہوگیا ہے)۔ مگر خداوند عالم کی ذات ان کافروں کی باتوں سے بہت بلند ہے۔

پھر اس فلسفے نے ترقی کی اور اسلامی معاشروں میں سرایت کر گیا اور بعض اسلام کے دعویدار بھی بعض عظیم لوگوں میں خدا کے حلول کر جانے کے قائل ہوگئے۔ حالانکہ اصل میں ان کے نزدیک اس فلسفے کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔

ثانی: اس فکر کے اسلامی معاشروں میں رواج پکڑنے کی دوسری وجہ وہ شبہات ہیں جو بعض فسادی قسم کے لوگ تفرقہ پیدا کرنے، عقائد کو کمزور کرنے، مقدسات میں تلاعب کرنے اور لوگوں کے دلوں میں شک ڈالنے کے لیے اسلامی معاشروں میں پھیلا دیتے تھے۔ اور جب لوگ سستی و غفلت کا مظاہرہ کرتے اور دینی سوجھ بوجھ سے لاعلمی کا اظہار کرتے تو یہ شیاطین موقع پا کر اس قسم کے فساد کا بیج بو دیتے تھے اور خاطر خواہ نتائج حاصل کر لیتے تھے۔

ثالث: اس کی تیسری وجہ ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کا بہت زیادہ کرامات و معجزات کا حامل ہونا اور فضائل و کمالات کی اس بلندی پر فائز ہونا ہے کہ جہاں کوئی دوسرا ان کا ثانی نہیں اور جب ان کا دوسرے لوگوں کے ساتھ تقابل کیا جاتا تھا تو ان میں اور اُن کے اغیار میں واضح فرق معلوم ہوتا تھا اور اس وجہ سے بعض کمزور ایمان والے افراد عقائدی انحراف کا شکار ہوجایا کرتے تھے۔

دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہیں گے کہ یہ تو ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام اس بلند و بالا مرتبہ پر فائز تھے کہ دوسرے لوگوں میں ان کی مثال ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی تھی۔ خداوند عالم نے انھیں بے پناہ خوبیوں اور فضیلتوں سے نوازا ہوا تھا۔ گویا وہ عام لوگوں سے بالکل جدا تھے اور روحِ انسانی اپنے تمام تر مدارج و معارج کے ساتھ ان ذواتِ مقدسہ میں سموئی ہوئی تھی اور وہ نفس کی طہارت، روح کی قداست، دل کی پاکیزگی، بلندئ اَخلاق، غزراتِ علمی اور غیبی خبریں بتانے جیسی عظیم صفات کے حامل تھے۔

ظاہری بات ہے کہ جو ہستی ان فضائل و فواضل کی حامل ہوگی لوگوں کے دلوں میں اُس

کی محبت بھی زیادہ ہوگی۔ یہ خصوصیات و صفات لوگوں کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ اپنی محبت و تعظیم کے درجات کے اختلاف کے حساب سے اس شخصیت کی بزرگی، پاکیزگی اور تعظیم بجالانے کے لیے اپنے سروں کو خم کریں اور لوگوں میں بعض معتدل ہوتے ہیں اور بعض حد سے گزر جانے والے ہوتے ہیں۔

اور جس ہستی کا ذکر یہاں ہو رہا ہے وہ بھی عام شخصیت نہ تھی کہ لوگ محض انھیں علماء میں سے ایک عالم یا حدیث دانوں میں سے ایک محدث خیال کرتے، بلکہ اُن کے نفسانی کمال کے آثار اُن کی حرکات و سکنات سے معلوم ہوتے تھے اور اُن کی صفاتِ حمیدہ کا جلوہ ان کے تصرفات میں دکھائی دیتا تھا۔

اس بنا پر تعجب نہیں کہ بعض کمزور عقیدے والے غلو کا شکار ہو جائیں اور بات اُن کی گمراہی اور کفر تک پہنچ جائے۔ اور اگر بعض لوگ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں باطل عقیدہ رکھ لیں تو اس میں امام علیہ السلام کا کیا قصور ہے؟ کیا امام علیہ السلام اپنے علوم اور اپنے اُوپر ہونے والی الٰہی نوازشوں کو چھپائے رکھتے اور کیا اپنے نفس کی پاکیزگی اور اپنی خوبیوں کو لوگوں پر ظاہر نہ کرتے، تاکہ اُنھیں دیکھ کر بعض جہلاء آپؑ کے بارے میں غلط عقیدہ نہ رکھ لیں جب کہ ان کا اظہار بھی بہت ضروری اور اہم تھا؟!!

ہم عنقریب اپنے قارئین کے سامنے بعض احادیث پیش کرنے والے ہیں جن سے ایسے لوگوں کے بارے میں امام علیہ السلام کا موقف کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ نیز ہم نے ان کا تفصیلی ذکر اپنے موسوعہ میں امام علیہ السلام کے بعض اصحاب کے احوال کے ذیل میں کر دیا ہے۔

غالیوں کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا موقف

امام عالی مقام علیہ السلام اُن کے اباطیل و اکاذیب قلع قمع کرتے، اُن کے سوالوں کے جواب دیتے اور اُن کے دلائل کو کمزور ثابت کرتے تھے۔ پھر جب ان سے امام علیہ السلام کے اشکالاتِ علمی کا جواب نہ بن پڑتا اور وہ راہِ راست پر نہ آتے تو امام علیہ السلام علی الاعلان ان سے بے زاری کا اظہار فرماتے، ان پر لعنت کرتے، ان کے لیے بددعا کرتے، لوگوں پر ان کی حقیقت آشکار کرتے اور اپنے شیعوں کو بھی ان سے دُور رہنے، ان سے بے زاری کا اظہار

کرتے، ان پر لعنت کرنے بلکہ بعض اوقات تو ان کو قتل کر دینے کا بھی حکم دیتے تھے۔ جیسا کہ حائک بزیع کے بارے میں آپؑ نے ایسا ہی حکم صادر فرمایا تھا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ موقف بڑا ہی واضح تھا۔ پس جب آپؑ ان منکرات کا مقابلہ کرتے تو اسی وقت اپنے دروازے پر آنے والے غالیوں سے بھی مکمل بیزاری کا اظہار فرماتے تھے اور وہ غالی بھی اسی نیت کے ساتھ امام علیہ السلام کے پاس حاضر ہونے کی کوشش کرتے تھے، تاکہ لوگ سمجھیں کہ ان کا تعلق امام علیہ السلام اور ان کے مدرسہ کے ساتھ ہے۔

امام علیہ السلام کا غالیوں کے بارے میں یہ موقف بڑا ہی مفید اور نفع بخش تھا کیونکہ اس کی وجہ سے غالی، شیعہ معاشرے کی لعنت و ملامت سے نہ بچ سکتے تھے اور وہ جہاں بھی ہوتے تھے اُنھیں شیعوں سے جدا سمجھا جاتا تھا۔

اور جب امام علیہ السلام کے سامنے ان کفریات کا ذکر کیا جاتا تو آپؑ کو اس سے بڑی اذیت ہوتی تھی۔ آپؑ کا سکون و اطمینان ختم ہوجاتا تھا اور آپؑ سختی کے ساتھ ان عقائد سے بے زاری کا اظہار فرماتے تھے۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث میں اس کا بیان آیا ہے:

خالد بن نجیح الجوان کہتے ہیں: ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ تھے اور میں اپنے دل میں کہہ رہا تھا: ان لوگوں کو خبر نہیں کہ یہ کس کے سامنے ہیں۔

اس پر امام علیہ السلام نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ جب میں آپؑ کے پاس جا کر بیٹھ گیا تو آپؑ نے ارشاد فرمایا: اے بندۂ خدا! میرا ایک رب ہے، جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ (امام علیہ السلام نے یہ الفاظ تین بار کہے)۔ (بصائر الدرجات)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا: خدا مغیرہ بن سعید پر لعنت کرے، وہ میرے بابا (امام محمد باقر علیہ السلام) پر جھوٹ بولتا تھا۔ خدا اُسے دوزخ کے عذاب میں مبتلا کرے۔ ہر اُس شخص پر خدا کی لعنت ہو جو ہمارے بارے میں وہ بات کہے کہ جو ہم خود اپنے بارے میں نہیں کہتے اور اس شخص پر بھی خدا کی لعنت ہو جو ہمیں اس خدا کی عبودیت کے مرتبے سے ہٹائے کہ جس نے ہمیں خلق کیا ہے جس کے پاس ہمارا ٹھکانہ ہے، جس کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے اور جس کے قبضۂ قدرت میں ہماری جان ہے۔ (رجال کشی)

مالک جہنی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: جب شیعوں نے مدینہ میں شور مچایا اور فرقوں میں بٹ گئے تو ہم مدینہ سے ایک طرف ہو کر ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کے فضائل و کمالات اور شیعوں کی زبانوں سے نکلنے والی باتوں کو یاد کرنے لگ گئے، یہاں تک کہ ہمارے دلوں میں ائمہ علیہم السلام کی ربوبیت کا خیال جانے لگا۔ ہم اپنے آپ میں اتنے مگن تھے کہ ہمیں خبر ہی نہ ہوئی کہ امام جعفر صادق علیہ السلام اپنی سواری پر سوار ہو کر ہمارے پاس آ موجود ہوئے ہیں۔ ہمیں پتہ ہی نہ چلا کہ امام علیہ السلام کہاں سے آگئے ہیں۔ ہمیں دیکھ کر امام علیہ السلام فرمانے لگے:

اے مالک! اے خالد! تم دونوں نے (ہماری) ربوبیت کے بارے میں کب سے باتیں کرنا شروع کی ہیں؟

ہم نے جواب دیا: اس کا خیال تو ابھی ابھی ہمارے دل میں آیا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم دونوں جان لو کہ ہمارا ایک رب ہے جو صبح و شام ہماری حفاظت کرتا ہے اور ہم اُسی کی عبادت کرتے ہیں۔

اے مالک! اے خالد! ہماری شان میں جو چاہو کہو مگر ہمیں (خدا کی) مخلوق قرار دو۔

امام علیہ السلام اپنی سواری پر بیٹھ کر بار بار یہی جملہ دُہراتے رہے۔ (کشف الغمہ)

سُدیر کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: کچھ لوگ آپؑ (ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام) کو خدا کہتے ہیں اور دلیل کے طور پر اس آیتِ قرآنی کو پیش کرتے ہیں: وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَآءِ إِلٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلٰهٌ۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اے سُدیر! ایسے لوگوں سے تو میرے گوش و چشم، پوست و گوشت اور خون و بال (تمام چیزیں) بے زار ہیں اور میرا اللہ بھی ان سے بے زار ہے۔ یہ لوگ میرے دین پر ہیں اور نہ ہی میرے آباؤ اجداد کے دین پر۔ اور خدا کی قسم! وہ مجھے اور ان کو قیامت کے روز ایک ساتھ نہ رکھے گا اور وہ ان پر غضب ناک ہوگا۔

سُدیر کہتے ہیں: اس کے بعد میں نے عرض کیا: ہم کچھ ایسے لوگوں کو بھی دیکھتے ہیں کہ جو آپؑ کو رسول سمجھتے ہیں اور اس آیتِ قرآنی کو ہمارے لیے بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں:

يَآيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

عَلِيْمٌ ○ (سورۂ احزاب: آیت ۵۱)

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے سدیر! ایسے لوگوں سے میرے گوش وچشم، بال و پوست اور گوشت وخون (تمام چیزیں) بے زار ہیں اور خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ان کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔ یہ لوگ نہ تو میرے دین پر ہیں اور نہ ہی میرے آبائے کرام علیہم السلام کے دین پر ہیں۔ بخدا! اللہ تعالیٰ مجھے قیامت میں ان کے ساتھ جمع نہ کرے گا اور وہ ان سے ناراض ہوگا۔

سدیر کہتے ہیں: اس پر میں نے عرض کیا: آپ کیا ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

نَحْنُ خُزَّانُ عِلْمِ اللهِ. نَحْنُ تَرَاجِمَةُ اَمْرِ اللهِ. نَحْنُ قَوْمٌ مَعْصُوْمُوْنَ .اَمَرَ اللهُ (تبارك وتعالى) بِطَاعَتِنَا وَنَهٰى عَنْ مَعْصِيَتِنَا. نَحْنُ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ عَلٰى مَنْ دُوْنَ السَّمَآءِ وَفَوْقَ الْاَرْضِ

"ہم علمِ الٰہی کے خزانہ دار، اس کے اَمر کے ترجمان اور معصوم (ہر قسم کے گناہ سے پاک) لوگ ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر نے ہماری اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے اور ہماری نافرمانی سے منع فرمایا ہے۔ آسمان کے نیچے اور زمین کے اُوپر موجود تمام چیزوں پر خدا کی پہنچی ہوئی حجت ہیں"۔ (اُصولِ کافی: جلد ا، ص ۲۹۶)

ابان بن عثمان کہتے ہیں: میں نے سنا، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام یہ بات ارشاد فرما رہے تھے: خدا عبداللہ بن سبا پر لعنت کرے، اُس نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے رب ہونے کا دعویٰ کیا، حالانکہ آپؑ تو بخدا اس کے اطاعت گزار بندے تھے۔ ویل ہے ان لوگوں کے لیے جو ہم پر جھوٹ بولتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ہمارے بارے میں وہ باتیں کہتے ہیں کہ جو ہم خود اپنے بارے میں نہیں کہتے۔ ہم خدا کے حضور اُن سے بے زاری کا اظہار کرتے ہیں، ہم خدا کے حضور ان سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہیں۔ (رجال کشی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص کہے کہ ہم (ائمہؑ) نبی ہیں تو اس پر خدا کی لعنت ہو اور جو اس میں بھی شک کرے اس پر بھی لعنت ہو"۔ (رجال کشی)

صالح بن سہل کہتا ہے: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ربوبیت کا قائل تھا اور جب آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؑ نے میری طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا:

اے صالح! خدا کی قسم! ہم بندے ہیں، ہمیں خلق کیا گیا ہے اور ہمارا ایک رب ہے۔ اگر ہم اس کی عبادت نہ کریں گے تو وہ ہمیں عذاب دے گا۔

حضرت مفضل بن عمرؒ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں، خالد الجواز، نجم الحطیم اور سلیمان بن خالد، امام جعفر صادق علیہ السلام کے دروازے کے قریب ان باتوں میں لگے ہوئے تھے کہ جو غالی لوگ کرتے ہیں۔ ہماری باتیں سن کر امام علیہ السلام بغیر جوتے پہنے اور بغیر ردا اوڑھے (غصے سے) کانپتے ہوئے ہمارے پاس آئے اور ارشاد فرمایا:

اے خالد! اے مفضل! اے سلیمان! اور اے نجم! یہ بات بالکل اس طرح نہیں ہے کہ جس طرح تم کہہ رہے ہو۔

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ○ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ○ (سورۂ انبیاء: آیت ۲۶-۲۷)

"بلکہ یہ تو اللہ کے محترم بندے ہیں، وہ تو اللہ (کے حکم) سے پہلے بات (بھی) نہیں کرتے اور اسی کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں"۔

فضیل بن عثمان الاعور کہتا ہے: میں نے سنا، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام یہ ارشاد فرما رہے تھے:

"خدا سے ڈرو، اس کی تعظیم کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عظیم جانو اور آپؐ پر کسی کو بھی فوقیت نہ دو، کیونکہ خدائے بزرگ و برتر نے انھیں فضل و مرتبے سے نوازا ہے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت علیہم السلام کی محبت میں میانہ روی سے کام لو، ان کی محبت میں غلو (یعنی حد سے تجاوز) نہ کرو۔ تفرقہ بازی سے اجتناب کرو اور جس بات کے ہم قائل نہیں ہیں تم بھی

اس کے قائل نہ بنو، کیونکہ اگر تم کسی اور چیز کے قائل ہو گے اور ہم کسی اور چیز کے قائل ہوں گے اور تم اپنے عقیدے پر مرجاؤ گے اور ہم اپنے عقیدے پر مرجائیں گے تو پھر جب خدا ہمیں اور تمہیں اُٹھائے گا تو ہم وہاں ہوں گے جہاں اللہ چاہے گا اور تم بھی وہاں ہی ہو گے جہاں اللہ چاہے گا"۔ (قرب الاسناد: ص ۶۱)

واضح رہے کہ اس حدیث کے آخری جملوں کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم دنیا میں عقیدے کے حوالے سے ہمارے ساتھ ہو گے تو آخرت میں بھی ہمارے ساتھ ہو گے اور اگر دنیا میں تمھارا عقیدہ ہم سے مختلف رہا تو آخرت میں بھی تم ہمارے ساتھ نہیں رہو گے۔ یعنی ہماری ملاقات سے محروم رہو گے۔

فضیل بن یسارؒ کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"نوجوانوں کو غالیوں سے بچاؤ، کہیں وہ ان کے عقیدے خراب نہ کردیں، کیونکہ غالی خدا کی سب سے بری مخلوق ہیں۔ وہ خدا کی عظمت میں کمی کرتے ہیں اور خدا کے بندوں کو رب کہتے ہیں۔

خدا کی قسم! بے شک غالی، یہود ونصاریٰ اور مجوسیوں و مشرکوں سے بھی بدتر ہیں۔ پھر فرمایا: غالی ہماری طرف لوٹ کر آئے گا تو ہم اُسے قبول نہیں کریں گے اور مقصر ہمارے ساتھ ملحق ہونا چاہے گا تو ہم اُسے قبول کرلیں گے۔

آپؑ سے پوچھا گیا: اے فرزندِ پیغمبرؐ! ایسا کیونکر ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیونکہ غالی نماز، زکوٰۃ اور روزہ و حج کو ترک کرنے کا عادی ہوجاتا ہے اور وہ کبھی اپنی عادت کو چھوڑ کر خدائے بزرگ و برتر کی اطاعت کی طرف نہیں آسکتا جبکہ مقصر کو جب کسی چیز کی معرفت ہوجاتی ہے تو وہ عمل و اطاعت کرنے لگ جاتا ہے۔ (امالی شیخ طوسیؒ)

اسماعیل بن عبدالعزیز کہتا ہے: مجھ سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اے اسماعیل! وضو کی جگہ (یعنی غسل خانے میں) پانی رکھ دو۔

اسماعیل کہتا ہے: امام علیہ السلام کا حکم سن کر میں اُٹھا اور میں نے امام علیہ السلام کے وضو کرنے کے لیے وہاں پانی رکھ دیا۔ امام علیہ السلام وہاں گئے تو میں اپنے دل میں کہنے لگا: میں تو ان کے بارے میں ایسا ایسا کہتا ہوں۔

تھوڑی دیر بعد امام علیہ السلام وضو خانے سے باہر آئے اور ارشاد فرمایا:

اے اسماعیل! دیوار کو حد سے زیادہ اُونچا نہ کرو، ورنہ وہ گر پڑے گی۔ ہمیں خلق کیے ہوئے بندے قرار دو۔ پھر ہماری شان میں جو چاہو کہو، تم ہماری شان و مرتبے کی انتہا تک نہیں پہنچ سکو گے"۔

اسماعیل کہتا ہے: میں اس کے باوجود بھی اپنی بات پر قائم رہا۔ (بصائر الدرجات، بحارالانوار: جلد ۲۵، ص ۲۷۹)

لوگوں کا خاندانِ اہلِ بیتؑ پر افترا باندھنا

معزز قارئین! محمدؐ و آلِ محمدؐ کے دشمنوں نے ان ذواتِ مقدسہ علیہم السلام کو بدنام کرنے کے لیے اور اُنھیں ان کے مقام و مرتبہ سے گرانے کے لیے جن جن شیطانی وسائل اور گندے حربوں کو کام میں لایا اُن میں سے ایک ان ذواتِ طاہرہ علیہم السلام کی طرف ایسی چیزوں کی نسبت دینا ہے جو ان کے شایانِ شان نہیں اور اُن کے دشمنوں کے بارے میں جھوٹی حدیثیں گھڑ کر اُن کی طرف منسوب کرنا ہے۔

جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مجھ پر جھوٹ بولنے والے کافی ہیں اور عنقریب اُن کی تعداد اور زیادہ ہوجائے گی۔ پس جو بھی جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے، اُسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لینا چاہیے"۔

بنی اُمیہ اور اُن کے ٹکڑوں پر پلنے والوں نے اس سلسلے میں بہت زیادہ کوششیں کیں اور خاص طور پر آلِ رسولؐ کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اپنی ایک حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں:

''پھر مسلسل ہم اہلِ بیت علیہم السلام کو ذلیل وخوار کیا گیا، ہمیں وطن بدر کیا گیا اور مشقتوں میں مبتلا کیا گیا، ہمیں محروم کیا گیا اور قتل کیا گیا، ہمیں خائف و ہراساں کیا گیا اور ہمیں اپنے اور اپنے اولیاء کے خون محفوظ نظر نہ آئے۔ جھوٹوں اور منکروں نے ہمیں اپنے جھوٹ وانکار کا نشانہ بنایا۔ وہ اس سے (یعنی ہمارے بارے میں جھوٹی روایات گھڑ کر) اپنے حکمرانوں، شہر کے بڑے قاضیوں اور عمالِ سوء کا تقرب حاصل کرتے تھے۔ ان سے جھوٹی حدیثیں بیان کرتے تھے اور لوگوں کو ہم سے متنفر کرنے کے لیے ہماری طرف ان باتوں کی نسبت دیتے تھے کہ جو ہم نے نہ کہی ہوتیں اور نہ کی ہوتی تھیں''۔ (بحارالانوار)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ نے ارشاد فرمایا:

''ہم اہلِ بیتؑ سچے ہیں مگر کچھ جھوٹے ضرور ہوتے ہیں جو ہم پر جھوٹ بولتے ہیں اور اپنے جھوٹ کے ذریعہ سے لوگوں میں ہماری صداقت کو مجروح کرتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری مخلوقِ خدا سے زیادہ سچے تھے مگر مسیلمہ کذاب آپؐ پر جھوٹ بولتا تھا اور اسی طرح رسولِؐ خدا کے بعد امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام تمام مخلوق سے زیادہ سچے تھے لیکن عبداللہ بن سبا پر خدا لعنت کرے وہ آپؑ پر جھوٹ بولتا تھا اور اپنی افترا پردازی کے ذریعے آپؑ کی صداقت کو مجروح کرنے میں لگا رہتا تھا، یہاں تک کہ امام علیہ السلام نے فرمایا:

خدا ان تمام افتراء کرنے والوں پر لعنت کرے۔ ہمارے زمانے میں بھی ہم پر جھوٹ بولنے والے کذاب یا کمزور رائے والے افراد موجود رہتے ہیں۔ خدا ہمیں ہر کذاب کے شر سے بچائے اور انھیں دہکتی ہوئی آگ کا مزہ چکھائے''۔ (بحارالانوار: جلد ۲، ص ۲۱۷)

اس حدیث کی روشنی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بھی ان ائمہ طاہرین علیہم السلام میں

سے ایک تھے کہ جن پر ضال اور مضل لوگوں نے افتراء کیا۔ اس بنا پر کتنی ہی ایسی احادیث ہوں گی جو مخالفوں کی زبانوں اور دشمنوں کے مونہوں سے نکلی ہوں گی اور ان کی نسبت صادق آلِ محمدؐ کی طرف دے کر کتابوں اور موسوعات میں درج کر دی گئی ہوں گی۔

اب یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان بعض جھوٹی احادیث کو ذکر کریں کہ جو ائمہ طاہرین علیہم السلام کے زمانے میں گھڑی گئیں تھیں لیکن مشکل حالات کے پیش نظر معصومین علیہم السلام نے علانیہ طور پر ان کی نفی ورد نہیں کی اور انھیں وضع کرنے والے خائنوں کی تکذیب اور ان سے برأت کا اظہار بھی نہیں کیا۔ اور یہ بھی ائمہ طاہرین علیہم السلام کی مظلومیت کی ایک داستان ہے کیونکہ جب کسی عام انسان پر جھوٹ بولا جاتا ہے تو وہ بڑی جرأت وسُرعت کے ساتھ اس کا انکار کر دیتا ہے۔ لیکن بڑے دُکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ امام علیہ السلام کو اتنی آزادی بھی نہیں تھی کہ وہ کسی معمولی سے انسان کی مانند اپنے خلاف بولے گئے جھوٹ کو آشکار کر دیتے۔

اَلاَمَان اَلحَفِیظ — کہاں آلِ رسولؐ اور کہاں یہ پابندیاں؟

اے آلِ محمدؐ! ہمیں آپ علیہم السلام کی اس مظلومیت کا بڑا افسوس ہے!

اب ہم ذیل میں اپنے قارئین کی خدمت میں ایسی چند احادیث پیش کرتے ہیں:

میمون بن عبداللہ کہتے ہیں: کچھ لوگ احادیث پوچھنے کی غرض سے امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور اس وقت مَیں بھی امام علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا۔ امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: کیا تم اِن میں سے کسی کو جانتے ہو؟

میں نے عرض کیا: نہیں، میں اِن میں سے کسی کو بھی نہیں جانتا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پھر یہ میرے پاس کیسے آگئے ہیں؟

میں نے کہا: یہ لوگ ہر ایک سے حدیثیں نقل کرتے ہیں اور انھیں اس بات کی بالکل کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ انھیں بتانے والا کون ہے؟

امام علیہ السلام نے ان میں سے ایک شخص سے فرمایا: کیا تم نے میرے علاوہ بھی کسی سے کوئی حدیث سنی ہے؟

اُس نے کہا: جی ہاں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اُس کا کچھ حصّہ مجھے سناؤ۔

اس پر وہ کہنے لگا: میں آپؑ سے حدیث سننے آیا ہوں، نہ کہ سنانے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جو علم تُو نے حاصل کیا ہے اس کا کچھ حصّہ ہم سے بیان کر، تاکہ ہم بھی اس کی طرف توجہ کریں، ان شاء اللہ!

اُس نے کہا: مجھ سے سفیان ثوری نے بیان کیا، اس نے نقل کیا امام جعفر صادق علیہ السلام سے، آپؑ نے ارشاد فرمایا: "شراب کے علاوہ ہر طرح کی نبیذ حلال ہے"۔

پھر وہ خاموش ہو گیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خاموش کیوں ہو گئے ہو اور بتاؤ؟

اُس نے کہا: سفیان نے ایک شخص کے واسطے سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے، آپؑ نے ارشاد فرمایا:

جو شخص موزوں پر مسح نہ کرے، وہ بدعتی ہے، جو نبیذ نہ پیئے وہ بھی بدعتی ہے اور جو شخص حرام مچھلی (جریث) اور ذمیوں کا کھانا نہ کھائے، وہ گمراہ ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اور بیان کر؟

اُس نے کہا: سفیان ثوری نے مجھے محمد بن منکدر کے حوالے سے بتایا ہے کہ اُس نے حضرت علی علیہ السلام کو کوفہ میں برسرِ منبر دیکھا۔ آپؑ ارشاد فرما رہے تھے: اگر میرے پاس کسی ایسے شخص کو لایا جائے جو مجھے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ پر فضیلت دیتا ہو تو مَیں اُسے افتراء کرنے والے کی حد کے برابر کوڑے لگاؤں گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اور بیان کر؟

اُس نے کہا: سفیان ثوری نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے حوالے سے مجھے بتایا کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: حضرات ابوبکرؓ اور عمرؓ کی محبت ایمان ہے اور ان دونوں کا بُغض کفر ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اور بیان کر؟

اُس نے کہا: نعیم بن عبداللہ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے حوالے سے مجھے خبر دی ہے کہ آپؑ ارشاد فرماتے ہیں: حضرت علی علیہ السلام ینبع کے نخلستان میں جانا چاہتے تھے،

تا کہ ان کے سائے میں بیٹھیں اور ان کا پھل کھائیں اور وہ نہ تو جنگِ جمل میں موجود تھے اور نہ ہی جنگِ نہروان میں۔

اور سفیان ثوری نے حسن کے واسطہ سے بھی مجھے یہی خبر دی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اور بیان کر؟

اُس نے کہا: ہمیں عباد نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے حوالے سے یہ خبر دی کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: جب حضرت علی علیہ السلام نے روزِ جمل اور اس میں بہائے جانے والے خون کو دیکھا تو اپنے بیٹے حضرت امام حسن علیہ السلام سے فرمایا: میرے بیٹے! مَیں ہلاک ہو گیا ہوں۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے آپؑ سے فرمایا: بابا جان! کیا میں نے آپؑ کو اس جنگ سے روکا نہ تھا؟

حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا: بیٹے! میں نہیں جانتا تھا کہ بات یہاں تک پہنچ جائے گی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اور بیان کر؟

وہ کہتا ہے: ہمیں سفیان ثوری نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے واسطہ سے خبر دی ہے، آپؑ نے ارشاد فرمایا:

جب حضرت علی علیہ السلام نے اہلِ صفین کے ساتھ جنگ کی تو ان پر رو پڑے۔ پھر یہ دُعا کی: خدا! مجھے اور ان کو جنت میں جمع کرے۔

اس واقعہ کو بیان کرنے والا راوی میمون بن عبداللہ کہتا ہے: اس کی باتیں سن کر مجھ پر وہ جگہ تنگ پڑ گئی۔ میں پسینہ سے شرابور ہو گیا اور قریب تھا کہ مَیں اپنی جگہ چھوڑ کر چلا جاتا۔ پس میں نے ارادہ کیا کہ میں اُٹھ کر اس کی طرف جاؤں اور اُسے سبق سکھاؤں مگر امام علیہ السلام نے مجھے آنکھ کے اشارہ سے ایسا کرنے سے روکا اور میں ایسا کرنے سے رُک گیا۔

امام علیہ السلام نے اُس سے پوچھا: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟

اس نے جواب دیا: میرا تعلق اہلِ بصرہ سے ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ تم جس شخص کا نام جعفرؑ بن محمدؑ لے کر یہ حدیثیں نقل کر رہے ہو، کیا اُسے جانتے بھی ہو؟

اُس نے کہا: نہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم نے خود اس شخص کی زبان سے بھی کبھی کچھ سنا ہے؟

اُس نے کہا: نہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم نے یہ حدیثیں کس وقت سنیں؟

اُس نے کہا: یہ میں نے کب سنیں، یہ تو صحیح طور پر میرے ذہن میں نہیں، مگر ہمارے علاقے والے ان احادیث کو بیان کرتے ہیں اور کافی وقت گزر گیا ہے ان میں سے کسی نے ان میں اختلاف ظاہر نہیں کیا۔

امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: اگر تو اس شخص کو دیکھ لے کہ جس سے تم حدیثیں نقل کر رہے ہو اور وہ تم سے کہے: یہ سب جھوٹ ہے، یہ نہ تو میری زبان سے نکلی ہیں اور نہ ہی میں ان کو جانتا ہوں، تو کیا تم اس شخص کی بات مان لو گے؟

اُس نے کہا: نہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: بھلا کیوں تم اس کی بات نہ مانو گے؟

اُس نے کہا: کیونکہ اس شخص کے قول پر ایسے لوگوں کی گواہی موجود ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی کسی شخص کے آزاد ہونے کی گواہی دے تو اُس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: لکھو: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مجھ سے بیان کیا میرے بابا نے، اُنھوں نے نقل کیا میرے جد امجد سے۔

اُس نے پوچھا: آپ کا نام کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: میرا نام مت پوچھ۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خداوند عالم نے جسموں کو خلق کرنے سے دو ہزار سال پہلے روحوں کو خلق فرمایا۔ پھر اُنھیں ہوا میں ساکن کیا، پھر ان میں سے جو روحیں وہاں ایک دوسرے سے شناسا ہوئیں تھیں یہاں بھی ایک دوسرے کی طرف میلان رکھتی ہیں اور جو روحیں وہاں ایک دوسرے سے دُور رہتی تھیں یہاں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔

اور جو شخص ہم (اہلِ بیتؑ) کی طرف جھوٹ منسوب کرے، خدا اسے روزِ قیامت

اندھا یہودی محشور کرے گا۔ اگر اُس نے دجال کو پالیا تو اُس پر ایمان لے آئے گا اور اگر اسے (دنیا میں) نہ پاسکا تو اپنی قبر میں اس پر ایمان لے آئے گا۔

پھر امام علیہ السلام نے اپنے غلام سے فرمایا: میرے وضو کے لیے پانی رکھو۔ اس کے بعد امام علیہ السلام وضو کرنے چلے گئے اور جاتے ہوئے مجھے آنکھ سے اشارہ کر کے کہا: ان سے الگ نہ ہونا (یعنی جب تک یہ یہاں بیٹھے ہیں تم بھی ان کے پاس ہی بیٹھنا)۔

کچھ دیر بعد وہ لوگ بھی اُٹھ کر چلے گئے اور اُنھوں نے امام علیہ السلام سے سنی ہوئی حدیث کو لکھ لیا۔

جب آپؑ وضو خانے سے باہر آئے تو آپؑ کے چہرۂ مبارک پر غضب کے آثار نمایاں تھے۔ آپؑ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: تم نے سنا، یہ لوگ کیا کہتے ہیں؟

میں نے عرض کیا: خدا آپؑ کا بھلا کرے، ان لوگوں اور ان کی حدیثوں کا کیا بنے گا؟!

امام علیہ السلام نے فرمایا: مجھے ان پر بڑا تعجب ہوا ہے۔ ایک طرف تو وہ مجھ پر جھوٹ بول رہے تھے اور میری طرف ایسی باتیں منسوب کر رہے ہیں کہ جو میں نے کہی ہیں اور نہ ہی سنی ہیں اور دوسری طرف وہ یہ کہہ رہے تھے کہ اگر وہ شخص ان احادیث کا انکار کردے جس کی طرف یہ منسوب ہیں تب بھی ہم نہیں مانیں گے۔

ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟! خدا انھیں مہلت نہ دے، خدا انھیں موقع نہ دے۔

پھر ہم سے فرمایا: جب حضرت علی علیہ السلام نے بصرہ سے خروج کا ارادہ کیا تو اُس کے اطراف و جوانب کی برائی بیان کی۔ پھر فرمایا: خدا تجھ پر لعنت کرے اے بدبودار مٹی والی! جلد تباہ ہو جانے والی! اور دردناک عذاب میں مبتلا کی جانے والی زمین! تجھ میں بہت بڑی بیماری ہے۔

پوچھا گیا: اے امیر المومنینؑ! وہ بیماری کیا ہے؟

آپؑ نے ارشاد فرمایا: اس سے مراد اس قدر میں کلام کرنا ہے جس میں خدا پر افتراء کیا جاتا ہے۔ ہم اہلِ بیتؑ سے بغض رکھنا ہے، اس میں اللہ اور اُس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی ہے اور ان لوگوں کا ہم اہلِ بیت علیہم السلام پر جھوٹ بولنا اور ہمارے خلاف اس جھوٹ کو جائز سمجھنا

ہے۔(بحار الانوار: جلد ۶۰، ص ۲۵۴، حدیث ۲۴)

قارئین کرام! واضح رہے کہ اس روز امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا بصرہ اور اہلِ بصرہ کی مذمت کرنا، اُن کے بُرے اعمال و تصرفات کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ اُنھوں نے حضرت علی علیہ السلام کے خلاف قیام کیا تھا۔ اُن کے سامنے اپنی تلواریں کھینچی تھیں، اور اُن کے ساتھ جنگ کر کے اہلِ ایمان کی ایک کثیر تعداد کو قتل کر دیا تھا اور یہ خاندان اہلِ بیت علیہم السلام کی طرف جھوٹی روایات منسوب کرنے کے علاوہ ایک دوسرا ظلم تھا۔

مگر الحمد للہ آج کل بصرہ ایمان اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کی ولاء کے بڑے بڑے مراکز میں سے ایک ہے۔ اس کے لوگ محبت اہلِ بیت علیہم السلام کا دَم بھرتے ہیں اور شعائرِ حسینیہؑ کے ساتھ ایک خاص قسم کی وابستگی رکھتے ہیں اور ایامِ عاشوراء و اربعینؑ میں اس کا پتہ چلتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی سیاسی زندگی

لفظ "اَلسِّیَاسَۃ" کا لغوی معنی تدبر، اُمر و نہی، اُمور کی انجام دہی اور ان معاملات کی ذمہ داری سنبھالنا ہے جن میں رعایا کی مصلحت ہوتی ہے۔ ایک خبر میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل کی سیاست (یعنی ان کے اُمور کی ذمہ داری) ان کے انبیاء علیہم السلام کے پاس تھی۔ بنابریں سیاست کا معنی شہروں کے اُمور کی ذمہ داری سنبھالنا اور لوگوں کی مصلحت پر مبنی اُمور کی تدبیر کرنا ہے۔

مگر ہمارے زمانے میں سیاست وہ نہیں ہو رہی جو ہونی چاہیے تھی، بلکہ آج کل یہ اپنے لغوی معنی کے برعکس استعمال ہوتی ہے اور وہ ہے: "کسی ایک سمت یا کسی خاص مذہب کو معین نہ کرنا"۔ اس معنی کے اعتبار سے ہر وہ شخص سیاسی ہوتا ہے جو ہر رنگ میں رنگ جاتا ہے اور ہر ماحول میں ڈھل جاتا ہے۔ اس قسم کی سیاست میں دکھاوے کی محبت یا جھوٹی نفرت یا ظاہری یا ہر طرح کی دینی سرگرمی کی مخالفت ہوتی ہے حتیٰ کہ بعض لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ دین کے خلاف فیصلہ کرنا بھی دین ہے اور بسا اوقات اس سیاست میں دینی اُمور اور اسلامی کاموں کی طرف خوب توجہ دی جاتی ہے۔ چنانچہ ان تمام اُمور میں سیاسی افراد اپنے مادی پہلوؤں اور شخصی مصالح کو ہر چیز سے مقدم رکھتے ہیں اور جس طرف اُنھیں اپنے مفاد دکھائی دیتا ہے وہ اپنا رُخ اسی طرف کر لیتے ہیں اور بعض ممالک میں تو سیاست استعمار کے اشاروں اور کفار و مشرکین کے اَحکام سے کی جاتی ہے۔ جو ان ممالک میں حکمران ہوتے ہیں اُن کی اپنی کوئی طاقت اور اُن کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ وہ ان طاغوتوں کے آگے سر نہیں اُٹھا سکتے۔ بصورتِ دیگر اُنھیں اپنی حکومت خطرے میں نظر آتی ہے۔

اس معنی کے لحاظ سے لفظ "اَلسِّیَاسَۃ" کا مطلب بڑا وسیع اور اس کے مصادیق اتنے

زیادہ ہو جاتے ہیں کہ ان کا حدوحساب نہیں کیا جاسکتا۔ اس سیاست میں کبھی بے گناہوں کو قتل کیا جاتا ہے پھر اُنھی پر آنسو بہائے جاتے ہیں اور اسی طرح پہلے شریف لوگوں پر تہمتیں لگا کر اُنھیں رُسوا کیا جاتا ہے اور بعد میں انھی تہمتوں کو جھوٹ کہہ دیا جاتا ہے اور یوں یہ سیاسی اُمور کبھی انسان کو رُلاتے ہیں اور کبھی ہنساتے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے یہ ایسی گندی اور غلیظ سیاست (بلکہ منافقت) ہے جس کا دین کے ساتھ کوئی دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے کیونکہ حقیقی سیاست وہ ہے جو دین پر مبنی ہو، لہٰذا جو سیاست دین کو کھلونا بنا دے وہ حقیقی سیاست نہیں ہوتی۔

ظاہر ہے کہ جو اولیائے اللہ ہوتے ہیں وہ اس قسم کی سیاست سے بالکل دُور ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مستشرقین حضرت علی علیہ السلام کے امانت داری اور شرافت پر مصر رہنے کو معیوب قرار دیتے ہیں کیونکہ اُن کی نظر میں یہ دو چیزیں سیاست کے ساتھ میل نہیں کھاتیں۔ البتہ سیاست کا جو معیار اہلِ بیت علیہم السلام کے پاس ہے وہ بالکل شرعی اور حقیقت پر مبنی ہے، کیونکہ اہلِ بیت علیہم السلام کی نظر میں سیاست ملکی اُمور کی نگرانی اور دین اسلام کی روشنی میں لوگوں کی مصلحت و مفاد پر مبنی اُمور کو انجام دینے کا نام ہے۔ چنانچہ جب ائمہ علیہم السلام کے پاس قدرت و اختیار ہوگا تو وہ اسی قسم کی ہی سیاست انجام دیں گے مگر جب صورتِ حال اس کے برعکس ہوگی تو اس سلسلے میں تکلیفِ شرعی اور حکمِ الٰہی بھی اس کے برعکس ہوگا۔ کیونکہ کسی انسان پر حکم اس صورت میں لاگو ہوتا ہے کہ جب اس میں اس حکم کی بجا آوری کی قدرت موجود ہو۔ اور جب انسان اس فعل کی انجام دہی پر قادر نہ ہو تو اس پر وہ حکم لاگو نہیں ہوتا۔

ہاں! بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان کے پاس وہ اختیار تو نہیں ہوتا جو ہونا چاہیے مگر وہ کچھ اور ذرائع کو حق کی نصرت اور دین کی خدمت میں استعمال کرتا ہے، مثلاً اگر انسان کے پاس حکومت اور اس کا اعلیٰ منصب نہ بھی ہو، تب بھی وہ تعلیم و تربیت وغیرہ کے ذریعے سے عقائدی طاقت اور دینی ثقافت رکھنے والی ایک قوم تیار کرسکتا ہے، کیونکہ اگر انسان کے حکومت پر راج کرنے کی راہیں بند ہو جائیں تو قلوب و افکار پر حکومت کرنے کی راہیں تو ہمیشہ کھلی رہتی ہیں۔ اور تعلیم و تربیت کے ذریعے سے لوگوں کی سوچ کو بدلنا تو ممکن رہتا ہے، بالخصوص اس وقت کہ جب سیکھنے اور علم حاصل کرنے کی طرف راغب و شوق رکھنے والا معاشرہ انسان کے

ہاتھ آجائے اور ایسی صورت میں مثبت نتائج ملنا یقینی ہوتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی علوم اسلامیہ، اَحکامِ دینیہ، تعلیماتِ شرعیہ اور اَخلاقی اَقدار کی ترویج و اشاعت کے لیے یہی طریقہ کار اختیار کیا اور یوں آپؑ نے ایک اعلیٰ اَقدار کی حامل نسل پروان چڑھائی اور لوگوں کے دلوں میں اصلاح و بہتری کا پودا لگا دیا، جو وقت آنے پر اپنی برکات ظاہر کرتا ہے۔

امام علیہ السلام اور سیاست

جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ظاہراً منصبِ امامت و خلافت سنبھالا تو اُس وقت کچھ حوادث و واقعات رُونما ہوئے، جنھیں آج کل کی زبان میں سیاست سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن امام علیہ السلام نے تمام حوادث کا مقابلہ اس قدر حکمت و دانائی اور جرأت و بہادری کے ساتھ کیا کرتے تھے کہ عقلائے زمانہ حیرت زدہ رہ جاتے تھے۔

اس زمانے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو ان خونی فتنوں کا سامنا تھا جو اُنھوں نے اُمویوں کی ظالمانہ حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لیے کھڑے کیے ہوئے تھے۔ وہ اپنی زبانی کلامی حمایت کرنے والے بعض علویوں کے جھوٹے وعدوں سے دھوکا کھا چکے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ جس طرح اُنھوں نے دھوکا کھایا ہے اسی طرح امام علیہ السلام بھی دھوکے کا شکار ہو جائیں اور اُن کے جھوٹے وعدوں کے چکروں میں آجائیں۔ اُن کی خواہش تھی کہ امام علیہ السلام اُن کی مدد و معاونت کریں اور نتائج کی پرواہ کیے بغیر اُن کے خونیں فتنوں میں اُن کا بھرپور ساتھ دیں۔ بعض علویوں نے دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر اجلاس منعقد کرنا شروع کر دیے تھے اور حکمت و تدبیر کے تمام تر تقاضوں کو نظرانداز کر دیا تھا۔ اس لیے ان کے انقلاب ضروری شرط سے خالی تھے اور ایسا لگتا تھا کہ وہ اس بات سے بالکل جاہل تھے کہ ایک چلتے ہوئے نظام کو بدلنا کوئی آسان کام نہیں ہے، بالخصوص اس صورت میں کہ جب وہ نظام پوری زمین کے نصف حصہ پر چل رہا ہو، اس کے امکانات وسیع ہوں اور اس کی اَقدار اس کے ہر کنارے تک پھیلی ہوئی ہوں، جس نظام میں سروں کو کاٹا جاتا ہو، ہڈیوں کو پیسا جاتا ہو، روحوں کو نکالا جاتا ہو اور

ہر طرح کی عزت و کرامت کو بے توقیری میں بدلا جاتا ہو اور جس کی سرکشی اور منہ زوری کے آگے کوئی چیز بھی نہ رُک سکتی ہو۔

ایسا لگتا تھا کہ وہ اس بات سے بالکل ہی بے خبر تھے کہ کسی کے آگے جانیں پیش کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ کیونکہ جان کی محبت تو آخری دم تک انسان کے ساتھ ساتھ رہتی ہے، البتہ جب انسان کا خدا کی ذات پر ایمان مضبوط ہو تو وہ اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتا۔

یہ تمام باتیں ان علویوں کے ذہنوں میں نہیں تھیں۔ وہ ایک طرف کو دیکھتے تھے اور دوسری طرف ان کا دھیان نہیں جاتا تھا۔ مگر یہ حقائق صادقِ آلِ محمدؐ کے لیے بالکل واضح و روشن تھے، کیونکہ آپؑ ہر چیز کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھتے تھے اور ابتدا سے انتہا تک اور ظاہر سے باطن تک سارے اُمور کو اپنی توجہ کا مرکز بناتے تھے۔ مزید برآں آپؑ کے اُسلاف و بزرگان کی مظلومیت اور لوگوں کے ان کو اپنی خیانت کا نشانہ بنانے کی تاریخ بھی آپؑ کے سامنے تھی۔ آپؑ کے جداکبر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ زیادتی و خیانت کی گئی، پھر لوگوں نے آپؑ کے جدِّ بزرگوار امام حسین علیہ السلام کے بھائی حضرت امام حسن علیہ السلام کو اپنے ظلم و ناانصافی کا نشانہ بنایا۔ پھر خود امام حسین علیہ السلام سے جو ظلم و بددیانتی کی گئی اُسے جان کر روحِ انسانیت تڑپ کر رہ جاتی ہے۔

آنجنابؑ کے بعد حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی مظلومیت بھی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان دونوں بزرگواروں کا زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور یہ دونوں امام کربلا جیسے عظیم واقعہ کے عینی شاہد تھے اور لامحالہ آپؑ نے ان دونوں ہستیوںؑ سے اس خون آشام اور جانکاہ واقعہ کی دل دہلا دینے والی داستانیں بھی سنیں ہوں گی۔

بنابرایں جب ایک انسان تاریخ کی اتنی زیادہ بصیرت رکھتا ہو اور اس کے تمام حقائق اس کے سامنے کھلی ہوئی کتاب کی مثل ہوں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ علمِ امامت اور مواریثِ انبیاءؑ کا وارث بھی ہو تو وہ کیونکر ایسے لوگوں کے دھوکہ میں آسکتا ہے؟ ان حوادث کے آغاز نے ہی امام علیہ السلام کی فکر میں غم و پریشانی پیدا کردی تھی۔ ان کی ابتداء بے سمجھی سے ہوئی

تھی اور اُن کا خاتمہ غیر مثبت بلکہ پریشان کُن نتائج پر ہوا تھا، کیونکہ جو جو ان فتنوں اور حوادث کے سر کردہ افراد تھے وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی امامت کے معتقد شیعی خط کو اپنا مرکز بنائے ہوئے تھے اور اپنے دلوں میں ظاہری طور پر دین کی کافی تڑپ دکھا رہے تھے اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ وہ امام علیہ السلام کو گم نامی، نماز و ذکرِ خدا اور آثارِ ائمہؑ میں غور و فکر کر کے معاشرے کی اصلاح کو ایسی حکومت پر ترجیح دینے والا سمجھتے تھے۔

حیف ہے کہ وہ علوی کہلانے کے باوجود بھی امام علیہ السلام کے بارے میں اس قدر بدگمانی سے کام لیتے تھے، اپنے اہداف کو پانے کے لیے اور حکومت کو حاصل کرنے کے لیے اپنی ایک خاص راہ پر لگے ہوئے تھے اور امام علیہ السلام کی حکمت عملی کو بے معنی سمجھے ہوئے تھے — وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ۔

اب ہم امام علیہ السلام کی سیاست سے متعلقہ بعض روایات کو اپنے قارئین کی نذر کرتے ہیں:

عیص بن قاسم کہتے ہیں، میں نے سنا، امام جعفر صادق علیہ السلام یہ ارشاد فرما رہے تھے:

"خدا سے ڈرو اور اپنی جانوں کا خیال رکھو (کہ کہیں دوزخ میں نہ چلے جاؤ)۔ کیونکہ اس کا خیال رکھنے کے زیادہ حق دار تم ہی ہو۔ اگر تم سے کسی کی دو جانیں ہوتیں اور وہ ان میں سے ایک کے ذریعے سے تجربہ کرنا چاہتا اور دوسری کو توبہ میں لگانا چاہتا تو وہ ایسا کر سکتا تھا، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جان تو صرف ایک ہی ہوتی ہے اور جب یہ چلی جاتی ہے تو توبہ کا موقع بھی ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اگر ہماری جانب سے کوئی تمھیں (فساد انگیزی میں) ہماری رضا کی طرف بلائے تو ہم (پہلے ہی سے) قسم کھا کر تمھیں بتاتے ہیں کہ ہم اُس سے راضی نہیں ہیں۔ آج جب وہ اکیلا ہے تو ہماری اطاعت نہیں کرتا، پھر جب پرچم اور جھنڈے بلند ہو جائیں گے تو تب وہ ہماری اطاعت کیسے کرے گا"۔ (علل الشرائع: ص ۵۷۷)

حارث بن حصیرہ اَزدی کہتے ہیں: اہلِ کوفہ میں سے ایک شخص نے خراسان آ کر لوگوں کو امام جعفر صادق علیہ السلام کی ولایت کی طرف بلایا تو وہ تین حصوں میں تقسیم ہو گئے: ایک حصے نے اس کی بات قبول کر لی اور اس کی اطاعت کرنے لگا۔ دوسرے حصے نے کھلم کھلا اس کا انکار کر دیا اور تیسرا حصہ ڈر کر رُک گیا، نہ تو اس نے اُس کی بات کو مانا اور نہ ہی ظاہری طور پر اُس

کا انکار کیا۔ جب صورتِ حال یہ ہوگئی تو ان تینوں فرقوں میں سے ایک ایک شخص اُٹھا اور وہ تینوں امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس آ گئے۔ ان میں سے تیسرے حصّے (یعنی نہ ماننے والوں اور نہ انکار کرنے والوں) کا نمائندہ سامنے آیا۔ اُس واقعہ سے قبل اُس نے ایک شخص کی لونڈی کے ساتھ اپنا منہ کالا کیا ہوا تھا۔

امام علیہ السلام کو مخاطب کر کے وہ کہنے لگا: خدا آپؑ کا بھلا کرے، اہلِ کوفہ میں سے ایک شخص ہمارے پاس آیا ہے اور اُس نے ہمیں آپؑ کی ولایت کی دعوت دی تو لوگ تین حصوں میں بٹ گئے ہیں۔ ایک حصّے نے اُس کی بات مان لی۔ ایک نے رد کر دی اور ایک حصّہ ڈر گیا اور اُس نے اُسے کوئی جواب نہیں دیا۔ امام علیہ السلام نے اس سے دریافت کیا۔ ان تین میں سے تمہارا تعلق کس جماعت کے ساتھ ہے؟

اُس نے کہا: میرا تعلق اسی ڈر جانے والے اور توقف کرنے والے گروہ کے ساتھ ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: فلاں رات تمہارا تقویٰ اور ڈر کہاں تھا؟ یہ سن کر وہ شخص شک میں پڑ گیا (اور کچھ کہہ نہ سکا)۔

عبدالحمید بن ابی دیلم کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس موجود تھا کہ آپؑ کو عبدالسلام بن عبدالرحمٰن بن نعیم، فیض بن مختار اور سلیمان بن خالد کا خط موصول ہوا۔ ان میں درج تھا کہ کوفہ میں غارت گری کو نہیں روکا جا سکتا اور اگر آپؑ ہمیں اس کی حکومت پر قبضہ جمانے کا حکم دے دیں تو ہم ایسا کریں گے۔

جب امام علیہ السلام نے ان کا خط پڑھا تو پڑھ کر پھینک دیا۔ پھر فرمایا: میں ان لوگوں کا امامؑ نہیں ہوں۔ جان لو کہ ان کا پیشوا سفیانی ہے"۔ (رجال کشی: جلد ۲، ص ۶۴۱)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور معاصر حکومتیں

ہمارا وقت اس سے زیادہ قیمتی ہے کہ ہم اسے ان باتوں کے بیان کرنے میں صرف کر دیں کہ جن کے ذکر کرنے سے قلم عاجز اور جن کے پڑھنے سے ہر باضمیر انسان کا دل بے چین ہو جاتا ہے لیکن اس کتاب کا اُسلوب اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کے

معاصر حکمرانوں کا ذکر کریں، جن کی طرف سے امام عالی مقام علیہ السلام کو طرح طرح کی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

قارئین کرام! دسیوں سالوں سے ہم بھی دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ گمراہ اور منحرف حکومتیں ان اسلامی گروہوں کا کیا حشر کرتی ہیں کہ جو فکری یا عقائدی طور پر ان کے ساتھ نہیں ہوتے یا سیاسی طور پر ان کی مدد و نصرت نہیں کرتے۔

ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اُنھیں کس طرح ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا ہے، کس طرح اُنھیں حقارت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور کیسے ان کے خلاف کینہ ظاہر کیا جاتا ہے اور بالخصوص اس صورت میں کہ جب یہ مقابل حکومت یا جماعتیں اپنے دین کے ساتھ کامل وابستگی رکھتی ہوں اور حکومتیں یہ بات برداشت نہیں کرسکتیں کہ یہ جماعت کیوں اپنے قائدین و عمائدین کی عزت و احترام اور طاعت و فرماں برداری کرتی ہیں اور جب ان حکومتوں سے اور کچھ نہیں ہوسکتا تو یہ ان کے قائدین کی پاک دامنی کو داغ دار کرنے کے لیے شیطانی چالوں اور کافرانہ تدبیروں کو بروئے کار لاتے ہیں اور وہ ایسے گروہ کا خاتمہ کرنے کے لیے اُنھیں مختلف طرح کی سختیوں اور آزمائشوں میں مبتلا کرتے ہیں۔ مثلاً کبھی اُنھیں ملک بدر کر دیتے ہیں، کبھی ساری زندگی کے لیے قید خانوں میں ڈال دیتے ہیں اور کبھی بلاجرم و خطا موت کے گھاٹ اُتار دیتے ہیں۔

ممکن ہے کہ ہمارے قارئین اس تمہید سے یہ بات اچھی طرح سمجھ گئے ہوں کہ امام علیہ السلام کو کیسی حکومت کا سامنا تھا۔ جو احباب ابھی تک بھی نہیں سمجھے تو ہم اُنھیں بتائے دیتے ہیں کہ اس زمانے میں کسی بھی صحیح قانون پر عمل نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ اس زمانے میں قانون بادشاہ کی خواہش و منشا کا نام تھا اور ہمارے امام علیہ السلام اور آپؑ کے شیعہ اس ظلم و بربریت کے ماحول میں رہتے تھے کہ جہاں ہر وقت ظلم کی سیاہ گھٹا چھائی رہتی تھی۔ جبر و ناانصافی کے بادل برستے رہتے تھے، نیکی نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی اور حقوقِ بشریت کو پامال کیا جاتا تھا۔

ہم گذشتہ صفحات میں بھی ذکر کرچکے ہیں کہ حکومتوں نے کس طرح امام علیہ السلام کو مختلف طریقوں سے اپنی دشمنی و عداوت کا نشانہ بنایا ہوا تھا۔ اور اب یہاں بھی ہم اسی سے متعلقہ چند

باتیں عرض کرنے لگے ہیں۔

اُموی اور عباسی حکومتوں کے بارے میں امام علیہ السلام کا موقف

واضح ہے کہ امام علیہ السلام ان دونوں حکومتوں کے متعلق ایک خاص نظریہ رکھتے تھے۔ آپؑ تقیہ کے تقاضوں کے پیشِ نظر بعض اوقات اُن سے ظاہری طور پر مدارت وحُسنِ سلوک کے ساتھ پیش آتے تھے اور تقیہ کے بغیر اُن سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ آپؑ اپنے شیعوں کو بھی ان ظالم حکومتوں کے ساتھ ہر طرح کے تعاون سے منع فرماتے تھے اور اُن کی مدد ونصرت کرنے کو جہنّم کا موجب بننے والا فعل حرام سمجھتے تھے۔ اور اُس کی وجہ بڑی واضح ہے کیونکہ اگر آپؑ حکومتوں کا ساتھ دینے کے عادی ہوجاتے ہیں تو حکومتیں ان سے وہ کام بھی کروالیتیں کہ جو شریعتِ مقدسہ میں سنگین ترین جرائم شمار ہوتے ہیں، مثلاً اگر حکومتیں (معاذاللہ) خانہ کعبہ گرانے یا قرآنِ مجید کو جلانے کا حکم دیتیں تو اُنھیں مجبوراً یہ کام کرنا پڑتے اور کوئی بھی ان اَحکام سے سرتابی کی جرأت وجسارت نہ کرسکتا، کیونکہ ان اَحکام سے بال برابر بھی انحراف کرنا اپنی موت کو دعوت دینے سے کم نہ تھا۔ اور حکومتیں خواہ پہلے زمانوں کی ہوں خواہ اس زمانے کی، ساری کی ساری اسی ڈگر پر چلتی ہیں۔ اور جب ہم آیندہ ذکر ہونے والی احادیث میں غور وتامل کریں گے تو ہمیں معلوم ہوجائے گا کہ ان ظالم حکومتوں اور بالخصوص اُموی حکومت کے بارے میں امام علیہ السلام کا موقف کیا تھا۔

اصل بحث کو شروع کرنے سے پہلے ہم ائمہ طاہرین علیہم السلام کے دشمنوں کے بارے میں کچھ جان لینا مناسب سمجھتے ہیں کہ وہ ان ذواتِ مقدسہؑ کے بارے میں کیا نظریہ رکھتے تھے۔

ائمہ اہلِ بیتؑ اور دشمنانِ اہلِ بیتؑ

اس سرزمینِ خدا پر خیر وشر، اچھائی اور برائی اور حق وباطل کا آپس میں نزاع بہت پرانا ہے اور یہ نزاع فرزندانِ آدمؑ یعنی ہابیل و قابیل کے زمانے سے چلا آرہا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ مجید میں اس کا بیان آیا ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَ لَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ○ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْۤاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ○ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (سورۂ مائدہ: ۲۷-۳۰)

"اور آپؐ انھیں آدمؑ کے دونوں بیٹوں کا حقیقی قصہ سنائیں، جب ان دونوں نے قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی نہ ہوئی تو اس نے کہا: میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ (پہلے نے کہا: اللہ تو صرف تقویٰ رکھنے والوں سے قبول کرتا ہے۔

اگر تُو مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ تمھاری طرف بڑھانے والا نہیں ہوں۔ میں تو عالمین کے پروردگار اللہ سے ڈرتا ہوں۔

میں چاہتا ہوں کہ میرے اور اپنے گناہ میں تم ہی پکڑے جاؤ اور دوزخی

بن کر رہ جاؤ اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔ چنانچہ اس کے نفس نے اس کے بھائی کے قتل کی ترغیب دی تو اُسے قتل کر ہی دیا۔ پس وہ خسارہ اُٹھانے والوں میں (شامل) ہو گیا"۔

اور خود قرآن کریم نے بھی کافر اُمتوں کے انبیائے علیہم السلام کے ساتھ نزاعات و اختلافات کی ایک کثیر تعداد کو بیان کیا ہے اور بعثتِ نبویؐ کی ابتداء میں بھی یہ نزاع کھل کر سامنے آیا۔ آپؐ کے خلاف جنگوں کی آگ بھڑکائی گئی اور آپؐ پر سحر و جنون اور کہانت جیسی گندی تہمتیں بھی لگائی گئیں اور یہ بھی ایک واضح اَمر ہے کہ بدر سے اُحد تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محاربہ اور جنگ بازی میں بنواُمیہ ہی سرفہرست تھے اور ان جنگوں کے بعد بھی اُنھوں نے اپنی شیطانی روایت برقرار رکھی۔ یہاں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ معاویہ کے بارے میں معتضد عباسی کی کتاب کا کچھ حصہ اپنے محترم قارئین کے سامنے پیش کریں، تاکہ اس سے ہمارے مقصد کی مزید وضاحت ہو جائے اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ بنواُمیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کی عترتِ طاہرہؑ کے بارے میں کیسا نظریہ رکھتے تھے۔

معتضد عباسی کی کتاب

تاریخ طبری میں آیا ہے کہ ۲۸۴ ہجری میں ایک عباسی حکمران معتضد باللہ نے منبروں پر معاویہ بن سفیان پر لعن طعن کرانے کا سلسلہ شروع کرانا چاہا اور اُس نے اس کے متعلق ایک کتاب لکھنے کا حکم صادر کیا، تاکہ اس کتاب کو لوگوں کے سامنے پڑھا جائے۔ اس پر عبیداللہ بن سلیمان نے اُسے لوگوں کے منتشر ہو جانے اور ایک بڑا فتنہ کھڑا ہو جانے کا خوف دلایا، مگر اس نے اس کی باتوں پر ذرا بھی توجہ نہ کی اور جو کچھ ٹھان رکھا تھا اُسے انجام دے کر ہی دَم لیا۔ مؤرخ طبری نے اس کتاب کو تفصیل کے ساتھ اپنی تاریخ میں مکمل طور پر نقل کیا ہے۔ ہم یہاں پر اس کا ایک جامع سا خلاصہ اور اہم نکات اپنے قارئین کی نذر کرتے ہیں۔

پہلے اُس نے خداوند سبحان کی حمد و ثنا بیان کی، پھر محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود پڑھا، پھر اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ رسالت اور اپنی اُمت کی خیرخواہی کو ذکر کیا۔ پھر آپؐ کے

اہلِ بیت علیہم السلام کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے کہا:

پس خداوندعالم نے اُنھیں وہ اہلِ بیتؑ رحمت اور اہلِ بیتؑ دین قرار دیا جن سے اس نے ہر طرح کی گندی اور پلیدی کو دُور رکھا اور انھیں اس طرح پاک کیا جس طرح پاک کرنے کا حق ہے۔ وہ حکمت کے معدن، نبوت کے وارث اور خلافتِ پیغمبرؐ کا صحیح ترین مقام ہیں۔ اس نے لوگوں پر ان کی بزرگی کا اعتراف واجب کیا اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری کو لازم قرار دیا۔ مگر سوئے قسمت کہ آپؑ کے خاندان ہی بہت سے افراد نے آپؑ کے ساتھ بُغض و بیر، کینہ وعداوت اور تکذیب وتکفیر کا اظہار کیا۔ آپؑ کے ساتھ جنگیں لڑیں اور آپؑ کو طرح طرح کے مصائب وآلام سے دوچار کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت ومخالفت میں سب سے سخت اور جنگوں میں پہل کرنے والا ابوسفیان بن حرب تھا۔ یہ اپنے ساتھیوں کی مدد سے آپؐ کو ایذا پہنچاتا تھا۔ یہ اُس اُموی خاندان کا رأس ورئیس تھا کہ جن پر قرآن اور زبانِ پیغمبرؐ سے لعنت وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ خداوندعالم نے ان کے دلوں میں چھپی ہوئی اسلام دشمنی کی وجہ سے قرآن میں چند ایک مقامات پر ان پر لعنت کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بعض مقامات پر اُن پر لعنت کی۔ پس آپؐ نے اس کے شیطانی مکروفریب کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اپنی ضربِ حق کے ذریعے اسے مغلوب ومقہور کیا تو اس نے اپنے باطن میں کفر کو چھپا کر ظاہراً کلمۂ اسلام پڑھ لیا۔ مگر رسالت مآبؐ نے اس کی شناخت وپہچان کے لیے اسے مؤلفۃ القلوب قرار دیا اور ان کے باطنی کفر پر مطلع ہونے کے باوجود بھی ان پر حجت تمام کرنے کی خاطر ان کے ظاہری اسلام کو قبول کرلیا۔

جن جن مقامات پر خداوندعالم نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی اُن پر لعنت کروائی اور اُسے اپنی کتاب میں نازل کیا، ان میں سے ایک مقام یہ ہے:

وَ الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ وَ نُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۶۰)

''اور وہ درخت جسے قرآن میں ملعون ٹھہرایا گیا ہے، اسے ہم نے صرف

لوگوں کی آزمائش قرار دیا ہے اور ہم انھیں ڈراتے ہیں مگر یہ تو ان بڑی سرکشی میں اضافے کا سبب بنتا جاتا ہے"۔

ایک دفعہ رسولِ خدا ﷺ نے اسے (یعنی سفیان کو) گدھے پر سوار دیکھا۔ معاویہ اُس کی رسّی سے اسے کھینچ رہا تھا اور معاویہ کا بیٹا یزید اُسے ہانک رہا تھا تو آپؐ نے فرمایا: "گدھے کی رسّی کو کھینچنے والے، سوار اور اسے ہانکنے والے تینوں پر خدا کی لعنت ہو"۔

راوی نقل کرتے ہیں کہ ابوسفیان نے کہا: اے بنی عبدمناف! اسے انڈے کی مانند نگل جاؤ، یہاں نہ کوئی جنّت ہے اور نہ ہی کوئی جہنّم اور یہ بالکل واضح کفر ہے۔ ایسے کافروں پر خدا کی لعنت اسی طرح ہوتی ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل پر اُن کی نافرمانی اور زیادتی کے سبب حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی لعنت کی گئی تھی۔

اس سے راویوں نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ اس کی بینائی چلے جانے کے بعد اُس نے اُحد کے راستے پر کھڑے ہو کر اپنے کمانڈر سے کہا تھا: "ہم نے یہاں سے حضرت محمدؐ اور اِن کے اصحاب کو بھگایا تھا"۔

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے ایک خواب دیکھا تو آپؐ پریشان ہو گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ...... (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۶۰)

"اور جو خواب ہم نے آپؐ کو دکھلایا ہے اور وہ درخت جسے قرآن میں ملعون ٹھہرایا گیا ہے، اسے ہم نے صرف لوگوں کی آزمائش قرار دیا"۔

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ اس خواب میں آپؐ نے بنی اُمیہ کو اپنے منبر پر کودتے ہوئے دیکھا تھا۔ اسی گھرانے کے ایک فرد حکم بن عاص کو رسولِ خدا ﷺ نے دُور دھتکار دیا تھا اور رسولِ خدا ﷺ کی بددعا کی وجہ سے ایک باقی رہ جانے والی نشانی اُس کے ساتھ لگا دی تھی۔ وہ جب بھی اُسے دیکھتا تھا بے چین ہو جاتا تھا۔

پھر آپؐ نے اُس سے فرمایا: "تُو ایسا ہی رہے گا جیسا اب ہے"۔

وہ ساری زندگی اسی حالت میں رہا۔

اسی اُموی خاندان کی حکومت کی مذمت میں خداوند عالم نے سورۃ القدر کی یہ آیت نازل فرمائی:

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ○ (سورۂ قدر: آیت ۳)

ایک دفعہ رسولِ خدا ﷺ نے معاویہ کو کچھ لکھنے کے لیے بلا بھیجا تو وہ آپؐ کے حکم کی پرواہ کیے بغیر کھانا کھانے میں مصروف رہا۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''خدا اس کا پیٹ کبھی نہ بھرے''۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی بددعا کا ایسا اثر ہوا کہ کبھی اُس کا پیٹ نہ بھرا اور وہ خود بھی یہی کہتا تھا: خدا کی قسم! میں کھاتے کھاتے تھک جاتا ہوں مگر میرا پیٹ نہیں بھرتا۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اس گھاٹی سے ایک ایسا شخص نمودار ہوگا جو ہوگا میری اُمت سے، مگر وہ میرے دین پر محشور نہیں ہوگا''۔

کچھ دیر بعد وہاں سے معاویہ نمودار ہوا۔

ایک مقام پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا رَأَيْتُمْ مُعَاوِيَةَ عَلَىٰ مِنْبَرِي فَاقْتُلُوهُ

''جب تم معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو اُسے قتل کر دینا''۔

ایک مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بے شک معاویہ جہنم کے نچلے ترین طبقے میں آگ کے ایک تابوت میں بند ہے اور یہ ندا دیتا ہے: ''اے حنّان و منّان! مَیں اب توبہ کرتا ہوں، اس سے پہلے مَیں نے نافرمانی کی اور مَیں فسادیوں میں سے تھا''۔

اسی معاویہ نے ہی تمام مسلمانوں سے افضل سابق فی الاسلام اور سب سے اعلیٰ شان و مقام کے مالک حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ جنگ کی، اپنی باطل پرستی کی بدولت اُن کے حق میں نزاع کیا اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی گمراہ کر کے اپنے باپ کی سیرت سیئہ کو زندہ کیا۔ ان

دونوں باپ بیٹے نے مل کر نورِ خدا کو خاموش کرنے کی سرتوڑ کوشش کی، لیکن وہ شمع کیونکر بجھ سکتی تھی جسے خدا نے روشن کیا تھا اور انھی لوگوں کو سامنے رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمار یاسرؓ سے فرمایا تھا:

"اے عمارؓ! تم کو باغی گروہ قتل کرے گا۔ تم انھیں جنت کی طرف بلاتے ہو اور وہ تم کو دوزخ کی طرف بلاتے ہوں گے۔ وہ دنیا کو ترجیح دیں گے، آخرت کا انکار کریں گے، اسلام کی فہرست سے اُن کا نام خارج ہوگا اور وہ خدا کی حُرمت کا لحاظ نہ رکھنے والے ہوں گے، حتیٰ کہ اس گروہ کے فتنہ کی وجہ سے بہت سے نیک مسلمان مارے جائیں گے جو دینِ خدا کا دفاع کرنے والے، اس کے حق کی نصرت کرنے والے اور اس اطاعت کی راہ میں سرتوڑ کوشش کرنے والے ہوں گے جبکہ اس گروہ کے افراد دینی احکام کو اس طرح باطل کر دیں گے کہ دوبارہ وہ صحیح نہ ہو سکیں گے۔ اس کے دین کی یوں مخالفت کریں گے کہ دین داری نہ رہے گی اور وہ گمراہی کے کلمہ اور باطل کی دعوت کو سربلند کرنا چاہیں گے، حتیٰ کہ وہ ان جنگوں (صفین وغیرہ) اور اُن کے بعد والی جنگوں کا بوجھ خود اُٹھائیں گے۔ ان جنگوں اور ان کے بعد بہائے جانے والے اُن کے گلے کا طوق بنیں گے، اور اُن کے گناہوں کے ساتھ ساتھ قیامت تک اُن کی پیروی میں کیے جانے والے گناہوں کا وزر و وبال اُنھی کے سر ہوگا۔

ان کے علاوہ جن باتوں کی وجہ سے خدا نے اُس پر لعنت کی وہ نیک اور اہل وفضل و دیانت اصحاب کرامؓ اور تابعینِ عظام جیسے عمرو بن الحمقؓ اور حجر بن عدیؓ وغیرہ کا قتل ہے۔ اس نے عزت و حکومت حاصل کرنے کی غرض سے اِن نیک سیرت لوگوں کا قتل کیا مگر وہ یہ بھول گیا کہ عزت و حکومت تو سب خدا کی ہے۔ وہ اس جیسے افعال انجام دینے والوں کا انجام جتلاتے ہوئے اپنی کتاب میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ○ (سورۂ نساء: آیت ۹۳)

"اور جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کر دے تو اُس کی سزا جہنم ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اُس کی لعنت ہوگی اور ایسے

شخص کے لیے اُس نے ایک بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے"۔

اس کے مستحق لعنت ہونے کی ایک اور وجہ اس کا زیاد بن سمیہ کو خدا اور اُس کے رسولؐ کے حکم کے خلاف اپنا بھائی کہنا ہے۔ کیونکہ فرمانِ خداوندی ہے:

اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ هُوَ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ (سورۂ احزاب: آیت ۵)

"انھیں ان کے باپوں کے نام سے پکارو! اللہ کے نزدیک یہی قرینِ انصاف ہے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

"ملعون ہے وہ شخص جو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کرے اور اپنے مالکوں کی طرف منسوب نہ ہو"۔

ایک اور مقام پر آپؐ نے فرمایا:

"بچہ اُس کا ہوتا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو اور زانی کے لیے پتھر ہوتے ہیں"۔

مگر معاویہ نے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی علی الاعلان مخالفت کی اور بچے کو صاحبِ فراش کے غیر کی طرف منسوب کر دیا۔ اور یوں اُس نے اللہ اور رسولؐ کے محارم کو زوجۂ رسولؐ حضرت اُمِ حبیبہؓ پر داخل کیا۔ اس عمل سے اُس نے ان رشتوں کو قریب کیا جن کو خدا نے دُور کر دیا تھا اور ایسی چیزوں کو جائز و مباح قرار دیا جنھیں خدا نے حرام قرار دیا تھا۔ اور اسلام میں اتنی بڑی خرابی پہلے کبھی نہ دیکھی گئی تھی۔

اس کے ایسے ہی افعالِ شنیعہ میں سے ایک اس کا لوگوں سے اپنے بیٹے، یزید کی بیعت لینا ہے۔ یزید بڑا ہی متکبر، شراب نوشی کرنے والا، مرغوں، بندروں اور چیتوں سے کھیلنے والا تھا۔ اُس نے بڑے بڑے متقی اور نیک سیرت مسلمانوں کو ڈرا دھمکا کر اُن سے جبراً و قہراً اپنے اس بیٹے کی بیعت لی تھی حالانکہ اُس کی حماقت و سفاہت، خباثت و غلاظت اور کفر و فجور خود اس سے بھی ڈھکا چھپا نہ تھا، مگر وہ ان سب چیزوں کی پرواہ کیے بغیر اپنی بات پر قائم رہا۔ پھر جب اُس نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو اُس نے ایسے ایسے سیاہ کارنامے انجام دیے کہ جنھیں پڑھ اور سن کر روحِ انسانیت تڑپ جاتی ہے۔ اس نے تاریخ اسلام کا بدترین کارنامہ

"واقعہ حرہ" کی صورت میں انجام دیا اور مسلمانوں سے اپنے کافر و مشرک آباؤ اجداد کا بدلہ لیا۔ واقعہ کربلا کے بعد اُس نے تخت پر بیٹھ کر فخر کے ساتھ یہ کفریہ اشعار پڑھے:

لَيْتَ اَشْيَاخِي بِبَدْرٍ شَهِدُوا جَزَعَ الْخَزْرَجِ مِنْ وَقْعِ الْاَسَلِ
قَدْ قَتَلْنَا الْقَوْمَ مِنْ سَادَاتِهِمْ وَعَدَلْنَا مَيْلَ بَدْرٍ فَاعْتَدَلَ
لَاَهَلُّوا وَاسْتَهَلُّوا فَرَحًا وَلَقَالُوا يَا يَزِيْدُ لَا تَشَلْ
لَسْتُ مِنْ خِنْدَفٍ اِنْ لَمْ اَنْتَقِمْ مِنْ بَنِي اَحْمَدَ مَا كَانَ فَعَلَ
لَعِبَتْ هَاشِمُ بِالْمُلْكِ فَلَا خَبَرٌ جَاءَ وَلَا وَحْيٌ نَزَلَ

"اے کاش! میرے قبیلے کے بزرگ کہ جو جنگِ بدر میں مارے گئے ہیں وہ آج موجود ہوتے اور دیکھ لیتے قبیلہ خزرج کی اس آہ و بکا کو جو جنگِ اُحد میں وہ نیزے لگنے کی وجہ سے کرتے تھے۔ ہم نے ان بنو ہاشم کے بزرگوں کو مار کر اپنے بدر کے مقتولوں کا بدلہ لے لیا ہے۔ اگر آج وہ یہاں ہوتے تو بہت خوش ہوتے اور کہتے: اے یزید! تیرے ہاتھ سلامت رہیں۔ اگر میں آلِ احمدؐ سے اُن کے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ نہ لے لوں تو میں خاندانِ خندف سے ہی نہیں۔ یہ تو بنو ہاشم نے حکومت ہتھیانے کے لیے ایک کھیل کھیلا تھا ورنہ نہ تو کوئی خبر آئی ہے اور نہ ہی کوئی وحی"۔

دین سے نکلنا اسی کا نام ہے اور ایسی باتیں وہی شخص کہتا ہے جو خدا اور اُس کی کتاب کی طرف رجوع نہیں کرتا اور نہ اُس کا ان چیزوں پر کوئی ایمان ہوتا ہے۔

اس سے زیادہ جو برا فعل اُس نے انجام دیا وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا قتل تھا حالانکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر فرمایا تھا:

"(امام) حسنؑ و حسینؑ تو جوانانِ جنت کے سردار ہیں"۔

مگر اس درندہ صفت انسان نے حکمِ خدا کے خلاف جرأت، اپنے دین سے کفر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی اور عداوت کا اظہار کرتے ہوئے آپؐ کے اہلِ بیتؑ کو اس طرح

قتل کیا کہ گویا وہ (معاذ اللہ) دیلم یا ترک کے کافر تھے۔ اُس نے ذرا خوفِ خدا سے کام نہ لیا اور بلا جھجک ظلم پر ظلم ڈھاتا گیا۔ بالآخر خدا کا غضب اُس پر ٹوٹ پڑا اور اُس کی موت نے اُس کی ساری آسائشوں کو ختم کر دیا اور اُس کے دائمی عذاب کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اُس کے سیاہ دور سے بنی مروان کی حکومت تک کتابِ خدا کے معانی میں تبدیلی کی گئی۔ اُس کے احکام کو معطل کیا گیا۔ خدا کا مال تصرفات میں لایا گیا۔ بیت اللہ کو منہدم کیا گیا، اس کی حرمت کو پامال کیا گیا۔ اس پر منجنیقوں کے ذریعے آگ برسائی گئی، اسے جلایا اور مسمار کیا گیا، اس کی حرمت کو مباح کیا گیا، اس کی طرف آنے والے کو قتل کیا گیا اور اس میں امن تلاش کرنے والوں کو ڈرایا اور بھگایا گیا۔

اے لوگو! ان چیزوں سے رُک جاؤ، جن سے خدا تم سے ناراض ہوتا ہے۔ ان چیزوں کی طرف رجوع کرو جن سے خدا راضی ہوتا ہے۔ انھی چیزوں پر قناعت کرو جو اُس نے تمھارے لیے منتخب کی ہیں، ان چیزوں سے اجتناب کرو جن سے اُس نے تمھیں منع کیا ہے، پیروی کرو اُس کی جو سیدھی راہ، روشن دلیل، واضح راستے اور اہلِ بیتؑ رحمت ہیں۔

لعنت کرو اُس پر جس پر خدا اور رسولؐ نے لعنت کی ہے اور دُور ہو جاؤ اُن لوگوں سے کہ جن کی قُربت میں رہنا تمھیں خدا سے دُور کر دیتا ہے۔

قارئین کرام! واقعی خاندانِ بنواُمیہ انھی بُری صفات کا حامل تھا جن کا مختصر سا بیان معتضد باللہ کی تحریر سے آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ یہی وہ شجرۂ خبیثہ وملعونہ ہے جس کا ثمر یزید جیسا پلید انسان ہے۔

کیا قرآنِ مجید میں عناصر بشر کی مثالیں موجود نہیں؟

سورۂ ابراہیم کی آیات ۲۴ تا ۲۶ میں آیا ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ

"کیا آپؐ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسی مثال پیش کی ہے کہ کلمہ طیبہ شجرۂ طیبہ کی مانند ہے، جس کی جڑ مضبوط گڑھی ہوئی ہے اور اُس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں؟ وہ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل دے رہا ہے اور اللہ کے لیے مثالیں اس لیے بیان کرتا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ اور کلمۂ خبیثہ کی مثال اس شجرۂ خبیثہ کی سی ہے، جو زمین کی سطح سے اُکھاڑ پھینکا گیا ہو اور اس کے لیے کوئی ثبات نہ ہو"۔

اور سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۶۰ میں آیا ہے:

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝

"اور (اے رسولؐ! وہ وقت یاد کریں) جب ہم نے آپؐ سے کہا تھا کہ آپؐ کے رب نے لوگوں کو گھیر رکھا ہے اور جو خواب ہم نے آپؐ کو دکھلایا ہے اور وہ درخت جسے قرآن میں ملعون ٹھہرایا گیا ہے اُسے ہم نے صرف لوگوں کی آزمائش قرار دیا ہے اور ہم اُنھیں ڈراتے ہیں مگر یہ تو ان کی بڑی سرکشی میں اضافے کا سبب بن جاتا ہے"۔

انھی اُمویوں میں سے ایک حکم بن عاص رسول اللہ ﷺ کا مذاق اُڑایا کرتا تھا۔ رسولؐ اللہ نے اُس پر اُس کی صُلب سے آنے والوں پر لعنت کی تھی اور وہ مروان اور اُس کے حکمران بیٹے تھے۔

افسوس کہ جن لوگوں پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی تھی وہی لوگ اسلام اور مسلمانوں کے حاکم بنے۔ بخدا! یہ لوگ اسلام کے ماتھے پر ایک دھبہ تھے کیونکہ اسلام کسی اور چیز کا نام تھا اور یہ کسی اور مزاج کے لوگ تھے۔

اگر آپ تاریخ اسلامی کا بغور جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ائمہ اہلِ بیتؑ میں سے چھے اماموں کو اُن لوگوں کے ساتھ واسطہ پڑا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی حیاتِ مبارکہ کا پہلا نصف حصہ انھی لوگوں کے ساتھ گزارا اور دوسرے نصف حصہ میں اُن سے بھی بدتر عباسی حکمرانوں کے سیاہ دور کا سامنا کیا۔ آپؑ نے اُموی حکومت کو ختم کرنے کے لیے اور اُن کے شر سے نجات پانے کے لیے سرتوڑ کوششیں کیں اور اُن میں سے صرف ابو مسلم خراسانی نے آٹھ لاکھ افراد کا قتل کیا۔

امام صادق علیہ السلام اور تقیہ

یہاں ہم کچھ باتیں تقیہ کے بارے میں عرض کریں گے اور بعد میں اصل موضوع کو شروع کریں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ تقیہ کہتے کسے ہیں؟

جان لیجیے اَلتَّقِیَّةُ، اَلتُّقَاةُ اور اَلتَّقْوٰی تینوں وَقٰی یَقِی سے مصادر ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے: اِتَّقَاہُ تُقَاۃً وَتَقِیَّةً، "یعنی اُس نے اُسے ڈرایا اور خوف زدہ کیا"۔

اور تقیہ سے مراد اشرار کے شر سے بچنے کے لیے عدم تقیہ کی صورت میں مشکلات میں مبتلا ہونے سے بچنے کے لیے عقیدے اور اعمال و افعال کو چھپانا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَكْتُمُ اِیْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ...... (سورۂ غافر: آیت ۲۸)

"اور آلِ فرعون میں سے ایک مومن جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، کہنے لگا: کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے"۔

اور یہ چیز تقیہ کے بالکل موافق اور انسانی فطرت سے میل کھاتی ہے۔ اب جب قرآن کی رُو سے ہم تقیہ کو ثابت کر چکے ہیں اب اس کے موارد کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ تقیہ کے موارد ایک دوسرے سے بہت زیادہ مختلف ہوتے ہیں، مثلاً جب کوئی مسلمان غیر اسلامی ملک میں ہو اور نماز جیسے اسلامی فرائض کی کھلے عام انجام دہی اُس کی جان جانے کا موجب ہو، تو اُسے چاہیے کہ وہ اپنی جان بچانے کی خاطر چھپ کر نماز پڑھے۔

مگر جب وہ اسلامی ملک میں ہی رہتا ہو اور اُس کے بعض فقہی فروعات کے ساتھ

دوسروں کے ساتھ اختلاف ہو جیسے نماز میں ہاتھ باندھنا اور وضو میں پاؤں کا دھونا وغیرہ۔

بعض اوقات انسان کو حاکمِ وقت سے تقیہ کرنا پڑتا ہے اور بعض اپنے ہم مذہب لوگوں سے، ایسی صورت میں وہ نااہلوں سے اپنی رائے کو چھپاتا ہے، حتیٰ کہ بعض صورتوں میں تو وہ اپنے گھر والوں کو بھی اپنی بات بتانے سے گریز کرتا ہے۔

تقیہ از روئے عقل و شرع

اگر ہم غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ عقلِ سلیم تقاضا کرتی ہے کہ انسان مشکل وقت میں تقیہ کا سہارا لے اور اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کو موردِ ضیاع بننے سے بچائے اور جو شخص بوقتِ ضرورت تقیہ جیسی نعمت سے فائدہ نہ اٹھائے تو وہ عقلا کی نظر میں قابلِ مذمت ہے۔

جہاں تک مسئلہ شریعتِ مقدسہ میں اس کے جواز یا عدم جواز کا ہے، تو خداوند عالم نے خطرے اور نقصان سے بچنے کے لیے اس کی اجازت دی ہے جیسا کہ سورۂ آلِ عمران میں آیا ہے:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً

(سورۂ آل عمران: آیت ۲۸)

''مومنوں کو چاہیے کہ وہ اہلِ ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو سرپرست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے، اُس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں! اگر تم ان (کے ظلم) سے بچنے کے لیے کوئی طرزِ عمل اختیار کرو (تو اُس میں مضائقہ نہیں)''۔

معزز قارئین! آپ نے دیکھا کہ کس طرح مکمل وضاحت کے ساتھ کافروں کو مسلمانوں کے تقیہ کرنے کے جواز کو بیان کیا گیا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشادِ خداوندی ہوتا ہے:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (سورۂ نحل: آیت ۱۰۶)

"جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ کا انکار کرے (اُس کے لیے سخت
عذاب ہے) بجز اُس شخص کے جسے مجبور کیا گیا ہو اور اُس کا دل ایمان
سے مطمئن ہو (تو کوئی حرج نہیں)"۔

مفسرین کا کہنا ہے کہ: اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ ۔ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی اور وہ حضرت عمارؓ، آپؓ کے والد گرامی حضرت یاسرؓ، آپؓ کی زوجہ محترمہ اور حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ اور دوسرے لوگ تھے۔ حضرت عمارؓ کے والدین کو قتل کر دیا گیا، مگر حضرت عمارؓ نے اُن کی مرضی کی باتیں کہہ دیں اور خداوند عالم نے یہ خبر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بذریعہ وحی پہنچا دی۔

اس کے بعد لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ (معاذ اللہ) حضرت عمارؓ کافر ہو گئے ہیں۔
جب لوگوں کی یہ آواز رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

كَلَّا . اِنَّ عَمَّارًا مُلِئَ اِيْمَانًا مِنْ قَرْنِهٖ اِلٰى قَدَمِهٖ وَاخْتَلَطَ
الْاِيْمَانُ بِلَحْمِهٖ وَدَمِهٖ

"نہیں، ہرگز ایسا نہیں ہے عمارؓ سر سے پاؤں تک ایمان سے بھرے
ہوئے ہیں اور ایمان اُن کے گوشت پوست کے ساتھ ملا ہوا ہے"۔

اس کے کچھ دیر بعد حضرت عمارؓ روتے ہوئے بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے اُن سے پوچھا: تمھارے پیچھے کیا ہے؟

حضرت عمارؓ نے کہا: میرے پیچھے شر ہے۔ یارسولؐ اللہ! جب تک میں نے آپؐ کی برائی کی اور اُن کے بتوں کی تعریف نہ کی اُنھوں نے مجھے نہ چھوڑا۔

رسولِؐ خدا حضرت عمارؓ کی آنکھوں کو پونچھنے لگے اور آپؐ نے فرمایا: اگر وہ پھر بھی تمھیں ایسا کہنے پر مجبور کریں تو کہہ دینا۔

اس پر (سورۃ النحل) کی یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مجمع البیان)

سورۂ آلِ عمران کی اس آیت اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً کے ذیل میں مفسر طبری لکھتے ہیں:

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کفار غالب اور مومنین مغلوب ہوں اور مومنوں کو اُن کے ساتھ موافقت اور حُسنِ معاشرت ظاہر نہ کرنے میں کسی خوف کا سامنا ہو تو ایسی صورت میں تقیہ کرتے ہوئے فقط زبان سے اُن کی محبت کا اظہار کیا جا سکتا ہے، تاکہ انسان کا عقیدہ بھی خراب نہ ہو اور خطرہ بھی اس سے ٹل جائے۔

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ جان کے خطرے کی صورت میں تقیہ کرنا جائز ہے۔

ہمارے علماء کہتے ہیں: تقیہ ضرورت کے وقت تمام حالات میں جائز ہے۔ اور بعض اوقات خدا کی جانب سے زیادہ مہربانی اور شفقت کی صورت میں انسان پر واجب بھی ہو جاتا ہے۔ اور یہ مومن کو قتل کرنے اور ان اُمور میں جائز نہیں ہوتا جن کی وجہ سے دین میں فساد کا یقین یا غالب گمان ہوتا ہے۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں: یہ (تقیہ) کبھی واجب ہوتا ہے، کبھی فرض ہوتا ہے، کبھی واجب تو نہیں ہوتا مگر جائز ہوتا ہے۔ کبھی اسے ترک نہ کرنا افضل ہوتا ہے اور کبھی اس کا ترک کرنا افضل ہوتا ہے۔ اگرچہ اس صورت میں بھی اس کا فاعل معذور اور بخشش پانے والا ہوتا ہے اور ملامت کو ترک کرنے کی وجہ سے اس پر مہربانی کی جاتی ہے۔

شیخ ابوجعفر طوسی طاب ثراہ فرماتے ہیں: روایات کا ظاہر بتاتا ہے کہ جب جان کا خطرہ ہو تو یہ واجب ہو جاتا ہے اور اس صورت میں حق کو ظاہر کرنے کی رخصت بھی روایت کی گئی ہے۔

حسن نے روایت کیا ہے کہ مسیلمہ کذاب نے رسولؐ خدا کے دو صحابیوں کو پکڑ لیا اور اُن میں سے ایک سے کہا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسولؐ ہیں؟

اُس نے کہا: جی ہاں۔

مسیلمہ نے پوچھا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں؟

اُس نے جواب دیا: جی ہاں۔

پھر اُس نے دوسرے کو بلایا اور پوچھا: کیا تم شہادت دیتے ہو کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسولؐ ہیں؟

اُس نے کہا: جی ہاں۔

مسیلمہ نے اُس سے دوبارہ سوال کیا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟
اُس نے تین بار کہا: میں گونگا ہوں (یعنی میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا)۔
اس کے بعد مسیلمہ نے جو بھی سوال کیا اُس نے یہی جواب دیا اور آخر میں اُس نے اُسے قتل کر دیا۔

جب یہ خبر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچی تو آپؐ نے فرمایا:
اُن میں سے جو قتل ہوا ہے تو وہ اپنے صدق و یقین کی راہ پر چلا ہے۔ اُس نے اپنا فضل و مرتبہ حاصل کر لیا ہے اور یہ اُس کے لیے بہت ہی خوب ہے اور جہاں تک دوسرے کی بات ہے تو اُس نے خدا کی رخصت کو قبول کیا ہے اور اس پر کچھ گناہ نہیں ہے"۔ (تفسیر مجمع البیان)

قارئین کرام! واضح رہے کہ کافروں کی اکثریت اور مسلمانوں کی اقلیت کی صورت میں مسلمانوں کے لیے تقیہ جائز یا واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح جب صحیح العقیدہ لوگ باطل کی اکثریت میں آجائیں تو اُن کے لیے تقیہ کرنا جائز ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں واجب ہوتا ہے۔

شیعہ اور تقیہ

تاریخ شاہد ہے کہ ماضی میں شیعہ تعداد کے اعتبار سے کم تھے اور اُن پر ظالم حکومتیں حاکم تھیں۔ جیسا کہ آج بھی بہت سے اسلامی ممالک میں ان کی یہی حالت ہے، لہٰذا وہ اپنے عقائد کو چھپاتے تھے بلکہ اپنی جان و مال کے تحفظ کی خاطر ظاہری طور پر اپنے فقہی مسائل پر بھی عمل نہ کرتے تھے۔

اور یہ بھی واضح ہے کہ ہر زمانے اور ہر حالت میں تقیہ کی نوعیت ایک جیسی نہیں ہوتی۔ اس لیے بعض اوقات تقیہ شیعوں سے تقاضا کرتا تھا کہ وہ اپنے مذہب سے تجاہل کا اظہار کریں یا ائمہ طاہرین علیہم السلام کے ساتھ تمام ظاہری روابط ختم کر دیں، اپنا نسب مخفی رکھیں، اپنا نام و کنیت بدل لیں۔

ائمہ اہلِ بیتؑ اور تقیہ

جس طرح بعض حالات میں شیعوں پر تقیہ کرنا فرض تھا اسی طرح بعض مواقع میں

آئمہ اہلِ بیت علیہم السلام کے لیے بھی تقیہ سے کام لینا اشد ضروری تھا لہٰذا وہ اپنے بعض مشہور شیعہ راویوں سے خطرات کو ٹالنے کے لیے ان پر لعنت کردیتے یا اُن سے ناراضگی کا اظہار فرماتے یا علی الاعلان اُن سے لاتعلقی ظاہر کرتے تھے۔

واضح رہے کہ آئمہ اہلِ بیت علیہم السلام کے لیے ایسا کرنے کا جواز قرآن مجید میں مذکور حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ جب یہ دونوں حضرات ایک کشتی پر سوار ہوئے تو حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوراخ کردیا اور بعد میں اُس کی وجہ یہ بتائی کہ وہ کشتی سمندر میں محنت مزدوری کرنے والے چند غریب لوگوں کی تھی اور اُن کے پیچھے ایک بادشاہ تھا جو ہر سالم کشتی کو جبراً چھین لیتا تھا۔ میں نے اُسے عیب دار بنا دیا تاکہ وہ ظالم ان سے ان کا ذریعہ معاش چھین نہ لے اور یہ سب میں نے اپنی طرف سے نہیں کیا۔

چنانچہ عقل و شرع اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ انبیاءؑ و اوصیاءؑ لوگوں کی چیزوں کو مکمل طور پر تلف ہونے سے بچانے کے لیے اُنھیں تھوڑا بہت عیب دار بنا دیں۔

اسی قاعدہ کی رُو سے آئمہ طاہرین علیہم السلام اپنے بعض اصحاب علیہم الرضوان کو یہ بات بتاتے تھے کہ ہم بسا اوقات ظاہری طور پر تمھاری مذمت کرتے ہیں، تاکہ ظالم حکمرانوں تک یہ بات پہنچ جائے کہ امام علیہ السلام نے فلاں شیعہ کی مذمت کردی ہے، لہٰذا اب اس کا شیعہ مذہب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس سے ہمارا مقصد صرف تمھاری جان و مال کا تحفظ کرنا ہوتا ہے۔

اسی طرح آئمہ طاہرین علیہم السلام بعض اَحکام شرعیہ میں بھی تقیہ سے کام لیتے تھے کیونکہ ان اَدوار میں حکومتی فقہا اور قاضیوں کی آرا کو چیلنج کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس لیے آئمہ طاہرین علیہم السلام اپنے شیعوں کو ان فقہا کی آرا کے مطابق اَحکام بتاتے تھے۔ اور آئمہ طاہرین علیہم السلام اور اُن کے شیعوں کی یہ تمام تر کوششیں صرف خطِ شیعہ کی حفاظت اور اُس کی بقا کے لیے ہی تھیں۔

صادقِ آلِ محمدؐ کے دور میں تقیہ کی نوعیت

قارئین کرام! دوسرے آئمہ طاہرین علیہم السلام کی طرح سرکارِ صادق علیہ السلام کا زمانہ بھی آپؑ

اور آپؑ کے شیعوں کے لیے بے حد سخت تھا۔ آپؑ اور آپؑ کے شیعہ ہر وقت طاغوتوں اور ظالم و جابر حکمرانوں کی کڑی نگرانی میں رہتے تھے۔ مصادر احادیث میں روایات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، جو اس زمانے کے حالات کی عکاسی کرتا ہے۔ ہم یہاں پر قارئین کی خدمت میں ان میں سے بعض احادیث پیش کرتے ہیں:

① داؤد بن حصین کا بیان ہے کہ ہمارے ایک شیعہ راوی بتاتے ہیں: ابوعباس سفاح کے زمانے میں امام جعفر صادق علیہ السلام حیرہ میں موجود تھے۔ میں آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس دن لوگ روزے میں شک کر رہے ہیں حالانکہ خدا کی قسم! وہ رمضان المبارک کا پہلا روزہ تھا۔ میں نے امام کو سلام کیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے بندۂ خدا کیا آج تم روزے سے ہو؟

میں نے عرض کیا: نہیں۔ (اس وقت امام علیہ السلام کے سامنے کھانا موجود تھا)۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم روزے سے نہیں ہو تو آؤ میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔

وہ کہتا ہے: امام علیہ السلام کے حکم پر میں آپؑ کے قریب بیٹھ گیا اور کھانا کھانے لگا۔ میں نے امام علیہ السلام سے کہا: اگر آپؑ روزے سے ہوں گے تو ہم بھی آپؑ کی پیروی میں روزہ رکھیں گے اور اگر آپؑ افطار کریں گے تو ہم بھی روزہ نہ رکھیں گے۔ (یعنی ہمیں آپؑ کی اتباع مقصود ہے)۔

یہ دیکھ کر ایک شخص امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہنے لگا: آپؑ امام ہونے کے باوجود بھی رمضان المبارک کا ایک روزہ چھوڑ رہے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، خدا کی قسم! ماہِ رمضان کا ایک روزہ چھوڑ دینا مجھے اپنی جان کے ضائع ہو جانے سے زیادہ عزیز ہے۔ (اُصولِ کافی)

② داؤد رقی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا: میں قربان جاؤں! اعضائے وضو کو کتنی بار دھویا جاتا ہے؟

آپؑ نے ارشاد فرمایا: خداوند عالم نے تو انھیں ایک ایک بار دھونا واجب کیا تھا، مگر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے ثواب کے لیے ان کے دھونے میں ایک بار اور کا اضافہ کر دیا۔ اور جو شخص انھیں تین تین بار دھوئے گا اُس کی نماز (صحیح) نہیں ہوگی۔

راوی کہتا ہے: میں ابھی امام علیہ السلام کے پاس ہی موجود تھا کہ داؤد بن زربی نے خدمتِ امامؑ میں حاضر ہو کر وہی میرے والا سوال کیا تو امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: تمام اعضاء کو تین تین بار دھونا ہے۔ جو اس سے کم مرتبہ دھوئے گا اُس کی نماز نہیں ہوگی۔

راوی کہتا ہے: جب میں نے امام علیہ السلام کا یہ جواب سنا تو مَیں گھبرا سا گیا اور قریب تھا کہ شیطان میرے دل میں کوئی وسوسہ پیدا کر دیتا۔

جب امام علیہ السلام نے میرا رنگ اُڑا ہوا دیکھا تو فرمایا: اے داؤد! خود کو سنبھالو، یہی تو کفر یا گردن زنی ہے۔

راوی کہتا ہے: اس کے بعد ہم نے امام علیہ السلام سے اجازت چاہی اور امام علیہ السلام کی محفل سے باہر آ گئے۔ اس دوسرے سائل داؤد بن زربی کا گھر ابوجعفر منصور کے ایک باغ کے قریب تھا۔ کسی نے منصور سے اس کی شکایت کی تھی کہ یہ رافضی ہے اور اس کی آمد و رفت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس بھی ہوتی ہے۔

یہ شکایت سن کر ابوجعفر منصور نے کہا: میں نہیں جانتا کہ اس کے وضو کا طریقہ کیا ہے؟ میں دیکھوں گا اگر اُس نے امام صادق علیہ السلام والا وضو کیا اور بات سچ نکلی تو مَیں اُسے قتل کرا دوں گا۔

پھر اُس نے اسی ارادہ سے چھپ کر دیکھا تو داؤد بن زربی وضو کر رہا تھا۔ داؤد کو خبر نہیں تھی کہ اُسے کوئی دیکھ رہا ہے۔ اُس نے امام علیہ السلام کے حکم سے تمام اعضائے وضو کو تین مرتبہ دھویا۔ جونہی اس کا وضو ختم ہوا تو ابوجعفر منصور نے اُسے بلا بھیجا۔

راوی کہتا ہے: داؤد نے مجھے بتایا کہ جب مَیں منصور کے پاس حاضر ہوا تو اُس نے مجھے خوش آمدید کہا اور کہنے لگا: اے داؤد! میں نے تمہارے بارے میں ایک غلط بات سنی تھی مگر تو ویسا نہیں ہے۔ میں نے تمہارا وضو دیکھا ہے، وہ رافضیوں والا نہ تھا (میری اس بدگمانی اور غلط ارادے پر) مجھے معاف کر دینا۔

پھر اُس نے حکم دیا کہ داؤد کو ایک لاکھ درہم دیے جائیں۔

راوی کہتا ہے: داؤد رقی کا بیان ہے کہ مَیں اور داؤد بن زربی امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو داؤد بن زربی نے امام علیہ السلام سے کہا: مَیں قربان جاؤں جس طرح دنیا میں آپؑ

نے ہماری جان بچائی ہے مجھے اُمید ہے کہ قیامت میں بھی اسی طرح آپؑ کی برکت سے جنت میں داخل ہوں گے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا تمھارے اور تمھارے مومن بھائیوں کے ساتھ ایسا ہی کرے۔

پھر امام علیہ السلام نے داؤد بن زربی سے فرمایا: تم اپنا ماجرا داؤد رقی کو بھی سناؤ، تاکہ اُسے بھی اطمینان ہوجائے۔ اس نے اپنا سارا واقعہ داؤد رقی کے گوش گزار کردیا۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے اس وجہ سے اُسے یہ حکم دیا تھا کیونکہ وہ اس دشمن کے ہاتھوں قتل ہونے لگا تھا۔ پھر امام علیہ السلام نے داؤد بن زربی کو مخاطب کرکے فرمایا:

اے داؤد! اعضائے وضو کو دو دو بار دھونا اور اس سے زیادہ بار نہ دھونا ورنہ تمھاری نماز صحیح نہیں ہوگی۔ (رجال کشی: جلد ۲، ص ۶۰۰)

③ ایک دفعہ سفیان ثوری امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: تم ضرورت کے بندے ہو، اور بادشاہ نے ہم پر نظریں رکھی ہوئی ہیں۔ لہٰذا قبل اس کے کہ ہم تمھیں یہاں سے نکالیں تم خود ہی نکل جاؤ۔ (بحار الانوار)

④ حماد بن واقد اللحام (قصاب) سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے راستے میں امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھا اور اپنا منہ دوسری طرف کرکے گزر گیا۔ پھر جب میں امام علیہ السلام کی محفل میں حاضر ہوا تو مَیں نے عرض کیا: میں قربان جاؤں! جب راستے میں مَیں نے آپؑ کو دیکھ کر غصے سے منہ دوسری طرف کرلیا تھا تو اُس سے میرا ارادہ یہ تھا کہ کہیں آپؑ میری وجہ سے تکلیف میں نہ پڑ جائیں۔

میری بات سن کر امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: خدا تجھ پر رحم کرے۔ (تم نے ٹھیک کیا) لیکن کل شام ایک شخص مجھے فلاں فلاں مقام پر ملا اور اُس نے کہا:

عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا اَبَا عَبْدِ اللهِ!

"اے ابوعبداللہ آپؑ پر سلام ہو"۔

ایسا کرکے اس نے ٹھیک نہیں کیا (یعنی اُس نے تقیہ کی رعایت نہ کی)۔

⑤ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو کچھ تمھیں کتابِ خدا میں ملے تم پر اس کے مطابق عمل کرنا لازم ہے اور اس کو ترک کرنے کی صورت میں تمھارا کوئی بھی عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔ اگر ایک چیز تمھیں کتابِ خدا میں نہ ملے اور میری سنت میں مل جائے تو (تم پر اس کے مطابق عمل کرنا لازم ہے اور) اس کو ترک کرنے میں تمھارے لیے کسی عذر کی گنجائش نہیں ہے، اور جو چیز تمھیں میری سنت میں بھی نہ ملے تو اُس کے بارے میں جو نظریہ میرے اصحاب کا ہو تم بھی اسی کو اپناؤ، کیونکہ تم میں میرے صحابی کی مثال ستاروں کی سی ہے۔ ان میں سے جس کے بھی قول کو اپنایا جائے گا ہدایت ملے گی اور تم میرے صحابہ کے اقوال میں سے جس قول کو بھی اپناؤ گے ہدایت پاؤ گے اور میرے صحابہ کا اختلاف تمھارے لیے رحمت ہے۔

پوچھا گیا: اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ کے اصحاب کون ہیں؟

آپؐ نے ارشاد فرمایا: میرے اہلِ بیتؑ۔

شیخ صدوق رضوان اللہ علیہ فرماتے ہیں: اہلِ بیتؑ پیغمبرؐ ایک دوسرے سے اختلاف نہیں کرتے، لیکن وہ اپنے شیعوں کو حق کی تلخی سے آزماتے ہیں اور بعض دفعہ وہ اپنے شیعوں کو تقیہ کے مطابق حکم دیتے ہیں۔ بنابرایں اُن کے احکام و فتاویٰ میں جہاں بھی اختلاف ہوتا ہے وہ اسی تقیہ کے سبب ہی ہوتا ہے اور تقیہ شیعوں کے لیے رحمت ہے۔

مَیں کہتا ہوں کہ شیخ بزرگوارؒ نے یہ جو تاویل بیان کی ہے اس کی تائید بہت سی اخبار سے ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض ذیل میں آرہی ہیں:

⑥ محمد بن سنان نے نصر الخثعمی سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے سنا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام یہ ارشاد فرما رہے تھے: جو شخص ہمارے اَمر کی معرفت رکھتا ہو کہ ہم (ائمہ اہلِ بیتؑ) تو صرف حق ہی کہتے ہیں تو اُس کو اسی بات پر اکتفاء کرنا چاہیے کہ جو اسے ہماری طرف سے ملے۔ اگر وہ اپنے سابقہ علم کے خلاف ہماری طرف منسوب کوئی بات سنے تو اُسے جان لینا چاہیے کہ ایسا ہم اُس کے دفاع کے لیے کرتے ہیں اور یہ اس کے لیے پسند فرماتے ہیں۔

⑦ حسین بن خالد کوفی کہتے ہیں: میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں

عرض کیا: قربان جاؤں مجھے ایک حدیث کے بارے میں آپؑ سے سوال کرنا ہے جسے عبداللہ بن بکیر نے عبید بن زرارہؒ سے نقل کیا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کون سی حدیث؟

میں نے کہا: عبید بن زرارہؒ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: جس سال ابراہیم بن عبداللہ بن حسن نے خروج کیا اُس سال میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملا اور میں نے آپؑ کی خدمت میں عرض کیا: (مولاؑ) اس نے بڑی میٹھی باتیں کی ہیں اور لوگوں نے بڑی جلدی کے ساتھ اُس کے ساتھ ملنا شروع کر دیا ہے۔ اس کے متعلق آپؑ کیا حکم دیتے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا سے ڈرو اور جب تک آسمان و زمین اپنی جگہ ساکن ہیں تم بھی سکون کے ساتھ رہو۔

عبداللہ بن بکیر کہتا تھا: باخدا! اگر عبید بن زرارہ سچا ہوتا تو وہ نہ خروج کرتا اور نہ ہی کوئی قیام کرنے والا ہوتا۔

امام علی رضا علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا: عبید سے مروی اس حدیث کی تاویل وہ نہیں جو عبداللہ بن بکیر نے سمجھی ہے، بلکہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے آسمان کے ساکن ہونے سے مراد تمھارے مولا (امام مہدیؑ) کے نام کی ندا اور زمین کے ساکن سے مراد لشکر کے دھنس جانے کو لیا تھا۔ (عیون اخبار الرضاؑ)

⑧ محمد بن بشیر اور حریز نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: اپنے علما کا اختلاف مجھ پر گراں گزرتا ہے۔

آپؑ نے ارشاد فرمایا: (پریشان نہ ہوا کرو)۔ یہ میری طرف سے ہی ہوتا ہے۔

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اس سے مراد ان اُمور میں اختلاف ہے جو تقیہ اور مصلحت کے صادر میں ہوتے ہیں۔ (بحارالانوار)

⑨ عبید بن زرارہؒ بیان کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: تم میری جو بھی بات سنو کہ وہ لوگوں (یعنی اہلِ خلاف) کے نظریے سے ملتی جلتی ہو تو (میں نے) اس میں تقیہ (کیا) ہوتا ہے اور جو بات تم سنو کہ وہ لوگوں کے نظریے کے مشابہ نہ ہو تو (میں نے)

اس میں تقیہ نہیں (کیا) ہوتا۔ (تہذیب الاحکام: جلد ۸، ص ۹۸)

اسحاق بن عمار صیرفیؒ کہتے ہیں: میں نے مسجد کوفہ میں تقیہ کے سبب اپنے مومنین بھائیوں کو سلام کہنا ترک کر دیا تھا۔ جب میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اے اسحاق! تُو نے اپنے مومن بھائیوں کے ساتھ یہ جفا کب سے شروع کی ہے؟ تُو اُن کے پاس سے گزر جاتا ہے اور اُنھیں سلام تک نہیں کرتا؟

میں نے عرض کیا: میں تقیہ کی وجہ سے ایسا کرتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: سلام کرنا چھوڑ دینا تقیہ نہیں بلکہ اپنے شیعہ ہونے کا کھلے عام اظہار کرنے سے باز رہنا تقیہ ہے۔

جب کوئی مومن، اپنے دوسرے مومن بھائیوں کے پاس سے گزرتا ہے اور اُنھیں سلام کرتا ہے تو فرشتے اُسے کہتے ہیں:

سَلَامٌ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ اَبَدًا

"تم پر اللہ کی جانب سے دائمی سلام، رحمت اور برکات ہوں"۔

⑩ عبداللہ بن زرارہؓ سے روایت ہے: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اپنے والد کو میرا سلام کہنا اور بتانا کہ مَیں تمھارے دفاع کے لیے ظاہری طور پر تمھاری برائی کرتا ہوں، کیونکہ جس شخص کو بھی ہم اپنے قریب کرتے ہیں یا اُس کی تعریف کرتے ہیں دشمن اور دوسرے لوگ اس شخص کو ہماری محبت و قرابت کی وجہ سے جلد ہی اذیتوں میں مبتلا کر دیتے ہیں اور جس شخص کی ہم برائی کرتے ہیں، وہ اُسے اچھا سمجھتے ہیں۔ چونکہ ہماری طرف تمھاری نسبت بہت زیادہ مشہور تھی اور ہمارے ساتھ تمھاری عقیدت سے ہر کوئی واقف تھا اور اس وجہ سے لوگ تمھیں بُرا سمجھتے تھے اور ہماری محبت و عقیدت کی وجہ سے معاشرے میں تمھارا مقام گر چکا تھا۔ چنانچہ میں نے چاہا کہ ظاہری طور پر تمھاری مذمت کروں تا کہ لوگ میری طرف سے تمھاری عیب جوئی سن کر دین کے معاملے میں تمھاری تعریف کریں اور ہمارا یہ عمل تم سے شر کو دُور کرنے کا موجب بنے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ

اَعِيْبَهَا وَ كَانَ وَرَآءَ هُمْ مَلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا (سورۂ کہف: آیت ۷۹)

''وہ جو کشتی تھی کچھ غریبوں کی تھی، جو کہ دریا میں کام کرتے تھے تو میں نے چاہا کہ اُسے ناقص بنا دوں اور اُدھر ایک بادشاہ ہے جو ہر ثابت کشتی پر زبردستی قبضہ کر لیتا ہے''۔

یہ تنزیلِ الٰہی میرے اس طرزِ عمل کے صحیح ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ خدا کی قسم! حضرت خضر علیہ السلام نے اُن کی کشتی کو اس لیے عیب دار کیا تھا، تاکہ بادشاہ اسے غصب نہ کرے، حالانکہ وہ بالکل ٹھیک تھی اور اُسے عیب دار بنانا صحیح نہ تھا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ!

خدا تجھ پر رحم کرے! اس مثال میں خوب غور وفکر کرو۔ خدا کی قسم! تم مجھے تمام لوگوں سے زیادہ اچھے اور میرے زندہ و مُردہ تمام اصحاب سے زیادہ پیارے لگتے ہو اور تم اس ہدایت کے بحرِ ناپیدا کنار کی سب سے بہترین کشتی ہو اور تمھارے پیچھے بھی ایک ظالم اور سخت بادشاہ موجود ہے، جو اس ہدایت کے بحر کو عبور کرنے والی ہر کشتی پر نظر رکھتا ہے، تاکہ اسے اُس کے اہل سمیت غصب کرے۔ پس تم جب تک زندہ رہو تم پر خداوند عالم کی رحمت ہو، اور جب تم اس دنیا سے چلے جاؤ تب تمھیں اس کی رحمت وخوشنودی نصیب ہو...... الیٰ آخر الرسالۃ۔

لقب ''امیر المومنین''

''امیر المومنین'' حضرت امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا خاص لقب تھا۔ آپ کو یہ لقب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا کیا تھا اور اس میں دوسرے لوگ تو کجا ائمہ اہل بیت علیہم السلام میں سے بھی کوئی آپ کا شریک نہیں ہے۔

لیکن روزِ سقیفہ معاملات بگڑ گئے اور لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام کی تمام امکانیات سلب کر لیں، انھیں حکومت اور اسلامی قیادت کی مسند سے ہٹا دیا اور ان سے اس لقب کا اختصاص بھی سلب کر کے خود کو امیر المومنین کہلوانے لگے۔

اس کے بعد یہ لقب کرسیٔ خلافت و ملوکیت پر بیٹھنے والے ہر شخص پر بولا جانے لگا،

حتیٰ کہ جگر خوارہ کے بیٹے اور اُس کے بیٹے یزید پلید اور دوسرے اُمویوں کو بھی اس لقب سے نوازا گیا۔ اور جب اُمویوں کی ظالمانہ حکومت کا خاتمہ ہوا تو بنی عباس برسرِ اقتدار آ گئے۔ ان میں بنی اُمیہ سے بھی زیادہ خباثت بھری ہوئی تھی اور اُنھوں نے اس مقدس لقب کی حرمت کا لحاظ نہ رکھا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لفظ خلیفہ اور خلافت کا ایک نشان بن گیا، خواہ خلیفہ کیسا ہی ہو اور خواہ خلافت بھی کیسی ہی ہو۔ اس عمل سے اس لقب کا تقدس ختم ہو کر رہ گیا اور اس کا تمام عزّ و شرف ہوا ہو گیا۔ اس لقب کے متعلق ائمہ طاہرین علیہم السلام کے بہت سے فرامین موجود ہیں، جو اس کے حقائق و اسرار کو بیان کرتے ہیں۔

علامہ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ نے بحار الانوار کی سینتیسویں (۳۷) جلد کے صفحہ ۲۹۰ سے ۳۴۰ تک ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کی بے شمار احادیث نقل کی ہیں جو اس لقب کو حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ساتھ مختص ہونے کو بیان کرتی ہیں۔ یہاں ہم آپ احباب کی خدمت میں ان میں سے صرف دو احادیث کو پیش کرنے کا شرف حاصل کرتے ہیں:

① ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: اے امیر المومنینؑ! آپؑ پر سلام ہو۔

امام علیہ السلام اپنے قدموں پر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ٹھہر جاؤ۔ یہ نام "امیر المومنین" صرف حضرت علی علیہ السلام ہی کے لیے بولا جا سکتا ہے اور یہ نام خداوند عالم نے صرف انھیں ہی دیا تھا۔ ان کے علاوہ جس کو بھی اس نام سے پکارا گیا اور وہ اس پر خوش ہوا تو وہ منکوح (......) ٹھہرا اور اگر وہ اس پر خوش نہ ہوا تو وہ آزمائش میں پڑ گیا اور یہ اس فرمانِ الٰہی میں آیا ہے:

إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا

"وہ اللہ کے سوا صرف مونث صفت چیزوں کو پکارتے ہیں اور وہ تو بس باغی شیطان ہی کو پکارتے ہیں"۔ (سورۂ نساء: آیت ۱۱۷)

راوی کہتا ہے: میں نے پوچھا: آپؑ کے قائمؑ کو کس نام سے پکارا جائے گا؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: انھیں یوں پکارا جائے گا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بَقِيَّةَ اللهِ! اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللهِ!

"اے بقیۃ اللہ! آپؑ پر سلام ہو، اے فرزند رسولؐ! آپؑ پر سلام ہو"۔

(تفسیر عیاشی: جلد ۱، ص ۲۷۶، بحار الانوار: جلد ۲۷، ص ۳۳۲)

② مناقب ابن شہر آشوب میں آیا ہے کہ ہمارے علماء نے حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ باقی ائمہ علیہم السلام پر اس لقب کا اطلاق ناجائز قرار دیا ہے۔

ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا: یا امیر المومنین!

امام علیہ السلام نے فرمایا: اپنی زبان کو روک لو، کیونکہ (سوائے حضرت علی علیہ السلام کے) جو بھی اس نام سے پکارے جانے پر راضی ہوتا ہے وہ ابوجہل والی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ ①

معزز قارئین! یہ دو حدیثیں ذکر کرنے کے بعد ہم درج ذیل چیزوں کی وضاحت کرتے ہیں:

① بہت سی احادیث میں ملتا ہے کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام بھی اپنے زمانے کے طاغوتوں کو "امیر المومنین" کہا کرتے تھے۔ واضح رہے کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام صرف اپنے اور اپنے شیعوں کی جانوں کو بچانے کے لیے ہی بطور تقیہ ان خبیثوں کو اس لقب کے ساتھ پکارتے تھے، تاکہ ان کے دشمنوں کی ان کے خلاف کوئی حجت باقی نہ رہے۔

② اس سے مکمل طور پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ حکام اس لقب کو اپنے لیے پسند کرتے تھے، جبکہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرمان میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کے سوا جو بھی اس لقب سے ملقب کیے جانے پر راضی ہوگا وہ............ٹھہرے گا اور اگر وہ اس سے راضی نہیں ہوگا تو مصیبت و آزمائش میں پڑ جائے گا۔

---

① سید ابن طاووس رضوان اللہ علیہ نے "الیقین فی امرۃ امیر المومنین" نامی ایک کتاب تحریر کی ہے۔ اس کتاب میں سید بزرگوار نے شیعہ وسنی مصادر سے دوسو احادیث اس لقب پر حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ مختص ہونے کے بارے میں ذکر کی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت یہ بھی ہے: حضرت فضیل سے مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اے فضیل! خدا کی قسم! حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ قیامت میں جسے بھی اس نام سے پکارا جائے گا وہ افترا باز اور جھوٹا ہوگا"۔ (الیقین: ص ۹۲)

بنابرایں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کا مدعیانِ خلافت کو امیر المومنین کے لقب سے یاد کرنے کا مقصد ان لوگوں کی حقیقت بتانا اور ان کی اصلیت سے پردہ اٹھانا تھا، کیونکہ یہ اسی لقب سے ملقب کیے جانے کو پسند کرتے تھے، بلکہ اگر کوئی شخص انھیں اس کے علاوہ کسی نام سے پکارتا تو یہ اس سے ناراضگی اور غصے کا اظہار کرتے تھے جیسا کہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام جب یزید بن معاویہ کے سامنے حاضر ہوئے تو آپؑ نے فرمایا:

اے یزید! کیا تو مجھے بات کرنے کی اجازت دیتا ہے؟

یزید نے کہا: آپؑ بات کریں اور فضول گوئی سے اجتناب کریں۔

یزید نے ایسا اس لیے کہا تھا کیونکہ اُسے یہ بات بڑی ہی ناگوار گزرتی تھی کہ کوئی اسے اس کے نام سے پکارے، اس لیے اُس نے امام علیہ السلام سے کہا کہ فضول گوئی سے اجتناب کریں یعنی مجھے امیر المومنین کہہ کر خطاب کریں۔

مؤرخ طبری نے معتصم عباسی کے احوال میں لکھا ہے کہ عید کے دن معتصم عباسی اپنی سواری پر سوار ہوکر باہر نکلا تو ایک بوڑھے شخص نے کھڑے ہوکر اسے "اے ابواسحاق!" کہہ کر خطاب کیا تو اس کا لشکر اس بوڑھے کو مارنے کے دَرپے ہوگیا، کیونکہ اُس نے معتصم کو "امیر المومنین" کہہ کر خطاب نہیں کیا تھا۔

قارئین کرام! ہم نے یہ بحث بعض ان احادیث کے لیے بطور مقدمہ ذکر کی ہے جن میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے سفاح و منصور وغیرہ کو "امیر المومنین" کہہ کر خطاب کیا تھا تاکہ آپ جان لیں کہ امام علیہ السلام نے جو انھیں اس لقب سے یاد کیا ہے تو امام علیہ السلام کی اس سے مراد اُنھیں بطورِ شرعی خلیفہ تسلیم کرنا نہیں ہے بلکہ اپنی مظلومیت کا اظہار ہے کہ جس میں آپؑ ان کی وجہ سے پڑے ہوئے تھے حتیٰ کہ آپؑ ان جیسے ظالموں کو اس مقدس لقب سے یاد کرنے پر مجبور تھے۔

اور ایک دوسرے اعتبار سے امام علیہ السلام تاریخ اور آنے والی نسلوں کو بتانا چاہتے تھے کہ وہ ظالم و جابر حکمران اس لقب سے ملقب کیے جانے کو پسند کرتے تھے، تاکہ لوگ ان فاسقوں اور فاجروں کے کردار سے آشنا ہوجائیں اور یہ بھی جان لیں کہ اُمویوں اور عباسیوں کے گھر

فساد کے گڑھ تھے اور ان کے مردوں اور عورتوں میں ہر طرح کی برائیاں عام تھیں۔

حکومت بنی اُمیہ کے بارے میں امام علیہ السلام کا موقف

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بنی اُمیہ کی حکومت کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ایسا درج ذیل وجوہات کی بنا پر تھا:

اوّلاً: یہ ایک غیر شرعی بلکہ باطل، ظالم اور فاسد حکومت تھی۔ اسے خوف و دہشت اور قتل و غارت گری کر کے حاصل کیا گیا تھا۔

ثانیاً: اس میں دینِ خدا کے ساتھ تلاعب کیا گیا تھا، یعنی اس کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا گیا تھا اور اس کے اولیاء کی جنگ بھی کی گئی تھی۔

ثالثاً: ماضی میں آغازِ اسلام ہی سے یہ اسلام اور پیغمبر گرامی قدر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالف تھی۔

رابعاً: اس حکومت کے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ عترتؑ کے خون کے ساتھ رنگے ہوئے تھے جبکہ خداوندعالم نے اپنے محکم ارادے کے تحت ان ذواتِ مقدسہؑ سے ہر طرح کی برائی کو دُور کر رکھا تھا اور انھیں ایسے پاک کیا جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔

کتنے ہی ایسے بے گناہ خون تھے جو بنی اُمیہ کی تلواروں سے بہائے گئے! کتنی ہی ایسی زیادتیاں ہیں جو ان کے حکم سے کی گئیں اور مصائب کے کتنے گراں پہاڑ ہیں جو اس شجرۂ ملعونہ کے زمانے میں آلِ محمدؐ پر ٹوٹے؟! اور ان مصائب و آلام میں کربلا کا خونیں واقعہ سرفہرست ہے، جس نے آلِ رسولؐ کے دلوں کو حزن و ملال سے بھر دیا تھا۔ ان کی عزت کو دربدری میں بدل دیا تھا اور انھیں نہ ختم ہونے والے صدموں سے دوچار کر دیا تھا۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے جدِّ بزرگوار حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام کے دور میں پیدا ہوئے تھے جو واقعۂ کربلا کے عینی شاہد اور اپنے بابا امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت کے پہلے وارث تھے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو اپنے خاندان کے جلیل القدر مردوں کی موت کا صدمہ سہنا پڑا، جن میں سرفہرست آپؑ کے والد بزرگوار حضرت امام حسین علیہ السلام

تھے کہ جو جوانانِ جنت کے سردار اور سبطِ پیغمبرؐ تھے اور ان بلند نسبتوں کے باوجود بھی ان کو بڑی بے رحمی کے ساتھ شہید کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد خیموں میں لُوٹ مار، ان کو جلانے، آلِ رسولؐ کی بے حرمتی کرنے اور آپ کو شہید کر دینے کی بار بار دھمکیوں اور آلِ رسولؐ کو پابند رسن فرعونِ وقت کے دربار میں لے جائے جانے جیسے بڑے بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑا کہ جن کے تصور سے ہی انسانیت کی جبین ؑسے غیرت کا پسینہ پھوٹ پڑتا ہے۔

کربلا، کوفہ اور شام میں آلِ رسولؐ کو اس شجرہ ملعونہ کی غلیظ و متعفن شاخوں جیسے یزید بن معاویہ، عبیداللہ بن زیاد اور عمر بن سعد بن ابی وقاص وغیرہ سے جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا وہ سب امام زین العابدین علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے پوتے تھے اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ امام علیہ السلام نے اپنے جدِّ امجدؒ کے اس واقعہ ہائلہ کے بارے میں کیا کیا سنا ہوگا؟ اور یہی وجہ ہے کہ واقعۂ کربلا کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی تمام روایات آپؑ کے والدِ بزرگوار اور جدِّ بزرگوار امام سجاد علیہ السلام سے سنی ہیں۔

معزز قارئین! درجہ بالا وجوہات اور ان کے علاوہ وجوہات کی بنا پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حکومت بنی اُمیہ کو سخت نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور اپنے ماننے والوں کو بھی ان سے دُور رہنے کی تلقین کرتے تھے جیسا کہ درج ذیل احادیث سے بھی اس کی صراحت ہوتی ہے۔

ایک توبہ کرنے والے شخص کا قصہ

علی بن ابی حمزہ کہتے ہیں: بنی اُمیہ کے کاتبوں میں سے ایک شخص میرا دوست تھا۔ اس نے مجھ سے کہا: آپ مجھے امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع دیں۔

میں نے امام علیہ السلام سے اس کے حاضر ہونے کی اجازت لی تو امام علیہ السلام نے اُسے شرف باریابی کا موقع دیا۔ وہ امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے امام علیہ السلام کو سلام عرض کیا اور آپؑ کے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ پھر گویا ہوا:

''قربان جاؤں! مَیں اس قوم (بنی اُمیہ) کے دیوان میں موجود تھا اور میں نے ان کے ہاں سے خاصا مال بٹورا اور میں نے یہ نہ سوچا کہ یہ کن ذرائع سے آرہا ہے''۔

اس کی بات سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر بنی اُمیہ کتابت کرنے والوں، خراج جمع کرنے والوں، لڑنے والوں اور اپنی جماعت میں شامل ہونے والوں کو نہ پاتے تو ہمارا حق غصب نہ کرسکتے اور اگر لوگ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیتے تو وہ وہی چیز پاتے جو ان کے ہاتھوں میں آتی۔

اس شخص نے عرض کیا: قربان جاؤں! کیا اب میرے نکلنے کی کوئی راہ ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر میں تمھیں نکلنے کا طریقہ بتادوں تو کیا تم اس پر عمل کرو گے؟

اُس نے کہا: جی ہاں! میں آپؑ کے فرمان پر عمل کروں گا۔

امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا: تم نے جو کچھ بھی ان کے ہاں سے کمایا ہے اسے علیحدہ کردو، اور ان میں سے جس جس مال کا مالک تمھیں معلوم ہے وہ اُسے واپس کردو اور جس کے مالک کا کوئی پتہ نہ چلے تو اُسے صدقہ کردو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو خدا کی بارگاہ سے تمھیں جنّت دلوانے کا مَیں ضامن ہوں۔

راوی کہتا ہے: امام علیہ السلام کی بات سن کر اس شخص نے کافی دیر تک اپنا سر جھکائے رکھا، پھر کہنے لگا: میں آپؑ پر قربان جاؤں میں ضرور آپؑ کے فرمان پر عمل کروں گا۔

علی بن ابی حمزہ کہتے ہیں: اس کے بعد وہ شخص ہمارے ساتھ کوفہ واپس چلا آیا اور اپنی ہر چیز حتیٰ کہ اپنے بدن کے کپڑے تک بھی نکال کر باہر رکھ دیے (یعنی یہ چیزیں اپنے اصل مالکوں تک پہنچادیں)۔

پھر میں نے اپنے دوستوں سے چندہ اکٹھا کرکے اس کے لیے لباس خریدا اور اسے گھر چلانے کا کچھ خرچ فراہم کیا اور اس کے چند ماہ بعد وہ بیمار ہوگیا اور ہم اس کی عیادت کے لیے جانے لگے۔ ایک دن جب مَیں اُس کے پاس گیا تو وہ جان کنی کے عالم میں تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا اور کہنے لگا: اے علیؑ! خدا کی قسم! آپؑ کے مولاؑ نے اپنا وعدہ

وفا کر دیا ہے"۔

بس اس کے منہ سے انھی الفاظ کا نکلنا تھا کہ اس کی روح پرواز کر گئی اور ہم نے ہی اس کی تجہیز و تکفین وغیرہ کے اُمور انجام دیے۔ اس کی موت کے اُمور سے فراغت کے بعد جب مَیں امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو امام علیہ السلام نے میری طرف رُخِ اَنور کر کے فرمایا: اے علی! خدا کی قسم! ہم نے تمھارے دوست کے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا ہے۔

علی کہتے ہیں: امام علیہ السلام کا فرمان سن کر مَیں نے کہا: قربان جاؤں! آپ سچ فرما رہے ہیں اور خدا کی قسم! اس نے بھی اپنی موت کے وقت مجھ سے یہی کہا تھا۔ (اُصولِ کافی: جلد ۵، ص ۱۰۶)

ظالموں کی مدد کرنے سے تائب ہونے والا شخص

حضرت ابوبصیرؓ کہتے ہیں: میرا ایک ہمسایہ تھا جو بادشاہِ وقت کے اشاروں پر چلتا تھا۔ اس نے اس کام سے بڑا مال کمایا تھا۔ اس نے گانے بجانے والی عورتوں کے ناچ گانے وغیرہ کے لیے ایک مخصوص مکان بنایا ہوا تھا اور اس کے پاس منعقد ہونے والی رقص و سُرود کی محفلوں میں بہت سے لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ وہ شراب نوشی کرتا تھا اور مجھے اذیت دیتا تھا۔ میں نے کئی بار اُسے سمجھایا، مگر وہ باز نہ آیا۔

جب میں نے بہت زیادہ اصرار کیا تو وہ مجھ سے کہنے لگا: اے بندۂ خدا! مَیں طرح طرح کی روحانی بیماریوں میں مبتلا ہوں اور تم ان سے آزاد ہو۔ اگر تم اپنے مولاؑ کی بارگاہ میں میری بخشش کی (دُعا کرنے کی) درخواست کرو تو مجھے اُمید ہے کہ تمھارے اس وسیلے سے خدا مجھے نجات عطا کرے گا۔

اُس کی یہ بات میرے دل کو لگی اور جب مَیں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو مَیں نے امام علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا۔

امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: جب تم کوفہ واپس جاؤ گے تو وہ تمھارے پاس آئے گا۔ تم اسے کہنا: امام صادق علیہ السلام تجھ سے کہہ رہے ہیں کہ اگر تم اپنی عادت سے باز آ جاؤ تو میں خدا کی

طرف سے تمھاری جنت کا ضامن ہوں۔

حضرت ابوبصیرؓ کہتے ہیں: جب میں کوفہ واپس آیا تو وہ پہلے کی طرح ہی اپنی مستی میں مست میرے پاس آیا۔ اُس وقت میرے پاس اور بھی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے اُسے پابند کر کے اپنے پاس بٹھا لیا۔ جب دوسرے لوگ میرے پاس سے اُٹھ گئے تو میں نے اُس سے کہا: اے بندۂ خدا! میں نے امام صادق علیہ السلام کے سامنے تمھارا ذکر کیا تو امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: جب تم واپس کوفہ جاؤ گے تو وہ تمھارے پاس آئے گا، تم اُسے کہنا: امام صادق علیہ السلام تجھ سے کہتے ہیں کہ اگر تم اپنی عادت سے باز آ جاؤ تو خدا کی طرف سے میں تمھاری جنت کا ضامن ہوں"۔

یہ سن کر وہ رو پڑا اور کہنے لگا: میں تجھے خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: سچ سچ بتاؤ کہ یہ بات امام جعفر صادق علیہ السلام نے تم سے کہی ہے؟

ابوبصیرؓ کہتے ہیں: میں نے اسے قسم کھا کر بتایا کہ یہ جو بات میں نے تمھیں بتائی ہے، یہ امام علیہ السلام نے فرمائی ہے۔

اس پر اُس نے یہ کہا: تم سچ کہتے ہو۔ پھر وہ چلا گیا۔ کچھ دن بعد اس نے مجھے بلا بھیجا۔ جب میں اُس کے پاس گیا تو وہ اپنے گھر پچھلی طرف برہنہ حالت میں موجود تھا۔ اس نے مجھ سے کہا: اے ابوبصیرؓ! میں نے اپنے گھر کی تمام چیزیں نکال دی ہیں اور اب میں لباس سے بھی محروم ہو گیا ہوں۔ (1)

حضرت ابوبصیرؓ کہتے ہیں: اس (کی غربت و افلاس) کا یہ حال دیکھ کر میں نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے اُسے لباس فراہم کیا اور اس کے کچھ ہی دن بعد وہ بیمار ہو گیا اور میری طرف یہ پیغام بھیجا: "میں بیمار ہوں، آپ میرے پاس تشریف لے آئیں"۔

میں اس کے علاج معالجے میں مشغول ہو گیا حتیٰ کہ اس کی موت کا وقت قریب آن

---

(1) کیونکہ اس وقت جو چیزیں اس کے پاس موجود تھیں وہ اس کی محنت مزدوری اور ذاتی کمائی کی نہ تھیں، حتیٰ کہ اس کے تن کے کپڑے بھی اس نے ایسے ہی لوگوں پر زور و زبردستی کر کے حاصل کیے تھے لہٰذا اس نے وہ تمام چیزیں اپنے اصلی مالکوں کے حوالے کر دی تھیں۔ (از مترجم)

پہنچا۔ میں اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اس پر غشی طاری ہونا شروع ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد اُسے افاقہ ہوا تو وہ مجھ سے کہنے لگا:

اے ابوبصیرؓ! آپ کے مولاؑ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔

اس کے بعد اس کا انتقال ہوگیا۔ پھر جب مَیں حج کرنے گیا تو امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جونہی میں امام علیہ السلام کے پاس داخل ہوا تو امام علیہ السلام نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا: اے ابوبصیرؓ! ہم نے تمھارے دوست کے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا ہے"۔ (اُصولِ کافی: جلد ا،ص ۴۷۴)

قارئین کرام! واضح رہے کہ ہم سابقاً "حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور جنّت کی ضمانت" کے عنوان کے تحت بیان کر چکے ہیں کہ امام معصومؑ خدا کے نزدیک بلند مقام کا حامل ہوتا ہے اور وہ جسے چاہے جنّت کی ضمانت دے سکتا ہے۔

ظالموں کی مدد کرنا حرام ہے

ابنِ ابی عمیر نے داؤد بن زربی سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: مجھے حضرت امام علی بن الحسین علیہ السلام (امام سجادؑ) کے ایک غلام نے بتایا کہ جب مَیں کوفہ میں تھا تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حیرہ میں تشریف لائے۔ میں نے اُن کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: قربان جاؤں آپؑ داؤد بن علی یا ان میں سے کسی اور سے بات کر دیں تاکہ میں بھی اُمورِ مملکت کی انجام دہی میں اپنا حصّہ ڈالوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں ایسا نہیں کروں گا۔

وہ کہتا ہے: امام علیہ السلام کا جواب سن کر میں اپنے گھر واپس چلا آیا اور یہ سوچنے لگا کہ امام علیہ السلام نے ایسا کہنے سے کیوں انکار کیا ہے؟

سوچتے سوچتے یہ بات میرے ذہن میں آئی شاید امام علیہ السلام نے اس لیے انکار کیا ہے کہ کہیں میں لوگوں پر ظلم وجور نہ کرنے لگ جاؤں۔ پھر میں نے فیصلہ کیا کہ باخدا! مَیں امام علیہ السلام کو پکا عہد دوں گا کہ مَیں کسی پر بھی ظلم وجور نہ کروں گا اور عدل سے کام لوں گا۔

وہ کہتا ہے: میں یہ سوچ کر امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا: قربان جاؤں! میں سمجھتا ہوں کہ شاید آپؑ نے اس سے انکار اس لیے کیا ہے کہ کہیں میں ظلم و جور میں نہ پڑ جاؤں۔ میں آپؑ کو اپنے عادل رہنے کی یقین دہانی کے لیے کہتا ہوں کہ اگر میں نے عدل نہ کیا اور کسی ایک انسان کے ساتھ بھی ظلم و زیادتی سے پیش آیا تو میری ہر بیوی کو طلاق ہوگی اور میری تمام مملوکہ لونڈیاں اور غلام آزاد ہوں گے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم ایسا کیسے کہہ سکتے ہو؟

میں نے کہا: میں نے اس پر قسم کھائی ہے۔

امام علیہ السلام نے سر آسمان کی طرف بلند کیا اور فرمایا: تمھارے لیے آسمان کو اُٹھا لینا اس سے زیادہ آسان ہے۔ (اُصولِ کافی)

امام علیہ السلام کے اس فرمان کا مطلب بیان کرتے ہوئے علامہ مجلسی علیہ الرحمہ مرآۃ العقول میں لکھتے ہیں:

تم اس وعدے کو پورا نہیں کر سکتے۔ تمھارا ان لوگوں کے ساتھ ظلم کے بغیر کام کرنا محال ہے۔ اگر تم اس کی جگہ آسمان کا بوجھ اپنے اُوپر اُٹھا لو تو وہ تمھارے لیے اس کی نسبت زیادہ ہلکا اور آسان ہوگا۔

محمد بن عذافر نے اپنے والد سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اے عذافر! تم ابوایوب اور ربیع کے ساتھ کام کرتے ہو، بتاؤ اس وقت تم کیا کرو گے کہ جب تمھیں ظالموں کے مددگاروں کے ساتھ بلایا جائے گا؟

امام علیہ السلام کی بات سے میرے والد بڑے ہی غمگین (اور بیدار) ہو گئے اور ان کی آواز حلق میں ہی اٹک گئی۔

ان کا یہ حال دیکھ کر امام علیہ السلام نے فرمایا: اے عذافر! میں نے تمھیں اسی بات کا خوف دلایا ہے جس سے خدا نے مجھے ڈرایا ہے۔

محمد کہتے ہیں: اس کے بعد میرے والد وہاں سے چلے گئے اور اسی فکر و پریشانی سے وفات پا گئے۔ (اُصولِ کافی: جلد ۵، ص ۱۰۵)

جمیل بن حمید کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: کیا تم نے ان لوگوں کے بادشاہ کو دھوکا نہیں دیا؟

میں نے عرض کیا: نہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پھر تُو نے کیوں اُسے چھوڑ دیا ہے؟

میں نے کہا: میں نے اپنا دین بچانے کی غرض سے ایسا کیا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تو کیا تُو اس پر پُرعزم ہے؟

میں نے کہا: جی ہاں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اب تیرا دین سلامت ہو گیا ہے۔ (اُصولِ کافی: جلد ۵، ص ۱۰۸)

امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور کے اُموی حکمران

یہاں میں تاریخ کے گڑھے ہوئے مُردے اُکھاڑ کر اس شجرۂ ملعونہ کے سیاہ ماضی پر بات نہیں کرنا چاہتا، کیونکہ ان کے جو جرائم تاریخ کے سینے میں دفن ہیں وہ سیاہ بادلوں کی شکل ہیں، جن میں سے ہر ایک، دوسرے کی نسبت کئی گنا زیادہ بڑا اور تاریک ہوتا ہے اور ان کے لیے کئی دفاتر بھی کم ہیں۔ اس لیے یہاں ہم انھی فراعنہ کے مختصر ذکر پر اکتفا کرتے ہیں جو کہ امام علیہ السلام کے زمانے میں مسندِ اقتدار پر بیٹھے ہوئے تھے۔ مزید برآں چونکہ ہم یہاں امام علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ کے سیاسی پہلو پر بحث کر رہے ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہم ترتیب وار امام علیہ السلام کے معاصر اُموی اور عباسی حکمرانوں کا تذکرہ کریں۔ اسی بحث میں ہمارے قارئین کو پتہ چل جائے گا کہ حکومت ان مدعیانِ خلافت کے ہاتھوں تک کیسے پہنچی؟ اور وہ یہ بھی جان لیں گے کہ اس دورِ حکومت کی کرسی پر بیٹھنے کے لیے نہ عوام کا انتخاب شرط تھا، نہ شوریٰ کی ضرورت تھی اور نہ ہی مسندِ اقتدار پر بیٹھنے والے میں علم وعدالت اور تقویٰ و تدبیرِ اُمور جیسی خوبیوں کا ہونا کوئی معنی رکھتا تھا بلکہ پہلے والا حکمران اپنی مرضی و منشا کے مطابق جسے چاہتا لوگوں کے سروں پر سوار کر دیتا تھا۔ یا بادشاہ کی خطوط والی مُہر جس شخص کے پاس ہوتی وہ خود ہی بادشاہ کی طرف سے خلافت کی تحریر بنا کر مُہر لگا لیتا تھا اور بادشاہ کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ پہلے ہم امام علیہ السلام کے معاصر اُموی حکمرانوں کا ذکر کرتے ہیں اور ان کے بعد عباسیوں کے بعض حالات کو بیان کریں گے۔

عبدالملک بن مروان

اس کا سلسلۂ نسب اُمیہ تک یوں پہنچتا ہے: عبدالملک بن مروان بن حکم بن ابوالعاص

بن اُمیہ۔ اس کی ماں عائشہ بنت معاویہ بن مغیرہ بن ابوالعاص تھی۔ یہ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے اُموی تھا۔ اس کا دادا مغیرہ رسول اللہ ﷺ کا سخت دشمن تھا۔ غزوہ "حمراء الاسد" میں آپؐ نے اُسے مغلوب کر کے اس کی گردن زنی کا حکم صادر فرمایا تھا۔

ابنِ کثیر کہتا ہے: مغیرہ، عبدالملک کا جد مادری تھا اور جنگِ اُحد والے دن اسی نے ہی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ناکِ مبارک کو کاٹا تھا۔ عبدالملک نے ۶۵ ہجری میں اپنے باپ مروان کی وصیت کے مطابق حکومت سنبھالی تھی اور اس کی حکومت ۸۶ ہجری تک قائم رہی اور اُس کی وفات بھی اِسی سال ہوئی تھی۔ مسندِ اقتدار پر بیٹھنے سے قبل یہ علماء کی محفلوں میں بیٹھتا تھا، حدیثیں یاد کیا کرتا تھا اور مسجد بندگیٔ خدا میں مصروف اور لذائذِ دُنیوی سے دُور رہتا تھا۔ جب یزید بن معاویہ نے عبداللہ بن زبیر کے ساتھ جنگ کا ارادہ ظاہر کیا تو یہ اس پر سخت ناراض ہوا اور لشکرِ یزید میں چلنے والے ہر ایک شخص سے یہ کہتا تھا:

"تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے! کیا تمھیں خبر ہے کہ تم کس طرف جا رہے ہو؟ تم ایک ایسے شخص سے جنگ کرنے جا رہے ہو جس کی ولادت اسلام میں ہوئی ہے، جسے رسولِ خدا نے گھٹی پلائی ہے، جو رسولِ اللہ کے دوست کا بیٹا اور ذات النطاقین کا فرزند ہے۔ خدا کی قسم! اگر تم دن کے وقت اس کے پاس جاؤ گے تو اُسے روزے کی حالت میں پاؤ گے اور اگر رات کے وقت اُس کے پاس جاؤ گے تو اسے عبادتِ خدا میں کھڑا ہوا پاؤ گے۔ اور اگر تمام اہلِ زمین اس کو قتل کرنے پر جمع ہو جائیں تو خدا ان سب کو جہنم میں اُوندھا لٹکائے گا"۔

جس شخص سے عبدالملک نے یہ بات کی تھی وہ کہتا ہے:

"جب حکومت عبدالملک کے پاس آئی تو اُس نے حجاج کے ہمراہ ہمیں بھیجا اور ہم نے اسے (یعنی عبداللہ بن زبیر کو) قتل کر دیا"۔

اس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ جب عبدالملک بن مروان نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو اہلِ شام کے ایک لشکر کے ہمراہ حجاج بن یوسف کو ابنِ زبیر کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے بھیجا۔ چھے ماہ اور سترہ دن ابنِ زبیر کو محاصرے میں رکھا گیا اور حجاج کوہِ ابوقبیس سے منجنیق سے خانہ کعبہ سے پتھراؤ کرتا تھا۔

ابنِ عساکر نے روایت کیا ہے کہ جب حجاج نے منجنیق سے خانہ کعبہ پر پتھر برسائے تو اُس کے ہمراہ موجود دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کو پتھر مارنے لگے اور رجز پڑھنے لگے۔ اس پر آسمان سے بجلی گری اور اُس نے اُنھیں جلا دیا تو لوگوں نے پتھر مارنے بند کر دیے۔ جب حجاج نے دیکھا کہ لوگوں نے خانہ کعبہ پر پتھر برسانے بند کر دیے ہیں تو کہنے لگا: کیا تم نہیں جانتے کہ بنی اسرائیل جب کوئی قربانی پیش کرتے تھے تو آسمان سے آگ آ کر اس قربانی کو کھا جاتی تھی اور وہ اُسے قربانی کے قبول ہو جانے کی علامت سمجھتے تھے۔ اور اگر اس قربانی کو کھانے کے لیے آسمان سے آگ نہ آتی تو وہ اُسے قربانی کے قبول نہ ہونے کی نشانی سمجھتے تھے۔

وہ اُنھیں دھوکے پہ دھوکہ دیتا رہا حتیٰ کہ وہ واپس پلٹ آئے اور دوبارہ پتھراؤ کرنے لگے اور یہ حصار اور بیت اللہ پر پتھراؤ عبداللہ بن زبیر کے قتل تک جاری رہا اور وہ جمادی الآخر سنہ ۸۳ ہجری کا زمانہ تھا۔ اس کے قتل ہو جانے کے بعد حجاج نے اُسے اُلٹا سولی پر لٹکایا اور اُس کا سر عبدالملک بن مروان کے پاس بھیج دیا تو اُسے شہر شہر گھمایا گیا۔ جب عبدالملک کو حکومت ملی اُس وقت اس نے اپنے ہاتھ میں قرآن مجید پکڑا ہوا تھا۔ اس نے قرآن مجید کو بند کر کے کہا: ”یہ میری اور تمھاری آخری ملاقات تھی“۔

ابنِ کثیر کہتا ہے: عبدالملک نے سنہ ۷۵ ہجری میں حج کیا اور اُس نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

> ”مجھ سے پہلے والے خلفا کھاتے اور کھلاتے بھی تھے لیکن خدا کی قسم! میں اس اُمت کا علاج صرف تلوار سے ہی کروں گا۔ میں عثمان کی طرح کمزور ہوں، نہ معاویہ کی طرح منافق ہوں اور نہ ہی یزید کی طرح مجہول الاصل ہوں۔
>
> اے لوگو! ہم اس وقت تک برداشت سے کام لیتے ہیں جب تک ہمارا جھنڈا نہ گڑھ جائے اور ہم منبر پر نہ پہنچ جائیں۔ یہ عمرو بن سعید ہے۔ اس کا حق، اس کے قرابت داروں اور اُس کے بیٹے کا حق ہے۔ یہ اپنا سر ہلا

کر کہتا ہے کہ بات یوں ہے اور ہم اپنی تلوار کے ذریعے بتاتے ہیں کہ
بات اس طرح ہے جس سے اس نے اپنی گردن چھڑا لی ہے، اب وہ
میرے پاس ہے اور میں نے خدا کے ساتھ یہ عہد کیا ہے کہ میں اسے جس
کے سر پر بھی رکھوں گا یہ اس کی آہ نکال دے گی۔ جو لوگ یہاں موجود
ہیں وہ میری اس بات کو ان لوگوں تک بھی پہنچا دیں جو یہاں نہیں ہیں"۔

عمرو بن سعید اشدق کے لقب سے مشہور تھا۔ ۶۹ ہجری میں عبدالملک نے اسے اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے کہا: ابواُمیہ مجھے آنکھوں کی بینائی سے بھی زیادہ عزیز تھا مگر خدا کی قسم! جہاں بھی ایک برتن پر دو نر جمع ہو جاتے ہیں تو ان میں ایک دوسرے کو نکال دیتا ہے۔

اس نے عمرو بن سعید کو دھوکے کے ساتھ قتل کیا تھا کیونکہ اُس نے اسے امان دی تھی اور اُس کے لیے حلف اُٹھایا ہوا تھا اور اسے اپنے بعد اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔

اس کا خون بہانے کا اِقدام اسی عبدالملک نے ہی کیا تھا اور اسی وجہ سے جب اُمِ درداء نے اُسے کہا: مجھے خبر ملی ہے کہ تُو نے عبادت و پرہیزگاری کے بعد شراب نوشی شروع کر دی ہے؟

اُس نے یہ جواب دیا تھا: ہاں، خدا کی قسم! اب تو میں خون بھی پیتا ہوں۔ اس سے جو پہلی بُرائی صادر ہوئی تھی وہ اس کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے روکنا تھا اور اُس نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ جو بھی مجھے خدا سے ڈرنے کا کہے گا میں اُس کی گردن اُتار دوں گا۔

یہی وہ شخص تھا جس نے حجاج بن یوسف کو حجاز و عراق کا گورنر بنا کر اُسے لوگوں کی گردنوں پر مسلط کیا تھا۔

جب حسن بصری سے اُس کے بارے میں پوچھا گیا تو اُس نے کہا:

"میں ایسے شخص کے بارے میں کیا کہوں جس کی بڑی بڑی برائیوں میں سے ایک حجاج بن یوسف ہے"۔

جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اُس نے اپنے بیٹے ولید کو تلوار کے زور سے اپنی خلافت کی بیعت لینے کا حکم دیا اور دنیا سے جاتے وقت اُس سے کہا:

"اے ولید! اب آخری وقت آ گیا ہے، دھوکہ چلا گیا ہے اور قضا آن پہنچی ہے"۔

یہ سن کر ولید رونے لگا تو عبدالملک نے اُس سے کہا: بندھی ہوئی لونڈی کی طرح آنسو نہ بہاؤ (اور میری بات غور سے سنو!) جب میں مرجاؤں تو مجھے غسل وکفن دے کر میری نمازِ جنازہ پڑھانا اور میری تدفین کا کام عمر بن عبدالعزیز کے ذمہ لگا دینا، وہ مجھے لحد میں اُتار دے گا۔ پھر تم چیتے کی کھال پہن کر لوگوں کے سامنے آنا اور منبر پر بیٹھ کر اُنھیں اپنی بیعت کی طرف بلانا۔ جو تمھاری بیعت کے معاملے میں ناپسندیدگی کا اظہار کرے تو اُسے تلوار سے سیدھا کرنا، اپنے ساتھی اور قریبی شخص کو چھوڑ کر دُور والے کی بات سننا اور میں تمھیں حجاج کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔

قارئین کرام! اس تاریخی حقیقت سے پتہ چلتا ہے کہ لوگوں سے نئے خلیفہ کی بیعت کس طرح سے لی جاتی تھی کہ جو پوری اُمت کے اُمور کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ اب آپ انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں کہ آیا یہاں اُمت کو خلیفہ چننے کا اختیار دیا گیا تھا یا اس پر جبراً ایسے لوگوں کو مسلط کیا گیا تھا اور اُس کے متعلق اُنھیں اظہارِ رائے کا کوئی حق حاصل نہ تھا؟ کیونکہ اگر کوئی حق گوئی کی جرأت کرتا تو اُس کی معمولی سے معمولی سزا بے دردی و بے رحمی کے ساتھ قتل ہوجاتا تھی۔

کیا اس طریقے سے لی جانے والی بیعت صحیح ہوسکتی ہے؟

کیا اس طرح سے کرسیٔ اقتدار پر بیٹھنے والے کو امیرالمومنین کہا جاسکتا ہے؟

عبدالملک بنی ہاشم کو قتل کرنے سے گریز کرتا تھا، مگر اُس کا یہ عمل دین داری کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ وہ آلِ ابوسفیان کے بھیانک انجام کو دیکھ چکا تھا جنھوں نے بنی ہاشم پر مظالم کیے تھے۔

جیسا کہ اُس نے حجاج بن یوسف کے نام خط میں بھی اسے بنی ہاشم سے چھیڑ چھاڑ کرنے سے منع کیا تھا، لیکن اس کے باوجود بھی وہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو قید کر کے مدینہ سے شام لے گیا تھا جیسا کہ حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

یہاں ہم اس کے بارے میں اس مختصر سے بیان پر اکتفا کرتے ہیں جو صاحبان تفصیل کے شائق ہیں وہ کتب سیر و تواریخ کی طرف رجوع کریں۔

ولید بن عبدالملک

اس نے اپنے باپ کی وفات کے بعد بروز جمعرات پندرہ شوال سنہ ۸۶ ہجری میں زمامِ اقتدار کو اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔ یہ وہی دن تھا جس دن اُس کے باپ عبدالملک کی وفات ہوئی تھی اور وہ زندگی کے آخری دن ہفتہ پندرہ جمادی الاول سنہ ۹۵ ہجری تک برسرِ اقتدار رہا۔ اس کی حکومت کا عرصہ نو سال اور سات مہینے تھا اور اس کی عمر چھیالیس برس تھی۔ اس کی ماں عباس بن جز بن حارث بن زہیر بن جذیمہ العبسی کی بیٹی تھی۔ ولید بہت غصے والا اور وحشی انسان تھا۔ جب تک وہ اپنے غصے کی آگ ٹھنڈی نہ کر لیتا اُسے سکون نہ ملتا تھا۔ اس نے بہت سی عورتوں سے نکاح کر کے اُنھیں طلاقیں دے دی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے لونڈیوں کے علاوہ تریسٹھ عورتوں کے ساتھ نکاح کیا تھا۔ وہ بڑا ہی جھگڑالو اور پیٹ پرست انسان تھا اور اکثر غلط کاموں میں ملوث رہتا تھا۔

اس نے ہی دمشق میں جامع مسجد بنوائی تھی جو کہ جامع اُموی کے نام سے مشہور ہے۔ اُس نے اِس کی تعمیر پر چار سو سونے کے صندوق خرچ کیے تھے اور ان میں سے ہر صندوق چودہ ہزار اور بقول دیگر اٹھائیس ہزار دینار تھے اور یہ سب اُس نے بیت المال سے لے کر خرچ کیے تھے۔ جب لوگوں نے اسے اُس پر ملامت کی تو اُس نے کہا: یہ سارا میرا اپنا مال ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جو اُموال (شرعی واجبات کی صورت میں) اُمویوں کو پیش کیے جاتے تھے وہ اُنھیں اپنا ذاتی مال سمجھتے تھے جیسا کہ اس نے مسجد نبویؐ میں اضافے کیے تھے۔ اس کے اندرونی حصے میں اس نے اعلیٰ قسم کے سونے سے کاشی کاری کروائی تھی اور اَزواج کے حجروں سمیت آس پاس کے گھروں کو بھی اس میں شامل کیا تھا۔

اس پر حبیب بن عبداللہ بن زبیر نے اُسے کہا کہ میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ تم نے کتابِ خدا کی ایک آیت اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَكَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ گرا دی ہے تو ولید نے اُسے مارنے کا حکم دیا تھا۔

امام زین العابدین علیہ السلام کی شہادت

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی شہادت ۲۵ محرم الحرام سنہ ۹۵ ہجری میں زہر سے

ہوئی تھی اور اسی ولید نے آپؑ کو زہر دیا تھا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ہشام بن عبدالملک نے ولید کے حکم سے آپؑ کو زہر دیا تھا۔ اور اس کے دوسرے سال ۱۵ جمادی الاولی یا جمادی الاخری سنہ ۹۶ ہجری کو واصلِ جہنم ہوا تھا۔

یہ بدبخت اپنے اُوپر وحی کے نازل ہونے کا بھی دعویٰ کرتا تھا اور کہتا تھا: ''میرا ہر عمل وحی الٰہی کے مطابق ہوتا ہے''۔ (الامام الصادق والمذاہب الاربعہ)

امام صادق علیہ السلام اور مخالفوں کے ساتھ عدم تعاون

ولید کی موت کے بعد جب بعض مخالفوں نے حکومت پر چڑھائی کرنے کا منصوبہ بنایا تو ان سب نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی شخصیت کو اپنے اہداف و مقاصد کے حصول کے لیے وسیلہ بنانے پر ایکا کرلیا تھا۔ مگر جب وہ اس ارادے کے ساتھ امام علیہ السلام کے پاس آئے تو امام علیہ السلام نے ان کی مدد سے انکار کر کے ان کی خواہش کو رد کر دیا اور نامراد ہوکر واپس چلے گئے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے:

عبدالکریم بن عتبہ ہاشمی کہتے ہیں: میں مکہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ معتزلہ میں سے کچھ لوگ کہ جن میں عمرو بن عبید، واصل بن عطا اور حفص بن سالم وغیرہ بھی تھے۔ امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ ولید کے قتل ہوجانے اور اہلِ شام کے آپس میں اختلاف کرنے کا زمانہ تھا۔ وہ امام علیہ السلام کے ساتھ کافی دیر باتیں کرتے رہے۔

امام علیہ السلام نے ان کی باتیں سن کر فرمایا:

''تم لوگوں نے میرا بہت وقت لیا ہے۔ تم اپنا معاملہ اپنے میں سے کسی شخص کے حوالے کردو تاکہ وہ تم میں سے ہر ایک کی دلیل کو پیش کرے اور قصہ ختم ہو۔

امام علیہ السلام کا فرمان سن کر اُنھوں نے عمرو بن عبید کو بڑا بنایا تو اُس نے بڑی بلیغ اور تفصیلی گفتگو کی۔ اس کی گفتگو کا ایک حصّہ یہ بھی تھا: اہلِ شام نے اپنے خلیفہ کو قتل کر دیا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑے اور فساد میں لگ گئے ہیں۔ ان کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔ وہاں ہم نے ایک بابصیرت، دین دار اور خلافت کی صحیح لیاقت و قابلیت رکھنے والے شخص کو پایا ہے

اور وہ محمد بن عبداللہ بن حسن ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم سارے اس پر متفق ہوجائیں، اس کی بیعت کریں اور پھر اس کے ساتھ مل کر قیام کریں۔ پس جو ہماری بیعت کرے گا وہ ہم میں سے ہوگا اور ہم اُس میں سے ہوں گے، جو ہم سے منہ موڑے گا ہم بھی اُس سے برطرف ہوجائیں گے اور جو ہمارے مقابل آئے ہم اس کے ساتھ جنگ کریں گے، اس کی سرکشی کا مقابلہ کریں گے اور اسے حق واہلِ حق کی طرف پلٹادیں گے۔

اور ہماری خواہش یہ ہے کہ اس معاملے میں آپؑ سے بھی مدد لیں، کیونکہ آپؑ صاحبِ مقام ومرتبہ ہیں اور آپؑ کے شیعہ بھی بہت زیادہ ہیں۔ اس لیے آپؑ کے بغیر ہم سب مل کر بھی ناکافی ہیں۔ جب وہ اپنی بات کرچکا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم سب بھی یہی کہتے ہو جو اس عمرو بن عبید نے کہا ہے؟

انھوں نے جواب دیا: جی ہاں! ہم سب کی یہی رائے ہے۔

ان کا جواب سن کر امام علیہ السلام نے ثنائے پروردگار اور درود بر نبی مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ارشاد فرمایا: ”جب خدا کی نافرمانی کی جاتی ہے تو ہم ناراض ہوجاتے ہیں اور جب اس کی اطاعت کی جاتی ہے تو ہم خوش ہوجاتے ہیں“۔

اے عمرو! مجھے بتاؤ کہ اگر ساری اُمت اپنا معاملہ تیرے سپرد کردے، اور بغیر جنگ و جدال اور تکلیف وزحمت کے تجھے اپنا حاکم بنادے۔ پھر تجھ سے کسی کو اپنا ولی عہد مقرر کرنے کا کہے تو تُو کس کو اپنا ولی عہد بنائے گا؟

اُس نے کہا: مَیں یہ معاملہ مسلمانوں کی شوریٰ پر چھوڑ دوں گا۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: کیا وہ شوریٰ تمام مسلمانوں کے درمیان ہوگی؟

اُس نے کہا: جی ہاں! تمام مسلمانوں کے درمیان ہوگی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا وہ ان کے فقہاء اور نیک افراد کے درمیان ہوگی؟

اس نے کہا: جی ہاں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا وہ قریش اور غیر قریش کے مابین بھی ہوگی؟

اُس نے کہا: جی ہاں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا اس شوریٰ میں سارے عرب وعجم شامل ہوں گے؟

اس نے جواب دیا: جی ہاں، اس میں سارے عرب وعجم شامل ہوں گے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اچھا تو مجھے یہ بتاؤ کہ کیا تم ابوبکر اور عمر سے محبت کرتے ہو یا ان سے نفرت و بے زاری کا اظہار کرتے ہو؟

اس نے کہا: میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پھر یہاں تو تم نے ان دونوں کی مخالفت کی ہے۔

پھر امام علیہ السلام عمرو بن عبید کے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر فرمایا: کیا تم سب ابوبکر وعمر سے محبت کرتے ہو یا ان سے برأت کا اظہار کرتے ہو؟

ان سب نے کہا: ہم شیخین سے محبت کرتے ہیں۔

اس پر امام علیہ السلام نے عمرو کو مخاطب کر کے فرمایا:

اے عمرو! اگر تم ان دونوں سے برأت و بے زاری کا اظہار کرتے ہوتے تب تو تمھارے لیے ان کے عمل کی خلاف ورزی جائز اور جچتی تھی۔ مگر اب جبکہ تم ان دونوں کی محبت کا دم بھی بھرتے ہو تو پھر تم نے کیوں ان کے عمل کی مخالفت کی ہے؟ کیونکہ عمر نے ابوبکر کو خلیفہ بنا کر اس کی بیعت کی تھی مگر کسی سے بھی مشورہ نہیں کیا تھا اور ابوبکر نے بھی منصب خلافت بغیر کسی سے مشورہ کیے عمر کے سپرد کر دیا تھا۔ پھر عمر نے اپنے بعد تمام مہاجرین و انصار کو نکال کر اس منصب کو چھے بندوں کی شوریٰ پر چھوڑ دیا تھا۔ وہ چھے افراد قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ پس تُو اور تیرے ساتھی یہ شوریٰ کو تمام مسلمانوں میں قرار دے کر اس (حضرت عمر) کے فیصلے سے (عملی طور پر) خوش دکھائی نہیں دے رہے ہو۔

عمرو نے پوچھا: حضرت عمر نے کیا کیا تھا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: حضرت عمر نے صہیب کو حکم دیا تھا کہ وہ تین دن لوگوں کو نماز کی امامت کرائیں اور یہ چھے افراد مشاورت میں لگے رہیں۔ ان چھے کے ساتھ سوائے عبداللہ بن عمر کے کوئی اور نہ تھا۔ اور وہ بھی صرف مشورے کی حد تک اس کمیٹی میں شامل تھا اور اسے حکومت نہیں ملنے والی تھی۔ اور حضرت عمر نے اپنے پاس موجود مہاجرین و انصار کو یہ وصیت کی

تھی کہ اگر یہ چھے افراد تین دن تک مشاورت سے فارغ نہ ہوں یا کسی شخص کی بیعت نہ کریں تو تم ان چھے کے چھے کمیٹی ممبران کی گردنیں اُڑا دینا۔ اور اگر تین دن گزرنے سے پہلے ان چھے میں سے چار افراد کسی پر متفق ہو جائیں اور دو مخالفت کریں تو ان دو کی گردنیں اُڑا دینا۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: اب بتاؤ! تم جو مسلمانوں کی جماعت کی شوریٰ کی بات کر رہے ہو تو کیا تم حضرت عمر کے اس فیصلے سے راضی ہو؟

ان سب نے کہا: نہیں، ہم اس فیصلے کو نہیں مانتے۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: اے عمرو! اسے چھوڑو، مجھے بتاؤ کہ اگر تم اپنے اس دوست کی بیعت کر لو جس کی بیعت کی طرف مجھے بلاتے ہو اور بعد میں ساری اُمت اس پر متفق ہو جائے حتیٰ کہ دو افراد بھی تمھارے ساتھ اختلاف کرنے والے نہ ہوں، پھر تم ان مشرکوں کے پاس جاؤ کہ جو نہ تو اسلام قبول کرتے ہوں اور نہ ہی جزیہ دیتے ہوں، تو کیا تمھارے پاس اور تمھارے اس ساتھی (حاکم) کے پاس اتنا علم ہے جس کی بدولت تم دونوں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہی سیرت اپناؤ گے جو آپؐ کی مشرکوں کے ساتھ جنگوں میں تھی؟

اس نے کہا: جی بالکل، ہم آپؐ کی سیرت پر ہی عمل کریں گے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تو تم ان کے ساتھ کیا کرو گے؟

اس نے کہا: ہم انھیں اسلام کی دعوت دیں گے اگر انھوں نے انکار کیا تو ہم ان سے جزیہ طلب کریں گے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر وہ اہلِ کتاب نہ ہوئے بلکہ مجوسی ہوئے تب کیا کرو گے؟

اس نے کہا: ان کے ساتھ بھی وہی اہلِ کتاب والا سلوک کریں گے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر وہ مشرکین عرب اور بتوں کے پجاری ہوئے تو تب کیا کرو گے؟

اس نے کہا: ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: مجھے بتاؤ کیا تم قرآن مجید پڑھتے ہو؟

اس نے کہا: جی ہاں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ذرا یہ آیت پڑھنا:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ○ (سورہ توبہ: آیت ۲۹)

"اہلِ کتاب میں سے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اللہ اور اس کے رسولؐ نے جو کچھ حرام کیا ہے اسے حرام نہیں ٹھہراتے اور دینِ حق بھی قبول نہیں کرتے، ان لوگوں کے خلاف جنگ کرو یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں"۔

کیا اس آیت میں خدا کا استثنا کرنا اور اسے اہلِ کتاب وغیر اہلِ کتاب کے لیے شرط قرار دینا برابر ہے؟

اس نے کہا: جی ہاں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ تم نے کہاں سے سمجھا ہے؟

اس نے کہا: میں نے لوگوں سے سنا ہے، وہ بھی کہتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اچھا اسے بھی چھوڑو، بتاؤ کہ اگر وہ جزیہ دینے سے انکار کر دیں اور تم ان کے ساتھ جنگ کر کے ان پر غلبہ حاصل کر لو تو مالِ غنیمت کا کیا کرو گے؟

اس نے کہا: پہلے میں اس کا خمس نکالوں گا اور باقی (چار اخماس) کو ان کے خلاف جنگ کرنے والوں میں تقسیم کر دوں گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: مجھے بتاؤ تم خمس کس کو دو گے؟

اس نے کہا: خدا نے جس جس کا نام (مستحقین خمس کے طور پر) لیا ہے، پھر اس نے یہ آیت پڑھی:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (سورہ انفال: آیت ۴۱)

"جان لو کہ جو غنیمت تم نے حاصل کی ہے اس کا پانچواں حصّہ اللہ، اس کے رسولؐ اور قریب ترین رشتہ داروں اور یتیموں اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے"۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصّہ ہے وہ تم کس کو دو گے؟ اور اس آیت "ذوالقربیٰ" سے مراد کون ہیں؟

اس نے کہا: اس مسئلے میں فقہاء نے ایک دوسرے سے اختلافِ رائے ظاہر کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں: اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت دار اور اہلِ بیت علیہم السلام ہیں۔ بعض کہتے ہیں: اس سے مراد خلیفہ ہے اور بعض کہتے ہیں: اس سے مراد ان مسلمانوں کے قریبی رشتہ دار ہیں جو جنگ میں شریک ہوتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ان میں سے تم کس بات کے قائل ہو؟

اس نے کہا: مجھے نہیں پتہ کہ ان میں سے کون سی بات صحیح ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: واقعی تمھیں اس کا علم نہیں ہے۔ اچھا اسے بھی چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ خمس نکالنے کے بعد جو (چار اخماس) مال بچے گا، کیا تم اُسے اُن تمام لوگوں میں تقسیم کرو گے جنھوں نے مشرکوں کے ساتھ جنگ کی تھی؟

اس نے کہا: جی ہاں! ان سب کو اپنا اپنا حصّہ ملے گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پھر تو تم سیرتِ رسولؐ کی مخالفت کرو گے۔ دیکھو! میرے اور تمھارے درمیان اہلِ مدینہ کے فقہاء اور علماء ہیں۔ تم ان سے پوچھ کر بھی دیکھ لو، وہ اس بات میں نزاع نہیں کریں گے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اَعرابیوں کے ساتھ اس بات پر مصالحہ کیا تھا کہ وہ اپنے گھروں میں ہی رہیں گے اور ہجرت نہیں کریں گے اور اگر آپؐ کے دشمنوں نے کبھی آپؐ کو گھیر لیا تو وہ ان دشمنوں کے ساتھ آپؐ کی ہمراہی میں جنگ بھی کریں گے مگر مالِ غنیمت میں ان کا کوئی حصّہ نہ ہوگا۔

اور ادھر تم کہتے ہو کہ مالِ غنیمت سب میں تقسیم کیا جائے گا۔ تم نے اپنی ہر بات میں رسولِ خدا کے اس طرزِ عمل کی مخالفت کی ہے جو آپؐ کا مشرکوں کے ساتھ تھا۔ تاہم یہ بتاؤ کہ

صدقہ کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟

اس نے یہ آیت پڑھی:

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ (سورۂ توبہ: آیت ۶۰)

"یہ صدقات کو صرف فقیروں، مساکین اور صدقات کے کام کرنے والوں کے لیے ہیں اور ان کے لیے جن کی تالیفِ قلب مقصود ہو اور غلاموں کی آزادی اور قرض داروں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک مقرر حکم ہے اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے"۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اچھا تو بتاؤ کہ تم انھیں کس طرح تقسیم کرو گے؟

اس نے کہا: میں انھیں حصوں میں تقسیم کروں گا اور ہر ایک کو ایک ایک حصہ دوں گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر ایسا ہوا کہ مصارفِ زکوٰۃ کی ایک صنف کے دس ہزار افراد ہوں اور دوسری صنف کے ایک یا دو یا تین افراد ہوں تو کیا تم اس ایک کو بھی اتنا ہی حصہ دو گے جتنا دس ہزار افراد پر مشتمل صنف کو دو گے؟

اس نے جواب دیا: جی ہاں! میں ایسا ہی کروں گا۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: کیا تم شہریوں اور دیہاتیوں کے صدقات کو جمع کر کے ان سب کو اس میں برابر برابر حصہ کا حق دار قرار دو گے؟

اس نے کہا: جی ہاں! میں ایسا ہی کروں گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تیری ہر بات رسولِ خدا کے عمل کے خلاف جا رہی ہے۔ رسولِ خدا دیہاتیوں کا صدقہ دیہاتیوں میں اور شہریوں کا صدقہ شہریوں میں تقسیم کرتے تھے اور آپؐ اسے سب پر ایک جیسا بھی تقسیم نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ آپؐ ان کی حاجت اور اپنی صواب دید کے مطابق ہی انھیں دیتے تھے۔ آپؐ کسی کو کوئی خاص حصہ دینے کے پابند نہ تھے بلکہ آپؐ ان میں سے جن جن کو موجود پاتے تھے اپنی مرضی و مصلحت کے مطابق کسی کو کم اور کسی کو زیادہ

دیتے تھے۔ اگر میری بات میں تجھے کوئی شک وشبہ ہے تو فقہائے اہلِ مدینہ سے بھی پوچھ لو، وہ بھی تمہیں یہی جواب دیں گے۔

پھر امام علیہ السلام نے عمرو بن عبید کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

"خدا سے ڈرو اور اے جماعت کے دوسرے لوگو! تم بھی خدا سے ڈرو۔ میرے بابا تمام زمین والوں سے زیادہ نیک وصالح اور کتابِ خدا وسنتِ پیغمبرؐ کو سب سے بہتر طریقے سے جاننے والے تھے۔ آپؑ نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جس نے لوگوں کو اپنی تلوار سے مارا اور انھیں اپنی طرف بلایا جبکہ مسلمانوں میں وہ شخص بھی موجود رہا جو اس سے بڑا عالم تھا، تو وہ (تلوار کے زور سے اپنی طرف بلانے والا) گمراہ اور لایعنی باتوں میں پڑنے والا ہے"۔ (اصولِ کافی)

سلیمان بن عبدالملک

اس نے اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ہفتے کے دن پندرہ جمادی الثانی ۹۶ ہجری میں اپنے بھائی ولید کی وفات کے بعد زمامِ اقتدار کو اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔ اس کی حکومت روز جمعہ ۱۰ صفر سنہ ۹۹ ہجری تک باقی رہی۔ اس کی وفات کا بھی دن ہے۔ اس لحاظ سے اس کی حکومت کا عرصہ دو سال نو ماہ اور کچھ دن اُوپر بنتا ہے۔ اس کے بھائی ولید بن عبدالملک نے اپنے دورِ حکومت میں چاہا تھا کہ وہ حکومت کو اس سے پھیر کر اپنے بیٹے عبدالعزیز کو دے دے مگر اس (سلیمان بن عبدالملک) نے اس سے انکار کر دیا تھا۔ اس پر ولید نے اپنے عاملوں کو خطوط لکھے اور انھیں اپنے بیٹے عبدالعزیز کی بیعت کی طرف بلایا تو حجاج اور قتیبہ بن مسلم کے علاوہ تمام لوگوں نے اس دعوت کو ٹھکرا دیا۔ ۹۶ ہجری میں سلیمان نے اپنے دورِ حکومت میں حجاج کے عاملوں کو معزول کر دیا۔ اس کے گھر والوں کو اذیت وتکلیف میں مبتلا کیا اور ایک دن میں حجاج کے قید خانے میں قید اسی ہزار قیدیوں کو نکال کر حکم دیا کہ انھیں ان کے

گھر والوں کے ساتھ ملا دیا جائے اور اس نے حجاج کے قید خانے میں تیس ہزار بے گناہ مردوں اور تیس ہزار عورتوں کو قیدی بنایا۔ پھر اس نے حجاج کے کاتب یزید بن ابی مسلم کو قید خانے میں بند کرا دیا۔ جب اسے سلیمان کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ سلیمان نے اس کی زنجیروں کو دیکھ کر کہا: ''میں نے آج سے پہلے کبھی تمھیں اس حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ خدا اس شخص پر لعنت کرے جو اپنی ہتھکڑیوں سے تجھے بچائے رکھے اور اپنے کام میں تجھ سے حکم لے''۔

اس پر یزید کہنے لگا: اے امیر المومنین! ایسا نہ کریں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ حکومت کا معاملہ مجھ سے پھر آپ کی طرف آ گیا ہے۔

پھر سلیمان نے اس سے کہا: میں تجھے قسم دے کر پوچھتا ہوں بتاؤ کہ حجاج کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ کیا تم اسے بعد میں جہنم میں گرتا ہوا دیکھ رہے ہو یا وہ اب بھی وہاں پہنچ چکا ہے۔

اس نے کہا: حجاج کے بارے میں ایسی باتیں نہ کریں۔ اس نے آپ کی خیر خواہی کی اور آپ کے خون بہائے جانے سے انھیں بچایا۔ اس نے آپ کے دوست کو امان دی اور آپ کے دشمن کو ڈرایا اور وہ قیامت کے روز آپ کے والد کے دائیں اور آپ کے بھائی ولید کے بائیں پر لعنت کرے گا۔ اب آپ کی مرضی ہے جہاں چاہیں اسے رکھیں۔

اس کی باتیں سن کر سلیمان نے کہا: دفع ہو جاؤ اور میرے پاس سے نکل کر خدا کی لعنت کی طرف چلے جاؤ۔

سلیمان بعض اُمور میں عمر بن عبدالعزیز سے مشاورت کیا کرتا تھا اور اس کی رائے معلوم کرتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے عمر سے کہا: ہمیں حکومت دے دی گئی جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہم اس کی تدبیر سے عاجز ہیں۔ پس آپ کو جس چیز میں لوگوں کی مصلحت نظر آئے، وہ بتائیں تا کہ اسے لکھ لیا جائے۔ اس وقت لوگ نمازوں کو دیر کر کے پڑھتے تو اس نے انھیں ان کے صحیح اوقات کی طرف پلٹا دیا۔

تمام مورخین کا اس بات پر اجماع ہے کہ سلیمان کھانے پینے کا حد سے زیادہ حریص تھا

اور بے پناہ مال ہڑپ کر جاتا تھا اور بعض کا کہنا ہے کہ وہ سو رطل (1) کھانا پچا جاتا تھا اور بعض نے اس کے علاوہ اقوال بھی ذکر کیے ہیں۔

وہ باریک اور کڑھائی شدہ لباس پہنتا تھا اور سب لوگوں کو کڑھائی شدہ جیسے چادریں، قیمیں، عمامے اور ٹوپیاں پہناتا تھا۔ اس نے اپنے تمام گھر والوں اور خادموں حتیٰ کہ خانساموں کے لیے بھی کڑھائی شدہ لباس تیار کرائے ہوئے تھے۔ اور اس نے یہ حکم صادر کیا تھا کہ اسے کفن بھی ایسے ہی کپڑوں میں دیا جانا چاہیے۔ وہ اموال کی وصولی میں بڑا ہی سخت تھا اور کسی قسم کی رُو رعایت نہ رکھتا تھا۔

ایک دفعہ اس نے مصر میں اپنے عامل اسامہ بن زید تنوخی کو خط میں لکھا: ''اتنا دودھ دوہو کہ تھنوں سے ختم ہو جائے اور ان کا خون اس قدر نکالو کہ ذرّہ بھی باقی نہ بچے''۔

کندی کہتا ہے: اور یہ وہ پہلی مصیبت تھی جس میں اہلِ مصر گرفتار ہوئے تھے۔

سلیمان (اپنے مصری گورنر) اسامہ کے کام سے بڑا خوش ہوا اور کہنے لگا: یہ اسامہ، نہ ایک دینار کی رشوت کا معاملہ کرتا ہے، نہ ایک درہم کی۔ اس پر عمر بن عبدالعزیز نے اس سے کہا: میں تمھیں اس سے بھی بدتر ایک چیز کے بارے میں بتاتا ہوں۔ وہ بھی نہ ایک دینار کی رشوت کا معاملہ کرتا ہے اور نہ ہی ایک درہم کی۔

سلیمان نے پوچھا: بھلا وہ چیز کیا ہے؟

اس نے کہا: وہ دشمنِ خدا ابلیس ہے۔ اس پر سلیمان غضب ناک ہو کر اس کی محفل سے اُٹھ کر چلا گیا۔

اسامہ نے اپنا جمع کیا ہوا خراج سلیمان کو پیش کیا اور کہنے لگا: اے امیر المومنین! جب

---

(1) یہاں ہم قارئین کی ضیافت طبع کے لیے ایک نکتہ بیان کرتے ہیں کہ ''رطل'' ایک پیمانہ ہے جس کا وزن مختلف علاقوں میں مختلف ہوتا ہے۔ تو اس کا وزن ۳۹۸ گرام اور ۳۴ ملی گرام بھی ہوتا ہے۔ اس طرح اگر اسے ۱۰۰ سے ضرب دی جائے تو اس بندۂ خدا کا ایک وقت کا کھانا ایک من سے بھی اُوپر چلا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر رسولؐ خدا کی بددعا لا اشبع اللہ بطنہ کی ایک واضح جھلک یہاں بھی دکھائی دیتی ہے۔ (از مترجم)

تک لوگوں نے مجھ سے زبردستی مال کو نہ روکا میں ان سے لیتا رہا۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو رعیت کے ساتھ مہربانی کریں اور ان کے خراج کو تھوڑا کم کردیں تاکہ وہ اپنے شہروں کو آباد کرسکیں۔ اور یہ بھی پکی بات ہے کہ جو خراج اس سال کم ہوا وہ آیندہ سال پورا کردیا جائے گا۔

سلیمان نے جواب میں کہا: تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے۔ پہلے دودھ دوہو، اگر وہ ختم ہوجائے تو پھر خون دوہنا شروع کردو۔

سلیمان مغربی علاقوں کی بڑی بڑی فتوحات کے فاتح کمانڈر موسیٰ بن نصیر پر غضب ناک ہوتا تھا اور یہ کوفہ کے عظیم سپاہیوں اور زاہد ترین مومنوں میں سے تھا مگر اس کا اہلِ بیت علیہم السلام کی ولایت رکھنا اور ان کی ولایت پر قائم رہنا بڑا مشہور تھا۔ اور شاید اسی وجہ سے سلیمان اس کے بڑے بڑے کارناموں اور عظیم فتوحات کے باوجود بھی اسے نفرت و غصے کی نظروں سے دیکھتا تھا۔ جیسا کہ مشہور بھی یہی ہے۔

مقامِ حیرت و افسوس ہے کہ بہت سے تاریخ دانوں نے اس مردِ مجاہد کی اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں تمام تر خدمات کو تو طاقِ غفلت و نسیان میں رکھا مگر طارق بن زیاد کو بڑے ہی اچھے لفظوں میں یاد کیا کہ جو اسی کے زیر اثر اور اسی کی جنگی تدابیر پر چلا تھا۔ اس موسیٰ کے (مفتوحہ) مقامات بڑے مشہور تھے۔ اس نے مغربی علاقوں کو فتح کیا تھا اور بہت سا مالِ غنیمت حاصل کیا تھا۔ یہ اپنے بیٹے عبدالعزیز اور اپنے غلام طارق بن زیاد کو شہروں کو فتح کرنے کے لیے بھیجتا تھا۔ لیکن سلیمان نے اس سے ناراض ہوکر اس کے بیٹے عبدالعزیز کو قتل کردیا تھا جس نے اس کے اپنے ہی دورِ حکومت میں بہت سے شہر فتح کیے تھے۔

موسیٰ کا یہ بیٹا (یعنی عبدالعزیز) زہد و راستی سے متصف تھا لیکن بعض مورخین نے اس کے بارے میں ایک تہمت کا ذکر کیا ہے جو ہر صاحبِ انصاف کی نظر میں سراسر غلط اور بددیانتی پر مبنی ہے۔ اس کو سنہ ۹۸ ہجری میں قتل کیا گیا تھا۔

ابنِ اثیر کہتے ہیں: "لوگ عبدالعزیز کے قتل کو سلیمان کے بڑے بڑے جرائم میں سے ایک جرم شمار کرتے تھے"۔

سلیمان عبدالعزیز کے والد موسیٰ پر سخت غضب ناک تھا۔ اس نے اُسے مختلف طرح کی

تکلیفوں اور ایذاؤں سے دوچار کیا اور چار ہزار دینار اور تیس ہزار درہم تاوان مانگا تھا۔ جب اس کا بیٹا مار دیا گیا تو اُس نے اپنا سر اُٹھا کر سلیمان کی طرف دیکھا اور بڑے صبر وضبط کے ساتھ بولا:

هَنِيْئًا بِالشَّهَادَةِ وَقَدْ قَتَلْتُمُوْهُ وَاللّٰهِ صَوَّامًا قَوَّامًا

"اسے (یعنی میرے بیٹے عبدالعزیز کو) شہادت مبارک ہو۔ خدا کی قسم! تم لوگوں نے اس روزے دار اور خدا کے حضور قیام کرنے والے کو قتل کیا ہے"۔

موسیٰ اور اس کا والد نصیر آلِ محمد علیہم السلام کے مشہور ماننے والے تھے، اسی لیے جب اس کے والد نے معاویہ کے ساتھ صفین میں شامل ہونے سے انکار کیا تھا تو معاویہ اس کے ساتھ ناراض ہو گیا تھا۔

عمر بن عبدالعزیز

یہ مروان بن حکم کا پوتا تھا اور اس کی والدہ اُمِ عاصم لیلیٰ بنت عاصم بن عمر بن خطاب تھی۔ جب روز جمعہ ۱۰ صفر سنہ ۹۹ ہجری کو سلیمان بن عبدالملک کی وفات ہوئی تو منصبِ خلافت اس کے حصے میں آیا۔ اس کی خلافت وحکومت روز جمعہ ۲۰ رجب ۱۰۱ ہجری تک باقی رہی۔ اس کی حکومت کی کُل میعاد دو سال پانچ مہینے اور پانچ دن بنتی ہے۔ اس کے والد عبدالعزیز (متوفی ۸۶ ہجری) نے اپنے بھائی عبدالملک کے بعد مروان کا ولی عہد بننا تھا مگر وہ اس سے پہلے ہی مر گیا تھا۔

اس نے بڑی عیش وعشرت کی زندگی گزاری تھی اور یہ اپنے کھانے اور لباس پر زرِ کثیر صرف کرتا تھا۔ یہاں تک کہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ چار ہزار دینار کا لباس خرید کر کہتا تھا: "(دیکھو) یہ کتنا کھردرا اور خراب کپڑا ہے؟" (اب میرے جیسے بندے کو یہ لباس بھی پہننا پڑے گا)۔ (طبقات الصحابہ: ج۵، ص ۲۴۶)

البتہ یہ الگ بات ہے کہ پہلے پہلے اس نے حکومت جتھیانے کے لیے ظاہری دین داری، درست روی اور قناعت کا مظاہرہ کیا تھا، مگر جب زمامِ اقتدار اس کے ہاتھوں میں دے دی گئی تو اس نے بھی اپنے اُموی چہرے سے ظاہری دین داری کا نقاب اُتار پھینکا تھا اور وہی ظلم وزیادتی

والی فضا پھر سے وجود میں آ گئی۔ امن کی حالت بالکل مفقود ہو گئی تھی، قتل و غارت گری نے بندوں اور شہروں پر راج کرنا شروع کر دیا تھا اور حکومت کا جبر و تشدد اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔

پھر اس نے اپنی مذبذب حکومت کی حفاظت کے لیے اپنے اُسلاف کی سیاست میں بڑی جلدی کے ساتھ تبدیلی لانا شروع کر دی۔ پس اس نے لوگوں سے کم خراج وصول کرنے کا حکم دیا، فدک آلِ فاطمہؑ کو واپس دلایا اور ستر سال سے جاری منبروں پر امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کو سبّ و شتم کرنے والی رسمِ بد کا خاتمہ کیا۔ جیسا کہ اس نے بنی اُمیہ کی بعض برائیوں پر پردہ ڈالنے کی خاطر لوگوں کو بعض حوالے سے آزادیاں بھی دی تھیں۔

اس کے انہی چند کاموں نے اس کی منحرف شخصیت پر پردہ ڈالے رکھا اور لوگ اس کے دھوکے میں آتے رہے حتیٰ کہ تاریخ دانوں نے بھی اس کی اصلیت سے چشم پوشی کر کے اسے بہت سراہا۔ مگر ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام چونکہ خاندانِ وحی کے افراد تھے اور علمِ رسولؐ ان کے رگ و پے میں سمویا ہوا تھا اس لیے وہ چیزوں کے حقائق سے بہت اچھی طرح واقف و آشنا تھے بلکہ وہ ان کے واقع سے پہلے ہی ان کے بارے میں مکمل طور پر بتا دیتے تھے۔ نیز انھیں خدا کی جانب سے فراستِ کاملہ سے نوازا گیا تھا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِیۡنَ ○ (سورۂ حجر: آیت ۷۵)

"بے شک اس میں نشانیاں ہیں فراست والوں کے لیے"۔

اسی لیے ان کی مقدس زبانوں سے اس کی مذمت وارد ہوئی ہے اور اسے ملعون کہا گیا ہے۔ یہاں ہم اپنے قارئین کی ضیافتِ علمی کے لیے دو حدیثیں پیش کر رہے ہیں:

① حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے (عمر بن عبدالعزیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) عبداللہ بن عطاء سے فرمایا: کیا تم نے اس عیش پرست کو دیکھا ہے؟؟ یہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک لوگوں پر حکومت نہ کر لے۔ جب یہ حاکم بنے گا تو تھوڑے ہی عرصے کے بعد مر جائے گا اور جب مر جائے گا تو آسمان والے اس پر لعنت کریں گے اور زمین والے اس کے لیے استغفار کریں گے۔ (بحارالانوار: جلد ۴۶، ص ۲۳)

② حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مَیں مسجد میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

کے پاس موجود تھا کہ اتنے میں عمر بن عبدالعزیز اپنے غلام کا سہارا لیے مسجد میں داخل ہوا۔ اس نے ہلکے سرخ رنگ کی دو مصری چادریں اُوڑھی ہوئی تھیں۔

اسے دیکھ کر امام علیہ السلام نے فرمایا: عنقریب یہ لڑکا حکومت حاصل کرے گا اور عدل کو ظاہر کرے گا۔ پھر مرجائے گا تو زمین والے اس پر روئیں گے جبکہ آسمان والے اس پر لعنت کریں گے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ اس جگہ بیٹھے گا جہاں بیٹھنے کا حق دار نہ ہوگا (یعنی منصبِ خلافت کا دعویٰ کرے گا)۔

قارئین کرام! میں کہتا ہوں کہ عمر بن عبدالعزیز کی توبیخ کے لیے امام محمد باقر علیہ السلام کا یہی فرمان ہی کافی ہے: "وہ اس جگہ بیٹھے گا جہاں بیٹھنے کا حق دار نہ ہوگا"۔

پس خلافت ایک الٰہی منصب ہے جو خداوند عالم نے ائمہ طاہرین علیہم السلام کے لیے قرار دیا ہے۔ بنابراین ائمہ طاہرین علیہم السلام کے علاوہ جو بھی اس منصب کا دعویٰ کرے گا وہ ظالم و غاصب کہلائے گا، خواہ وہ عادل و عبادت گزار ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ جب وہ غاصب ہوگا تو یقیناً آسمان اس پر لعنت کرے گا اور اُس کے اعمال بھی قبول نہ ہوں گے، کیونکہ اعمال کی قبولیت کے لیے تقویٰ شرط ہے۔

یزید بن عبدالملک

یہ بھی مروان کا پوتا تھا اور اس کی ماں عاتکہ بنت یزید بن معاویہ تھی۔ یہ عمر بن عبدالعزیز کے بعد سنہ ۱۰۱ ہجری میں مسندِ اقتدار پر بیٹھا تھا اور شبِ جمعہ ۲۵ شعبان ۱۰۵ ہجری تک برسرِ اقتدار رہا۔ یوں اس کی حکومت کا کُل چار سال، ایک ماہ اور دو دن بنتے ہیں۔ یزید لہو ولعب کا دلدادہ تھا، یعنی اس کی حبابہ اور سلامہ نامی دو لونڈیاں تھیں اور یہ انھی کے ساتھ ہی مشغول رہتا تھا۔ جب حبابہ کا انتقال ہوا تو اس کے غم میں اس کی جان بھی نکل گئی۔ جب وہ مری تھی تو اس نے کئی دن تک اسے یونہی رکھے رکھا اور اسے دفن نہ کرنے دیا کیونکہ وہ اس کی جدائی کو برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ پھر جب اس کی اس فعل پر سرزنش کی گئی تو تب اس نے اسے دفن

کرنے دیا۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس نے دفن کروا دینے کے بعد دوبارہ اس کی قبر کو کھدوا کر اسے دیکھا تھا۔

ہشام بن عبدالملک

یزید بن عبدالملک کی وفات کے بعد اس کا بھائی ہشام بن عبدالملک نے ۲۵ شعبان ۱۰۵ ہجری کو برسرِ اقتدار آیا۔ اس کی حکومت اس کی وفات کے سال یعنی ۱۲۵ ہجری تک باقی رہی اور یوں اس کی حکومت کی میعاد انیس سال اور کچھ ماہ بنتی ہے۔ اس کی ماں ہشام بن اسماعیل مخزومی کی بیٹی تھی۔

ہشام بن عبدالملک کا شمار بنی اُمیہ کے ظالم ترین حکمرانوں میں سے ہوتا ہے۔ لوگ اسے معاویہ بن ابی سفیان اور عبدالملک بن مروان جیسا ظالم درندہ سمجھتے تھے۔ یہ اپنی بدزبانی، اکھڑمزاجی، بے حد کنجوسی اور محفل میں برائی کے حوالے سے بہت مشہور تھا۔ یہ بھینگا تھا اور عبدالملک بن مروان کی اولاد میں سے اقتدار سنبھالنے والا چوتھا شخص تھا۔ یہ خبیث حضرت علی علیہ السلام کے چاہنے والوں کا بڑا دشمن تھا اور جب بھی موقع پاتا تھا انھیں اپنی درندگی کا نشانہ بناتا تھا۔

ہشام اور فرزدقؒ شاعر

کرسیٔ اقتدار پر بیٹھنے سے پہلے ایک مرتبہ ہشام حج پر گیا۔ اس نے بیت اللہ کا طواف تو کرلیا تھا مگر ہجوم بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے اس نے ابھی حجرِ اسود کو بوسہ دینا تھا۔ چنانچہ اس کے لیے منبر لگایا گیا اور وہ اس پر بیٹھ گیا اور اہلِ شام اس کے آس پاس جمع ہو گئے۔ اسی اثنا میں حضرت امام علی بن الحسین علیہ السلام وارد مسجد الحرام ہوئے تو لوگ آپؑ کی ہیبت و جلالت سے اور آپؑ کے احترام کے باعث آپؑ کے سامنے سے ہٹتے گئے اور آپؑ کو آسانی کے ساتھ حجرِ اسود تک پہنچنے کا راستہ مل گیا۔ مگر یہ چیز ہشام سے برداشت نہ ہو سکی۔ اس نے امام علیہ السلام کی توہین و تنقیص کے ارادے سے کہا:

مَنْ هٰذَا؟ ——— "یہ کون ہیں؟"

فرزدقؒ شاعر وہاں موجود تھا۔ اس نے کہا: اَنَا اَعْرِفُهٗ "میں جانتا ہوں، یہ کون ہیں؟"
ہشام نے کہا: اچھا تو بتا یہ کون ہیں؟
فرزدقؒ شاعر نے اس موقع پر ایک قصیدہ انشاء کیا جس کا مطلع یہ ہے:

هٰذَا الَّذِیْ تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْاَتَهٗ
وَالْبَیْتُ یَعْرِفُهٗ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ
هٰذَا ابْنُ خَیْرِ عِبَادِ اللّٰهِ کُلِّهِمْ
هٰذَا التَّقِیُّ النَّقِیُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمُ

"یہ وہ ہیں جن کے قدموں کی آہٹ سے بطحاء واقف ہے اور بیت اللہ بھی انھیں جانتا ہے، حل بھی انھیں جانتا ہے اور حرم بھی۔ یہ بندگانِ خدا میں سب سے اچھے انسان کے فرزند ہیں، یہ پاک و پاکیزہ طہارتوں کا قبلہ اور نشانِ ہدایت ہیں"۔

جب ہشام نے یہ قصیدہ سنا تو اس نے فرزدق کو قید خانے میں ڈالنے کا حکم سنایا۔

ہشام اور حضرت زید بن علی بن الحسین علیہم السلام

ایک دفعہ حضرت زید بن علیؑ اس کے دربار میں داخل ہوئے اور (بسبب تقیہ) اسے "امیر المومنین" کہہ کر سلام کیا۔ اس نے آنجناب کی اہانت کے ارادے سے ان کے سلام کا جواب نہ دیا۔ ان سے سخت لہجے میں باتیں کرنے لگا اور انھیں محفل میں نہ بیٹھنے دیا۔

اس پر حضرت زیدؒ نے کہا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَحْوَلُ "اے بھینگے! تم پر سلام ہو"۔ تو اپنے آپ کو اسی نام کا اہل سمجھتا ہے۔

اس سے ہشام آگ بگولا ہو گیا اور ان دونوں کے درمیان کافی بحث و مباحثہ ہوا مگر ہر بار ہشام کے نصیب میں ہار کی ذلت و رسوائی تھی۔ پھر حضرت زید یہ کہتے ہوئے اس کی محفل سے باہر چلے گئے: "جب بھی کوئی قوم تلواروں کی گرمی سے جی چراتی ہے، ذلت و خواری اس کا مقدر بن جاتا ہے"۔

پھر ہشام نے انھیں واپس بلوا کر ان سے کہا: اپنا کام بتایئے، کس غرض سے یہاں آنا ہوا ہے؟

حضرت زیدؓ نے کہا: تو اور مسلمانوں کے اُمور کی دیکھ بھال کرے، ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔ پھر آپؑ یہ کہتے ہوئے اس کے پاس سے چلے گئے: "جو جان سے پیار کرتا ہے وہ ذلیل ہوتا ہے"۔

اس کے بعد حضرت زیدؓ کوفہ چلے اور وہیں تین صفر ۱۲۱ ہجری کو مختلف طبقوں کے انقلاب لانے کے بعد ان کی شہادت واقع ہوئی۔ ان کی شہادت کے ان کے جسدِ اطہر کو ہشام کے حکم سے ننگا کر کے اُلٹا سولی پر لٹکایا گیا اور وہ چار سال تک سولی پر ہی لٹکا رہا۔ (الامام الصادق والمذاہب الاربعہ: جلد۱، ص ۱۲۲)

معزز قارئین! حضرت زیدؓ شہید کا تھوڑا سا ذکر ہم نے اس ملعون کے دورِ حکومت کی مناسبت کے حوالے سے کیا ہے اور اسی کتاب کے آیندہ صفحات میں ہم ان کے احوال کو کچھ اور وضاحت کے ساتھ بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ہشام اور امام محمد باقر علیہ السلام

عمارہ بن زید واقدی کہتے ہیں: ایک سال ہشام بن عبدالملک بن مروان نے حج کیا اور اسی سال حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی حج کیا تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"حمد ہے اس خدا کی، جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا اور ان کے ذریعے سے ہمیں عزت عطا کی۔ ہم پوری مخلوقِ خدا میں سے اس کے برگزیدہ اور اس کے تمام بندوں میں سے اس کے پسندیدہ افراد ہیں۔ پس نیک بخت ہے وہ انسان جو ہماری پیروی کرے اور بدبخت ہے وہ شخص، جو ہماری مخالفت کرے۔ لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو ظاہری طور پر تو ہماری محبت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر حقیقت میں دشمنوں کے ساتھ ہیں اور جس نے بھی ہمارے دشمنوں، ان کے پاس بیٹھنے والوں اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ محبت

رکھی تو اس نے نہ تو ہمارے رب کا کلام سنا اور نہ ہی اس کے مطابق عمل کیا"۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: مسلیمہ بن عبدالملک نے یہ خبر جا کر اپنے بھائی ہشام بن عبدالملک کو بتادی مگر اس نے ہمارے ساتھ کوئی بات نہ کی اور وہ دمشق چلا گیا اور ہم واپس مدینہ چلے آئے۔ وہاں سے اس نے اپنا ایک قاصد مجھے اور میرے بابا کو جاننے والے چند افراد سمیت مدینہ میں اپنے گورنر کے پاس بھیجا۔ اس کے واسطے سے وہ ہم تک پہنچا اور ہمیں لے کر ہشام کی طرف چل پڑا۔

جب ہم دمشق پہنچے تو پہلے تین دن وہ ہم سے چھپا رہا۔ چوتھے دن جب اس نے ہمیں ملاقات کی اجازت دی اور ہم اس کے دربار میں حاضر ہوئے تو ہم نے اسے دیکھا وہ تخت شاہی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سپاہی اور خاص افراد اسلحہ اُٹھائے ہوئے ایک خاص ترتیب کے ساتھ اس کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ اس کے سامنے تیروں کی نشانہ بازی کے لیے ایک چیز بنائی گئی تھی جس پر نشانہ باندھ کر اس کی قوم کے افراد تیر پھینکتے تھے۔ جب میں اور میرے بابا اس کے دربار میں داخل ہوئے تو میں اپنے بابا کے پیچھے پیچھے تھا اور ہم اس کے قریب آتے گئے حتیٰ کہ اس کے سامنے اپنے اپنے مقامات پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ میرے بابا سے کہنے لگا: اے ابوجعفرؑ! آج آپ بھی اپنی قوم کے بزرگوں کے ساتھ اس نشانے پر تیر لگائیں تاکہ ہم بھی دیکھ لیں کہ آپ کا نشانہ کیسا ہے؟

اس نے میرے بابا کا مذاق اُڑانے کے ارادے سے انھیں اس نشانہ بازی کا کہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میرے بابا اپنی کبرسنی کی وجہ سے نشانہ صحیح مقام پر نہ لگا سکیں گے اور اس پر وہ آسانی کے ساتھ ان کا مذاق اُڑائے گا۔ چنانچہ میرے بابا نے عذر ظاہر فرمایا کہ میں بہت ضعیف ہوں، بہتر ہے مجھے اس کی زحمت نہ دو۔ لیکن وہ نہ مانا اور کہنے لگا: نہیں اس خدا کی قسم! جس نے ہمیں اپنے دین اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب عزت دی۔ آپؑ کو ایسا ضرور کرنا ہوگا۔

پھر اس نے بنی اُمیہ کے ایک بوڑھے کی طرف اشارہ کر کے کہا: امام علیہ السلام کو ذرا اپنی کمان دینا۔ میرے بابا نے اس سے تیر کمان لیا اور نشانے کی طرف پھینکا تو وہ نشانے کے بالکل وسط میں لگا۔ پھر امام علیہ السلام نے ایک دوسرا تیر پھینکا تو وہ پہلے تیر کو پھاڑ کر اس میں داخل

ہو گیا۔ پھر امام علیہ السلام اسی طرح تیر پھینکتے رہے اور وہ ایک دوسرے کو پھاڑ کر اندر داخل ہوتے رہے، حتیٰ کہ امام علیہ السلام نشانے پر لگاتے ہوئے تیر نو ہو گئے۔ یہ منظر دیکھ کر ہشام حیرت و پریشانی میں ڈوب گیا اور بے ساختہ بول اُٹھا: اے ابوجعفرؒ! آپؒ تو بہت ہی عمدہ طریقے سے تیر پھینکتے ہیں۔ یقیناً آپؒ ہر عرب و عجم سے زیادہ اچھے طریقے سے تیر پھینکتے ہیں حالانکہ آپؒ تو اپنے آپ کو ضعیف کہہ رہے تھے جبکہ اس سے آپؒ کی نشانہ بازی پر کوئی فرق نہیں پڑا۔

پھر وہ اپنی بات پر خود ہی نادم ہو گیا کہ اس نے کیوں آپؒ کو آپؒ کی کنیت سے مخاطب کیا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے تکبر کی وجہ سے کسی کو بھی اس کی کنیت سے نہیں بلاتا تھا۔ پھر اس نے کافی دیر ریاکارانہ طور پر اپنا سر جھکائے رکھا اور میرے باباؒ اس کے سامنے کھڑے رہے اور میں بھی اپنے باباؒ کے پیچھے کھڑا رہا۔ جب ہمیں کھڑے ہوئے بہت زیادہ وقت گزر گیا تو میرے باباؒ کے چہرۂ مبارک پر جلالت کے آثار دکھائی دینے لگے اور میرے باباؒ نے غصے کی نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھا اور یہ میرے باباؒ کا معمول تھا کہ جب بھی آپؒ کو غصہ آتا تو آپؒ آسمان کی طرف دیکھتے تھے اور جلالت کی بجلی آپؒ کے چہرۂ انور پر چمکتی ہوئی نظر آتی تھی۔ جب ہشام نے اپنا سر اُوپر اُٹھا کر میرے باباؒ کو اس حال میں پایا تو کہنے لگا: اے محمدؒ! اُوپر تخت پر آجایئے تو میرے باباؒ نے تخت پر قدم رنجہ فرمایا اور میں بھی اپنے باباؒ کے پیچھے پیچھے تخت پر چلا گیا۔ جب میرے باباؒ ہشام کے قریب پہنچے تو اس نے اُٹھ کر میرے باباؒ کا استقبال کیا۔ انھیں گلے سے لگایا اور اپنی دائیں طرف بٹھالیا۔ پھر اس نے مجھے گلے سے لگایا اور مجھے میرے باباؒ کی دائیں جانب بٹھا دیا۔ پھر اس نے اپنا منہ میرے باباؒ کی طرف کیا اور کہنے لگا: اے محمدؒ! جب تک قریش میں آپؒ جیسے افراد موجود رہیں گے، عرب و عجم انھیں اپنا سردار مانیں گے۔ سبحان اللہ کیا خوب نشانہ ہے آپ کا۔ تیر پھینکنا آپؒ کو کس نے سکھایا ہے؟ اور آپؒ نے یہ کتنے عرصے میں سیکھا ہے؟

میرے باباؒ نے فرمایا: تو بہتر جانتا ہے کہ اہلِ مدینہ یہ کام کرتے تھے اور میں بھی بچپن سے اس میں لگا رہتا تھا۔ پھر میں نے اسے ترک کر دیا۔ اگر امیر المومنین ہشام نے پھر کبھی ایسا کرنے کی خواہش کی تو میں پھر کر دوں گا۔ یہ سن کر وہ کہنے لگا: جب سے میں نے ہوش سنبھالا

ہے میں نے ایسی تیراندازی کبھی نہیں دیکھی۔ میرا نہیں خیال کہ روئے زمین پر کوئی اور بھی ایسا ہو جو ایسی تیراندازی کرسکتا ہو۔ بتائیے کہ آپؑ کی تیراندازی کی نسبت (امام) جعفر صادقؑ کی تیراندازی کیسی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: کمال و تمامیت اور دین ہم ایک دوسرے سے وراثت میں پاتے ہیں جیسا کہ خداوند عالم نے اسے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت میں بیان فرمایا:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (سورۂ مائدہ: آیت ۳)

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کرلیا"۔

بنابرایں زمین پر ہمیشہ ایک ہستی ضرور موجود رہتی ہے جو اس کے دین کامل کی ترجمان ہوتی ہے اور یہ ایسے اُمور کی نشانی ہوتی ہے جن تک ہمارے علاوہ دوسرے لوگ نہیں پہنچ سکتے۔

جب ہشام نے میرے باباؑ کی زبان سے یہ سنا تو اس کی دائیں آنکھ پھرنے لگی اور اس کا چہرہ لال ہوگیا۔ اور یہ اس کے غصے کی نشانی تھی۔ وہ جب بھی غصے میں ہوتا تو اس کے چہرے سے یہی آثار نمودار ہوتے تھے۔ پھر اس نے کچھ دیر کے لیے اپنا سر نیچے کرلیا۔ پھر میرے باباؑ کی طرف دیکھ کر کہنے لگا: کیا ہم سب عبد مناف کی اولاد نہیں اور کیا ہمارا اور آپ کا سلسلۂ نسب ایک نہیں؟

اہلِ بیتؑ کی افضلیت

میرے باباؑ نے فرمایا: نسب تو ہمارا بھی یہی ہے لیکن خداوند بزرگ نے ہمیں اپنے مخفی راز اور خالص علم کے ساتھ مخصوص کیا جو اس نے ہمارے علاوہ کسی کو بھی نہیں دیا۔

اس نے کہا: کیا خداوند عالم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عبد مناف کے شجرہ سے تمام سیاہ، سفید اور سرخ لوگوں کی طرف مبعوث نہیں کیا تھا؟ اگر سب کی طرف مبعوث کیا تو آپؑ نے ایسی وراثت کیسے حاصل کرلی جو آپؑ کے علاوہ کسی کے لیے نہیں ہے جیسا کہ

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۸۰)

''اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے''۔

آپ کو یہ علم کہاں سے وراثت میں ملا ہے جبکہ حضرت محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آیا اور آپؑ (اہلِ بیتؑ) خود بھی انبیاءؑ نہیں ہیں؟!

میرے بابا نے فرمایا: یہ ہمیں اس فرمانِ الٰہی سے حاصل ہوا ہے:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ (سورۂ قیامہ: آیت ۱۶)

''دیکھیے! آپؐ قرآن کی تلاوت میں عجلت کے ساتھ زبان کو حرکت نہ دیں''۔

پس جو آپؐ نے ظاہر کیا وہ تمام لوگوں کے لیے تھا اور جس کے لیے آپؐ نے اپنی زبان کو حرکت نہ دی، اس کے بارے میں خدا نے آپؐ کو حکم دیا کہ آپؐ وہ صرف اور صرف ہم اہلِ بیتؑ کو بتائیں اور ہمارے علاوہ کسی کو نہ بتائیں۔ اسی وجہ سے آپؐ دوسرے اصحاب علیہم الرضوان کو چھوڑ کر صرف حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ ہی سرگوشی کرتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

وَتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ (سورۂ حاقہ: آیت ۱۲)

''اور محفوظ رکھنے والے کان اسے سن لیں''۔

رسول خدا ﷺ نے اصحابِ علیہم الرضوان کے سامنے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: اے علیؑ! میں نے خداوند عالم سے سوال کیا ہے کہ وہ اسے آپؑ کا کان قرار دے''۔

اسی لیے حضرت علی علیہ السلام نے مسجد کوفہ میں (برسرِ منبر) ارشاد فرمایا تھا:

عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ اَلْفَ بَابٍ مِنَ الْعِلْمِ. يَنْفَتِحُ مِنْ كُلِّ بَابٍ اَلْفَ بَابٍ

''رسول اللہ ﷺ نے مجھے علم کے ایسے ہزار باب تعلیم کیے تھے، جن میں سے ہر ایک باب سے ہزار ہزار باب کھلتے ہیں''۔

پس جس علمِ مکنون سے خدا نے حضور سرورِ کائنات ﷺ کو مخصوص کیا تھا اسی سے

پؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو مخصوص فرمایا اور پھر وہ علم حضرت علی علیہ السلام سے ہمیں وراثت میں ملا اور ہماری قوم کو نہ ملا۔

ہشام نے کہا: حضرت علی علیہ السلام علمِ غیب کا دعویٰ کرتے تھے حالانکہ خداوند عالم اپنا غائب کسی پر بھی ظاہر نہیں کرتا تو حضرت علی علیہ السلام نے اس کا کیسے اور کیوں دعویٰ کیا تھا؟

میرے بابا علیہ السلام نے فرمایا: بے شک خداوند عالم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک عظیم المرتبہ کتاب کو نازل فرمایا اور اس میں ماضی سے لے کر قیامت تک ہونے والی تمام باتوں کا ذکر فرمایا۔ جیسا کہ اس کا بیان درج ذیل آیات میں ہوا ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ (سورۂ نحل: آیت ۸۹)

"اور ہم نے آپؐ پر یہ کتاب ہر چیز کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرنے والی اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت اور بشارت بنا کر نازل کی ہے"۔

وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنَاهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ (سورۂ یٰس: آیت ۱۲)

"اور ہر چیز کو ہم نے ایک امامِ مبین میں جمع کر دیا ہے"۔

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (سورۂ انعام: آیت ۳۸)

"ہم نے کتاب میں کسی شے کے بیان میں کوئی کمی نہیں کی ہے"۔

وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ

"اور آسمان اور زمین میں کوئی ایسی پوشیدہ بات نہیں ہے جو کتابِ مبین نہ ہو"۔ (سورۂ نحل: آیت ۷۵)

اور خداوند عالم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی کی کہ آپؐ اپنے غیب، راز اور مخفی علم کی جو بھی بات جانتے ہیں وہ سرگوشی کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام کو بتا دیں۔ پھر آپؐ نے اپنے بعد حضرت علی علیہ السلام کو قرآنِ مجید جمع کرنے کا حکم دیا اور اپنی قوم کے دوسرے افراد کو چھوڑ کر آپؑ کو ہی اپنے غسل وحنوط اور تکفین سے متعلقہ اُمور کا ولی بنایا اور اپنے گھر والوں اور

اصحابؓ سے فرمایا:

حَرَامٌ اَنْ تَنْظُرُوا اِلٰی عَوْرَتِیْ غَیْرَ اَخِیْ عَلِیٍّ. فَھُوَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ، لَہٗ مَالِیْ وَعَلَیْہِ مَا عَلَیَّ. وَھُوَ قَاضِیْ دَیْنِیْ وَمُنْجِزُ وَعْدِیْ

"میرے بھائی حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ تم سب پر میری جائے شرم کو دیکھنا حرام ہے۔ پس وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں، جو میرا حق ہے وہ ان کا حق ہے اور جو مجھ پر واجب ہے وہ ان پر واجب ہے اور وہ میرا قرض چکانے والے اور میرے وعدوں کو پورا کرنے والے ہیں"۔

پھر آپؐ نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا:

عَلِیٌّ یُقَاتِلُ عَلٰی تَاوِیْلِ الْقُرْاٰنِ کَمَا قَاتَلْتُ عَلٰی تَنْزِیْلِہٖ

"حضرت علی علیہ السلام تاویلِ قرآن پر جنگ کریں گے جس طرح میں نے اس کی تنزیل پر جنگ کی ہے"۔

واضح رہے کہ جس طرح قرآن کی کامل و اکمل تاویل حضرت علی علیہ السلام کے پاس تھی ویسی کسی اور کے پاس نہ تھی۔ اسی لیے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا:

اَقْضَاکُمْ عَلِیٌّ

"حضرت علی علیہ السلام تم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں"۔

اور عمر بن خطاب نے بھی یہ کہا تھا:

لَوْلَا عَلِیٌّ لَھَلَکَ عُمَرُ

"اگر (حضرت) علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا"۔

بتاؤ! کیا واقعی حضرت عمرؓ حضرت علی علیہ السلام (علم و حسنِ قضاوت) کی شہادت دیتے تھے اور آپؑ کے غیر کا انکار کرتے تھے؟!!

پھر ہشام نے اپنا سر جھکا لیا اور کچھ دیر کے بعد اُوپر دیکھ کر کہنے لگا:

میرے بابا! نے فرمایا: میں اپنے اہل و عیال کو خائف و پریشان چھوڑ کر یہاں آیا ہوں (یعنی وہ میرے آنے کی وجہ سے پریشان تھے)۔

اس نے کہا: آپؑ کے واپس چلے جانے سے خدا ان کی پریشانی کو امن وسکون میں بدل دے گا۔ آج ہی آپؑ واپس چلے جائیں گے۔ پھر میرے باباؑ نے اسے گلے لگایا اور وداع کیا اور میں نے اپنے باباؑ کے عمل کی پیروی کی۔ میرے باباؑ اُٹھے تو میں بھی اُٹھا اور ہم چل پڑے۔ جب ہم دروازے سے باہر آئے تو ہم نے دیکھا کہ ایک بہت ہی بڑا میدان ہے اور اس کے آخر میں کچھ لوگ بیٹھے ہیں۔ میرے باباؑ نے ان کے متعلق سوال کیا تو دربانوں نے کہا: یہ قسیس ورھبان ہیں اور یہ ان کا عالم ہے جو ہر سال میں ایک دن ان کے لیے یہاں بیٹھتا ہے۔ میرے بابا نے اپنی چادر کے بچے ہوئے حصے سے اپنا چہرہ چھپایا اور میں نے بھی اپنے چہرے پر کپڑا ڈالا اور ہم ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے اور میں اپنے باباؑ کے پیچھے بیٹھ گیا۔ جب یہ خبر ہشام تک پہنچی تو اس نے اپنے بعض لڑکوں کو بھیجا کہ وہاں جا کر دیکھیں کہ امام علیہ السلام اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ پھر وہ چند مسلمانوں کو اپنے ساتھ لے کر آیا اور وہ ہمارے آس پاس بیٹھ گئے۔

امام محمد باقر علیہ السلام اور نصرانیوں کا عالم

پھر نصرانیوں کا عالم وہاں آیا۔ اس نے اپنی آبروؤں کو زرد پٹی کے ساتھ باندھا ہوا تھا۔ وہ چلتا چلتا ہمارے درمیان آ گیا۔ تمام لوگ اس کے استقبال کو اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر وہ مجلس کے عین وسط میں بیٹھا اور لوگوں نے اسے گھیر لیا۔ میں اور میرے باباؑ ان کے درمیان تھے۔ اس نے لوگوں میں اپنی نظر دوڑائی اور میرے باباؑ کی طرف دیکھ کر کہنے لگا:

آپؑ ہم میں سے ہیں یا اس اُمت مرحومہ میں سے؟

میرے باباؑ نے فرمایا: میرا تعلق اس اُمت مرحومہ سے ہے۔

اس نے پوچھا: آپؑ کا شمار اس اُمت کے عالموں میں سے ہوتا ہے یا جاہلوں میں سے؟

میرے باباؑ نے فرمایا: میں اس کے جاہلوں میں سے نہیں ہوں۔

میرے باباؑ کا یہ جواب سن کر وہ پریشان ہو گیا اور کہنے لگا: میں آپؑ سے سوال کرتا ہوں۔

میرے باباؑ نے فرمایا: کرو۔

اس نے پوچھا: آپ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ اہلِ جنت، جنت میں کھائیں پئیں گے مگر انھیں پیشاب وغیرہ کی حاجت پیش نہ آئے گی۔ کیا آپؑ کے پاس اس کی کوئی دلیل اور نا قابلِ انکار ثبوت موجود ہیں؟

میرے باباؑ نے فرمایا: اس کی نا قابلِ رد دلیل وہ بچہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں غذا پاتا ہے مگر وہ کوئی فضلہ وغیرہ نہیں کرتا۔

یہ جواب سن کر وہ حیران و ششدر رہ گیا اور بولا: آپؑ کہتے ہیں کہ آپؑ اس اُمت کے عالموں میں سے نہیں۔ اس بات کا خیال ہی محال ہے۔

میرے باباؑ نے فرمایا: میں نے کہا تھا کہ میں اس اُمت کے جاہلوں میں سے نہیں ہوں۔

اس نے کہا: میں آپؑ سے ایک اور سوال کرتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پوچھو۔

اس نے پوچھا: آپ (مسلمانوں) کا دعویٰ ہے کہ جنت کے پھل ہمیشہ تر و تازہ رہیں گے۔ اس کی اس دنیا میں کیا دلیل ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: فرات (میٹھا پانی) تر و تازہ ہوتا ہے۔ اس کی تری اور تازگی ہمیشہ موجود رہتی ہے اور ختم نہیں ہوتی۔

یہ جواب سن کر اس کی حیرت میں اضافہ ہو گیا اور وہ کہنے لگا: آپؑ خود اس اُمت کے عالموں میں سے نہیں سمجھتے اور بات بالکل اس طرح نہیں ہے (یعنی آپ تو اس کے بہت بڑے عالم ہیں)۔

میرے باباؑ نے فرمایا: میں نے کہا ہے کہ میں اس کے جاہلوں میں سے نہیں ہوں۔

اس نے کہا: میں آپؑ سے ایک اور سوال کرتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کرو۔

اس نے کہا: مجھے دنیا کی کوئی ایسی گھڑی بتائیے جس کا شمار رات میں ہوتا ہے اور نہ ہی دن میں؟

میرے بابا نے فرمایا: یہ طلوعِ فجر سے لے کر طلوعِ آفتاب تک کا درمیانی وقت ہوتا ہے۔ اس وقت میں بیمار کو سکون مل جاتا ہے، ساری رات نہ سو سکنے والا اس وقت (آرام کی نیند) سو جاتا ہے اور جو بے ہوش ہو، اسے اس وقت افاقہ مل جاتا ہے۔ خدا نے اسے دنیا میں رغبت رکھنے والوں کے لیے پسندیدہ اور آخرت میں عمل کرنے والوں کا حصّہ قرار دیا ہے اور اسے اپنی ذات کا جحود و انکار کرنے والوں پر واضح دلیل اور حجت قاطع قرار دیا ہے۔

اس پر اس کی چیخ نکل گئی۔ پھر کہنے لگا: میرا ایک سوال باقی رہ گیا ہے اور وہ میں آپؑ سے لازماً پوچھوں گا اور مجھے یقین ہے کہ آپؑ اس کا جواب نہ دے سکیں گے۔

میرے بابا نے فرمایا: پوچھو! یہ بات کہہ کر تم نے بڑا گناہ کیا ہے (کہ آپؑ بھی اس کا جواب نہ دے سکیں گے)۔

اس نے کہا: وہ کون سے دو مولود ہیں جو پیدا بھی ایک دن ہوئے اور جن کی وفات بھی ایک ہی دن ہوئی مگر ان میں سے ایک کی دنیاوی عمر ایک سو پچاس سال ہے جبکہ دوسرے کی عمر پچاس سال ہے؟

میرے بابا نے فرمایا: وہ (دو بھائی) حضرت عزیر اور حضرت عزرہ علیہما السلام ہیں۔ جب ان دونوں کی عمر ۱۵ برس ہوئی اور وہ دونوں جوان ہوئے تو حضرت عزیر علیہ السلام اپنے گدھے پر سوار ہو کر انطاکیہ کی ایک بستی سے گزرے جو اپنی چھتوں کے بل گری ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر آپؑ نے کہا: اے اللہ اس (اُجڑی ہوئی آبادی کو) مرنے کے بعد کس طرح تو زندگی بخشے گا؟ حالانکہ خداوندعالم نے انھیں منتخب کیا ہوا تھا اور اپنی جانب سے ہدایت بھی دی ہوئی تھی۔ چنانچہ جب انھوں نے اپنے منہ سے یہ بات نکالی تو خداوندعالم نے ان پر غضب ناک ہو کر انھیں سو سال کے لیے موت دے دی۔ پھر خدا نے انھیں ان کے کھانے پانی اور گدھے کے پاس ہی زندہ کر دیا اور جب وہ اپنے گھر واپس آئے تو ان کے بھائی حضرت عزرہ علیہ السلام انھیں نہ پہچان سکے۔ پھر حضرت عزرہ علیہ السلام نے ان کی مہمان نوازی کی اور انھیں ان کے بیٹوں اور پوتوں کی طرف بھیج دیا۔ حالانکہ اس وقت وہ بھی ضعیف العمر ہو چکے تھے مگر حضرت عزیر علیہ السلام بالکل پچیس سال کی عمر میں جوانی کے عالم میں تھے اور جب وہ حضرت عزرہ علیہ السلام کو اپنی یاد دلائی تو

وہ ان سے کہنے لگے: آپؑ سے زیادہ حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں جاننے والا میں نے کوئی جوان نہیں دیکھا۔ نہیں خبر کہ آپؑ کوئی آسمانی مخلوق ہیں یا آپؑ کا تعلق اہل زمین کے ساتھ ہے؟

اس پر حضرت عزیر علیہ السلام نے اپنے بھائی کو بتایا: میں واقعی عزیرؑ ہی ہوں۔ میری ایک کہی ہوئی بات پر خدا ناراض ہوا تو اس نے مجھے سو سال تک موت دے دی اور پھر مجھے زندہ کیا تا کہ لوگوں کا یقین بڑھ جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

دیکھو! یہ میرا گدھا اور میرا کھانا پانی وہی ہے جو میں تمہارے پاس سے لے کر گیا تھا اور خدا نے اسے اپنی قدرت سے ویسا ہی کر دیا ہے جیسا کہ یہ پہلے تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پچاس سال پورے کرنے کی غرض سے انھیں ان کی قوم میں ہی زندہ رکھا اور پچاس سال پورے ہونے پر اس نے ان کی اور ان کے بھائی کی روح کو ایک ہی دن قبض کیا۔

یہ جواب سن کر نصرانیوں کا عالم کھڑا ہو گیا اور اس کے ساتھ مجمع بھی کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے کہا: ”تم میرے پاس مجھ سے بھی زیادہ علم رکھنے والے کو لے آئے اور اسے اپنے درمیان بٹھا لیا تا کہ وہ مجھے ذلیل کرے اور مسلمان جانتے ہیں کہ ان کا امام وہ ہے جو ہمارے اور اپنے علوم پر اس قدر دسترس رکھتا ہے کہ جو ہمیں بھی حاصل نہیں ہے؟! خدا کی قسم! اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو نہ تو تم لوگوں سے کلام کروں گا اور نہ ہی تمہارے لیے یہاں بیٹھوں گا“۔

اس پر مجمع منتشر ہو گیا اور میرے بابا اپنی جگہ بیٹھے رہے اور اس شخص نے یہ خبر ہشام تک پہنچائی تو اس کا نمائندہ یہ حکم لے کر ہمارے پاس آیا کہ ہم مدینہ واپس چلے جائیں، قبل اس کے کہ ہماری جان خطرے میں پڑ جائے کیونکہ لوگوں نے میرے بابا اور نصرانی عالم کے درمیان ہونے والی باتوں کو جگہ جگہ پھیلا دیا تھا، لہٰذا ہم اپنی سواریوں پر سوار ہو کر مدینہ واپس آ گئے۔

امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کے خلاف ہشام کی ایک ناکام سازش

(امام جعفر صادق علیہ السلام بیان کرتے ہیں:) جب ہم واپسی پر مدینہ کے راستے پر تھے تو ہشام کا پیغام اس کے مدین کے گورنر سے ملا اور وہ پیغام یہ تھا:

"ابوتراب جادوگر کے بیٹے (امام) محمد باقرؑ اور ان کے بیٹے (امام) جعفرؑ دونوں (معاذاللہ) جھوٹے اور یہ دو جھوٹے اسلام میں ظاہر ہوئے ہیں۔ (کہنے والے کی زبان جل جائے!) یہ دونوں میرے پاس آئے اور میں نے انھیں مدینہ بھیجا تو یہ قسیسوں اور راہبوں کے پاس چلے گئے اور نصرانیت کا اظہار کر کے ان کا قرب حاصل کرنے لگے۔ میں نے اپنی قرابت ورشتہ داری کے سبب ان کو سزا دینا مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ جب یہ واپسی پر تمھارے پاس سے گزریں تو تم لوگوں میں یہ ندا دینا:

"جو شخص ان دونوں سے خرید وفروخت والا معاملہ کرے یا ان دونوں سے ہاتھ ملائے اور یا (ہاتھ تو نہ ملائے مگر فقط زبان سے ہی) سلام کہے اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ ان دونوں کے مرتد ہوجانے کی وجہ سے امیرالمومنین انھیں ان کی سواریوں اور ان کے غلاموں کو واجب القتل سمجھتے ہیں"۔ والسلام!

پس جب وہ پیغام مدین پہنچا اور اس کے بعد ہم وہاں پہنچے تو میرے باباؑ نے اپنے غلاموں کو جانوروں کے چارہ اور ہمارے لیے کھانا لینے کے لیے بھیج دیا اور وہ ہم سے پہلے وہاں چلے گئے۔ جب وہ شہر کے قریب پہنچے تو شہر والوں نے اپنے دروازے بند کر لیے، انھیں گالیاں دینے لگے اور حضرت علی علیہ السلام پر دشنام طرازی کر کے کہنے لگے: "ہم تمھیں یہاں نہیں آنے دیں گے اور نہ ہی تمھارے ساتھ خرید وفروخت والا کوئی معاملہ کریں گے۔ تم کافر و مشرک ہو"۔

جب ہمارے غلاموں نے یہ سنا تو وہ شہر کے دروازے کے پاس رُک گئے اور ہمارا انتظار کرنے لگے حتیٰ کہ ہم وہاں پہنچ گئے۔ پھر میرے باباؑ نے انھیں بڑے نرم لہجے کے ساتھ سمجھایا کہ ہم ویسے نہیں ہیں جیسے تمھیں بتایا گیا ہے۔ مگر انھوں نے میرے باباؑ کو بھی وہی جواب دیا جو پہلے ہمارے غلاموں کو دے چکے تھے۔

میرے باباؑ نے ان سے فرمایا: اچھا! تم ہمیں ویسا ہی سمجھو جیسا کہہ رہے ہو مگر دروازہ تو کھولو اور ہمارے ساتھ اس طریقے کے مطابق خرید وفروخت کرو جس طریقے سے تم یہود و نصاریٰ

اور مجوسیوں کے ساتھ کرتے تھے۔ وہ کہنے لگے: تم لوگ ان سے بھی بدتر ہو کیونکہ وہ جزیہ تو دیتے تھے۔

میرے باباؑ نے ان سے کہا: دروازہ کھولو! اور ہم سے بھی ویسے ہی جزیہ لو جس طرح تم ان سے لیتے تھے!!

اُنھوں نے کہا: ہم دروازہ نہیں کھولیں گے اور نہ ہی تم لوگوں کا کوئی لحاظ کریں گے حتیٰ کہ تم اپنی سواریوں پر ہی بیٹھے بیٹھے بھوک سے مرجاؤ اور تمھاری سواریاں بھی تمھارے نیچے ہلاک ہوجائیں۔ میرے باباؑ انھیں جتنی زیادہ نصیحت کرتے تھے آگے سے وہ اتنی ہی زیادہ سرکشی دکھاتے تھے۔

امام محمد باقر علیہ السلام کا نزولِ عذاب کی دھمکی دینا

پھر میرے باباؑ اپنی سواری سے اُترے اور مجھ سے فرمایا: اے جعفرؑ! تم اپنی جگہ پر ہی رہنا۔ پھر میرے بابا شہر مدین کے ایک بلند پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ تب لوگ حیرانگی کے ساتھ دیکھ رہے تھے کہ میرے باباؑ کیا کرنے لگے ہیں۔ جب میرے باباؑ اس پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے تو آپؑ نے اپنا رُخِ انور شہر کی طرف کیا۔ اپنی دو انگلیوں کو اپنے کانوں پر رکھا اور بلند آواز میں یہ ندا دی:

وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ وَّ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ○ وَ یٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْیَالَ وَ الْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ○ بَقِیَّتُ اللّٰهِ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (سورۂ مائدہ: آیات ۸۴-۸۶)

"اور مدین کی طرف ہم نے ان کی برادری کے فرد شعیبؑ کو بھیجا، انھوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں

ہے اور ناپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو، میں تمھیں آسودگی میں دیکھ رہا ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ دن نہ آجائے جس کا عذاب تمھیں گھیر لے۔ اور اے میری قوم! انصاف کے ساتھ پورا ناپا اور تولا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔ اللہ کی طرف سے باقی رہنے والا تمھارے لیے بہتر ہے۔ اگر تم مومن ہو اور میں تم پر نگران تو نہیں ہوں"۔

نَحْنُ وَاللهِ بَقِيَّةُ اللهِ فِي أَرْضِهِ

"اور خدا کی قسم! زمینِ خدا پر اس کا بقیہ ہم (اہلِ بیتؑ) ہی ہیں"۔

پھر خداوند عالم نے سیاہ آندھی کو حکم دیا، وہ آئی اور اس نے یہ آواز تمام مردوں، عورتوں، بچوں اور کنیزوں کے کانوں میں ڈال دی تو تمام اہلِ مدین خوف کے مارے اپنے گھروں کی چھتوں پر آگئے۔ ان میں سے ایک ضعیف العمر بوڑھا شخص بھی تھا۔ جب اس نے پہاڑ کی طرف دیکھا تو اس نے اونچی آواز میں یہ کہا: اے اہلِ مدین! خدا سے ڈرو، یہ اس مقام پر کھڑے ہیں جہاں حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کے لیے بددعا کرتے وقت کھڑے تھے۔ اگر تم دروازہ نہیں کھولو گے تو تم پر عذاب نازل ہوجائے گا اور جو دھمکی دیتا ہے وہ معذور ہوتا ہے۔

اس پر ان لوگوں نے ہمارے لیے دروازہ کھول دیا اور ہمیں اندر آنے کی اجازت دے دی۔ یہ سارا ماجرا مدین کے عامل نے ہشام کو لکھ بھیجا اور ہم دوسرے دن مدین سے مدینہ آگئے۔ ہشام نے اپنے عامل کو جوابی خط میں لکھا کہ اس بوڑھے کو پکڑ کر زندہ دفن کروا دو تو انھوں نے ایسا ہی کیا۔ اس نے مدینہ میں اپنے عامل کو لکھا کہ کھانے یا کسی مشروب میں زہر ملا کر میرے بابا کو پلا دو، مگر ہشام (دنیا سے) چلا گیا اور اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

حضرت زید بن علی علیہ السلام

حضرت زید شہیدؓ حضرت امام علی زین العابدینؑ بن امام حسینؑ بن امام علی بن ابی طالب علیہم السلام کے فرزند تھے۔ لکھنے والوں نے آپؓ کے بارے میں مختلف باتیں تحریر کی ہیں اور آپؓ کے بارے میں ان کے اقوال میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔

شیعہ و سُنی علما نے ان کے بارے میں مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں اور تراجم کی صورت میں بھی ان کے احوال درج کیے ہیں۔ یہ وہ شخصیت ہیں جنھیں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت تقریباً بارہ سو سال سے اپنا امام مانتی چلی آرہی ہے۔ اور وہ ''زیدیہ'' ہیں اور اگر حضرت زیدؓ کو فرقہ زیدیہ سے مختلف سمجھا جائے تو ہم بھی اس کی تکذیب نہیں کرتے۔

کیونکہ ہم اس کتاب کے شروع میں بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہ آئمہ علیہم السلام کی امامت پر نص فرمائی ہے اور ان کے نام و نسب کی بھی مکمل وضاحت کی ہے مگر نہ تو وہاں حضرت زیدؓ کا نام آیا ہے اور نہ ہی کسی اور امامؑ سے حضرت زیدؓ کی امامت پر کوئی نص ثابت ہوئی ہے۔

تاہم بعض روایات میں حضرت زیدؓ کو قتل کیے جانے اور سولی پر چڑھائے جانے وغیرہ کا ذکر ملتا ہے لیکن ان میں سے کسی روایت میں بھی ان کے امام ہونے کی صراحت موجود نہیں ہے۔

بہر حال حضرت زید رضی اللہ عنہ بہت بڑے عابد و زاہد انسان تھے۔ آپؓ لوگوں کے درمیان ایک بڑی قابلِ احترام شخصیت کے مالک تھے۔ آپؓ کو حلیف القرآن اور اسطوانہ مسجد (یعنی مسجد کا ستون) کہا جاتا تھا۔ آپؓ اکثر عبادت و بندگی میں مصروف رہتے تھے اور آپؓ خطابت میں بڑے فصیح و بلیغ اور شجاعت و مردانگی میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ نے رُسوائے

زمانہ اُموی بادشاہ ہشام بن عبدالملک کے خلاف مسلح قیام کیا تھا اور آپؑ اس پر غلبہ پانے والے ہی تھے کہ کوفیوں نے آپ کے ساتھ غداری کی اور آپؑ کا ساتھ چھوڑ دیا جو آپؑ کی شہادت کا سبب بن گیا۔

اور جس چیز نے آپؑ کو ہشام کے خلاف قیام کرنے پر آمادہ کیا تھا وہ اس کا بے انتہا ظلم و جور اور مقدساتِ اسلامیہ کی توہین و تحقیر کرنا تھا، حتیٰ کہ ایک شخص اس کے سامنے رسولؐ اللہ کو گالیاں دیتا مگر نہ تو وہ اسے اس کا جواب دیتا اور نہ ہی اس پر بُرا مناتا تھا۔

ہم نے اپنے موسوعہ میں اس موضوع کو کافی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ان کی شخصیت، انقلاب اور شہادت کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا موقف اور اسی طرح امام علیہ السلام کے بارے میں ان کا موقف بھی مکمل وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کی کچھ تفصیل یہ ہے:

عمرو بن خالد کہتے ہیں: حضرت زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام نے ارشاد فرمایا: ہر زمانے میں ہم اہلِ بیت علیہم السلام میں سے ایک شخص ہوتا ہے جس کے ذریعے خدا اپنی مخلوق پر حجت تمام کرتا ہے اور ہمارے اس زمانے کی حجت میرے بھائی کے فرزند حضرت جعفرؑ بن محمدؑ ہیں۔ جو ان کی پیروی کرے گا وہ گمراہ نہ ہوگا اور جو ان کی مخالفت کرے گا وہ (کبھی) ہدایت نہ پائے گا۔ (امالی شیخ صدوق: ص ۴۳۶)

معتب کہتے ہیں: ایک دفعہ میری موجودگی میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے دروازے پر دستک ہوئی اور میں باہر آیا تو میں نے دیکھا کہ حضرت زید بن علیؑ کھڑے ہیں۔ اس پر امام صادق علیہ السلام نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے فرمایا: تم اس گھر میں چلے جاؤ، اپنا دروازہ بند کرلو اور دیکھو کہ تم میں سے کسی کی آواز نہ آنے پائے۔ جب زیدؑ اندر آئے تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے انھیں گلے سے لگایا اور کافی دیر بیٹھ کر ایک دوسرے سے مشاورت کرتے رہے۔ پھر ان کی باتوں کی آوازیں بلند ہونا شروع ہوگئیں۔

حضرت زیدؑ نے کہا: اے جعفرؑ! اسے چھوڑ دیں، خدا کی قسم! اگر آپؑ بیعت لینے کے لیے اپنا ہاتھ نہیں بڑھاتے تو لیں یہ میرا ہاتھ ہے۔ اس پر بیعت کریں ورنہ میں آپؑ کو تنگی میں

ڈال دوں گا اور اتنی زیادہ تکلیف دوں گا کہ آپؑ برداشت نہیں کر سکیں گے۔ آپؑ نے جہاد کو چھوڑ کر پستی کو اپنا شعار بنا لیا ہے اور پردے میں بیٹھ کر مشرق و مغرب کا مال جمع کرنے لگ گئے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

يَرْحَمُكَ اللهُ يَا عَمُّ! يَغْفِرَ اللهُ لَكَ يَا عَمُّ (يَغْفِرُ لَكَ اللهُ يَا عَمُّ!)

"خدا آپؒ پر رحم کرے۔ اے چچا! خدا آپؒ کو بخش دے اے چچا!"

حضرت زیدؒ نے اپنے حق میں امام علیہ السلام کی دعا سنی اور یہ کہہ کر واپس چلے گئے کہ ہمارے وعدے کا وقت صبح کا ہے اور کیا صبح قریب نہیں ہے۔ ①

جب حضرت زیدؒ چلے گئے تو لوگوں میں باتیں ہونا شروع ہو گئیں۔

اس پر امام علیہ السلام نے فرمایا:

مَه لَا تَقُولُوا الْعَمِّي زَيْدٍ إِلَّا خَيْرًا رَحِمَ اللهُ عَمِّي. فَلَوْ ظَفَرَ لَوَفَا

"رُک جاؤ، میرے چچا زیدؒ کے بارے میں سوائے نیکی کے کچھ نہ کہو، خدا میرے چچا پر رحم کرے۔ اگر وہ کامیاب ہو گئے تو ضرور وفا کریں گے"۔

جب سحر کا وقت ہوا تو امام علیہ السلام کے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ حضرت زیدؒ چیخ چیخ کر رو رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے:

اِرْحَمْنِي يَا جَعْفَرُ! يَرْحَمُكَ اللهُ اِرْضِ عَنِّي يَا جَعْفَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْكَ

اِغْفِرْلِي يَا جَعْفَرُ غَفَرَ اللهُ لَكَ

"اے جعفرؑ! مجھ پر رحم کیجیے، خدا آپ پر رحم کرے گا، اے جعفرؑ! مجھ سے راضی ہو جائیے، خدا آپؑ سے راضی ہو جائے گا۔ اے جعفرؑ! مجھے معاف کیجیے، خدا آپؑ کو معاف کرے گا"۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

غَفَرَ اللهُ لَكَ. وَرَحِمَكَ وَرَضِيَ عَنْكَ فَمَا الْخَبَرُ يَا عَمُّ!

---

① حضرت زیدؒ نے قرآن کی اس تعبیر کو استعمال کیا ہے جو سورۂ ہود کی آیت ۸۲ میں آئی ہے۔ (از مترجم)

"خدا آپؓ کو معاف کرے، آپؓ پر رحم کرے اور آپؓ سے راضی ہو جائے! چچا جان! بتائیے کیا خبر ہے؟"

حضرت زیدؓ نے کہا: جب میں سویا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ رسولِ خدا ﷺ میرے پاس آتے ہیں، ان کی دائیں طرف حضرت امام حسن علیہ السلام، بائیں طرف امام حسین علیہ السلام، پیچھے پیچھے حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام اور آگے آگے حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ آپؐ کے ہاتھ میں ایک نیزہ ہے جو آگ کی مانند بھڑک رہا ہے اور آپؐ مجھ سے یہ کہہ رہے ہیں:

اے زیدؓ! تم نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچائی ہے۔ خدا کی قسم! اگر انھوں نے تم پر رحم نہ کیا، تجھے معاف نہ کیا اور تجھ سے راضی نہ ہوئے تو میں تمھیں اس نیزے کے ساتھ ماروں گا اور میں اسے تمھارے دونوں کندھوں پر رکھ کر تمھارے سینے سے نکال لوں گا۔

میں اس خواب سے ڈر کر بیدار ہو گیا اور آپؑ کے پاس چلا آیا۔ چنانچہ آپؑ مجھ پر رحم کریں، خدا آپؑ پر رحم کرے گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا آپؓ سے راضی ہو اور آپؓ کو معاف کرے، آپؓ مجھے وصیت کریں کیونکہ آپؓ کو قتل کر کے سولی پر لٹکایا جائے گا اور آگ سے جلایا جائے گا۔

پھر حضرت زیدؓ نے امام علیہ السلام کو اپنے اہل و عیال کی دیکھ بھال اور اپنے قرض کی ادائیگی کی وصیت کی۔ (مناقب آلِ ابی طالب: جلد ۴، ص ۲۲۴)

عمار ساباطی کہتے ہیں: ایک دفعہ سلیمان بن خالد حضرت زیدؓ بن علیؑ کے ساتھ کہیں گیا۔ وہاں ایک شخص نے سلیمان سے پوچھا: تمھاری کیا رائے ہے؟ حضرت زیدؓ افضل ہیں یا حضرت جعفر صادقؑ؟

سلیمان کہتے ہیں: میں نے جواب دیا: خدا کی قسم! حضرت جعفر صادقؑ کا ایک دن حضرت زیدؓ کی زندگی کے تمام دنوں سے زیادہ افضل ہے۔ یہ جواب سن کر اس شخص نے اپنی سواری کو حرکت دی اور حضرت زیدؓ کے پاس آ کر انھیں ساری بات بتا دی۔

سلیمان کہتے ہیں: جب میں اس کے پیچھے پیچھے گیا اور حضرت زیدؓ کے پاس جا کر رُک

گیا تو میں نے سنا، وہ یہ کہہ رہے تھے: حضرت جعفر صادقؒ ہر حلال و حرام کے بارے میں ہمارے امام ہیں۔ (رجال کشی: جلد ۲، ص ۶۵۲)

حضرت زرارہ رضی اللہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: جب میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا تو حضرت زیدؒ نے مجھ سے پوچھا: اے جوان! اگر آلِ محمدؐ میں سے کوئی شخص تم سے مدد طلب کرے تو تم اس کے بارے میں کیا کہو گے؟

میں نے کہا: اگر اس کی اطاعت فرض ہوئی تو میں اس کی مدد کروں گا اور اگر وہ مفروض الطاعۃ نہ ہو تو مجھے حق حاصل ہے چاہے میں اس کی مدد کروں، چاہے نہ کروں۔

جب وہ چلے گئے تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: باخدا! تم نے اسے آگے اور پیچھے دونوں طرف سے گھیر لیا ہے اور اس کے نکلنے کی کوئی راہ نہیں چھوڑی۔

سورہ بن کلیب سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت زید بن علیؑ نے مجھ سے کہا: اے سورہ! تم لوگوں کو کس طرح معلوم ہے کہ تمھارے صاحب (یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام) اسی پر ہیں جس کا تم ذکر کرتے ہو؟

میں نے ان سے کہا: (شکر ہے کہ) آپؑ نے اس بات کو جاننے والے سے ہی پوچھا ہے۔ انھوں نے کہا: بتاؤ۔

میں نے ان سے کہا: جب ہم آپؑ کے بھائی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس آتے تھے اور ان سے کسی چیز کے بارے میں سوال کرتے تھے تو آپؑ اس کے جواب میں یہ فرماتے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق یہ فرمایا اور کتابِ خدا میں اس کا بیان یوں وارد ہوا ہے۔ پھر جب آپؑ کا انتقال ہو گیا تو ہم آپؑ آلِ محمدؐ کے پاس آنے لگے اور جب ہم نے آپؑ سے سوالات کیے تو آپؑ نے ہمیں بعض کا جواب دیا اور ہمارے تمام سوالوں کا جواب نہ دے سکے، حتیٰ کہ جب ہم نے آپؑ کے بھتیجے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا تو انھوں نے اپنے باباؑ کی طرح یہ جواب دیا۔ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماتے ہیں اور کتاب اللہ میں اس کا بیان اس طرح ہوا ہے۔

یہ سن کر حضرت زیدؒ مسکرائے اور کہنے لگے: خدا کی قسم! میں آپ کو ان کی طرح جواب

نہیں دے سکتا کیونکہ حضرت علی علیہ السلام کی کتابیں انھی کے پاس ہیں۔ (رجال کشی: جلد ۲، ص ۶۷۳، بحار الانوار: جلد ۴۷، ص ۳۶)

ابوبکر حضرمی کہتے ہیں: جب ہم نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ حضرت زیدؓ اور ان کے خروج کے بارے میں بات کی تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

میرے چچا کو قتل کر دیا جائے گا۔ اگر وہ خروج کریں اور مار بھی دیے جائیں تو تم اپنے گھروں میں ہی رہنا۔ خدا کی قسم! تم پر کچھ گناہ نہ ہوگا۔

اس پر ایک شخص نے کہا: اِن شاء اللہ (یعنی اگر خدا نے چاہا تو ہم آپؑ کے فرمان پر قائم رہیں گے)۔ (رجال کشی: جلد ۲، ص ۶۷۳، بحار: جلد ۴۷، ص ۳۶)

ابنِ ابی عبدون سے مروی ہے، انھوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

زید بن موسیٰ بن جعفر علیہما السلام نے بصرہ میں خروج کیا تھا اور بنی عباس کے گھروں کو جلا دیا تھا۔ جب اسے گرفتار کر کے مامون کے پاس لایا گیا تو اُس نے اِس کے بھائی حضرت علی رضا علیہ السلام کی خاطر اس کے اس جرم کو معاف کر دیا اور امام علیہ السلام سے کہنے لگا:

اے ابوالحسنؑ! آپؑ کے بھائی نے خروج کر کے بہت بڑا جرم کیا ہے اور اس سے پہلے حضرت زید بن علیؓ نے بھی خروج کیا تھا اور انھیں مار دیا گیا تھا۔ اگر میں آپؑ کا لحاظ نہ کرتا تو اسے قتل کر دیتا کیونکہ اس کا جرم کوئی چھوٹا جرم نہیں ہے۔

اس کی بات سن کر امام علی رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اے امیر! میرے بھائی کو حضرت زید بن علیؓ کے ساتھ نہ ملایئے۔ بے شک وہ آلِ محمدؐ کے عالموں میں سے ایک تھے۔ انھوں نے خدا کے لیے غصہ کیا اور اس کے دشمنوں کے ساتھ جہاد کیا حتیٰ کہ اس کی راہ میں مارے گئے۔ میرے بابا حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ آپؑ نے اپنے بابا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

رَحِمَ اللّٰهُ عَمِّي زَيْدًا اِنَّهٗ دَعَا اِلَى الرِّضَا مِنْ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَلَوْ ظَفَرَ لَوَفٰى بِمَا دَعَا اِلَيْهِ

"خدا میرے چچا زیدؓ پر رحم کرے، انھوں نے آلِ محمدؐ کی رضا کی طرف

دعوت دی تھی اور اگر وہ فتح حاصل کر لیتے تو اپنی دعوت سے ضرور وفا کرتے اور جب انھوں نے اپنے خروج کے بارے میں میرے ساتھ مشورہ کیا تھا تو میں نے ان سے یہ کہا تھا: اے چچا! اگر آپؒ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کو کناسہ ① میں قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا جائے تو آپؒ کی مرضی ہے"۔

اور جب وہ چلے گئے تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ویل ہے اس شخص کے لیے جو اپنے پکارنے والے کی پکار کو سنے مگر جواب نہ دے۔

مامون نے پوچھا: اے ابوالحسنؑ! کیا حضرت زیدؒ ناحق دعویٰ امامت کرنے والوں میں شامل نہیں؟ اور کیا جو مذمت ان لوگوں پر وارد ہوئی ہے اس کے یہ بھی مستحق ہیں؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: حضرت زید بن علیؒ نے ناحق کسی بھی چیز کا دعویٰ نہیں کیا تھا اور وہ اس کے بارے میں خدا سے بہت ڈرتے تھے اور انھوں نے تو یہ کہا تھا: میں تمھیں آلِ محمدؐ کی رضا کی طرف بلاتا ہوں اور مذمت تو صرف اس شخص کی جو امامت منصوصہ کا دعویٰ کرے۔ لوگوں کو غیر خدا کے دین کی طرف بلائے اور اپنی لاعلمی کی وجہ سے راہِ راست سے پھر جائے جبکہ بخدا! حضرت زیدؒ تو ان لوگوں میں سے ہیں جنھیں خداوند عالم نے اس آیت میں مخاطب کیا ہے:

وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ

"اور راہِ خدا میں ایسے جہاد کرو جیسے جہاد کرنے کا حق ہے، اس نے تمھیں منتخب کیا ہے"۔ (سورۂ حج: آیت ۷۸)

(عیون اخبار الرضا: جلد ا، ص ۲۴۸)

حضرت زیدؒ کی شہادت

تاریخ کامل میں آیا ہے کہ ۱۲۲ ہجری میں ماہِ صفر کی پہلی رات جب حضرت زیدؒ نے اپنے ساتھی تیار کر لیے اور یہ خبر یوسف بن عمر کو موصول ہوئی تو اس نے حکم کی طرف یہ پیغام

① اس سے مراد "قمامہ" ہے اور یہ کوفہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔ (مجمع البحرین)

بھیجا: میں حکم دیتا ہوں کہ اہلِ کوفہ کو مسجد اعظم میں جمع کر کے بند کردو۔ یہ حکم ملنے پر اس نے اس کی تعمیل کردی۔ جب ان لوگوں نے حضرت زیدؑ کو معاویہ بن اسحاق بن زید کے گھر پایا تو حضرت زیدؑ راتوں رات وہاں سے نکل گئے تو وہ آگ کی مشعلیں بلند کر کے یہ ندا دینے لگے:

اے منصور! اسے مار ڈالو، اسے مار ڈالو۔ حتیٰ کہ فجر طلوع ہوگئی۔ پھر جب صبح ہوئی تو حضرت زیدؑ نے قاسم خضرمی اور اپنے اصحاب میں سے ایک اور شخص کو بھیجا اور وہ دونوں اپنے اشعار پڑھ کر ندا دینے لگے۔ جب وہ صحرائے عبدالقیس میں پہنچے تو انھیں جعفر بن عباس کندی ملا تو وہ اس کے ساتھ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ لڑائی کرنے لگے۔ اس دوران ان دو میں سے ایک شخص مارا گیا اور قاسم خضرمی کو پکڑ کر حکم کے پاس لایا گیا۔ جب اس نے قاسم خضرمی کو دیکھا تو اس کی گردن اُڑا دی اور حضرت زیدؑ کے اصحاب میں سے قتل ہونے والوں میں سرفہرست یہی دو تھے۔ پھر اس نے عام لوگوں کے بازار جانے پر پابندی لگا دی اور ان کے لیے مسجد کے دروازے بند کردیے۔

اس وقت یوسف حیرہ میں تھا اور اسے خبر دی گئی تو وہ حیرہ کے قریب ایک چھوٹے سے پہاڑ کے پاس چلا گیا۔ وہاں اس نے چند معززین کے ساتھ پڑاؤ کیا اور ریان بن سلمہ اراشی کو ۲۳۰۰ قیفانی مردوں کے ساتھ آگے بھیج دیا اور ان میں تیرانداز بھی شامل تھے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت زیدؑ نے دیکھا جو لوگ اس رات کے ساتھ ملے تھے وہ سارے ملا کر دو سو آٹھ افراد تھے۔

اس پر حضرت زید نے کہا: سبحان اللہ! لوگ کہاں چلے گئے ہیں؟ بتایا گیا: انھیں مسجد اعظم میں قید کیا گیا ہے۔ حضرت زیدؑ نے کہا: خدا کی قسم! جس نے ہم سے بیعت کی ہو وہ ایسا غدر نہیں کرسکتا۔

پھر حضرت زیدؑ نے جبانہ سالم کا رُخ کیا حتیٰ کہ جب صائدین میں پہنچے تو وہاں پانچ سو شامیوں کے ساتھ جنگ کر کے انھیں بھگا دیا۔ پھر حضرت زیدؑ انس بن عمرو ازدی کے گھر پہنچ گئے۔ پہلے حضرت زیدؑ اور آپ کی بیعت کرنے والے اسی گھر میں تھے۔ انھیں آواز دی گئی تو ان میں سے کوئی بھی نہ آیا۔ پھر حضرت زیدؑ نے خود اس (انس) کو آواز دی مگر وہ باہر نہ نکلا تو

حضرت زیدؑ نے کہا: کس چیز نے تمھیں بیعت کی خلاف ورزی پر آمادہ کیا ہے؟ خدا تم سے حساب لے۔

پھر حضرت زیدؑ کناسہ (قمامہ) چلے گئے۔ انھوں نے وہاں موجود شامیوں پر حملہ کر کے انھیں وہاں سے بھگا دیا۔ پھر حضرت زیدؑ چلے گئے۔ اس وقت یوسف دو سو افراد کی ہمراہی میں انھیں دیکھ رہا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو انھیں قتل کر دیتا۔ ادھر ریان اہلِ شام کی ہمراہی میں کوفہ میں حضرت زیدؑ کے تعاقب میں پھر رہا تھا۔ چنانچہ حضرت زیدؑ نے خالد کا مصلی لیا اور کوفہ میں داخل ہو گئے اور ان کے کچھ اصحاب مخیف بن سلیم کے جبانہ کی طرف چلے گئے۔ وہاں اہلِ شام کے ساتھ ان کی مڈبھیڑ ہوئی تو شامیوں نے ان میں سے بعض کو اسیر کر لیا۔ پھر یوسف بن عمر کے حکم پر انھیں قتل کر دیا گیا۔

جب حضرت زیدؑ نے دیکھا کہ لوگ ان کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں تو انھوں نے کہا: اے نصر بن خزیمہ! مجھے ڈر ہے کہ کہیں لوگ میرے ساتھ امام حسین علیہ السلام والا معاملہ نہ کریں۔

اس نے کہا: خدا کی قسم! میں تو آخری دم تک آپؑ کے ہمراہ جہاد کروں گا اور لوگ تو مسجد میں بند ہیں۔ آپؑ میرے ساتھ آئیں، ان کے پاس جاتے ہیں۔ جب وہ مسجد کی طرف آئے تو عمر بن سعد کے گھر کے پاس ان کا آمنا سامنا عبیداللہ بن عباس کندی کے ساتھ ہوا تو انھوں نے اس کے ساتھ جنگ کر کے اس کے ساتھیوں سمیت اسے بھگا دیا۔ پھر جب حضرت زید مسجد کے دروازے کے پاس پہنچے تو آپؑ کے اصحاب جھنڈے اُٹھائے دروازوں کے اُوپر سے داخل ہو گئے اور یہ کہنے لگے: اے مسجد والو! ذلت سے نکل کر عزت کی طرف آ جاؤ۔ دین و دنیا دونوں (کی بہتری) کی طرف نکلو کیونکہ تمھارا یہاں پابند رہنا نہ دین کے لیے کارآمد ہے اور نہ ہی دنیا میں اس کا کوئی فائدہ ہے"۔

پھر شامیوں نے مسجد کے اُوپر سے ان پر پتھراؤ شروع کر دیا۔ (الکامل: جلد ۵، ص ۲۳۴)

مقاتل الطالبین میں آیا ہے: یوسف بن عمر الریان بن سلمہ نے نخیل میں دارالرزق تک اپنے سپاہی بھیجے تو ان کے اور حضرت زیدؑ کے مابین شدید قسم کی جنگ ہوئی اور بہت سے شامی

زخمی ہوئے اور حضرت زیدؑ کے اصحاب انھیں ہانکتے ہانکتے دارالرزق سے مسجدِاعظم تک لے گئے۔ پھر جب اہلِ شام بدھ کی شام کو واپس آئے تو وہ بہت بدگمانی سے کام لے رہے تھے۔ چنانچہ جب جمعرات کے دن یوسف بن عمر الریان نے اسے بلایا تو اس نے ناک چڑھالی۔

اس پر یوسف نے اس سے کہا: صاحبِ خیل کی جانب سے تم پر افسوس ہے۔ پھر اس نے اپنی فوج کے سالار عباس بن سعد مری کو بلایا اور اسے اہلِ شام کی طرف بھیجا تو وہ انھیں لے کر دارالرزق میں حضرت زیدؑ کے پاس پہنچ گیا۔ حضرت زیدؑ ان کے ساتھ مقابلے کے لیے نکل آئے اور نصر بن خزیمہ اور معاویہ بن اسحاق بھی ان کے ساتھ ہی تھے۔ جب عباس نے انھیں دیکھا تو یہ ندا دی: اے اہلِ شام! اس زمین پر اُتر آؤ۔ اس پر بہت سے لوگ وہاں اُتر پڑے اور وہاں ان کے درمیان خوب جنگ ہوئی۔ پھر حضرت زیدؑ نے انھیں بھگا دیا اور وہ بدحال ہو کر اسی دن واپس چلے گئے۔ پھر جب شام کا وقت ہوا تو یوسف نے انھیں بند کر دیا۔ پھر انھیں آزاد کر کے زید کی طرف بھیج دیا اور وہ ان کی طرف چلے گئے۔ جب حضرت زیدؑ سے ان کا آمنا سامنا ہوا تو حضرت زیدؑ نے ان پر غلبہ پالیا اور صحرا تک ان کا پیچھا کیا۔ پھر ان کو مزید بھگایا اور وہ ایک بلند راستے سے بھاگ نکلے۔ پھر بارق اور رواس کے درمیان حضرت زیدؑ نے انھیں آلیا اور ان کے ساتھ گھمسان کی جنگ کی اور تب ان کا جھنڈا بردار بنی سعد بن بکر کا ایک فرد تھا جسے عبدالصمد کہا جاتا تھا۔

سعید بن خثیم کہتے ہیں: ہم پانچ سو کی تعداد میں حضرت زیدؑ کے ساتھ تھے اور اہلِ شام کی تعداد بارہ ہزار تھی اور پہلے تو حضرت زیدؑ کی بیعت کرنے والوں کی تعداد بارہ ہزار سے اُوپر تھی مگر بعد میں اکثر افراد نے خیانت و غداری کا مظاہرہ کیا اور ان کی بیعت کی کوئی پرواہ نہ کی۔ پھر اہلِ شام میں سے ایک شخص ایک گھوڑے پر سوار ہو کر سامنے آیا اور وہ جنابِ سیدہ فاطمہؑ بنت پیغمبرؐ کو گالیاں دینے لگا۔ اس کی گالیاں سن کر حضرت زیدؑ گریہ کرنے لگے، حتیٰ کہ آپؑ کی ریشِ مبارک آنسوؤں سے بھیگ گئی اور آپؑ یہ فریاد کرنے لگے:

اَمَا اَحَدٌ یَغْضَبُ لِفَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

"کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو رسولِ خدا کی بیٹی حضرت فاطمہ علیہا السلام کی خاطر

غصہ کرے؟"

أَمَا أَحَدٌ يَغْضَبُ لِرَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

"کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو رسولؐ خدا کے لیے غصہ کرے؟"

أَمَا أَحَدٌ يَغْضَبُ لِلّٰهِ؟

"کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو خدا کی خاطر غصہ کرے؟"

پھر وہ شامی گھوڑے سے اُتر کر خچر پر سوار ہو گیا۔ اس وقت لوگ "نظارہ اور مقاطعہ" دو حصوں میں تقسیم تھے۔ سعید کہتے ہیں: تب میں اپنے مولا کے پاس آیا اور ان سے چھوٹی تلوار لی جو کپڑوں میں چھپائی جا سکتی تھی۔ پھر میں نظارہ کے پیچھے چھپ گیا حتیٰ کہ میں نے اس گالیاں دینے والے شخص کے پیچھے سے آ کر اسے واصلِ جہنم کیا۔ اس کا سر اس کی خچر سے آگے جا لگا۔ پھر میں نے اس کا دھڑ اس کی خچر سے نیچے اُتار پھینکا۔ پھر اس کے ساتھیوں نے مجھ پر دھاوا بول دیا۔ قریب تھا کہ وہ مجھے مار دیتے مگر حضرت زیدؑ کے اصحاب نے ان پر حملہ کر کے مجھے بچا لیا اور میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت زیدؑ کے پاس آ گیا۔ جب انھوں نے مجھے دیکھا تو میری پیشانی چومنے لگے اور مجھ سے کہنے لگے: خدا کی قسم! تُو نے ہمارا بدلہ لے لیا ہے اور خدا کی قسم! تُو نے اپنے اس عمل کی بہ دولت دنیا و آخرت کا شرف اور اس کی نعمات حاصل کر لی ہیں۔ جاؤ یہ خچر لے جاؤ، میں نے یہ تمھیں دے دی ہے۔

سعید کہتے ہیں: اس کے بعد حضرت زید بن علیؑ کے گھوڑوں کے قدم اہلِ شام کے گھوڑوں کے سامنے ڈگمگانے لگے۔ عباس بن سعد نے یوسف بن عمر کو زیدیہ کی جانب سے درپیش مشکل کا بتایا اور اس سے تیر اندازوں کی درخواست کی تو سلیمان بن کیسان نے قیقانیہ میں اس کی طرف بھیج دیے۔ وہ بڑھئی پیشہ اور تیر اندازی میں بڑے ماہر تھے۔ چنانچہ وہ حضرت زیدؑ کے اصحاب کو اپنے تیروں کا نشانہ بنانے لگے۔

اس روز معاویہ بن اسحاق انصاری نے بڑی شدید قسم کی جنگ کی۔ پھر حضرت زیدؑ کے سامنے انھیں مار دیا گیا اور حضرت زیدؑ اپنے باقی ساتھیوں کے ہمراہ ثابت قدمی کے ساتھ لڑتے رہے، حتیٰ کہ جب رات کا وقت آیا تو حضرت زیدؑ کو اُن کی پیشانی کی دائیں جانب تیر لگا اور

اُن کے دماغ میں اُتر گیا۔ پھر وہ اپنے اصحاب کے ساتھ واپس پلٹ آئے۔ اہلِ شام سمجھ رہے تھے کہ وہ صرف شام یا رات گزارنے کے لیے پلٹے ہیں۔

پھر ان کے اصحاب میں سے کچھ لوگ گئے اور بنی رواس کے غلام سفیان نامی طبیب کو لے آئے۔ اس نے زخم دیکھ کر بتایا کہ میں اس تیر کو آپؓ کے سر سے نکالتا ہوں تو درد کی شدت سے آپؓ کی روح پرواز کر جائے گی۔

حضرت زیدؓ نے کہا: میرے اس درد کی نسبت مرجانا زیادہ آسان ہے۔

پھر اس طبیب نے چمٹی کی مدد سے تھوڑا تھوڑا کر کے اس تیر کو نکالا تو آنجنابؓ کی روح پرواز کر گئی۔

آپؓ کے انتقال کر جانے کے بعد آپؓ کی قوم نے یہ سوال کیا: ہم انھیں کہاں دفن کریں اور کس زمین کا سینہ اس گنجینہ کو چھپانے کے لیے مناسب ہے؟

بعض نے کہا: ہم انھیں دو زرہیں پہنا کر پانی میں ڈال دیتے ہیں۔ بعض نے کہا: نہیں بلکہ ہم ان کا سر جدا کر کے اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور ان کا دھڑ قاتلوں کے سامنے ڈال دیتے ہیں۔

ان سب کی آرا سن کر حضرت یحییٰ بن زیدؓ نے کہا: خدا کی قسم! میرے باباؑ کا گوشت درندے نہیں کھائیں گے (یعنی میں اپنے بابا کو درندوں کے لیے نہیں چھوڑ سکتا)۔

بعض نے کہا: ہم ان کو اُٹھا کر عباسیہ میں لے جاتے ہیں اور وہاں جا کر دفن کر دیتے ہیں تو اس رائے کو میں نے قبول کر لیا اور ہم انھیں وہاں سے لے کر چل پڑے۔ ہم نے وہاں جا کر دو قبریں کھودیں۔ ان دنوں عباسیہ میں پانی بہت زیادہ تھا۔ پھر جب ہمارے لیے ان کو وہاں دفن کرنا ممکن ہوا تو ہم نے انھیں وہاں دفن کر کے اُوپر سے پانی بہا دیا اور تب عبد سندی[1] بھی ہمارے ساتھ ہی تھا۔ (مقاتل الطالبین: ص ۹۵)

کلبی جمهرة النسب میں کہتے ہیں: حضرت زید بن علیؑ کو پیشانی پر تیر لگا تو ان کے افراد انھیں اُٹھا کر لے گئے اور وہ شام کا وقت تھا۔ پھر انھوں نے حجام کو بلوایا اور اس نے ان کی

---

[1] یہ کسی شخص کا غلام تھا اور ایک روایت کی بنا پر اس نے یوسف بن عمر کو حضرت زیدؓ کی قبر کے بارے میں بتایا تھا۔ (از مترجم)

پیشانی سے تیر نکالا تو وہ داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ (وفیات الاعیان: جلد ۵، ص ۱۲۲)

اسی کتاب میں آیا ہے کہ انھوں نے حضرت زیدؑ کو ساقیۂ آب میں دفن کیا اور اُوپر مٹی اور تنکے پتے ڈال کر ان کی قبر پر پانی بہا دیا۔ مگر سوئے قسمت کہ وہ حجام یہ سارا معاملہ دیکھ رہا تھا اور اس نے جائے دفن کی شناخت اچھی طرح کر لی تھی۔ پھر جب صبح ہوئی تو وہ یوسف کا خیر خواہ بن کر اس کے پاس چلا گیا اور حضرت زیدؑ کے مدفن کے بارے میں اسے بتایا۔ چنانچہ یوسف نے آنجناب کو قبر سے نکالا اور سر کاٹ کر ہشام کی طرف بھیج دیا۔ ہشام نے اسے خط میں لکھا کہ (معاذ اللہ) ان کے بدن کو برہنہ سولی پر لٹکا دو تو یوسف نے ایسا ہی کیا۔ اس مقام پر بعض اُموی شاعروں نے آلِ ابی طالبؑ اور ان کے شیعوں کو مخاطب کر کے چند اشعار بھی کہے ہیں۔ ان میں سے ایک شعر یہ بھی ہے:

صَلَبْنَا لَكُمْ زَيْدًا عَلَى جِذْعِ نَخْلَةٍ

وَلَمْ اَرَ مَهْدِيًّا عَلَى الْجِذْعِ يُصْلَبُ

"ہم نے تمھارے زید کو خوشۂ کھجور پر پھانسی دی ہے اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی مہدی کو خوشۂ نخل پر پھانسی دی گئی ہو"۔

پھر اس سولی کی لکڑی کے نیچے ایک ستون بنایا گیا۔ پھر ہشام نے یوسف کی طرف یہ حکم بھجوایا کہ اس کے بدن کو جلا کر اس کی راکھ کو ہوا میں اُڑا دو۔ اور یہ ایک سو اکیس اور بقولے ایک سو بائیس ہجری کا واقعہ تھا۔ (وفیات الاعیان: جلد ۶، ص ۱۱۰)

یہ بھی وفیات الاعیان میں ہی آیا ہے: ابوبکر بن عیاش اور اخباریوں کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ حضرت زیدؑ کو پانچ سال عریاں حالت میں سولی پر لٹکایا گیا مگر خداوند متعال نے ان کی شرم گاہ کو اس طرح چھپا دیا کہ ان پانچ سالوں میں کسی ایک کی بھی اس پر نظر نہ پڑی۔

بعض کہتے ہیں: مکڑی نے ان کی شرم گاہ پر جالا تان دیا تھا اور یہ واقعہ کوفہ میں کناسہ کے مقام پر ہوا تھا۔ پھر جب ولید بن یزید کا دورِ حکومت آیا اور حضرت زیدؑ کے بیٹے یحییٰ بن زیدؑ نے خراسان میں قیام کیا تو ولید نے کوفہ میں موجود اپنے عامل کو لکھا کہ زیدؑ کو ان کی سولی کی لکڑی سمیت جلا دو تو اس نے انھیں جلا کر راکھ کو نہر فرات میں بہا دیا تھا۔ (وفیات الاعیان:

جلد ۶، ص ۱۱۱)

حضرت زیدؑ کی شہادت پر امام جعفر صادق علیہ السلام کا گریہ فرمانا

معصوم بن ابی بردہ اسدی کہتے ہیں: جن دنوں حضرت زیدؑ کو سولی پر لٹکانے کا واقعہ ہوا تھا ان دنوں میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو امام علیہ السلام نے کچھ دیر میری طرف دیکھا اور فرمایا: اے معصوم! حضرت زیدؑ کا کیا بنا؟

میں نے کہا: انھیں تو سولی پر لٹکا دیا گیا ہے۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: کہاں؟

میں نے کہا: کناسۂ بنی اسد میں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم نے اپنی آنکھوں سے انھیں کناسۂ بنی اسد میں سولی پر لٹکتے ہوئے دیکھا ہے؟

میں نے کہا: جی ہاں! میں نے خود اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا ہے۔

اس پر امام علیہ السلام گریہ فرمانے لگے اور پردے میں مستورات نے بھی رونا شروع کر دیا۔ پھر فرمایا: خدا کی قسم! ابھی ان لوگوں کی دلی حسرت پوری نہیں ہوئی یا وہ اسے بعد میں پورا کریں گے۔

یہ سن کر میں سوچ میں پڑ گیا کہ کیا قتل کرنے اور سولی پر لٹکانے کے بعد بھی ان کی کوئی حسرت باقی رہ گئی تھی؟

پھر میں نے امام علیہ السلام کو الوداع کہا اور واپس چل پڑا حتیٰ کہ جب میں کناسہ میں پہنچا تو میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا وہ حضرت زیدؑ کو سولی پر سے اُتار رہے تھے اور انھیں جلانے لگے تھے۔

یہ دیکھ کر میں نے کہا: یہی ان کی وہ خواہش ہے جس کا امام علیہ السلام نے مجھ سے ذکر فرمایا تھا۔ (امالی شیخ طوسی: جلد ۲، ص ۲۸۶)

فضیل الرسان کہتے ہیں: حضرت زیدؑ کی شہادت کے بعد آدھی رات کے وقت میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو امام علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا: اے فضیل! کیا

میرے چچا کو قتل کر دیا گیا ہے؟

میں نے کہا: جی ہاں! قربان جاؤں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا ان پر رحم کرے۔ وہ خالص مومن، عارف، عالم اور سچے تھے اور اگر وہ فتح حاصل کر لیتے تو یقیناً وفا کرتے اور اگر وہ حکومت پا لیتے تو بتاتے کہ اسے کس کس مقام پر رکھنا ہے (یعنی کن کن لوگوں کو اس کے اختیارات دینے ہیں)۔

میں نے عرض کیا: میرے مولاؑ! کیا آپؑ کو اس کے بارے میں کوئی شعر نہ سناؤں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ذرا رُکو۔ پھر امام علیہ السلام نے دروازے کھولنے اور پردے گرا دینے کا حکم دیا تو اس کی تعمیل کر دی گئی۔ پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: اب سناؤ۔

میں نے امام علیہ السلام کو شعر سنانا شروع کر دیے اور جب میں سنا چکا تو میں نے پردے کے پیچھے سے رونے کی آوازیں سنیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ شعر کس کے ہیں؟

میں نے کہا: سید ابنِ حمیری کے۔

اس پر امام علیہ السلام نے فرمایا: رَحِمَهُ اللهُ، "یعنی خدا ان پر رحم کرے"۔ (رجال کشی: جلد ۲، ص ۵۶۹)

حمزہ بن حمران کہتے ہیں: میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو امام علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا: اے حمزہ! تم کہاں سے آ رہے ہو؟ میں نے کہا: کوفہ سے۔ اس پر امام علیہ السلام نے گریہ کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ آپؑ کی ریشِ مبارک آنسوؤں سے بھیگ گئی۔

میں نے پوچھا: اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ اس قدر زیادہ گریہ کیوں فرما رہے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں اپنے چچا حضرت زیدؒ پر ہونے والے ظلم کو یاد کر کے رو رہا ہوں۔

میں نے پوچھا: اب آپؑ ان کی کس مصیبت کو یاد کر کے رو رہے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: مجھے ان کا قتل کیا جانا یاد آ رہا ہے کہ جب انھیں ان کی پیشانی پر تیر لگا تو ان کے بیٹے حضرت یحییٰ بن زید علیہ السلام ان پر آ کر جھک گئے اور کہنے لگے:

اے بابا جانؒ! آپؒ کو جنت کی بشارت ہو۔ آپؒ رسولِ خدا، حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ،

حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسین علیہم السلام کے پاس پہنچنے والے ہیں۔

حضرت زیدؒ نے جواب دیا: ہاں بیٹا صحیح کہتے ہو۔

پھر ایک طبیب کو بلایا گیا اور اس نے آپؑ کا تیر نکالا تو آپؑ کی روح پرواز کر گئی۔ پھر انھیں بستانِ زائدہ کے پاس جاری ہونے والی نہر کے پاس لایا گیا۔ وہاں ان کی قبر کھود کر انھیں دفن کر دیا گیا۔ وہاں ان میں سے کسی کا سندی غلام موجود تھا۔ اس نے جا کر یوسف بن عمر کو ان کی جائے دفن کے بارے میں بتایا۔ پھر یوسف نے انھیں قبر سے نکال کر کناسہ میں چار سال سولی پر لٹکائے رکھا۔ پھر اسے حکم ملا تو اس نے ان کا بدن آگ میں جلا کر راکھ کو فضا میں اُڑا دیا۔ پس خدا کی لعنت ہو ان کو قتل کرنے والے پر اور ان کو ذلیل کرنے والے پر۔ میں خدا سے ہی اُن مصائب کا شکوہ کرتا جو اس کے نبیؐ کے اہلِ بیت علیہم السلام کو نبیؐ کی وفات کے بعد جھیلنا پڑے اور ہم اپنے دشمن کے خلاف اسی سے ہی مدد مانگتے ہیں اور وہ بڑا ہی خوب مددگار ہے۔ (امالی شیخ صدوقؒ: ص ۳۲۱)

فضیل بن یسار ایک حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو امام علیہ السلام گریہ فرمانے لگے اور آپؑ کے آنسو رخسار پر گرنے لگے۔ ایسا لگتا تھا کہ آپؑ کا رخسار گویا ایک موتی ہے۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم اس وقت میرے چچا کے ساتھ تھے۔ جب انھوں نے اہلِ شام کے ساتھ لڑائی کی تھی؟

میں نے کہا: جی ہاں۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: تم نے ان میں سے کتنے لوگوں کو مارا؟

میں نے کہا: چھے لوگوں کو۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: شاید تم ان کے خون کے بہانے میں شک میں مبتلا تھے؟

میں نے کہا: اگر مجھے شک ہوتا تو میں ان کے ساتھ جنگ ہی نہ کرتا۔

فضیل کہتے ہیں: میں نے سنا، امام علیہ السلام یہ فرما رہے تھے: خدا مجھے بھی ان خونوں کو بہانے والوں میں شریک کرے۔ خدا کی قسم! میرے چچا زید اور ان کے ساتھ شہید ہونے

والوں نے وہی راہ اختیار کی جو حضرت علیؑ بن ابی طالب علیہم السلام اور ان کے اصحاب علیہم الرضوان نے اپنائی تھی۔ (امالی شیخ صدوقؒ: ص ۲۸۶)

عبداللہ بن سیابہ ایک حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس ایک خط آیا۔ اس میں حضرت زیدؒ کی شہادت کا بیان تھا۔ امام علیہ السلام وہ خط پڑھ کر گریہ فرمانے لگے۔ پھر امام علیہ السلام نے کلمۂ استرجاع (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ) پڑھ کر فرمایا:

خدا کے حضور میں اپنے چچا پر ہونے والے ظلم کا احتساب کروں گا۔ بے شک میرے چچا بہت ہی اچھے تھے۔ وہ ہماری دنیا و آخرت کے عظیم مرد ہیں اور باخدا! میرے چچا نے شہید ہوکر ان شہداء کی راہ اپنائی ہے جو رسولؐ خدا، حضرت علیؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسین علیہم السلام کے ساتھ شہید ہوئے تھے۔ (عیون اخبار الرضا: جلد ۱، ص ۲۵۲)

کتاب کشف الغمہ میں آیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابی ولاد کاہلی سے کہا: کیا تم نے میرے چچا زیدؒ کو دیکھا ہے؟

اس نے کہا: جی ہاں! میں نے انھیں سولی پر دیکھا ہے۔ اس پر بعض لوگ ان کی برائی بیان کر رہے تھے اور ان پر اپنے غصے کا اظہار کر رہے تھے جبکہ ان کی حالت کو دیکھ کر بڑے غم زدہ تھے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ان پر رونے والے جنّت میں ان کے ساتھ ہوں گے اور ان کی برائی بیان کرنے والے ان کے خون میں شریک ہیں۔ (کشف الغمہ: جلد ۲، ص ۲۰۴)

عبدالرحمٰن بن سیابہ کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے میری طرف ایک ہزار دینار بھیجے اور حکم دیا کہ انھیں حضرت زیدؒ کے ساتھ قیام میں شریک ہونے والے لوگوں کے گھر والوں میں تقسیم کردوں تو میں نے وہ دینار ان لوگوں میں تقسیم کیے اور فضیل رسان کے بھائی عبداللہ بن زبیر کو ان میں سے چار دینار ملے۔ (امالی شیخ صدوقؒ: ص ۲۷۵)

ابوسعید مکاری کہتے ہیں: ہم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھے کہ حضرت زیدؒ اور ان کے ہمراہ خروج کرنے والوں کا ذکر چھڑ گیا۔ اس پر بعض حاضرین محفل نے چاہا کہ وہ حضرت زیدؒ کی برائی کریں تو امام علیہ السلام نے انھیں جھڑکی دے کر فرمایا:

رُک جاؤ! تمہیں کوئی اختیار نہیں ہے کہ تم ہمارے معاملے میں نیکی کے حوالے سے دخل اندازی کرو کیونکہ ہم میں سے ہر ایک کو مرنے سے پہلے سعادت و نیک بختی نصیب ہو جاتی ہے خواہ وہ اُونٹنی کو دو مرتبہ دوہنے کے درمیان وقت کے لیے ہی ہو۔ (معانی الاخبار: ص ۳۹۲)

اصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

جب بنی اُمیہ نے حضرت زیدؒ کو جلایا تو خداوند عالم نے سات دنوں میں ان کی ہلاکت کا حکم صادر فرما دیا۔ (اصولِ کافی: جلد ۵، ص ۱۶۱)

داؤد رقی کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا کہ ایک شخص نے آپؑ سے اس فرمانِ الٰہی کے بارے میں پوچھا:

عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَیُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِیْنَ

"آپؑ نے ارشاد فرمایا: (اس سے مراد یہ ہے کہ) خداوند عالم نے حضرت زیدؒ کو جلائے جانے کے بعد سات دنوں میں بنی اُمیہ کی ہلاکت کا حکم صادر فرما دیا"۔ (تفسیر عیاشی: جلد ۱، ص ۳۲۵)

محمد بن علی الحلبی کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: بے شک جب آلِ سفیان نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا تو خدا نے ان سے ان کی حکومت چھین لی۔ جب ہشام نے حضرت زیدؒ کو قتل کیا تو خدا نے اس کی حکومت چھین لی اور جب ولید نے حضرت یحییٰ بن زیدؒ کو شہید کیا خدا نے آلِ رسولؐ کے قتل کے بدلے میں اس سے بھی حکومت چھین لی۔ ان سب پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ (ثواب الاعمال: ص ۲۶۱)

خلاصۃ البحث

گذشتہ صفحات میں ہم نے حضرت زید بن علی علیہما السلام کا مختصر سا ذکر کیا ہے۔

ہمارے محترم قارئین پر واضح رہے کہ جو روایات حضرت زیدؒ کی تعریف اور شہادت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں وہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔ سند کے اعتبار سے صحیح اور دلالت

کے لحاظ سے بالکل واضح ہیں اور آنجنابؒ کی مذمت میں وارد ہونے والی روایات ان کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتیں، کیونکہ ایک تو وہ تعداد میں بہت ہی کم ہیں اور دوسرا یہ کہ انھیں تقیہ پر حمل کیا جاسکتا ہے۔

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ بعض مورخین نے اپنی تاریخ کی کتابوں میں حضرت زیدؒ اور ان کے قیام کا ذکر کرتے وقت آلِ رسولؐ کی عداوت اور بغض کا کھل کر اظہار کیا ہے۔ مثلاً ابن الاثیر نے حضرت زیدؒ کے ساتھ خروج کرنے والوں کو ذلیل و اوباش کہا ہے جب کہ سیّد عبدالرزاق المقرم نے اپنی کتاب "زید الشہید" میں ان فقہاء و محدثین، قاضیوں اور بزرگ دینی شخصیات کی ایک بہت بڑی فہرست پیش کی ہے جنھوں نے حضرت زیدؒ کے ہمراہ خروج کیا تھا اور ہر وقت ان کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔

اس سے حضرت زیدؒ کی توثیق اور ان کی عظمتِ شان کا قول زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آنجنابؒ کا قیام حق اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی خاطر ہی تھا اور وہ لوگوں کو آلِ محمدؐ کی رضا کی طرف بلاتے تھے اور جہاں تک ہماری معتبر کتب رجال میں حضرت زیدؒ کے ذکر کی بات ہے تو بلاشبہ وہاں بھی ان کو معتدل، مستقیم اور ممدوح ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ یہ سب کچھ ہم اپنے موسوعہ میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

چنانچہ ہماری اُوپر والی ساری بحث سے درج ذیل اُمور پایۂ ثبوت کو پہنچتے ہیں:

① حضرت زید علیہ السلام کا خروج توہینِ رسالتؐ کا انتقام لینے کے لیے تھا۔ جیسا کہ آپؒ سے مروی روایت میں آیا ہے۔ آپؒ کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ ہشام کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی گئی مگر اس نے نہ تو اس پر ناراضگی کا اظہار کیا اور نہ ہی اپنے رویے میں کوئی تبدیلی ظاہر کی۔ خدا کی قسم! اگر میں اکیلا ہی ہوا تو بھی اس کے خلاف خروج ضرور کروں گا۔ (بحار الانوار: جلد ۴۶، ص ۱۹۲)

② ان کا خروج امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قیام، انتقامِ خونِ حسینؑ اور مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کو دُور کرنے کے لیے تھا۔

③ وہ آلِ محمدؐ کی رضا کی طرف بلاتے تھے اور ان کا ہدف حکومت کو امام جعفر صادق علیہ السلام

کے حوالے کرتا تھا۔

④ اہلِ کوفہ نے پہلے ان کی بیعت کی اور بعد میں غداری کا مظاہرہ کیا جیسا کہ آپؑ نے کہا تھا: فَعَلُوهَا حُسَيْنِيَّةً یعنی جس طرح پہلے انھوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو دھوکہ دیا تھا اس طرح مجھے دیا۔ اور بالآخر آپؑ کی حیاتِ مبارکہ کا خاتمہ راہِ خدا میں شہادت پر ہوا۔

فَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمُ اُسْتُشْهِدَ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا

ایک ضروری وضاحت ○

معزز قارئین! جو شخص بھی تاریخ کی بڑی بڑی کتابوں کا جائزہ لیتا اسے پتہ چل جاتا ہے کہ دشمنانِ اہلِ بیتؑ خواہ حکام کی شکل میں ہوں یا کسی اور شکل میں، اُنھوں نے اہلِ بیتؑ کو ایذارسانی میں کوئی بھی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور وہ ایسے ہر موقع کو غنیمت جانتے تھے۔

وہ لوگ ائمہ علیہم السلام پر ہر وقت کڑی نظریں جمائے رکھتے تھے تاکہ انھیں ان کی کوئی کمزوری ہاتھ آجائے۔ پھر وہ اس سے انھیں بدنام کر کے اپنے مذموم مقاصد کو حاصل کرسکیں۔

پھر جب وہ ائمہ طاہرین علیہم السلام میں کوئی کمزوری نہ پاسکے تو انھوں نے ائمہ علیہم السلام کی اولادوں اور اصحاب میں مطلوبہ کمزوریاں ڈھونڈنا شروع کر دیں تاکہ ان کمزوریوں کی بنا پر وہ ان کے آباء واجداد اور ائمہ طاہرین علیہم السلام پر طعن کرسکیں۔

اور توبت بایں جارسید کہ اُموی اور عباسی حکمران بعض علویوں کو اپنے محلوں اور لہو ولعب کی محفلوں میں بلاتے اور انھیں مال و متاع کے دھوکے سے اپنا شریک بناتے تھے یا انھیں زبردستی کے ساتھ اپنی گندی محفلوں میں حاضر کیے جانے کا حکم سناتے تھے۔ بنابراین ایسے امام زادوںؒ کو ان کے معصوم آباؤ اجداد سے بھری محفلوں کے سامنے جبر و اکراہ کے ساتھ ایسے شیاطین کی محفلوں میں لے جایا جاتا تھا۔

اسی لیے بعض ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام بعض علویوں کو ایسے شیطان حکمرانوں کے پاس بیٹھنے اور ان کی محفلوں میں آنے جانے سے منع فرماتے تھے تاکہ اس طریقے سے وہ اپنے شیطانی

اہداف کو حاصل نہ کرسکیں۔ تفصیل کے خواہشمند حضرات تاریخی کتابوں کی طرف رجوع کرکے اس بات کی حقیقت کو جان سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کی اولادوں کے انقلابات کو غلط ظاہر کرنے کی کوششیں کی گئیں اور ان کے مقدس مقامات کو گرانے کے لیے روایات گھڑی گئیں لیکن اللہ تعالیٰ علمائے علم الرجال کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے جنھوں نے ان روایات کو گھڑنے والے دجالوں کے اُحوال کا حدود اربعہ بیان کرکے اپنے تحقیقی فریضے کو بڑے ہی احسن طریقے سے نبھایا۔

اور جہاں تک ان کی مذمت میں وارد ہونے والی معتبر راویوں کی روایات کی بات ہے وہ ایک تو تعداد میں بہت ہی کم ہیں اور دوسرا یہ کہ انھیں آسانی کے ساتھ تقیہ پر حمل کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ بسا اوقات ائمہ طاہرین علیہم السلام سیاسی حالات کے پیش نظر اور وقت کی مصلحت کے تحت اپنے بعض اصحاب اور کارہائے نمایاں انجام دینے والے افراد کی ظاہری طور پر مذمت کر دیا کرتے تا کہ وہ ظالم حاکموں کے شر سے بچ جائیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس آیت کریمہ کو اپنے اس عمل کے جواز کی دلیل کے طور پر پیش کرتے تھے:

أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا

"وہ کشتی چند غریب لوگوں کی تھی جو سمندر میں محنت کرتے تھے میں نے چاہا کہ اسے عیب دار بنا دوں، کیونکہ ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا جو ہر (سالم) کشتی کو جبراً چھین لیتا تھا"۔ (سورۂ کہف: آیت ۷۹)

معزز قارئین! ہماری اس بحث کا مطلب یہ بالکل نہیں کہ تمام علوی حضرات ہر قسم کی برائی اور شر سے پاک تھے یا ان میں سے جن جن افراد اُموی یا عباسی حکومت کے خلاف کوئی اقدام کیا وہ سارے کے سارے پاک و پاکیزہ تھے۔ بلکہ ہماری اس بحث کا مقصد ان لوگوں کا دفاع کرنا ہے جن کی مدح میں بہت زیادہ روایات وارد ہوئی ہیں اور جنھوں نے حضرت زید بن علی علیہما السلام اور حضرت حسین بن علی علیہما السلام کی مانند امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے قیام

کیا تھا۔

معزز قارئین! ہم نے اُوپر کے چند اوراق حضرت زید علیہ السلام کے ذکر جمیل کے نام کیے ہیں کیونکہ اس بیان کا ہشام بن عبدالملک کے ذکر کے ساتھ ایک گہرا اور خاص ربط تھا۔ اب ہم پھر سے اپنے کلام کا رُخ اصل موضوع کی طرف موڑتے ہیں اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور کے بقیہ اُموی حکمرانوں کے اَحوال کا تذکرہ کرتے ہیں۔

ولید بن یزید بن عبدالملک بن مروان

اس کی ماں اُم الحجاج حجاج ثقفی کے بھائی محمد بن یوسف کی بیٹی تھی۔ یہ ہشام کے بعد یزید بن عبدالملک کی وصیت کے مطابق منصۂ اقتدار پر بیٹھا اور وہ چھ ربیع الاوّل ۱۲۵ ہجری بدھ کا دن تھا اور ایک دوسرے قول کے مطابق اس روز ربیع الاوّل کی تاریخ دس تھی اور وہ جمعرات ۲۸ جمادی الثانی ۱۲۶ ہجری تک اپنی زندگی کے آخری دن تک برسرِ اقتدار ہی رہا۔ اور اس حساب سے اُس کی حکومت کا کُل عرصہ ایک سال اور دو مہینے بنتا ہے۔

ابنِ حزم کہتا ہے:

وَكَانَ الْوَلِيْدُ فَاسِقًا خَلِيْعًا مَاجِنًا.

''اور ولید ایک فاسق، بدچلن اور بے حیا قسم کا آدمی تھا''۔

مسالک میں ابنِ فضل اللہ کا بیان ہے: ''ولید بن یزید اپنے زمانے کا فرعون تھا۔ جب وہ قیامت کے روز آئے گا تو اپنی قوم کو جہنم کی طرف لے جائے گا اور انھیں اس کی وجہ سے بڑی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا اور بہت ہی بری گھاٹ پر وارد ہوں گے۔ (کیونکہ) اس نے قرآن مجید کو تیروں کا نشانہ بنایا اور بلاخوف وخطر گناہ پہ گناہ کرتا گیا''۔

قلقشندی کا کہنا ہے کہ ولید کا سارا ہم وغم لہو ولعب، کھانے پینے، شراب نوشی اور غناء کی آوازیں سننا تھا۔

ابنِ کثیر لکھتا ہے: یہ شخص علانیہ فحاشی کرنے والا تھا اور اس پر ضد کے ساتھ قائم تھا۔ یہ خدا کی حُرمتوں کی ہتک کرتا تھا اور خدا کی نافرمانی سے ذرا نہ گھبراتا تھا اور بسااوقات اس کے

طور طریقے دیکھ کر لوگ اسے زندیق اور قائل الحلال سمجھنا شروع کر دیتے تھے۔ پھر اس پر بہت بڑی مصیبت ٹوٹی اور لوگوں نے اس کے چچازاد یزید بن ولید کی قیادت کو تسلیم کرنا شروع کر دیا۔ اور یزید بن عنبسہ نے اس سے کہا: ہم تجھ سے ہمارے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا انتقام نہیں لیتے بلکہ ہم تو تجھ سے صرف خدا کی حرمتوں کو پامال کرنے، شراب نوشی کرنے، اپنے باپ کی اُمہات الاولاد کنیزوں سے نکاح کرنے اور اَمرِ الٰہی کو سبک جاننے کا انتقام لے رہے ہیں۔

اسے بروز جمعرات ۲۸ جمادی الثانی ۱۲۶ ہجری کو قتل کیا گیا۔ پھر جب اس کا سر یزید بن ولید کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اس نے اسے پورے شہر میں گھمانے کا حکم صادر کر دیا۔

انھی دنوں حضرت یحییٰ بن زید علیہ السلام کو بھی قتل کیا گیا تھا۔ انھوں نے اپنے بابا کی شہادت کے بعد کوفہ میں خروج کیا تھا اور بعد میں خراسان چلے گئے تھے۔ (الامام الصادق والمذاہب الاربعہ: جلد ۱، ص ۱۲۷)

یزید الناقص

۱۲۶ ہجری میں ولید کے قتل ہو جانے کے بعد یزید بن ولید بن عبدالملک بن مروان کرسیٔ اقتدار پر متمکن ہوا، اور اس نے اپنی زندگی کے آخری دن تک پانچ ماہ اور دو راتیں حکومت کی۔ اسے "الناقص" اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس نے لوگوں کے عطیات میں اس اضافے کو ختم کر دیا تھا جو ولید کے زمانے میں تھا اور وہ دس دس کے حساب سے تھا۔ چنانچہ اس نے اسے ختم کر کے وہی پرانا ہشام کے زمانے والا حساب جاری کیا۔

اس کے دورِ حکومت میں نظامِ سلطنت میں شدید اضطراب پیدا ہو گیا تھا اور مختلف شہروں کے والی ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگ گئے تھے۔ اہلِ حمص باغی ہو گئے تھے، اہلِ فلسطین نے چڑھائیاں شروع کر دی تھیں اور اہلِ یمامہ اور ان کے عامل کے مابین جنگ چھڑ گئی تھی وغیرہ وغیرہ۔

بالآخر یزید مر گیا اور اس نے کسی کے لیے بھی حکومت کی وصیت نہ کی۔ اس کا غلام بڑا

ہی عیار تھا۔ اس نے یزید بن ولید کی طرف سے اس کے بھائی ابراہیم بن ولید کو حکومت دینے کے لیے ایک جعلی وصیت بنائی اور لوگوں کو اس کی طرف بلایا تو انھوں نے اس کے بارے میں جھوٹی گواہی دے دی۔ (عقد الفرید، جلد ۳، ص ۱۹۴)

ابراہیم بن ولید بن عبدالملک

اس کی ماں اُم ولد تھی اور اس کا نام "نعمت" تھا۔ اسے ۱۲۶ ہجری میں اس کے بھائی کی وفات کے موقع پر عیاری کے ساتھ مسند اقتدار پر بٹھایا گیا تھا مگر حوادث کے بڑھ جانے، انتشار کے پھیل جانے اور حکومتی رُعب و دبدبے کے ختم ہوجانے کی بنا پر اس حکومت میں بھی کچھ زیادہ عرصے کے لیے باقی نہ رہی۔ اس کے پیرو کبھی اسے خلیفہ کہہ کر سلام کرتے تھے تو کبھی امیرالمومنین کہہ کر اس کی حکومت کا عرصہ تین ماہ اور بقولے دو ماہ اور کچھ دن اُوپر تھا۔ اور اس نے ۱۲۷ ہجری میں حکومت کا معاملہ مروان کے سپرد کردیا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ مروان نے اس پر قابو پالینے کے بعد اسے قتل کر کے سولی پر چڑھایا اور اس کے تمام ساتھیوں کو تہِ تیغ کردیا تھا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ چلتے ہوئے پانی میں غرق ہوگیا تھا یا اسے اس میں مار دیا گیا تھا۔ (الامام الصادق والمذاہب الاربعہ: جلد ۱، ص ۱۳۱)

مروان الحمار

یہ مروان بن محمد بن مروان بن حکم تھا۔ اسے "مروان الحمار" کہا جاتا تھا۔ اس کی ماں اُمِ ولد تھی اور اس کا نام لبابہ تھا۔ اس نے صفر ۱۲۷ ہجری سے لے کر ۱۳ ربیع الاوّل ۱۳۲ ہجری تک حکومت کی اور اسی دن اسے مصر کے علاقے بوصیر میں قتل کردیا گیا تھا۔ یہ آخری اُموی بادشاہ تھا۔ اس کے بعد اقتدار بنی عباس کے قبضے میں آگیا اور اُمویوں نے شہروں میں تفرقہ کھڑا کردیا اور ۹۱ سال اور نو مہینے حکومت کرنے کے بعد ان کی سلطنت زوال کا شکار ہوگئی۔

بنی عباس کا سب سے پہلا حکم ابوالعباس سفاح عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس تھا۔ اس کی بیعت ماہِ ربیع الآخر ۱۳۲ ہجری میں کی گئی اور ذوالحجہ ۱۳۶ ہجری میں اس کی وفات ہوگئی۔ (الامام الصادق والمذاہب الاربعہ: ص ۱۳۱)

محترم قارئین! ہم نے آپ کی خدمت میں بنی اُمیہ کے حکمرانوں کی مختصر سی تاریخ پیش کی ہے۔ اس بحث کے درمیان آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ وہ نہ تو مسلمانوں کے انتخاب وشوریٰ سے مسند اقتدار پر بیٹھے تھے اور نہ ہی نصِ شرعی یا ان میں خلافت کی اہلیتوں کو دیکھتے ہوئے اس عظیم مرتبے پر فائز کیا گیا تھا، بلکہ اس کے لیے تو صرف سابقہ حاکم کا بعد والے کے لیے وصیت کر دینا ہی کافی تھا اور مسلمانوں کو اس میں دوسری رائے ظاہر کرنے کا کوئی حق نہ تھا بلکہ ان پر اسے تسلیم کرنا واجب تھا۔ بصورتِ دیگر انھیں خارجی، فسادی، مسلمانوں کے اتحاد کو توڑنے والا اور فتنہ کھڑا کرنے والا جیسے بُرے القابات سے یاد کیا جاتا تھا۔

مہدیؑ موعود کون ہیں؟

تاریخ میں ایسے بہت سے لوگ گزرے ہیں جن کے نام ''عبداللہ'' تھے اور اسی طرح ان میں سے بہت سوں کے بیٹوں کے نام ''محمد'' تھے۔ چنانچہ ان کے بیٹے محمد بن عبداللہ کہلاتے تھے۔ ایسے ہی لوگوں میں سے ایک حضرت عبداللہ بن حسن المثنی علیہ السلام ہیں جنھوں نے اپنے ایک بیٹے کا نام ''محمد'' رکھا تھا۔ اسی طرح منصور دوانیقی کا نام بھی عبداللہ تھا اور اس نے بھی اپنے ایک بیٹے کا نام ''محمد'' رکھا تھا۔ ممکن ہے آج کے دور میں بھی ہزاروں ایسے لوگ ہوں جن کے اپنے نام ''عبداللہ'' اور جن کے بیٹوں کے نام ''محمد'' ہوں۔

معزز قارئین! اس مختصر سے مقدمے کو اپنے ذہن میں رکھیں تاکہ آپ آنے والی بحث کے نتیجے تک پہنچ جائیں۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام اُمت مسلمہ کے مابین ایک مشہور شخصیت ہیں۔ ان کے بارے میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت سی احادیث نقل ہوئی ہیں اور ان میں سے بعض احادیث میں امام علیہ السلام کے نسب مبارک کی صراحت بھی موجود ہے کہ آپ حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذُریت میں سے ہوں گے۔

بعض روایات میں اس سے بھی زیادہ صراحت موجود ہے کہ آپؑ حضرت امام حسن بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر بن باقر بن علی زین العابدین بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام کے فرزند ہیں۔ لیکن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی ان تمام تصریحات کے باوجود بھی بعض ایک ایسی مجہول حدیث کے پیچھے پڑ جاتے ہیں جس کے نہ کسی مصدر کا کوئی پتہ ہے اور کسی اصل کی کوئی خبر ہے۔ اس حدیث پر بہت سے سوالیہ نشانات لگے ہوئے ہیں۔ پھر بھی باطل نواز لوگ اس حدیث کی نسبت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیتے ہیں اور وہ حدیث یہ ہے کہ (معاذ اللہ) آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اَلْمَهْدِيُّ مِنْ وُلْدِي، اِسْمُهُ اِسْمِي وَاِسْمُ اَبِيهِ اِسْمُ اَبِي

"(حضرت) مہدیؑ میری اولاد میں سے ہیں، ان کا نام میرا نام ہے اور ان کے والد کا نام میرے والد کا نام ہے"۔

اگر اس حدیث کو صحیح مان لیا جائے تو نتیجتاً آپؑ کا اسم مبارک "محمد بن عبداللہ" ہوگا نہ کہ "محمد بن حسن عسکریؑ"۔

اس صورت میں ہر عبداللہ نامی شخص یہ دعویٰ کرنے کا حق دار ہوگا کہ اس کا جو "محمد" نامی بیٹا ہے وہی وہ مہدی ہیں جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں بشارتیں دی گئی ہیں۔ اسی باطل اساس کی بنا پر عبداللہ بن الحسن نے اپنے بیٹے محمد کو کہا تھا کہ یہ ہی وہ مہدی ہیں!!

تاریخ کی سب سے فاش غلطی یہ ہے کہ منصور دوانیقی نے اپنے بیٹے کا نام محمد رکھا اور اسے مہدی آخر الزمان سمجھنے لگا حالانکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت میں سے نہ تھا لیکن چونکہ خود اس کا نام عبداللہ تھا، اس لیے وہ اپنے بیٹے کے مہدی ہونے کا قائل تھا اور لطف بالائے لطف یہ ہے کہ منصور نے اپنے بیٹے کو مہدی برحق سمجھ کر خود بھی اس کی بیعت کی تھی۔

معزز قارئین! ہم نے یہ مختصر سا مقدمہ اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ آپ آنے والی فصل میں موتمر الابواء اور محمد بن عبداللہ المعروف نفسِ زکیہ سے متعلقہ بیان کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکیں۔

موتمر الابواء (یعنی مہدیؑ موعود مقرر کرنے کے لیے ابواء میں ہونے والا مشاورتی اجلاس)

''ابواء'' مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ یہ مدینہ سے ۳۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ بنت وہب علیہا السلام کی قبر اطہر بھی اسی مقام پر ہے۔

بنی اُمیہ کی حکومت کے خاتمے کے بعد علویوں اور عباسیوں میں سے انقلاب لانے والے اس مقام پر خلیفہ کے انتخاب کے سلسلے میں جمع ہوئے تاکہ اس سے وہ ایک عادلانہ طریقہ حکومت کی بنیاد رکھ سکیں۔ یہ اُموی خلیفہ ولید بن یزید بن عبدالملک بن مروان کے قتل کیے جانے کے بعد کا وقت تھا۔ اس وقت بنی اُمیہ کی حکومت مکمل طور پر کمزور ہو چکی تھی اور اس کے ارکان میں زلزلہ آ چکا تھا۔

اس میٹنگ میں علویوں میں سے حضرت عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالبؑ، ان کے دو بیٹے محمد و ابراہیم اور محمد الدیباج وغیرہ۔ جبکہ عباسیوں میں سے ابوجعفر منصور، اس کے دو بھائی ابوالعباس سفاح اور ابراہیم اور ان کا چچا صالح بن علی وغیرہ موجود تھے۔ پھر انھوں نے محمد بن عبداللہ کی بیعت اور اسے خلیفہ بنانے پر اتفاق کر لیا اور یہ سمجھ لیا کہ یہی مہدیؑ موعود ہے۔

اب ہم ذیل میں اس موضوع سے متعلقہ ایک مورخ کے بیان کو قلمبند کرتے ہیں:

کتاب مقاتل الطالبین میں آیا ہے کہ بنی ہاشم میں سے کچھ افراد نے ابواء میں ایک اجتماع کیا۔ ان میں ابراہیم سفاح بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس، ابوجعفر منصور، صالح بن علی، عبداللہ بن حسن بن حسنؑ، ان کے دو بیٹے محمد و ابراہیم، اور محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان شامل تھے۔

صالح بن علی نے کہا: تم لوگ جانتے ہو کہ سب لوگوں نے تم پر اپنی نظریں جما رکھی ہیں اور آج خدا نے تمھیں یہاں اکٹھا کر دیا ہے لہٰذا تم اپنے میں سے کسی قابل شخص کی بیعت کر لو اور اس پر یقین رکھو حتیٰ کہ خدا تمھیں فتح دے اور وہ سب سے بہتر فتح دینے والا ہے۔

اس پر عبداللہ بن الحسن نے خدا کی حمد وثنا کے بعد کہا: "تم جانتے ہو کہ میرا یہ بیٹا ہی وہ مہدی ہے تو آؤ! اس کی بیعت کریں۔

عبداللہ کی بات سن کر ابوجعفر منصور کہنے لگا: تم کس لیے خود کو دھوکے میں ڈال رہے ہو؟ خدا کی قسم! تم جانتے ہو کہ میرے بیٹے محمد بن عبداللہ جیسا لمبی گردن والا اور حاضر جواب کوئی بھی نہیں ہے۔

لوگوں نے کہا: خدا کی قسم! اے منصور! تم سچ کہتے ہو۔ اسے ہم بڑی اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس پر سب لوگوں نے اُس "محمد" کی بیعت کی اور اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے۔

عیسیٰ کہتا ہے: میرے والد کے پاس عبداللہ بن الحسن کا قاصد آ کر کہنے لگا کہ ہماری طرف آؤ، ہم ایک امر پر جمع ہونے لگے ہیں۔ اور اس کو حضرت جعفر بن محمد علیہما السلام کی طرف بھی بھیجا گیا۔

عیسیٰ نے اسی طرح ہی بیان کیا ہے۔ جبکہ عیسیٰ کے علاوہ دوسرے لوگ کہتے ہیں:

عبداللہ بن الحسن نے یہ رائے پیش کرنے والوں کو یہ جواب دیا: ہم حضرت جعفر علیہ السلام کو بلانا مناسب نہیں سمجھتے۔ کہیں وہ تمھارے اس کام میں فساد کھڑا نہ کر دیں۔

عیسیٰ کہتا ہے: یہ پیغام ملنے پر میرے باپ نے مجھے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے محمد بن عبداللہ ارقط بن علی بن حسین کو بھیجا۔ جب ہم ان کے پاس پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ محمد بن عبداللہ بن الحسن ایک کجاوے کی بوسیدہ دری پر دوزانو ہو کر نماز پڑھ رہا تھا۔ میں نے ان سے کہا: میرے باپ نے مجھے اس لیے بھیجا ہے تاکہ مَیں دیکھوں کہ تم کس چیز پر جمع ہوئے ہو؟

عبداللہ بن حسن نے کہا: ہم یہاں اس لیے جمع ہوئے ہیں تاکہ محمد بن عبداللہ مہدی کی بیعت کریں!!

لوگ کہتے ہیں: پھر حضرت جعفر بن محمد علیہ السلام آئے تو عبداللہ بن الحسن نے انھیں اپنے پہلو میں جگہ دی اور ان سے بھی وہی بات کی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ایسا نہ کرو۔ اس امر کا وقت ابھی نہیں آیا۔ اگر تم اپنے بیٹے (محمد بن عبداللہ) کو مہدی برحق سمجھ رہے ہو تو ایسا ہرگز نہیں۔ اور اگر تم چاہتے ہو تو اسے آگے کرو تاکہ وہ خدا کے لیے غضب ناک ہو اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرے۔ اس صورت میں خدا کی قسم! آپ ہمارے بزرگ ہیں اور ہم آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ ہم اس معاملے میں آپ کے بیٹے کی بیعت کریں گے۔

اس پر عبداللہ غصے میں آگیا اور کہنے لگا: میں تو اس کے خلاف جانتا ہوں جو آپ کہہ رہے ہیں اور خدا کی قسم! اس نے آپؑ کو غیبی باتوں پر اطلاع نہیں بخشی۔ آپؑ یہ ساری باتیں صرف اور صرف میرے بیٹے کے ساتھ حسد کی بنا پر کر رہے ہیں!!

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! میں حسد کی وجہ سے یہ باتیں نہیں کر رہا بلکہ یہ شخص، اس کے بھائی اور بیٹے تمھارے خلاف ہیں (یہ بات کہتے وقت آپؑ نے اپنا دست مبارک ابوالعباس سفاح کی کمر پر رکھا ہوا تھا)۔

پھر آپؑ نے عبداللہ بن حسنؒ کے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا: خدا کی قسم! یہ حکومت نہ تجھے ملے گی اور نہ ہی تیرے دونوں بیٹوں کو بلکہ یہ عباسیوں کے ہاتھ آئے گی اور تمھارے ان دو بیٹوں کو قتل کر دیا جائے گا۔

پھر آپ کھڑے ہوئے اور عبدالعزیز بن عمران کے ہاتھ کی ٹیک لے کر فرمایا:

کیا تم نے زرد چادر والے یعنی ابوجعفر منصور کو دیکھا ہے؟

عبداللہ نے کہا: جی ہاں! دیکھا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہم نے اپنے آثار میں دیکھا ہے، خدا کی قسم! وہ اسے قتل کرے گا۔

عبدالعزیز نے پوچھا: کیا وہ محمد کو قتل کرے گا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں۔

عبدالعزیز کہتا ہے: میں نے اپنے دل میں کہا: ربِ کعبہ کی قسم! امام علیہ السلام اس سے حسد کی وجہ سے ایسا کہہ رہے ہیں لیکن خدا کی قسم! میں نے اپنی زندگی میں ہی ان دونوں کا قتل کیا جانا دیکھا ہے۔

عبدالعزیز کہتا ہے: جب امام علیہ السلام نے یہ بات کی تو لوگ منتشر ہو کر چلے گئے اور اس کے بعد جمع نہ ہوئے۔

جب یہ بات عبدالصمد اور ابوجعفر منصور کے کانوں میں پڑی تو وہ دونوں امام علیہ السلام کے پیچھے پیچھے چلے گئے اور امام علیہ السلام کے پاس پہنچ کر کہنے لگے: اے ابوعبداللہ! کیا آپؑ نے یہ بات کہی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی بالکل، میں نے کہی ہے اور خدا کی قسم! میں اسے جانتا ہوں۔ (مقاتل الطالبین: ص ۱۴۰)

علی بن عمرو نے ابنِ داحہ سے بیان کیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے عبداللہ بن حسنؑ کے پاس جا کر فرمایا: خدا کی قسم! یہ اُمر (حکومت) نہ تیرے حصے میں آئے گا اور نہ ہی تیرے بیٹوں کے حصے میں آئے گا۔ یہ اس سفاح، پھر منصور اور پھر اس کے بیٹوں کے حصے میں آئے گا اور انھی میں رہے گا حتیٰ کہ یہ اپنے بچوں کو امیر بنائیں گے اور اپنی عورتوں سے (حکومت کے معاملات میں) مشاورت کریں گے۔

یہ سن کر عبداللہ کہنے لگا: خدا کی قسم! اے جعفرؑ! اس نے آپؑ کو اپنے غیب پر مطلع نہیں کیا بلکہ آپؑ محض میرے بیٹے کے ساتھ حسد کی وجہ سے ایسا کہہ رہے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! میں تمھارے بیٹے کے ساتھ حسد کی وجہ سے یہ بات نہیں کہہ رہا۔ بے شک یہ (ابوجعفر) اسے تیل کے پتھروں پر مار دے گا۔ پھر اس کے بعد اس کے بھائی کو طفوف میں قتل کر دے گا اور اس کے گھوڑے کے پاؤں پانی میں ہوں گے۔

پھر امام علیہ السلام غصے کے عالم میں اُٹھے اور اپنی چادر کو سنبھال کر چل پڑے۔ آپؑ کے پیچھے پیچھے ابوجعفر منصور بھی چل پڑا اور آپؑ کے پاس جا کر کہنے لگا: اے ابوعبداللہ! آپؑ جانتے ہیں آپؑ نے کیا کہا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! میں اسے جانتا ہوں اور یہ ہونے والا ہے۔

ابنِ داحہ کہتا ہے: ایک شخص جو ابوجعفر منصور کی باتیں سن رہا تھا، اس نے مجھے آکر بتایا کہ منصور یہ کہہ رہا تھا۔ پھر میں واپس آگیا اور ایک مالک کی طرح اپنے عاملوں کو ترتیب دینے لگا اور اپنے اُمور سنبھالنے لگا۔ (مقاتل الطالبین: ص ۱۷۲)

معزز قارئین! ہم ان شاء اللہ آنے والی فصل میں محمد بن عبداللہ بن حسنؑ نفسِ زکیہ کے بارے میں بات کریں گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور بنی عباس

جب بنی اُمیہ کی حکومت کے ختم ہونے کے آثار رُونما ہوئے تو عباسیوں نے پوری طاقت سے کرسیٔ اقتدار کی جانب قدم بڑھانے شروع کر دیئے۔ اس کام کے سرکردہ افراد یہ چاہتے تھے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام بھی ان کی طرف مائل ہو جائیں اور لوگوں کو ان کی طرف بلائیں۔

مگر امام عالی مقام علیہ السلام بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ لوگ حکومت کرنے کے اہل نہیں اور اگر انھیں حکومت مل گئی تو یہ سارا کچھ اپنے آپ کو ہی سمجھیں گے اور اپنی کرسی کو بچانے کے لیے کسی بھی بڑے سے بڑے جرم سے دریغ نہیں کریں گے۔ چنانچہ امام علیہ السلام نے اس سلسلے میں ان کی کوئی مدد نہ کی۔

مزید برآں امام علیہ السلام نے انھیں اپنی حکومت کے دور میں ظلم و تعدی کرنے سے پہلے آگاہ کر دیا تھا۔ جیسا کہ حماد بن عثمان نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔ آپؑ نے ارشاد فرمایا:

> "جو کوئی مرداس [1] کے بیٹوں کے قریب جائے گا وہ اسے کافر بنا دیں گے، جو ان سے دُور ہو گا وہ اسے فقیر کر دیں گے۔ جو ان سے دشمنی رکھے گا وہ اسے قتل کر دیں گے، جو ان سے بچنے کی کوشش کرے گا اور جو ان سے بھاگے گا وہ اسے پکڑ لیں گے اور اسی طرح ان کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا"۔ (اصولِ کافی: جلد ۸، ص ۳۴۱، حدیث ۵۳۹)

---

[1] ولد مرداس: عباس سے کنایہ ہے اور امام علیہ السلام نے یہ تعبیر تقیہ کے طور پر استعمال کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عباس بن مرداس سلمی رسول اللہ کے صحابی اور شاعر تھے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ اس سے مراد کی ابن مرداس (یعنی ابن مرداس کا ہم نام ہوتا ہو)۔ (مرآۃ العقول)

اب ہم ذیل میں وہ بات ذکر کرنے لگے ہیں جو امام علیہ السلام اور عباسی انقلاب کی اہم شخصیات کے مابین اس انقلاب کے شروع شروع میں ہوئی تھیں۔ جیسا کہ ہم بعد میں ان کی حکومت حاصل کرنے سے پہلے اور بعد کے کچھ مناظر بھی آپ احباب کے سامنے لانے کی کوشش کریں گے۔

ابوسلمہ الخلال

اس کا نام حفص بن سلیمان تھا۔ اسی نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو خلافت کی پیش کش کی تھی مگر امام علیہ السلام نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اسے بتایا تھا کہ حکومت عنقریب ابوعباس سفاح کے پاس آئے گی۔ پھر اس کا بھائی منصور حاکم بنے گا اور یہ اس کی اولاد کے حصے میں چلی جائے گی۔

ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ سوال اُٹھے کہ امام علیہ السلام نے خلافت کو قبول کرنے سے کیوں انکار کر دیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ:

اوّلاً: تو امام علیہ السلام کی خلافت خدا کی طرف سے تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نص صریح کے ساتھ ثابت تھی اور آپؑ کو ابوسلمہ کی اس پیش کش کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

چنانچہ ابوسلمہ کو یہ حق کیونکر حاصل تھا کہ وہ جسے چاہے خلافت دیتا پھرے؟! کیا یہ اس کی شرعی ذمہ داری تھی؟! اور کیا وہ اَمرِ عظیم کے لیے ولایتِ الٰہیہ رکھتا تھا؟! بالکل نہیں۔

بنابرایں امام جعفر صادق علیہ السلام ہی خدا کے اَمر سے حقیقی امام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرعی خلیفہ تھے اور آپؑ کو کسی اَیرے غیرے کی مدد کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

ثانیاً: امام علیہ السلام علمِ الٰہی سے جانتے تھے کہ حکومت بنی عباس میں سے ابوالعباس سفاح، پھر اس کے بھائی اور پھر اس کے بیٹوں کے ہاتھوں میں آنے والی تھی۔ چنانچہ اس علم کے باوجود حکومت قبول کرنا کوئی دانش مندانہ فیصلہ نہ تھا۔

ثالثاً: امام علیہ السلام یہ جانتے تھے کہ یہ لوگ اس طریقے سے آپؑ کو اپنی حکومت کرنے کا ذریعہ بنانا چاہتے تھے۔ کیونکہ ان کی نظر میں یہ بات تھی کہ آپؑ کو لوگوں میں ایک نمایاں

حیثیت حاصل ہے۔ بعض لوگ آپؑ کی امامت کے معتقد ہیں اور بعض آپؑ کو ایک صالح و عبادت گزار انسان کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ بنابرایں جب آپؑ بھی کرسئ اقتدار کے طلب گاروں کی فہرست میں شامل کرادیں گے تو ہر کوئی آپؑ کو حاکم ماننے پر تیار ہوجائے گا اور آپؑ کی حکومت محکم ہوجائے گی۔ پھر بنو عباس آپؑ پر چڑھائی کر کے آپؑ کو قتل کردیں گے اور نظامِ سلطنت پر خود قابض ہوجائیں گے۔

چنانچہ امام علیہ السلام کے لیے کیونکر ممکن تھا کہ آپؑ اپنی ذات کو ایسے لوگوں کو حکومت فراہم کرنے کا وسیلہ وذریعہ بنتے کہ جن میں اس کے نظام کو سنبھالنے کی اہلیت ہی نہ تھی؟!

ممکن ہے کہ کوئی یہ سوال اُٹھائے کہ جیسا بھی تھا امام علیہ السلام خلافت قبول کرلیتے اور پھر جب آپؑ کی حکومت مضبوط ہوجاتی تو آپؑ اپنے دشمنوں کا صفایا کردیتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا سوچنا بھی محال ہے۔ کیونکہ امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے جدِّ اکبر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی طرح تھے اور آپؑ اپنے دین کو دنیا کے عوض بیچنے والے نہ تھے کہ آپؑ جونہی مسندِ اقتدار پر قدم رکھتے تو باقی حکمرانوں اور رئیسوں کی مانند جس جس کو اپنی حکومت کے لیے خطرے کا باعث سمجھتے اُسے موت کے گھاٹ اُتار دیتے۔ کیونکہ یہ سراسر شیطانی اَفعال ہوتے ہیں اور ان کا شریعت اسلامیہ کے ساتھ دُور کا بھی ربط نہیں ہوتا ہے۔

بنابرایں امام علیہ السلام نے اس کے متعلق جو طرزِ عمل اختیار کیا وہی عینِ حق و صواب تھا۔ کیونکہ اس کا کوئی سر وپیر نہ تھا جبکہ امام علیہ السلام بنصِ رسولِؐ خدا خلافتِ الٰہیہ و امامت کبریٰ کے درجہ سامیہ پر فائز تھے اور ایسی پیش کش کو قبول کرنا آپؑ کے شانِ شایان نہ تھا۔

معزز قارئین! اس مختصر سے بیان کے بعد ہم آپ کو ایک مورخ کی زبانی بتاتے ہیں کہ بنی عباس کے ہاتھوں حکومت کیسے پہنچی۔

کتاب ''الفرج بعد الشدة'' میں آیا ہے کہ جب ابوسلمہ خلال نے حکومت کی طرف بلانے والوں کو پکا کرلیا اور انھوں نے عراق پر غلبہ حاصل کرلیا۔ نیز اس سے پہلے وہ خراسان اور اس کے اور عراق کے مابین علاقوں پر حکومت حاصل کرچکے تھے تو اس نے بنی عباس کو کوفہ میں اپنے گھر بلایا۔ وہاں اس کی ایک سرداب تھی۔ اُس میں اس نے تمام بنی عباس کو جمع کیا اور

ان میں سفاح، منصور اور عیسیٰ بن محمد بھی تھے اور وہ خود آگے پیچھے کی خبروں پر کڑی نظر رکھتا تھا اور اس کے داعی اس کی مرضی کے پابند تھے کہ جب وہ کوفہ پر غلبہ حاصل کرلیں گے تو اس کا معاملہ امامؑ کے سپرد کردیں گے تاکہ وہ اس میں حسبِ منشا تصرف کرے۔

پھر قحطبہ اور ابنِ ہبیرہ فرات پر واقع ہونے والے ایک عظیم حادثے میں آئے اور قحطبہ غرق ہوگیا اور ابنِ ہبیرہ بھاگ کر واسط چلا گیا اور وہاں جا کر کسی جگہ پناہ لے لی۔ اس کے بعد قحطبہ کے دونوں بیٹے اپنی ساری فوج لے کر ابوسلمہ کے پاس آگئے اور کہنے لگے: ''امام کو ہمارے سامنے کرو''۔

ابوسلمہ نے انھیں روکا اور کہا: اس وقت تو امام (ابراہیم بن محمد) سے ملاقات نہیں ہوسکتی۔

ابوسلمہ نے اس خبر کو بنی عباس سے چھپائے رکھا اور اَمرِ حکومت کو آلِ فاطمہؑ کی طرف پھیرنے کی کوششوں میں لگ گیا۔ اس نے ان میں سے بعض افراد کو خطوط میں یہ پیش کش کی تو وہ پیچھے ہٹ گئے اور اس سے بنی عباس بھی اس کے متعلق بدگمان ہوگئے۔ لہٰذا انھوں نے سرداب میں موجود اپنے غلام اسود کو پاس بلایا اور کہا: ہمیں بتاؤ! باہر کے حالات کیسے ہیں؟

اُس نے کہا: قحطبہ غرق ہوچکا ہے۔ ابنِ ہبیرہ بھاگ گیا ہے اور فلاں دن سے قحطبہ کے بیٹے فوج لے کر کوفہ میں آئے ہوئے ہیں۔

انھوں نے اس سے کہا: تم جاؤ، قحطبہ کے بیٹوں سے ملو، انھیں ہماری جگہ کا بتاؤ اور قبل اس کے کہ وہ ہمارے گھر آکر ہمیں نکال دیں تم ان سے مل لو۔

یہ حکم ملتے ہی ان کا غلام قحطبہ کے بیٹوں کی طرف چلا گیا۔ قحطبہ کا بیٹا حمید اسے جانتا تھا۔ جب وہ اسے ملا تو بڑے غصے سے اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگا تو ہلاک ہوجائے۔ ہمارے بزرگوں نے ایسا کیا کیا تھا جو انھیں اتنی بڑی سزا دی گئی اور بتا اب وہ کہاں ہیں؟

غلام نے قحطبہ کو ان کے بارے میں بتایا اور بنی عباس کا پیغام بھی اسے سنایا۔ پھر وہ لشکر کے کچھ افراد کو لے کر اس کے ٹھکانے پر آگیا۔ اسود نے اسے سرداب دکھلائی اور وہ لشکر کے کچھ آدمیوں سمیت اندر داخل ہوگیا۔ وہاں اس نے سلام و جواب کے بعد پوچھا: تم میں

حارثیہ کا بیٹا کون ہے؟

''حارثیہ'' ابوعباس السفاح عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ کی والدہ تھی اور جب امام ابراہیم بن محمد نے اپنے داعیوں کو پھیلایا تو ان سے یہ کہا تھا: اگر میرے بعد کوئی حادثہ رُونما ہو جائے تو ابن الحارثیہ امام ہوگا جس کے پاس یہ نشانی ہوگی:

وَ نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ وَ نُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَ نُرِيَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝ (سورۂ قصص: آیت ۵-۶)

''اور ہم یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ جنھیں زمین میں بے بس کر دیا گیا ہے ہم ان پر احسان کریں اور ہم انھیں پیشوا بنائیں اور ہم انھی کو وارث بنائیں اور ہم زمین میں انھیں اقتدار دیں اور ان کے ذریعے ہم فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ کچھ دکھا دیں جس کا انھیں ڈر تھا''۔

جب ابنِ قحطبہ نے پوچھا: تم میں سے ابن حارثیہ کون ہے؟

ابوعباس سفاح اور منصور دوانیقی دونوں نے کہا: میں ابن حارثیہ ہوں۔

ابنِ قحطبہ نے پوچھا: تم میں سے (امامت کی) نشانی کس کے پاس ہے؟

ابوجعفر منصور نے کہا: اس سوال پر مجھے یقین ہو گیا کہ اب معاملہ میرے ہاتھ سے نکل گیا ہے کیونکہ میرے پاس (امامت) کی نشانی نہ تھی تو ابوالعباس سفاح نے یہ آیت پڑھ کر سنا دی: وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ۔

اس پر حمید بن قحطبہ نے کہا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ، يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ، مُدَّ يَدَكَ۔ ''اے امیر المومنین آپ پر سلام اور خدا کی رحمت و برکت ہو، آپ اپنا ہاتھ بڑھائیں''۔

پھر ابنِ قحطبہ نے اس کی بیعت کی اور اپنی تلوار سونت کر کہا: اے لوگو! امیر المومنین کی بیعت کرو تو اس کے بھائیوں، چچا اور پھوپھی کے بیٹوں اور سرداب میں موجود پوری جماعت

نے اس کی بیعت کی۔ پھر وہ (ابنِ قحطبہ) اُسے کوفہ میں منبر پر لے گیا مگر وہاں وہ کچھ نہ بول سکا اور اس کی طرف سے اس کا چچا داؤد بن علی خطاب کے لیے آگے بڑھا اور اس سے ایک سیڑھی نیچے کھڑے ہو کر حاضرین کو مخاطب کرنے لگا۔

اس دوران ابوسلمہ بھی آ گیا مگر وہ کافی خوف زدہ تھا۔ اس کے چہرے پر حیرت و پریشانی کے آثار دیکھ کر حمید نے کہا: اے ابوسلمہ! تم نے کیا سمجھ رکھا تھا کہ اس کے بعد امام نہیں آئے گا؟

ابوسلمہ نے جواب دیا: میں تو صرف یہ چاہتا تھا کہ مروان کی ہلاکت تک ان کے خروج سے دفاع کرتا رہوں اور میرا یہ ارادہ تھا کہ جب مروان ہلاک ہو جائے گا تو میں ان پر بات واضح کر دوں گا۔

یہ سن کر ابوالعباس نے ظاہراً اس کا عذر قبول کر لیا۔ اسے اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ پھر کچھ عرصے بعد اسے قتل کر دیا۔

نیز یہ خبر اس سیاق سے ہٹ کر بھی بیان کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے:

ابوعباس سفاح اور اس کے گھر والے پوشیدہ طور پر ابوسلمہ سے ملنے اس کے گھر آئے تو اس نے ان کا معاملہ چھپا دیا اور یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اسے علی وعباس کے بیٹوں کے مابین شوریٰ پر چھوڑ دے گا تاکہ وہ اپنے میں سے جس کو چاہیں گے منتخب کر لیں گے اور ان میں عدم اتفاق کی صورت میں اس کا فیصلہ یہ تھا کہ اس اَمر کو حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام کے بیٹوں کی طرف پلٹا دیا جائے اور وہ تین افراد تھے:

① حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

② حضرت عبداللہ بن حسن بن حسنؑ بن علیؑ

③ ۔حضرت عمر بن علی بن حسین علیہما السلام

اس نے اہلِ کوفہ میں سے ان کے حب داروں میں سے ایک شخص کو ان کے خطوط لکھ کر روانہ کیا۔ جب وہ خطوط لے کر ان کی طرف آیا تو پہلے پہل اس کی ملاقات حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے رات کے وقت ہوئی۔ اس نے امام علیہ السلام کو بتایا کہ میں ابوسلمہ کا قاصد ہوں۔ اس نے مجھے آپؑ کی طرف ایک خط دے کر بھیجا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ابوسلمہ کو مجھ سے کیا واسطہ ہے؟ وہ تو میرے غیر کا شیعہ ہے۔

قاصد نے کہا: آپؑ خط تو پڑھیئے۔ پھر جو جواب دینا وہ دیں۔

پھر امام علیہ السلام نے خادم سے فرمایا: چراغ ادھر لے آؤ۔ جب وہ چراغ لے کر آیا تو آپؑ نے خط کو اس کے اُوپر رکھ کر جلا دیا۔

قاصد نے پوچھا: کیا آپؑ جواب نہیں دیں گے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جواب تم نے دیکھ لیا ہے؟!

پھر وہ قاصد حضرت عبداللہ بن حسن کے پاس آیا تو انھوں نے اس سے خط لے لیا اور اپنی سواری پر سوار ہو کر امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس آ گئے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اے ابومحمد! لگتا ہے کوئی کام آپ کو میرے پاس لایا ہے۔ اگر آپ پیغام بھجوا دیتے تو مَیں خود حاضر ہو جاتا۔

حضرت عبداللہ نے کہا: واقعی! مجھے آپؑ سے ایک بہت ضروری کام ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: بتایئے! کیا کام ہے؟

حضرت عبداللہ نے کہا: یہ ابوسلمہ کا خط ہے۔ اس نے مجھے اَمر (حکومت) کی دعوت دی ہے اور اس نے سب لوگوں سے زیادہ مجھے اس کا اہل قرار دیا ہے۔ یہ خط ہمارے خراسان کے شیعہ لے کر آئے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: بھلا وہ کب سے آپ کے شیعہ ہوئے ہیں؟

آپ نے جب ابومسلم کو خراسان بھیجا تھا تو اسے سیاہ لباس پہننے کا حکم دیا تھا (تاکہ کوئی اسے پہچان نہ سکے) کیا آپ ان میں سے کسی کو اس کے نام ونسب سے جانتے ہیں؟

حضرت عبداللہ نے کہا: نہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جب نہ آپ ان میں سے کسی کو جانتے ہیں اور نہ ان میں سے کوئی آپ کو جانتا ہے تو وہ آپ کے شیعہ کیسے ہو سکتے ہیں؟

حضرت عبداللہ نے کہا: لگتا ہے آپؑ سے میری سربلندی برداشت نہیں ہو رہی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا جانتا ہے کہ میں نے تو اپنے اُوپر واجب کیا ہوا ہے کہ

ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں۔ اس لیے میں آپ کی بھلائی کا بھی خواہاں ہوں۔ میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ باطل خواہشوں کے پیچھے مت جائیں کیونکہ حکومت ان لوگوں (یعنی بنی عباس) کے حصے میں آئے گی اور اولاد ابی طالبؑ میں سے کسی کو بھی نہیں ملے گی اور جیسا خط آپ کو موصول ہوا ہے ویسا مجھ تک بھی پہنچا ہے۔

اس پر حضرت عبداللہ امام علیہ السلام کی گفتگو سے ناراض ہو کر واپس چلے گئے۔

حضرت عمر بن علی بن حسینؑ کو خط ملا تو انھوں نے یہ کہہ کر خط واپس کر دیا کہ میں تو اس کے لکھنے والے کو نہیں جانتا۔

راوی کہتا ہے: ادھر ابوسلمہ نے ابوعباس اور اس کے ساتھیوں کے پاس کافی وقت گزار دیا۔ اتنے میں اس کے اصحاب کوفہ کے اردگرد گھومنے لگ گئے۔ وہاں حمید بن قحطبہ اور محمد بن صول کو اپنا ایک دوست مل گیا اور ان دونوں نے اسے پہچان لیا کیونکہ وہ محمد بن علی اور ابراہیم بن محمد کے خطوط اس کی طرف لاتا تھا۔ ان دونوں نے اس سے خبر دریافت کی تو اس نے انھیں بتایا کہ لوگوں نے پہل کر دی ہے اور وہ (اُمر حکومت پر غور کرنے کے لیے) سرداب میں موجود ہیں۔ اُس کے منہ سے اِس بات کا سننا تھا کہ دونوں سرداب کی جانب چل پڑے۔ وہاں جا کر پہلے ان دونوں نے سرداب میں موجود لوگوں کو سلام کہا اور پھر پوچھا: تم دونوں (منصور و ابوعباس) میں سے "عبداللہ" کون ہے؟

ان دونوں نے جواب میں کہا: ہم سارے "عبداللہ" ہیں۔

انھوں نے پوچھا: تم میں سے حارثیہ کا بیٹا کون ہے؟

ابوعباس نے کہا: میں ہوں۔

اس پر ان دونوں نے کہا: اے امیر المومنین! آپ پر سلام ہو اور خدا کی رحمت و برکت ہو۔ اس کے بعد وہاں موجود تمام لوگوں نے اس کی بیعت کر لی اور اسے کوفہ کی جامع مسجد میں لے گئے۔ وہاں جا کر وہ منبر پر تو بیٹھا مگر کچھ بول نہ پایا اور اس کی طرف سے اس کے چچا داؤد بن علی اس سے ایک سیڑھی نیچے کھڑے ہو کر حاضرین سے خطاب کیا۔ (الفرج بعد الشدہ: ص ۳۴۸)

ابو مسلم خراسانی

اس کے نام کے بارے میں بہت سے اقوال ملتے ہیں۔ ایک قول کی بنا پر اس کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ ایک دوسرے قول کی بنا پر عثمان تھا اور ایک تیسرے قول کی بنا پر ابراہیم بن مسلم خراسانی تھا۔ یہ عباسی انقلاب کا ایک مرکزی ستون تھا۔ اس نے خراسان سے عراق تک لشکروں اور افواج کی قیادت بھی کی تھی اور اس انقلاب کی کامیابی میں اس کا بہت بڑا ہاتھ تھا لیکن جب منصور عباسی نے اس کے وجود کو اپنی حکومت کے لیے خطرے کا باعث سمجھا تو اسے قتل کر دیا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے عباسی انقلاب سے کئی سال پہلے ہی ابو مسلم کے مستقبل کے بارے میں بتا دیا تھا۔ جیسا کہ بشیر النبال کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا کہ ایک شخص نے شرف باریابی کی۔ آپؑ نے اجازت دی تو وہ آپؑ کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: تمھارے یہ کپڑے کتنے ہی اچھے اور نرو ملائم ہیں!!

اس نے کہا: یہ ہمارا علاقائی لباس ہے۔ پھر کہنے لگا: میں آپؑ کے لیے ایک تحفہ لے کر آیا ہوں۔ اس پر ایک لڑکا اندر آیا اور اس نے ایک تھیلے (bag) میں کپڑے اُٹھائے ہوئے تھے۔ پھر اس نے کچھ دیر باتیں کیں اور پھر اُٹھ کھڑا ہوا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر وقت (مقرر) آ گیا اور وصف صحیح ثابت ہوا تو وہ خراسان سے سیاہ جھنڈے اُٹھائے گا اور تیر و تفنگ کا شور بلند کرے گا۔

پھر امام علیہ السلام نے اپنے سامنے موجود ایک غلام سے کہا: اس کے پاس جاؤ اور پوچھو کہ اس کا نام کیا ہے؟ اس کے پوچھنے پر اس نے اپنا نام عبدالرحمٰن بتایا۔

اس پر امام علیہ السلام نے تین بار فرمایا: خدا اور ربِ کعبہ کی قسم! عبدالرحمٰن ہی وہ ہے۔

بشیر کہتا ہے: جب ابو مسلم آیا اور میں اس کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ یہ وہی تھا جو امام جعفر صادق علیہ السلام کی مجلس میں ہمارے پاس آیا تھا۔ (الخرائج والجرائح: جلد ۲، ص ۶۲۵)

مدائنی نے ابو مسلم کے یہ اَوصاف ذکر کیے ہیں: ابو مسلم کا قد چھوٹا، رنگ گندمی اور

خوبصورت تھا۔ اس کی جلد حسین، آنکھیں سیاہ، پیشانی کشادہ تھی۔ اس کی داڑھی خوب صورت اور گھنی تھی۔ اس کے سر کے بال اور اس کی کمر لمبی تھی اور اس کی رانیں اور پنڈلیاں باریک تھیں۔ اُس کی آواز دھیمی تھی۔ وہ عربی و فارسی نہایت فصاحت کے ساتھ بولتا تھا۔ اس کا لہجہ بہت شیریں تھا اور وہ اپنی باتوں میں اشعار کے حوالے بھی دیتا تھا۔ وہ اُمور پر نظر رکھتا تھا اور بے جا ہنسی و مذاق نہیں کرتا تھا۔ کوئی بھی چیز اس کے حالات کو تبدیل نہیں کرتی تھی۔ (جیسے) بڑی بڑی فتوحات کے باوجود بھی اس کے چہرے پر خوشی و مسرت کے آثار دکھائی نہ دیتے اور اسی طرح بڑی بڑی مصیبتیں اور آفتیں اسے کبیدہ خاطر نہ کرتی تھیں اور جب وہ غصے میں ہوتا تو غصہ اسے پاگل نہ بناتا تھا۔

اس نے اپنی حکومت میں چھ لاکھ افراد کو قتل کیا تھا۔ اس پر جب عبداللہ بن مبارک سے پوچھا گیا: ابو مسلم بہتر ہے یا حجاج؟

اس نے جواب دیا: میں یہ نہیں کہتا کہ ابو مسلم کسی سے اچھا تھا، مگر حجاج تو اس سے بھی زیادہ برا تھا۔

زمخشری نے ربیع الابرار میں لکھا ہے کہ جب ابو مسلم نے اپنے قیام کا آغاز کیا تو اس وقت اس کی عمر ۱۸ سال تھی اور جب اسے قتل کیا گیا تب اس کی عمر ۳۳ سال تھی۔

جب اس نے خراسان میں جھنڈے بلند کیے تو اس نے اس کا آغاز روز جمعہ ۲۱ ماہ رمضان ۱۲۹ ہجری میں مرو سے کیا تھا۔ ان دنوں خراسان کا والی نصر بن سیار لیثی تھا اور اسے آخری اُموی بادشاہ مروان بن محمد نے اس کا والی بنایا تھا۔

نصر نے ابو مسلم کی بابت مروان کو خط لکھا مگر وہ جزیرہ فرانیہ وغیرہ میں خوارج کے ساتھ مشغول تھا اور اس کے خط کا جواب نہ دے سکا۔ اس دن ابو مسلم کے ہمراہ ۵۰ آدمی تھے۔

ابنِ سیار مروان کے جواب کے انتظار میں تھا۔ چند دن بعد اسے مروان کی جانب سے یہ جواب ملا: "ہم نے تمھیں خراسان کا والی بنایا ہوا ہے اور جو کسی جگہ موجود ہوتا ہے وہ ان چیزوں کو دیکھتا جو اس جگہ سے غائب رہنے والے کو نظر نہیں آتیں۔ لہٰذا اس بیماری کا علاج تم خود ہی کرو۔

جب نصر نے مروان کا جواب پڑھا تو اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: میں نے تمھیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ ہماری مدد نہیں کر سکتا۔

پھر اس نے مروان کو ایک اور خط لکھا تو اس کے جواب میں مروان نے بڑی سستی کا مظاہرہ کیا۔ اِدھر ابو مسلم کی طاقت و غلبے میں مزید اضافہ ہو گیا اور نصر عراق کے قصد سے خراسان سے بھاگ نکلا مگر وہ راستے میں ہی ساوہ کے مقام کے پاس پہنچ کر مر گیا۔ اور منگل کے دن ابو مسلم نے علی بن جدیع بن علی کرمانی پر نیشاپور میں دھاوا بولا اور اسے اپنی قید میں لے لیا اور بعد میں اسے فنا کے گھاٹ اُتار دیا۔ پھر وہ مجلس کے صدر مقام پر بیٹھ گیا اور اسے امیر المومنین کہہ کر سلام کیا گیا۔ پھر اس نے نماز پڑھی اور خطبہ دے کر ابو عباس سفاح عبداللہ بن محمد سے خلافت بنی عباس کا آغاز کیا۔ خراسان میں اس کا کوئی دشمن نہ رہا اور بنی اُمیہ کی حکومت ختم ہو گئی۔ پھر اس نے مروان بن محمد کو قتل کرنے کے لیے فوجیں روانہ کر دیں۔ اِدھر سفاح نے کوفہ پر غلبہ حاصل کر لیا اور ۱۳ ربیع الثانی بقولے ربیع الاوّل ۱۳۲ ہجری شب جمعہ کو اس کی خلافت کی بیعت کی گئی اور اس کے بعد سفاح کی جانب سے مروان بن محمد کو قتل کرنے کے لیے خراسان اور دوسرے علاقوں میں فوجیں ترتیب دی گئیں اور ان میں سب سے آگے سفاح کے چچا عبداللہ بن علی کا لشکر تھا۔ اسے دیکھ کر مروان موصل اور اربیل کے درمیان نہر زاب کی طرف بھاگ کھڑا ہوا اور وہاں کی ایک بستی کشاف میں عبداللہ کے لشکر اور مروانیوں کا آپس میں آمنا سامنا ہوا تو مروان کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی اور وہ شام کی طرف بھاگ گیا۔

سفاح نے بہت کم عرصہ خلافت کی اور کسی نے اس کے ساتھ نزاع نہ کیا۔ سفاح ابو مسلم کے احسانات کے پیش نظر اس کی بہت زیادہ عزت کیا کرتا تھا۔ مگر سفاح مر گیا اور اس کا بھائی منصور مسند خلافت پر بیٹھا تو ابو مسلم سے کچھ افعال سرزد ہوئے جن کی وجہ سے منصور کا دل اس سے بُرا ہو گیا اور اس نے اسے قتل کرنے کی ٹھان لی اور جبر و استبداد کے ساتھ اپنی حکومت کے ایام کو گزارنے لگا۔ چنانچہ ایک دن اُس نے سلم بن قتیبہ بن مسلم باہلی سے کہا: ابو مسلم کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

اُس نے کہا:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (سورۂ انبیاء: آیت ۲۲)

"اگر آسمان وزمین اللہ کے سوا معبود ہوتے تو دونوں (کے نظام) درہم برہم ہوجاتا"۔

یہ سن کر منصور نے کہا: واہ اے قتیبہ! تُو نے اسے (یعنی ہماری بات کو) سمجھ دار کان دیا ہے۔ ابو مسلم حج پر گیا اور جب واپس آیا تو کوفہ کے پاس حیرہ میں ٹھہر گیا۔ منصور نے اسے اپنے خطوط کے ذریعے سے دھوکہ دے کر اپنے پاس بلا لیا۔ منصور نے ابو مسلم کو قتل کرنے کے لیے ایک جماعت تیار کر رکھی تھی جو ابو مسلم کی نشست گاہ کے پیچھے چھپی ہوئی تھی۔ اس نے انھیں سمجھا رکھا تھا کہ جب میں اپنے ہاتھ پر ہاتھ ماروں تو تم سامنے آجانا اور اسے مار دینا۔

یہ کہہ کر منصور بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد ابو مسلم منصور کے دربار میں حاضر ہوا۔ اس نے منصور کو سلام کیا۔ منصور نے اسے سلام کا جواب دے کر بیٹھنے کا کہا۔ منصور نے ابو مسلم سے کہا: تُو نے فلاں فلاں اُمور کیوں سرانجام دیے ہیں؟

ابو مسلم نے کہا: کیا میری محنتوں کا یہی صلہ ہے کہ آپ میرے کاموں پر اعتراض کرنے لگے ہیں؟

منصور نے کہا: تم نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ ہماری مہربانی کے زیر سایہ کیا ہے۔ اگر ہماری مہربانی نہ ہوتی تو تُو ایسا نہ کرسکتا۔ بتاؤ! کیا تم نے اپنے خط میں میرے نام سے پہلے اپنا نام نہیں لکھا؟ اور کیا تم نے اپنے خط میں میری پھوپھی آسیہ کو نکاح کا نہیں کہا؟

اور تُو سمجھتا ہے کہ تو سلیط بن عبداللہ بن عباس کا بیٹا ہے۔ تیرا خانہ خراب ہو! تُو نے بڑی خطرناک جگہ قدم رکھا ہے۔ اس پر ابو مسلم نے منصور کے ہاتھوں کو پکڑ لیا اور ان پر بوسے دے کر اس سے معافی مانگنے لگا۔

بالآخر منصور نے اسے غصے کے ساتھ کہا: اگر میں تجھے قتل نہ کروں تو خدا مجھے مار دے۔ پھر اس نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے پر مارا تو اسے قتل کرنے والی جماعت سامنے آ گئی۔ انھوں نے اپنی تلواروں سے ابو مسلم کو حواس باختہ کر دیا۔ منصور نے چلا کر کہا: اسے مارو، خدا تمھارے ہاتھ کاٹے۔ جب ابو مسلم کو پہلی ضرب لگی تو اس نے کہا: اے امیر المومنین! مجھے اپنے

دشمنوں کے لیے چھوڑ دیجیے۔

منصور نے کہا: پھر تو میرا بچنا محال ہو جائے گا اور تجھ سے بڑا میرا دشمن اور کون ہے؟

بہرکیف منصور کے حکم سے اس کو قتل کر کے ایک تھیلے میں بند کر دیا گیا۔

اس واقعے کے بعد جعفر بن حنظلہ منصور کے دربار میں آیا تو منصور نے اس سے کہا: ابو مسلم کے معاملے میں تم کیا رائے دیتے ہو؟

اس نے کہا: اے امیر المومنین! اگر اس کے سر کا ایک بال بھی آپ کے ہاتھ میں آجائے تو اسے بھی تین بار ماریں۔

منصور نے کہا: خدا تمھاری توفیقات میں اضافہ کرے، دیکھو وہ اس تھیلے میں پڑا ہے۔

جب جعفر نے اسے مرا ہوا پایا تو کہنے لگا: اے امیر المومنین! آج کے دن کو اپنی خلافت کا پہلا دن سمجھیں۔ (وفیات الاعیان: جلد ۳، ص ۱۴۵)

ابو عباس سفاح

اس کا نام عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس اور اس کی کنیت ابوالعباس تھی۔ اس کی والدہ ریطہ بنت عبیداللہ بن عبداللہ بن عبدالمدان بن دیان حارثی تھی۔ اس کی بیعت روز جمعہ ۱۳ ربیع الاوّل ۱۳۲ ہجری کو کی گئی۔ جس دن اس کی بیعت کی گئی تھی اسی دن یہ منبر پر بیٹھا مگر خطاب نہ کر سکا تو اس کی جانب سے اس کے چچا داؤد بن علی نے اس سے ایک سیڑھی نیچے کھڑے ہو کر لوگوں سے خطاب کیا۔

اس نے خدا کی حمد وثنا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام کے بعد کہا:

"اے لوگو! اب فتنے کی تاریکیاں دُور ہو گئی ہیں، دنیا کا پردہ اُٹھ چکا ہے، اس کی زمین و آسمان روشن ہو گئے ہیں۔ آج سورج اپنے صحیح مقام سے طلوع ہوا ہے۔ تیر واپس ترکش میں چلا گیا ہے۔ کمان اپنے بنانے والے ہاتھوں میں پہنچ گئی ہے اور حق اپنے مرکز یعنی تمھارے نبیؐ کے اہل بیت ؑ کی طرف پلٹ آیا ہے۔ یہ نبیؐ کے اہل بیت ؑ تمھارے لیے شفیق و مہربان اور تمھاری ہمدردی کرنے والے ہیں۔ خبردار! خدا کی امان اور اس کے رسولؐ کی امان ہے اور عباس

کا ذمہ یہ ہے کہ ہم تم میں سے ہر خاص و عام کے بارے میں کتابِ خدا اور اس کے رسولؐ کی سنت کے مطابق فیصلہ کریں گے۔

اے لوگو! خدا کی قسم! رسولِ خدا ﷺ کے بعد اس جگہ بیٹھنے کے صحیح حق دار صرف حضرت علی علیہ السلام تھے اور یہ جو آج بیٹھا ہے، یہ انھی کا جانشین ہے۔ اے بندگانِ خدا! تم اس امیری کو اس کے شکر کے ساتھ قبول کرو اور اپنی اس کامیابی پر اس کی تعریف بجالاؤ۔ اس کے بعد وہ نیچے اُتر آیا اور ابوعباس نے خدا کی حمد وثنا اور حضرت محمد ﷺ کی ذات پر درود پاک کے بعد مستقبل میں اپنے نیک رہنے کا وعدہ دیا اور وہ بھی نیچے اُتر آیا۔ پھر ابوعباس نے داؤد بن علی کو کوفہ کا گورنر بنایا اور یہ اس حکومت کا پہلا گورنر تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنے بھائی منصور کو اہلِ خراسان سے بیعت لینے کے لیے بھیجا تو وہ تیس اہلِ فارس کے ہمراہ مرو کی طرف نکل گیا لیکن وہاں ابومسلم نہ اس کے پاس بیٹھا اور نہ ہی اس سے ملا بلکہ اس کی بہت زیادہ توہین وتحقیر کی۔ وہ اس سے ناراض ہو کر واپس آ گیا اور اس کے اس طرزِ عمل کی ابوعباس سے شکایت کی۔ ابوعباس نے کہا: اس کو کس طرح قابو کیا جائے حالاں کہ تمھیں پتہ ہے کہ وہ امام اور ابراہیم کے نزدیک بڑا مقام رکھتا ہے اور وہ حکومت کا مالک اور اس کا سارا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہے۔

عبداللہ بن علی نے رمضان ۱۳۲ ہجری میں دمشق کا محاصرہ کیا۔ لوگوں نے اس سے محاصرہ ختم کرنے کا استغاثہ کیا اور یحیٰی بن بحر کو اس کی طرف بھیجا کہ وہ اس کی امان طلب کرے۔ وہ گیا اور اس نے عبداللہ سے امان کی درخواست کی تو اس نے قبول کر لی۔ پھر اس نے لوگوں میں آ کر امان دینے کا اعلان کیا تو سارے لوگ باہر آ گئے۔ پھر عبداللہ بن علی دمشق کی جامع مسجد میں چلا گیا۔ وہاں جا کر اس نے لوگوں میں ایک خطبہ دیا جو بڑا ہی مشہور ہے۔ اس خطبے میں اس نے بنی اُمیہ کے مظالم اور ان کی ناانصافیاں، دینِ خدا کی تضحیک، ان کے محرمات میں پڑ جانے اور حدود و اَحکامِ الٰہیہ کو معطل کر دینے، فواحش کا اِرتکاب کرنے اور خدا کے ان سے انتقام لینے اور حق کو ان پر مسلط کرنے کا بیان کیا۔ پھر نیچے اُتر آیا۔

کہا جاتا ہے کہ ابوعباس نے اس کی طرف خط لکھا کہ تم بنی اُمیہ سے انتقام لو۔ اس نے

انھیں اپنے غیض وغضب کا نشانہ بنایا اور انھیں قبروں سے نکال کر جلا دیا۔ جب وہ "رصافہ" میں پہنچا تو وہاں اس نے ہشام بن عبدالملک کو ایک غار میں اپنی چارپائی پر پایا۔ اس کے جسم پر ایک مخصوص پانی لگایا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ اپنی حالت پر باقی تھا۔ اس نے وہاں سے اسے نکال کر اس کے منہ پر لکڑی سے ضربیں لگائیں اور اس کے بعد اسے ایک سو بیس کوڑے لگائے تو اس کا بدن پارہ پارہ ہوگیا۔ پھر اس نے ہشام کے بدن کے ٹکڑوں کو جمع کر کے آگ میں جلا دیا۔ اور اس دوران اس نے کہا کہ ایک روز میرے والد نماز پڑھ رہے تھے۔ انھوں نے ایک قمیص اور چادر پہنی ہوئی تھی۔ ان کی پشت سے کپڑا سرکا تو مجھے اس پر کوڑوں کے نشانات نظر آئے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے ان سے پوچھا: قربان جاؤں یہاں آپ کو کیا ہوا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ بھتیجے یعنی ہشام نے مجھے پکڑ کر ۶۰ کوڑے مارے ہیں۔ پس جب میں نے اپنے والد کا یہ جواب سنا تو میں نے خدا سے یہ عہد کرلیا کہ اگر میں کامیاب ہوا تو اسے ہر کوڑے کے بدلے دو کوڑے ماروں گا۔

پھر عبداللہ بن حسن بن حسن اور ان کے بھائی حسن بن حسن بن حسن ابوالعباس کے پاس آئے تو اس نے انھیں بڑی عزت و احترام سے نوازا اور ان کے ساتھ خصوصی شفقت و مہربانی کا مظاہرہ کیا۔ پھر اسے محمد بن عبداللہ کی جانب سے ایک ناگوار اَمر کی اطلاع ہوئی اور اس نے اس کا ذکر عبداللہ بن حسن سے کیا تو اس نے کہا: اے امیر المومنین! محمد نے آپ کے متعلق کوئی ایسی بات نہیں کہی جسے آپ ناپسند کرتے ہوں۔

ان کے بھائی حسن بن حسن نے کہا: اے امیر المومنین! کیا آپ اعتماد اور قرابت کی زبان میں گفتگو کر رہے ہیں یا ہمیں حکومت کا خوف اور خلافت کی ہیبت دکھانا چاہتے ہیں؟

ابوعباس نے کہا: میں قرابت کی زبان میں بات کر رہا ہوں۔

اس نے جواب دیا: اے امیر المومنین! کیا آپ کے خیال میں اگر اللہ نے محمد کے لیے یہ فیصلہ کیا ہو کہ وہ اس اَمر کو سنبھالے اور پھر تمام زمین و آسمان والے لڑائی کے لیے آپ کے پاس سمٹ آئیں تو آپ اسے اس حکومت سے ہٹا دیں گے؟

ابوعباس نے کہا: نہیں۔

پھر اس نے کہا: اور اگر خدا نے محمد کے لیے اس کا فیصلہ نہ کیا ہو اور وہ تمام زمین و آسمان والوں کے ساتھ آپ کو اس حکومت سے ہٹانا چاہے تو وہ ایسا کر پائے گا؟

ابوعباس نے کہا: نہیں بخدا! وہ ایسا نہیں کرسکتا اور بات صحیح وہی ہے جو تم نے کہی ہے۔

اس نے کہا: پھر آپ نے اس بزرگ کے ساتھ جو نیکی اور احسان کیا ہے اسے کیوں خراب کررہے ہیں؟

ابوعباس نے کہا: آج کے بعد تُو مجھے اس کا ذکر کرتے نہیں سنے گا۔

پھر ابوعباس بیمار ہوگیا اور بیماری کی شدت کے باعث بروز اتوار ۱۲ ذوالحجہ ۱۳۶ ہجری کو مرگیا۔ اس وقت اس کی عمر ۳۶ سال تھی۔ اس کی نماز اسماعیل بن علی بقولے عیسیٰ بن علی نے پڑھائی اور اسے انبار میں اس کے محل میں دفن کیا گیا۔ اس کی حکومت کا کُل عرصہ چار سال اور نو ماہ تھا۔ (تاریخ یعقوبی: جل ۲، ص ۳۵۸)

معزز قارئین! ہم نے اپنے موسوعہ میں ابوعباس سفاح کے بارے میں تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اور یہاں چونکہ تفصیل کی ضرورت نہیں تھی اس لیے ہم نے اختصار سے کام لیا ہے۔

امام صادق علیہ السلام سرزمینِ عراق میں

ابوعباس سفاح اور منصور دوانیقی نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو کئی بار مدینہ سے عراق (حیرہ اور کوفہ) بلا کر انجانے میں امام علیہ السلام، آپؑ کی امامت اور آپؑ کے شیعوں کی بہت بڑی خدمت کی۔

اہلِ عراق کی نظروں میں امام جعفر صادق علیہ السلام کو بہت بلند مقام حاصل تھا اور بالخصوص شہر کوفہ کی طویل و عریض تاریخ میں آپؑ کا نام بڑی حیثیت سے سامنے آیا اور اگر خود امام علیہ السلام کو بھی ذاتی طور پر ان دونوں شہروں سے محبت نہ ہوتی تو آپؑ بار بار سفر کی مشکلات سہ کر ان کی طرف نہ آتے۔

کوفہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا دار الخلافہ تھا۔ اور بصرہ، صفین اور نہروان کی جنگوں میں آپؑ کے اکثر لشکری کوفہ ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ نیز وہاں امیر المومنینؑ نے اپنے بہت سے ایسے اصحاب علیہم الرضوان تیار کیے جنھوں نے آپؑ سے فقہ و تفسیر کے علاوہ بعض مخصوص علوم سیکھے تھے۔ اسی وجہ سے بہت زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود بھی ہر صاحبِ بصیرت ان کے بلند مقام و مرتبے کا اعتراف کرتا ہے۔ انھی تمام وجوہات کی بنا پر کوفہ شیعوں اور شیعت کا مرکز بنا رہا۔

معاویہ بن ابی سفیان نے کوفہ میں شیعوں کے آثار کو ختم کرنے کے لیے بڑا زور صرف کیا۔ اس نے ایک زنازادے زیاد بن ابیہ کو اپنے باپ کے ساتھ ملحق کر کے ان کی طرف بھیجا۔ اس قصے کو تحریر کرنے سے قلم کا سر عرقِ خجالت میں ڈوب جاتا ہے۔ بہر حال نقل کفر کفر نباشد کے تحت ہم اسے ایک دو سطروں میں بیان کیے دیتے ہیں:

شراب خانہ چلانے اور بدکار مردوں اور عورتوں کے مابین دلالی کرنے والا ابومریم

سلول اعتراف کرتا ہے کہ ایک رات ابوسفیان اس کے شراب خانے پر آیا اور رات گزارنے کے لیے اس سے ایک بدکار عورت طلب کی تو ابنِ زیاد کی ماں سمیہ اس کی خدمت کے لیے پیش کی گئی اور اسے ابوسفیان سے زیاد کا حمل ٹھہر گیا اور چند برسوں کے بعد زیاد ابوسفیان کا عزیز بیٹا اور معاویہ کا بھائی بنا۔ فَسُبْحَانَ مَنْ يَجْمَعُ الْاَشْبَاهَ۔

یہ ایک ظاہری بات ہے کہ زیاد اس استلحاق سے بڑا خوش تھا کیونکہ وہ مجہول الاب کہلانے کے باوجود بھی اس شخص کو جانتا تھا جس نے اس کی ماں کے رحم میں اس کا نطفہ رکھا تھا۔ چنانچہ معاویہ کی اس مہربانی کی وجہ سے اس نے دائمی حقارت سے نجات پالی تھی اور وہ معاویہ کے اس احسان کے پیشِ نظر اس کا عامل بن گیا تھا۔ اس کے اَحکام کو نافذ کرنے لگا اور شیعوں و شیعت کے خلاف اس کا شریک و معاون بن گیا۔

اس نے شیعوں کو ذبح کرانے کے لیے مخصوص مقامات بنوائے اور ایسے ایسے اعمال انجام دیے کہ جنھوں نے اسلامی تاریخ کو مسخ کر دیا اور دنیا و آخرت میں اس کے چہرے کو سیاہ کر دیا۔ اس کے اندر رحم نام کی کوئی چیز نہ تھی اور وہ انسانیت کی ہمدردی سے بالکل عاری تھا، حتیٰ کہ اس کا شمار درندوں اور وحشی جانوروں میں سے ہوتا تھا اور بڑے بڑے مجرموں و سفاکوں میں اس کا نام سرفہرست تھا اور اس میں تعجب وحیرت کی کوئی بات نہیں۔ جو شخص ابوسفیان اور سمیہ جیسوں سے پیدا ہوا ہو وہ ایسا ہی ہوسکتا ہے۔ اور تعجب تو تب ہوتا کہ جب اس میں ان دونوں کے مخلوط نطفے سے ہونے کے باوجود بھی انسانیت میں کچھ احساس اور مہر و محبت کا کوئی مادہ ہوتا۔

اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ سَقَمِيْ؟
صِحَّتِيْ هِيَ الْعَجَبُ

"کیا تم میری بیماری سے تعجب کرتی ہو؟ جبکہ میرا تو (اس کے باوجود) صحیح ہونا لائق تعجب ہے"۔

جب زیاد اور معاویہ اپنے انجام کو پہنچ گئے تو یزید بن معاویہ برسرِ اقتدار آیا اور دعی بن دعی عبیداللہ بن زیاد اس کا عامل بنا۔ یزید نے اسے بصرہ سے کوفہ کی طرف بھیجا تو اس نے

وہاں جا کر امام حسین بن علی علیہ السلام کو شہید کر کے اور مخدراتِ عصمت کو اسیر کر کے تاریخ اسلام کا سب سے بڑا جرم کیا۔ اس کے بعد جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، کوفہ کی فضا منقلب ہوتی گئی، مثلاً اس کوفہ پر ڈیڑھ سال حضرت مختار بن ابی عبیدہ ثقفیؒ نے حکومت کی۔ اس نے اپنے ڈیڑھ سالہ دورِ حکومت میں امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے اہلِ بیت علیہم السلام کے قاتلوں کو چن چن کر قتل کیا اور ان کے ہاتھوں دنیا میں عذابِ ذلت کا مزہ چکھنے والوں کی تعداد اٹھارہ ہزار تھی۔ ان کا زمانہ شیعیانِ اہلِ بیتؑ کے امن وسکون اور خوش حالی کا زمانہ تھا۔

اس کے بعد مصعب بن زبیر کوفہ پر حکومت کرنے لگا۔ اس نے امیر مختارؒ کو شہید کر دیا اور کوفہ کے حالات شیعیانِ علیؑ کے لیے پھر سے ناسازگار ہو گئے۔ پھر عبدالملک بن مروان نے مصعب بن زبیر کے ساتھ جنگ کر کے اسے فنا کے گھاٹ اُتار دیا اور پھر یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا، یعنی حالات کبھی محبانِ آلِ رسولؐ کے موافق اور کبھی غیر موافق، کبھی ان کو قوت میسر ہو جاتی اور کبھی انھیں کمزور اور مظلوم و مقہور کر دیا جاتا اور کبھی حق اُبھر کر بالکل سامنے آجاتا اور کبھی ظاہری طور پر اس پر پردہ پڑ جاتا۔ لیکن جب امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ آیا تو علم اور دینی ثقافت کو بڑا عروج ملا اور ان کی بہت زیادہ نشر و اشاعت ہوئی۔

اگر یہ کہا جائے کہ علمی قیام یا عقائدی انقلاب اس معاشرے میں لوگوں میں بیداری کے سبب وقوع پذیر ہوا اور ظاہری بات ہے کہ جو معاشرہ تشنگیِ معرفت کی وجہ سے مشہور ہو تو اس میں علمی منابع کی طرف رجوع کرنے اور اساطینِ مذہب سے استفادہ کرنے کی تڑپ یقیناً بہت زیادہ ہوگی۔

اس زمانے میں حدیث کا علم سرفہرست تھا اور لوگ اس علم کو حاصل کرنے کے لیے بڑے شوق و ذوق کے ساتھ مراکز دینیہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام چونکہ علمِ رسولؐ کے صحیح وارث بلکہ علمِ الٰہی کے مظہر کامل تھے اس لیے دُور دراز کے علاقوں سے لوگ آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنے اپنے ظرف کے حساب سے آپؑ کے تبحر علمی سے فیض حاصل کرتے تھے۔ جیسا کہ محمد بن معروف ہلالی آپؑ کے آستانہ فیض کی علمی رونق اور وہاں جویانِ علم کی کثرت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

میں حیرہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی محفل میں شریک ہونے لگا تو وہاں لوگوں کی کثرت کے باعث میری امام علیہ السلام سے ملاقات نہ ہو سکی (اور اسی طرح مجھے وہاں تین دن گزر گئے) پھر جب چوتھے دن امام علیہ السلام نے مجھے دیکھا تو مجھے اپنے پاس بلایا...... الی آخر کلامہ۔ (فرحۃ الغری: ص ۵۹)

ایک دوسری روایت میں ان کا بیان ہے: سفاح کے زمانے میں میں حیرہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس گیا۔ وہاں جا کر میں نے دیکھا کہ لوگوں کا ایک بہت بڑا ہجوم آپؑ کے سامنے تھا۔ اور اسی وجہ سے میں تین دن تک آپؑ کی ملاقات سے محروم رہا اور ان تین دنوں میں لوگوں کی کثرت کی وجہ سے امام علیہ السلام کے ساتھ ملاقات میری ہر تدبیر بے کار جاتی رہی۔ (الاصول الستۃ عشر: ص ۱۳۱)

معزز قارئین! اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا لوگوں کو علمی فیض پہنچانے کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا تھا اور ہر کوئی آپؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر گوہر مراد کو پاتا تھا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اس علمی انقلاب سے فقہاء و محدثین اور مفسرین و متکلمین کی ایک ایسی جماعت تیار کی جنھوں نے اسلام اور مسلمانوں کی بہتری کے لیے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیے اور اپنے عہد اور بعد والے لوگوں سے دادِ تحسین حاصل کی اور ان کے گراں مایہ آثار آج تک معتبر مصادر، صاف و پاکیزہ منابع اور اُصولِ معتمدہ کی صورت میں فرزندانِ اسلام کے ہاتھوں میں موجود ہیں۔

ہم نے اپنے موسوعہ میں کوفہ سے تعلق رکھنے والے امام علیہ السلام کے شاگردوں کی ایک بڑی فہرست پیش کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ امام علیہ السلام کی علمی درس گاہ سے فیض حاصل کرنے والوں کی تعداد کس قدر زیادہ تھی۔ جیسا کہ اس علاقے اور ماحول میں امام علیہ السلام کا اپنے علوم و معارف کی نشر و اشاعت کرنا اور وہاں موجود اپنے اصحاب و شاگردان کو دینی، عقائدی، اخلاقی، انسانی اور اسلامی ثقافت کی طرف راغب کرنا بھی اسی بات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ہم نے وہاں تراجم کے ذیل میں بعض ایسے اہم نکات بھی ذکر کیے ہیں جو قاری کو امام علیہ السلام کے تصرفات کے اُسرار و حکم اور کوفہ آپؑ کی حیاتِ مبارکہ کے معمولات کی طرف متوجہ کرتے ہیں

اور مسئلہ خواہ شیعہ عقائد کا ہو یا دین کے دوسرے شعبوں سے متعلق ہو اس کے بارے میں ہماری نظروں کے سامنے وہ اساس اور بنیاد آجاتی ہے جو امام علیہ السلام کی رکھی ہوئی تھی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ امام علیہ السلام نے کوفہ میں اس قدر دین کی نشر و اشاعت کی کہ وہ علماء و محدثین کی کثرت کے سبب شیعی مراکز میں سے دوسرا مرکز کہلایا اور اس کی مرکزیت کا سلسلہ کئی زمانوں تک نیز امام علی رضا علیہ السلام اور امام علی نقی علیہ السلام کے شاگرد حسن بن علی بن زید الوشاء کا یہ بیان بڑا مشہور ہے۔ آپؒ نے ارشاد فرمایا:

فَاِنِّي اَدْرَكْتُ فِي هٰذَا الْمَسْجِدِ (مَسجِد الكُوفَة) تِسْعَ مِائَةِ شَيْخٍ، كُلٌّ يَقُوْلُ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ اعلیهما السلام!

"میں نے اس مسجد کوفہ میں نوسو علماء کو یہ کہتے ہوئے سنا، ان میں ہر ایک یہی کہتا تھا: مجھ سے بیان کیا حضرت امام جعفر بن محمد علیہما السلام نے"۔

مگر امام علیہ السلام نے جو وقت حیرہ میں گزارا اس میں حکومت نے آپؑ کو اپنے جور و جفا کے نشانے پر رکھا اور لوگوں کو امام علیہ السلام کے پاس جانے اور اپنے مسائل دریافت کرنے سے روکے رکھا۔ حکومت اس طریقے سے لوگوں کو امام علیہ السلام سے دور کر کے آپؑ کی مرکزیت کو ختم کرنا چاہتی تھی مگر اس کے باوجود بھی بعض لوگ مختلف حیلوں اور تدبیروں سے امام علیہ السلام کے پاس پہنچ جاتے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث اس پر شاہد ہے:

ہارون بن خارجہ کہتے ہیں: ہمارے دوستوں میں سے ایک نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں (ایک ساتھ) دے دیں اور جب ہمارے علماء سے اس کے متعلق پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ اس طلاق کی کوئی حیثیت نہیں، یعنی یہ طلاق صحیح نہیں ہے۔

مگر اس کی بیوی نے کہا: جب تک تم اس کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھ نہ لوگے، میں نہیں مانوں گی۔

ان دنوں امام جعفر صادق علیہ السلام حیرہ میں تھے اور وہ ابوعباس سفاح کا زمانہ تھا۔

وہ کہتا ہے: اس صورت کے پیش نظر میں حیرہ چلا گیا۔ لیکن مجھے امام علیہ السلام کے ساتھ بات چیت کرنے کا موقع نہ ملا کیونکہ خلیفہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس لوگوں کی آمد و رفت

کا سلسلہ بند کیا ہوا تھا اور مَیں اس سوچ میں گم تھا۔ میں امام علیہ السلام سے کیسے ملوں کہ میں نے ایک کسان کو دیکھا جس نے پشم کا ایک جبّہ پہنا ہوا تھا اور وہ کھیرے بیچ رہا تھا۔

میں نے اس سے کہا: تم یہ سارے کھیرے کتنے کے دو گے؟

اُس نے کہا: ایک درہم کے۔

مَیں نے اسے ایک درہم دے کر اس سے سارے کھیرے لے لیے۔ پھر میں نے اس سے کہا: ذرا مجھے اپنا جبہ بھی دو۔ اس نے مجھے دیا تو اسے پہن کر یہ صدا لگانے لگا: کھیرے لے لو! کھیرے لے لو۔

یہ صدا لگاتے لگاتے جب مَیں امام علیہ السلام کے گھر کے پاس پہنچا تو ایک کونے سے مجھے ایک لڑکے نے بلایا: اے کھیرے والے! ادھر آؤ۔ مَیں اس کی طرف چلا گیا اور جب مَیں امام علیہ السلام کے قریب پہنچا تو امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: تو نے بہت ہی اچھی تدبیر سے کام لیا ہے۔ بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟

میں نے کہا: میں نے اپنی بیوی کو (ایک ساتھ) تین طلاقیں دیں اور جب اس کے بارے میں اپنے علماء سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ طلاق صحیح نہیں ہے مگر میری بیوی نے کہا: جب تک تم امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس کے بارے میں پوچھ نہ لوگے میں نہ مانوں گی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اپنے گھر والوں کی طرف پلٹ جاؤ (اپنی بیوی کی طرف رجوع کرنے میں) تم پر کچھ (گناہ) نہیں ہے۔ (الخرائج والجرائح: جلد ۲، ص ۶۴۲)

یہاں ایک اور بھی حدیث موجود ہے جو امام علیہ السلام کو اپنے وقت کے طاغوتوں اور فرعون صفت حاکموں کی جانب سے درپیش سختیوں کے بارے میں ایک اشارہ فراہم کرتی ہے اور وہ حدیث یہ ہے:

ہشام بن سالم سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

لَوَدِدْتُ اَنِّي وَاَصْحَابِي فِي فَلَاةٍ مِنَ الْاَرْضِ حَتّٰى نَمُوْتَ اَوْ يَاْتِيَ اللّٰهُ بِالْفَرَجِ

"میں چاہتا ہوں کہ مَیں اور میرے شیعہ تا حیات ایک ہی زمین پر رہیں یا

خدا ہمیں کشائش عطا کرے"۔ (بحار الانوار: جلد ۴۷، ص ۶۰)

مگر ہمیں یاد ہونا چاہیے کہ ہمیشہ مشکل کے ساتھ ہی آسانی ہوتی ہے۔ چنانچہ کچھ وقت گزرنے کے بعد امام علیہ السلام پر سایہ کیے ہوئے سختیوں کے سیاہ بادل اُٹھ گئے۔ حالات اچھے ہو گئے اور علم وحق کی جستجو کرنے والے امام علیہ السلام کے علوم و معارف کے چشمۂ صافیہ پر وارد ہونا شروع ہو گئے اور اسی طرح اپنے نُور کو کامل کرتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اور منصور دوانیقی

اس کا نام عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس تھا۔ اس کی کنیت ابوجعفر تھی اور دوانیقی کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ یہ ۹۵ ہجری میں پیدا ہوا۔ ۱۳۶ ہجری میں اس کی بیعت کی گئی اور ۱۵۸ ہجری میں اپنے انجام کو پہنچا۔

منصور اپنے زمانے کے بڑے بڑے فرعونوں اور طاغوتوں میں سے ایک تھا اور سب سے زیادہ آلِ رسولؐ کا دشمن تھا۔ خداوند عالم نے اسے اس کے حقیقی انجام تک پہنچانے کے لیے حکومت کی صورت میں کافی ڈھیل دی۔ اس نے روپیہ پیسہ لگا کر لوگوں کے ضمیروں کو خریدا تاکہ ان کے ذریعے سے اپنی گندی اور غلط خواہشات کو پورا کرے۔ اس نے اپنے مخالفوں وغیرہ کے لیے ذبح خانے اور انھیں قتل کرنے کی مخصوص جگہیں بنائی ہوئی تھیں۔ یہ انسان کی صورت میں ایک ایسا وحشی درندہ تھا جو پیار و محبت نام کی کسی چیز سے آشنا نہ تھا اور اس کی نگاہ میں محبت و ہمدردی کا کوئی مفہوم نہ تھا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کو اس خون خوار درندے کے ساتھ بارہ سال واسطہ پڑا۔ کہا جاتا ہے کہ مشہور فلسفی و حکیم ابنِ سینا، جاموس سے ڈرتا تھا اور اس سے محتاط ہو کر رہتا تھا۔ جب لوگوں نے اس سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: جب اس کی عقل مجھ سے کم اور اس کی طاقت مجھ سے زیادہ ہے تو میں کیونکر اس سے نہ ڈروں؟!

اسی طرح منصور بھی ایک جابر و صاحبِ طاقت و قدرت بادشاہ تھا۔ سب لوگوں کی جانیں اس کے دو ہونٹوں میں بند تھیں۔ اس میں خوفِ خدا نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ اس کا سارا ہم و غم اپنی کرسیٔ اقتدار کی حفاظت کرنا تھا۔ چنانچہ وہ محض اپنے ذاتی گمان یا جھوٹی تہمت کی بنا پر غریب عوام کا خون پانی کی طرح بہاتا تھا۔ اس کے اندر کی انسانیت مر چکی تھی۔ وہ مدینہ منورہ و

ربذہ، حیرہ و کوفہ اور بغداد میں بار بار امام علیہ السلام کو اپنے دربار میں حاضر کرنے کا حکم دیتا تھا اور ہر بار اس کا ارادہ امام علیہ السلام کو شہید کرنے کا ہوتا تھا لیکن خداوند عالم آپؑ کو اس طاغی و سرکش کے شر سے بچا لیتا تھا کیونکہ آپؑ جب اس کے پاس جاتے تو بعض دعائیں پڑھتے اور اس کے مقابلے میں خداوند عالمین سے مدد طلب کرتے تھے۔

بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ آپؑ اس ظالم کا مقابلہ چند حکیمانہ کلمات سے کرتے تو اس کا غضب دُور ہو جاتا اور اس کے کینے کی آگ ٹھنڈی ہو جاتی تھی، مثلاً ایک دفعہ آپؑ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اَیُّوبَ اُبْتُلِیَ فَصَبَرَ، وَاِنَّ یُوسُفَ ظُلِمَ فَغَفَرَ، وَاِنَّ سُلَیْمَانَ اُعْطِیَ فَشَکَرَ

"حضرت ایوب علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا گیا تو انھوں نے صبر کیا، حضرت یوسف علیہ السلام پر ظلم کیا گیا تو انھوں نے معاف کیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا کیا گیا تو انھوں نے شکر کیا"۔

جب منصور آپؑ کی زبانِ مبارک سے ایسے حکیمانہ کلمات سنتا تو اس کی آتشِ غضب فرو ہو جاتی۔ وہ اپنے تکبر و جبروت سے نیچے آجاتا اور اس کا امام علیہ السلام کے ساتھ گفتگو کا انداز بدل جاتا۔ پھر وہ آپؑ کی عزت و احترام میں لگ جاتا اور آپؑ سے عذرخواہی کرتا یا آپؑ سے آپؑ کی ضرورتوں اور مسائل کو دریافت کرتا یا آپؑ کو مالی تحفے و تحائف دیتا تھا۔

قارئین کرام! ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ جس طرح بعض لوگ آج کل شریف لوگوں کو اپنے کینہ و حسد کا نشانہ بناتے ہیں اسی طرح امام عالی مقام علیہ السلام کے دور میں بھی بعض ایسے بدطینت افراد موجود تھے جو آپؑ کے بارے میں غلط اور بے بنیاد باتیں کر کے حکومتی اراکین کو آپؑ کے خلاف کرتے تھے۔ مثلاً وہ کہتے تھے کہ امام علیہ السلام نے مال و متاع اور اسلحہ کا ذخیرہ کر رکھا ہے اور آپؑ منصور کے مقابل قیام کرنے کے لیے لوگوں سے بیعت لے رہے ہیں۔ چنانچہ جب وہ ایسی محض پروپیگنڈا پر مبنی باتیں منصور تک پہنچاتے تو وہ غصے سے پاگل ہو جاتا اور امام علیہ السلام کو اپنے پاس بلا کر آپؑ کو نازیبا کلمات کہتا اور آلِ رسولؐ کے خلاف اپنے اندر کا

بغض و بیر ظاہر کرتا مگر جب اس پر ان باتوں کا جھوٹ اور خلاف واقع ہونا آشکار ہو جاتا تو وہ امام علیہ السلام سے معذرت کرتا تھا۔

اس بارے میں احادیث کافی تعداد میں موجود ہیں۔ ہم نے انھیں اپنے موسوعہ میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے مگر یہاں آپ احباب کے فائدے کے لیے ان میں سے چند ایک کو ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ صفوان بن مہران جمال بیان کرتے ہیں:

جب منصور نے حضرت عبداللہ بن حسن کے بیٹوں حضرت محمد اور حضرت ابراہیم کو قتل کر دیا تو کسی قریشی نے منصور کو جا کر بتایا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے غلام معلیٰ بن خنیس کو اپنے شیعوں کی طرف مال و متاع اکٹھا کرنے کے لیے بھیجا ہوا ہے اور وہ اس سے محمد بن عبداللہ کے معاملے کو لمبا کرنا چاہتے ہیں۔

پس قریب تھا کہ منصور امام علیہ السلام پر غصے میں آ کر اپنا ہاتھ کاٹ دیتا۔ لہٰذا اس نے اپنے چچا والی مدینہ داؤد بن علی کی طرف خط لکھا کہ امام علیہ السلام کو میری طرف بھیج دو اور امامؑ کو ذرا بھی دیر کرنے کا موقع نہ دینا۔ جب داؤد کو منصور کا یہ خط ملا تو اس نے اسے امام علیہ السلام کی طرف بھیج دیا اور یہ کہا: کل صبح آپؑ امیر المومنین کے پاس چلے جائیں اور اس تاخیر کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

صفوان کہتے ہیں: اس دن میں مدینہ میں تھا۔ امام علیہ السلام نے مجھے بلایا تو میں آپؑ کے پاس چلا گیا۔ جب میں آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؑ نے مجھ سے فرمایا: ہماری سواری تیار کرو۔ اگر خدا نے چاہا تو کل ہم عراق جائیں گے۔

پھر امام علیہ السلام کچھ دیر کے لیے مسجد نبویؐ میں تشریف لے گئے اور میں بھی آپؑ کے ساتھ تھا۔ وہ ظہر و عصر کا درمیانی وقت تھا۔ وہاں آپؑ نے چند رکعتیں پڑھیں۔ پھر اپنے ہاتھ اٹھا کر ایک دُعا پڑھی جو میں نے اسی دن یاد کر لی تھی اور وہ دُعا یہ تھی:

يَامَنْ لَيْسَ لَهُ اِبْتِدَاءٌ وَلَا اِنْقِضَاءٌ ، يَامَنْ لَيْسَ لَهُ اَمَدٌ وَلَا نِهَايَةٌ ، وَلَا مِيقَاتٌ وَلَا غَايَةٌ ، يَاذَا الْعَرْشِ الْمَجِيْدِ ، وَالْبَطْشِ الشَّدِيْدِ ، يَامَنْ هُوَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيْدُ ، يَامَنْ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ اللُّغَاتُ ، وَلَا تَشْتَبِهُ عَلَيْهِ الْاَصْوَاتُ ، يَامَنْ قَامَتْ بِجَبَرُوْتِهِ الْاَرْضُ

وَالسَّمٰوٰتُ ، يَاحَسَنَ الصُّحْبَةِ، يَاوَاسِعَ الْمَغْفِرَةِ، يَا كَرِيْمَ الْعَفْوِ، صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَاحْرُسْنِي فِي سَفَرِي وَمَقَامِي، وَفِي حَرَكَتِي وَانْتِقَالِي بِعَيْنِكَ الَّتِي لَا تَنَامُ وَاكْنُفْنِي بِرُكْنِكَ الَّذِي لَا يُضَامُ،

اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَتَوَجَّهُ فِي سَفَرِي هٰذَا بِلَاثِقَةٍ مِنِّي لِغَيْرِكَ وَلَا رَجَاءَ يَأْوِي بِي اِلَّا اِلَيْكَ ، وَلَا قُوَّةَ لِي اَتَّكِلُ عَلَيْهَا ، وَلَا حِيْلَةَ اَلْجَأُ اِلَيْهَا اِلَّا ابْتِغَاءَ فَضْلِكَ ، وَالْتِمَاسَ عَافِيَتِكَ وَطَلَبِ فَضْلِكَ، وَاِجْرَاؤُكَ لِي عَلٰى اَفْضَلِ عَوَائِدِكَ عِنْدِي،

اَللّٰهُمَّ وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِمَا سَبَقَ لِي فِي سَفَرِي هٰذَا مِمَّا اُحِبُّ وَاَكْرَهُ ، فَمَهْمَا اَوْقَعْتَ عَلَيْهِ قَدَرَكَ ، فَمَحْمُوْدٌ فِيْهِ بَلَاؤُكَ، مُنْتَصَحٌ فِيْهِ قَضَاؤُكَ وَاَنْتَ تَمْحُوا مَا تَشَاءُ وَتُثْبِتُ وَعِنْدَكَ اُمُّ الْكِتَابِ،

اَللّٰهُمَّ فَاصْرِفْ عَنِّي فِيْهِ مَقَادِيْرَ كُلِّ بَلَاءٍ وَمَقْضِيَّ كُلِّ لَأْوَاءٍ، وَابْسُطْ عَلَيَّ كَنَفًا مِنْ رَحْمَتِكَ وَلُطْفًا مِنْ عَفْوِكَ، وَتَمَامًا مِنْ نِعْمَتِكَ حَتّٰى تَحْفَظَنِي فِيْهِ بِاَحْسَنِ مَا حَفِظْتَ بِهٖ غَائِبًا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَخَلَفْتَهُ ، فِي سِتْرِ كُلِّ عَوْرَةٍ ، وَكِفَايَةِ كُلِّ مَضَرَّةٍ وَصَرْفِ كُلِّ مَحْذُوْرٍ ، وَهَبْ لِي فِيْهِ اَمْنًا وَّاِيْمَانًا وَّعَافِيَةً وَّيُسْرًا وَّصَبْرًا وَشُكْرًا ، وَاَرْجِعْنِي فِيْهِ سَالِمًا اِلٰى سَالِمِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

صفوان کہتے ہیں: میں نے امام علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپؑ اس دعا کو میرے سامنے دوبارہ پڑھیں۔ چنانچہ آپؑ نے اسے دوبارہ پڑھا تو میں نے اسے لکھ لیا۔ پھر جب صبح ہوئی تو میں نے آپؑ کی اُونٹنی سفر کے لیے آمادہ کردی اور عراق کی جانب روانہ ہو گئے۔ جب آپؑ اس کے پاس پہنچے اور اس سے اجازت طلب کی تو اس نے آپؑ کو دربار میں حاضر ہونے کی

اجازت دے دی۔

صفوان کہتے ہیں: اس وقت منصور کے دربار میں موجود ایک شخص نے مجھے بتایا کہ جب منصور نے امام علیہ السلام کو دیکھا تو اس نے آپؑ کو اپنے پاس بلایا۔ پھر اس نے آپؑ کے خلاف بنا کر پیش کیا گیا قصہ منگوایا۔ اس قصے میں یہ درج تھا: ''حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے غلام معلیٰ بن خنیس کو شیعوں سے مال و متاع اکٹھا کرنے کے لیے بھیجا ہے اور آپؑ اس کے ذریعے محمد بن عبداللہ (کے قتل) کے معاملے کو طول دینا چاہتے ہیں''۔

منصور نے وہ تحریر آپؑ کے حوالے کی اور آپؑ نے اسے پڑھا تو منصور آپؑ کی طرف دیکھ کر کہنے لگا: ''اے جعفرؑ! یہ ان اموال کا کیا قصہ ہے جو معلیٰ بن خنیس آپؑ کے لیے اکٹھے کر رہا ہے؟''

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں تو اس (بہتان) سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں اے امیر المومنین!

منصور نے کہا: کیا آپؑ اس بات پر حلف اُٹھاتے ہیں کہ اس قصہ سے آپؑ کا کوئی واسطہ نہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، میں خدا کی قسم اُٹھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔

منصور نے کہا: آپؑ خدا کی قسم نہ اُٹھائیں بلکہ طلاق وعتاق کا حلف دیں (یعنی آپؑ اس بات کا حلف اُٹھائیں کہ اگر میں غلط بیانی کروں تو میری تمام بیویاں طلاق ہو جائیں اور میرے تمام غلام آزاد ہو جائیں)۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تو میری اُٹھائی ہوئی اس قسم پر مطمئن نہیں ہے جو میں نے اس اللہ کی اُٹھائی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں؟!

منصور نے کہا: آپؑ مجھے اپنی فقہ نہ پڑھائیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے امیر المومنین! میری فقہ تجھے کیا تکلیف دے رہی ہے؟

اس نے کہا: اچھا اسے چھوڑیں۔ میں ابھی اس شخص کو آپؑ کے سامنے پیش کرتا ہوں جس نے مجھے آپؑ کے بارے میں یہ خبر دی ہے۔ پھر اس شخص کو بلایا گیا اور امام علیہ السلام کی موجودگی میں اس سے پوچھا گیا۔ اس نے کہا: ہاں! یہ بالکل درست ہے اور یہ وہی جعفرؑ ہیں

جن کے بارے میں مَیں نے وہ بات کی ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے شخص! کیا تم اس بات پر قسم اُٹھاتے ہو کہ جو تم نے میرے بارے میں منصور کو بتائی ہے وہ صحیح ہے؟

اس شخص نے کہا: جی ہاں! بالکل۔ پھر اس نے قسم اُٹھاتے ہوئے کہا: اس خدا کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جو طالب و غالب اور حی و قیوم ہے (کہ یہ بات اس طرح ہے)۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: قسم اُٹھانے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرو کیونکہ ابھی میں نے تم سے قسم اُٹھوائی ہے۔

منصور نے کہا: آپؑ اس قسم کا انکار کیوں نہیں کر دیتے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: بے شک اللہ حی و کریم ہے، وہ اس بات کو نامناسب سمجھتا ہے کہ بندہ اس کی تعریف کرے اور وہ اسے عذاب دینے میں جلدی و سرعت سے کام لے۔

اے شخص! تم یوں کہو: مَیں خدا کی قوت و طاقت سے اسی کی طرف برأت کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ مَیں حق پر ہوں۔ جبکہ مَیں خدا کی قوت و طاقت کا محتاج ہو کر کہتا ہوں کہ مَیں حق بات کہہ رہا ہوں۔

اس پر منصور نے اس سے کہا: اس طرح قسم اُٹھاؤ جس طرح امام علیہ السلام فرما رہے ہیں۔ اس نے امام علیہ السلام کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق قسم اُٹھائی۔ مگر ابھی اس نے قسم پوری نہیں اُٹھائی تھی تو وہ کوڑھی ہو گیا اور گر کر مر گیا۔

یہ دیکھ کر منصور ڈر گیا اور کہنے لگا: اے ابو عبداللہؑ! اگر آپؑ چاہیں تو کل اپنے جدِ امجدؐ کے حرم کی طرف واپس تشریف لے جائیں اور اگر ہمارے ہاں کوئی جگہ پسند ہو تو وہاں ٹھہریں۔ آپؑ کے احترام اور آپؑ کے ساتھ حُسنِ سلوک میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور خدا کی قسم! اس کے بعد آپؑ کے خلاف مَیں کسی کی بات پر اعتبار نہیں کروں گا۔ (مہج الدعوات: ص ۱۹۸ تا ۲۰۱)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ نے اپنے باباؑ سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "اپنی جان کی حفاظت

کیجیے، کیونکہ فلاں بن فلاں نے منصور کے پاس جا کر آپؑ کے خلاف باتیں کی ہیں اور اس نے یہ بھی کہا ہے کہ آپؑ لوگوں سے اپنی بیعت لے رہے ہیں اور آپ خروج کا ارادہ رکھتے ہیں۔

یہ سن کر آپؑ مسکرائے اور فرمایا: اے بندۂ خدا! فکر نہ کر۔ کیونکہ جب خداوند عالم کسی چھپی ہوئی یا انکار کی ہوئی فضیلت کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تو اس پر کسی حسد کرنے والے باغی کو مشتعل کر دیتا ہے اور اسے حرکت دے کر واضح کر دیتا ہے۔ تم ادھر میرے پاس ہی بیٹھو حتیٰ کہ منصور کا بلاوا آ جائے۔ پھر تم میرے ہمراہ وہاں جانا تاکہ تم خدا کی اس قدرت کا نظارہ دیکھ لو جو کسی بھی مومن سے نہیں چھپ سکتی۔

اتنے میں منصور کا قاصد آیا اور کہنے لگا: آپؑ کو امیر المومنین نے یاد کیا ہے۔ یہ پیغام ملنے پر امام علیہ السلام اس کی طرف چل پڑے۔ جب آپؑ اس کے دربار میں داخل ہوئے تو وہ غصے کی آگ میں جل رہا تھا۔ آپؑ کو دیکھ کر وہ کہنے لگا۔ اچھا تو آپؑ ہیں وہ جو مسلمانوں سے بیعت لے رہے ہیں۔ کیا آپؑ ان کی شیرازہ بندی کو توڑنا چاہتے ہیں؟ ان کی ہلاکت کے خواہاں ہیں اور ان میں فساد کھڑا کرنا چاہتے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔

منصور نے کہا: فلاں شخص کا کہنا ہے کہ آپؑ نے ایسا کیا ہے اور وہ بھی انھی لوگوں میں سے ایک ہے جنھیں آپؑ نے اپنی طرف بلایا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ جھوٹا ہے۔

منصور نے کہا: میں اس سے قسم لیتا ہوں۔ اگر اس نے قسم اٹھالی تو میں آپؑ کا حساب چکا دوں گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: بے شک جب وہ جھوٹا حلف اٹھائے گا تو گناہ گار ہوگا۔

اس پر منصور نے اپنے دربان سے کہا: اس شخص سے اس کی بات کا حلف لو۔

دربان نے اس سے یوں قسم لی، کہو: اس اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر وہ اس قسم میں سخت کلمات کا اضافہ کرتا گیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس سے یوں قسم نہ لو، کیونکہ میں نے اپنے باباؑ سے سنا ہے، آپؑ

میرے جدامجد رسولِ خدا ﷺ سے نقل کر رہے تھے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"لوگوں میں سے جو بھی جھوٹی قسم کھاتا ہے اور اپنی قسم میں خدا کی عظمت و بزرگی اور صفاتِ حسنیٰ کا بیان کرتا ہے تو اس کا خدا کی تعظیم کرنا اس کے جھوٹ اور (جھوٹی) قسم کے گناہ پر واقع ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں خدا اس سے مصیبت کو ٹال دیتا ہے"۔

بلکہ مجھے موقع دو کہ میں اس سے وہ قسم لوں جو میرے باباؑ نے میرے جدؐ کے واسطے سے رسول اللہ ﷺ سے نقل کی ہے کہ جو بھی اس قسم کو اُٹھائے گا وہ اپنے گناہ کی سزا پالے گا۔

منصور نے کہا: اچھا، آپؑ اس سے وہ قسم اُٹھوائیں۔

امام علیہ السلام نے اس شخص سے کہا: تم یہ کہو کہ اگر میں آپؑ کے خلاف جھوٹ بول رہا ہوں تو مَیں خدا کی قوت و طاقت سے بے زار ہوں اور تو میری قوت و طاقت کا محتاج ہے۔

جب اس شخص نے یہ کلمات اپنی زبان پر جاری کیے تو امام علیہ السلام نے دُعا کی: خدایا! اگر یہ جھوٹا ہے تو اسے موت دے دے۔

چنانچہ ابھی اس کی بات مکمل ہی نہ ہوئی تھی کہ وہ گرا اور گر کر مر گیا۔ اسے اُٹھا کر منصور کے دربار سے باہر لے جایا گیا اور اس پر حقیقت آشکار ہوگئی۔ اس کے بعد منصور نے آپؑ سے کہا: اگر آپؑ کی کوئی حاجت ہو تو فرمایئے؟

آپؑ نے جواب دیا: مَیں اپنی حاجت خدا سے ہی مانگوں گا۔ فی الوقت مجھے جلدی اپنے گھر والوں کے پاس جانا ہے کیونکہ وہ میرا انتظار کر رہے ہیں۔

منصور نے کہا: یہ آپؑ کے اختیار میں ہے، جو چاہیں کریں۔

پس امام علیہ السلام بڑی عزت و تکریم کے ساتھ منصور کے دربار سے نکل گئے۔ اس پر منصور اور اس کے متعلقہ افراد حیرت زدہ تھے کہ لوگوں نے کہا: ایسا کیسے ہوا ہے؟ اس شخص کی موت نے اس سے یہ کام کروایا ہے۔ اکثر ایسا کیونکر ہوتا ہے (کہ جو بھی اس ذات کے خلاف بہتان باندھتا ہے وہ جلد ہی اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے)۔ پھر لوگ اس شخص کی میت کے پاس جا کر اسے دیکھنے لگے۔ اس میت کو چارپائی پر دیکھ کر لوگ اس کے بارے میں غور و فکر میں مبتلا

ہو گئے۔ وہاں کوئی اس کی مذمت کرنے والا تھا اور نہ ہی کوئی اس کی تعریف کرنے والا تھا۔ لوگ ابھی اسی سوچ میں تھے کہ وہ مُردہ شخص اپنی چارپائی پر اُٹھ بیٹھا اور اپنے منہ سے کفن اُتار کر کہنے لگا:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي لَقِيتُ رَبِّي بَعْدَكُمْ فَلَقَّانِي السَّخَطُ وَاللَّعْنَةُ وَاشْتَدَّ غَضَبُ زَبَانِيَتِهِ عَلَيَّ لِلَّذِي كَانَ مِنِّي إِلَى جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ الصَّادِقِ، فَاتَّقُوا اللهَ، وَلَا تَهْلِكُوا فِيهِ كَمَا هَلَكْتُ

"اے لوگو! تمھارے بعد میں نے اپنے رب سے ملاقات کی تو اس کی ناراضگی اور لعنت میرے حصّے میں آئی اور جو بات میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں کہی تھی اُس کے سبب اُس کی آگ کے شعلے مجھ پر سخت ہو گئے تھے تو (اے لوگو!) تم خدا سے ڈرو اور میری طرح ہلاکت میں نہ پڑو"۔

یہ کہہ کر وہ دوبارہ اپنے کفن میں چلا گیا اور اپنی موت والی حالت کی طرف پلٹ گیا۔ جب لوگوں نے اسے دیکھا تو وہ بالکل بے حس و حرکت اور واقعاً مرا پڑا تھا۔ پھر لوگوں نے اسے دفن کر دیا اور اس کے بارے میں حیرت زدہ رہ گئے۔ (الخرائج والجرائح: جلد ۲، ص ۶۳۷۔ بحار: جلد ۴۷، ص ۱۷۲)

ابوجعفر منصور کا دوست ربیع کہتا ہے: ایک دفعہ میں نے منصور کے ساتھ حج کیا تو راستے میں منصور نے مجھ سے کہا: اے ربیع! جب میں مدینہ پہنچوں تو مجھے حضرت امام جعفر بن محمد علیہما السلام کا یاد دلانا۔ خدا کی قسم! میرے علاوہ کوئی اور آپ کو قتل نہیں کرے گا۔ احتیاط کرنا کہیں ایسا نہ ہو کہ تم مجھے یہ یاد دلانا بھول جاؤ۔

ربیع کہتا ہے: جب ہم مدینہ آئے تو خدا نے مجھے اس کا خیال ہی بھلا دیا اور جب ہم مکہ پہنچے تو منصور نے مجھ سے کہا: اے ربیع! کیا میں نے تمھیں حکم نہیں دیا تھا کہ جب ہم مدینہ پہنچیں تو مجھے امام جعفر بن محمد علیہما السلام کا یاد دلانا۔

میں نے کہا: اے میرے آقا! اے امیرالمومنین! (معذرت!) یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔

اس نے کہا: اچھا، اب جب میں مدینہ واپس جاؤں گا تو تب مجھے یاد دلانا کیونکہ میں لازمی طور پر امام جعفر صادق علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔ اور اگر اس بار بھی تم بھول گئے تو میں تمھاری گردن اُتار دوں گا۔

میں نے کہا: بالکل صحیح ہے اے امیر المومنین! پھر میں نے اپنے لڑکوں اور دوستوں سے کہا: جب ہم ان شاء اللہ مدینہ منورہ پہنچ جائیں گے تو مجھے امام جعفر بن محمد علیہما السلام کا یاد دلانا۔

ربیع کہتا ہے: چنانچہ میرے لڑکے اور میرے دوست ہر وقت اور ہر پڑاؤ کے مقام پر امام علیہ السلام کے بارے میں یاد دہانی کراتے رہے حتیٰ کہ ہم مدینہ پہنچ گئے۔ جب ہم نے وہاں پڑاؤ کیا تو میں جلدی سے منصور کے پاس گیا اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر میں نے کہا: اے امیر المومنین! آپ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے یاد دلانے کا مجھے کہا تھا۔

ربیع کہتا ہے: یہ سن کر منصور مسکرایا اور مجھ سے کہنے لگا: ہاں تو اے ربیع! تم جاؤ اور امام علیہ السلام کو ان کے دامن سے کھینچ کر لے آؤ۔

میں نے کہا: اے میرے آقا! اے امیر المومنین! مجھے آپ کی محبت و کرامت عزیز ہے۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ پھر میں اُٹھا اور اس بہت بڑے گناہ کے درپے ہوا۔ پس میں اس ارادے سے امام صادق علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت امام علیہ السلام اپنے گھر کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔

میں نے عرض کیا: قربان جاؤں! امیر المومنین نے آپ کو یاد کیا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: بہتر ہے۔

پھر امام علیہ السلام اُٹھ کر میرے ساتھ چل پڑے۔ میں نے کہا: اے فرزندِ رسولؐ! اس نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں آپؑ کے دامن سے پکڑ کر آپؑ کو گھسیٹتے ہوئے اس کے پاس لے جاؤں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ربیع! جیسے تمھیں حکم ملا ہے ویسے کرو۔

میں نے امام علیہ السلام کو (معاذ اللہ) دامن سے پکڑا اور گھسیٹتے گھسیٹتے منصور کے دربار میں لے گیا۔ وہ اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں لوہے کی ایک چھڑی تھی اور وہ اس چھڑی سے امام علیہ السلام کو شہید کرنے لگا تھا۔ جب میں نے امام علیہ السلام کو دیکھا کہ آپؑ اپنے لب

ہائے مبارک کو حرکت دے رہے ہیں تو مجھے شک نہ رہا کہ منصور ہی آپؑ کا قاتل ہے۔ لیکن میں یہ نہ سمجھ سکا کہ آپؑ نے اپنے لبوں سے کون سا کلام پڑھا۔ اس پر میں کھڑے ہو کر ان دونوں کی طرف دیکھنے لگا۔

ربیع کہتا ہے: جب امام صادق علیہ السلام منصور کے قریب گئے تو اس نے آپؑ سے کہا: اے میرے چچازاد! میرے قریب آئیں۔

پھر منصور کا چہرہ خوشی سے کھل گیا اور اس نے آپؑ کو اپنے اتنا قریب کیا کہ آپؑ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھا لیا اور اپنے غلام سے کہا: وہ لکڑی والا صندوق لے آؤ۔ وہ اسے لے آیا۔ اس میں بڑی عمدہ خوشبو والی ایک صراحی تھی۔ اس نے اس صراحی کو اپنے ہاتھوں سے غلاف میں بند کر کے امام علیہ السلام کے حوالے کیا اور آپؑ کو ایک خچر پر سوار کرایا۔ پھر اس نے آپؑ کو دس ہزار درہم کا ایک تھیلا اور ایک بہترین خلعہ دینے کا حکم دیا اور پھر گھر واپس جانے کا کہا۔

ربیع کہتا ہے: جب امام علیہ السلام اس کے پاس سے اُٹھے تو آپؑ کے سامنے سے اُٹھ کر میں بھی چل پڑا اور سیدھا امام علیہ السلام کے گھر چلا گیا۔ وہاں جا کر میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپؑ پر قربان، اے فرزند رسولؐ! جس وقت آپؑ منصور کے دربار میں داخل ہوئے تھے تو مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ آپؑ کو شہید کر دے گا۔ مگر میں نے دیکھا جب آپ داخل ہوئے تو آپؑ اپنے ہونٹوں کو حرکت دے رہے تھے۔ بتائیے اُس وقت آپ کیا پڑھ رہے تھے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں اے ربیع! سنو! میں یہ پڑھ رہا تھا:

حَسْبِيَ الرَّبُّ مِنَ الْمَرْبُوبِيْنَ . حَسْبِيَ الْخَالِقُ مِنَ الْمَخْلُوْقِيْنَ . حَسْبِيَ مَنْ لَمْ يَزَلْ حَسْبِي . حَسْبِيَ اللهُ . لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ . حَسْبِيَ الَّذِي لَمْ يَزَلْ حَسْبِي . حَسْبِي . حَسْبِيَ اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ .

اَللّٰهُمَّ احْرُسْنِي بِعَيْنِكَ الَّتِي لَا تَنَامُ وَاكْنُفْنِي بِرُكْنِكَ الَّذِي لَا يُرَامُ . وَاحْفَظْنِي بِعِزِّكَ وَاكْفِنِي شَرَّهُ بِقُدْرَتِكَ . وَمُنَّ عَلَيَّ بِنَصْرِكَ وَاِلَّا هَلَكْتُ وَاَنْتَ رَبِّي .

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ اَجَلُّ وَاَجْبَرُ مِمَّا اَخَافُ وَاَحْذَرُ . اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَدْرَءُكَ فِي نَحْرِهٖ . وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهٖ . وَاَسْتَعِيْنُكَ عَلَيْهِ وَاَسْتَكْفِيْكَ اِيَّاهُ.

يَاكَافِيَ مُوْسٰى فِرْعَوْنَ . وَمُحَمَّدٍ ﷺ الْاَحْزَابَ. اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ.

وَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغَافِلُوْنَ . لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ . وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (مج الدعوات: ص ۱۸۴)

روایت میں ہے کہ منصور نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو پانچویں مرتبہ بغداد بلایا جیسا کہ یہ محمد بن ربیع الحاجب سے بھی مروی ہے۔ وہ کہتا ہے: محمد و ابراہیم کے قتل ہونے سے پہلے زمانے کی بات ہے کہ منصور اپنے محل میں سبز قبے پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ جس دن بھی وہاں بیٹھتا اسے ''روزِ ذبح'' کہا جاتا تھا۔

اس نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو مدینہ سے نکالنے کا طے کرلیا تھا لہٰذا وہ سارا دن ''الحمراء'' میں رہا حتیٰ کہ رات داخل ہوگئی اور اس کا بہت سا حصہ گزر گیا۔ پھر اس نے میرے باپ ربیع کو بلا کر کہا: اے ربیع! تم بہتر جانتے ہو کہ ہمارے نزدیک تمھارا کیا مقام ہے۔

ربیع نے کہا: یہ مجھ پر خدا کا خاص فضل ہے اور جناب امیرالمومنین کی مہربانی ہے اور اس سے بڑھ کر ہو بھی کیا سکتا ہے۔

منصور نے کہا: تُو بھی تو ہمارے معیار پر پورا اُترتا ہے۔ لہٰذا تو فوراً جا اور فرزند فاطمہؑ یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام کو جس حال میں بھی پائے میرے پاس لے آ۔

اس پر میں نے کلمۂ استرجاع (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ) پڑھا اور دل میں کہا: خدا کی قسم! یہی اصل ہلاکت ہے۔ اب اگر میں امام علیہ السلام کو اس کے پاس لے آتا ہوں تو اس

کا غصہ بتا رہا ہے کہ یہ آپؑ کو قتل کر دے گا اور اس سے میری آخرت خسارے میں چلی جائے گی۔ اور اگر میں آپؑ کو اس کے سامنے پیش نہیں کرتا تو میری اپنی جان مجھے خطرے میں نظر آتی ہے۔ چنانچہ یہ مجھے اور میری نسل کو قتل کر دے گا اور میرا مال و اسباب چھین لے گا۔ اس صورت کے پیش نظر جب مَیں نے اس میں غور و فکر سے کام لیا تو میرا دل دنیا کی طرف مائل ہو گیا۔

محمد بن ربیع کہتا ہے: اس پر میرے باپ نے مجھے بلایا اور اپنے باپ کا سب سے زیادہ بداخلاق اور سخت دل والا لڑکا تھا۔ میرے باپ نے مجھ سے کہا: امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس جاؤ مگر ان کے دروازے پر دستک نہ دینا اور دیوار پھلانگ کر اندر چلے جانا کیونکہ اگر تم نے دروازہ کھٹکٹایا تو امام علیہ السلام اپنی حالت درست کر لیں گے۔ لہٰذا تم اچانک ان پر حملہ کرنا اور انھیں جس حال میں پاؤ لے آنا۔

ابنِ ربیع کہتا ہے: میں اپنے باپ کے کہنے پر امام علیہ السلام کے گھر کے پاس آ گیا۔ اس وقت رات ختم ہونے والی تھی۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو سیڑھی لگانے کا کہا۔ جب انھوں نے سیڑھی لگا دی تو میں دیوار پر چڑھ کر اندر کود گیا۔ اندر جا کر میں نے دیکھا امام علیہ السلام مصلیٰ عبادت پر کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپؑ کے بدن پر ایک قمیص تھی اور آپؑ نے اسے رومال سے باندھا ہوا تھا۔ جب آپؑ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے کہا: امیر المومنین نے آپؑ کو یاد کیا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تھوڑی مہلت دو تاکہ میں دُعا مانگ لوں اور دوسرا لباس پہن لوں۔

میں نے کہا: نہیں، آپؑ کو اس کی اجازت نہیں مل سکتی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اچھا مجھے اتنا تو وقت دو کہ میں غسل (شہادت) کر لوں۔

میں نے کہا: آپؑ کو اس کی اجازت نہیں ہے اور خواہ مخواہ وقت ضائع نہ کریں۔ میں اسی حالت میں آپؑ کو لے کر جاؤں گا۔ چنانچہ میں آپؑ کو آپؑ کی قمیص اور رومال سے پکڑ کر لے گیا۔ اس وقت آپؑ کی عمر ۷۰ سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ [1]

---

[1] واضح رہے کہ یہ ابنِ ربیع کا غلط اندازہ تھا بلکہ آپؑ کی عمر مبارک اس سے کم تھی۔ (از مولف کتاب)

جب ہم کچھ راستہ طے کر چکے تو امام علیہ السلام کی ضعیفی پر مجھے رحم آ گیا اور میں نے آپؑ کو اپنے ساتھ موجود ایک کرائے کی خچر پر سوار ہونے کا کہا۔ پھر ہم ربیع کی طرف چلے گئے۔ وہاں جا کر میں نے سنا، منصور ربیع سے یہ کہہ رہا تھا: اے ربیع! تو ہلاک ہو جائے۔ اس نے (ابنِ ربیع) نے (امام علیہ السلام کو لانے میں) بہت دیر کر دی ہے۔ مگر جب ربیع نے امام علیہ السلام کو اس حالت میں دیکھا تو رو پڑا۔ ربیع امام علیہ السلام کا شیعہ تھا۔

اسے دیکھ کر امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ربیع! میں جانتا ہوں کہ تمھارا میلان ہماری طرف ہے۔ مجھے اتنی مہلت دو کہ مَیں دو رکعتیں پڑھ کر دعا مانگ لوں۔

ربیع نے کہا: آپؑ کو اجازت ہے جو چاہیں کریں۔

چنانچہ امام علیہ السلام نے دو مختصر سی رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد ایک دُعا تلاوت کی جو مَیں نہ سمجھ سکا مگر وہ دُعا کافی لمبی تھی۔ جتنی دیر امام علیہ السلام نماز و دُعا میں مشغول رہے منصور ربیع کو جوش دلاتا رہا اور جب آپؑ وہ لمبی دُعا پڑھ چکے تو ربیع آپؑ کو بازو سے پکڑ کر منصور کے پاس لے گیا۔ پھر جب آپؑ اس کے ایوان کے صحن میں پہنچے تو کھڑے ہو کر اپنے لب ہائے مبارک کو حرکت دی اور کچھ پڑھا مگر مَیں نہ سمجھ سکا کہ آپؑ نے کیا پڑھا تھا۔ پھر میں نے آپؑ کو اس کے سامنے پیش کیا اور اس نے آپؑ کی طرف دیکھ کر کہا:

اے جعفرؑ! آپؑ حسد و بغاوت سے باز کیوں نہیں آتے؟ اور آپؑ نے بنی عباس کے مقابل کیوں فساد کھڑا کیا ہوا ہے؟ اس عمل سے خدا آپؑ کے حسد و خرابی میں ہی اضافہ کرے گا اور آپؑ اپنی تمنا کو ہرگز نہیں پا سکیں گے۔

امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: خدا کی قسم! اے امیر المومنین! میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ میں نے بنی اُمیہ کا زمانہ بھی دیکھا ہے اور تُو اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ سب سے بڑھ کر ہمارے اور تمھارے دشمن تھے۔ اور اس کے علاوہ ان کی حکومت بھی ناحق تھی مگر اس کے باوجود بھی نہ مَیں نے ان کے خلاف بغاوت کی اور نہ ہی کوئی تکلیف پہنچائی حالانکہ وہ برابر میرے ساتھ جور و جفا پر مبنی سلوک کرتے رہے۔ بنابرایں جب میں نے ان کے خلاف کوئی فساد نہ کھڑا کیا تو اب تیری حکومت کے خلاف ایسا کیسے کر سکتا ہوں؟ حالانکہ تُو میرا چچازاد اور سب سے زیادہ میرا

ہمدرد و معاون ہے۔

اس پر منصور نے کچھ دیر کے لیے اپنا سر نیچے کر لیا۔ اس وقت وہ پشم کے ایک گدے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دائیں طرف ایک جرمقانی تکیہ پڑا ہوا تھا۔ اس کے گدے کے نیچے دو سروں والی تلوار تھی۔ وہ جب بھی اس قبے پر بیٹھتا تھا اس تلوار کو اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اس نے پہلے اس تلوار کو دیکھا۔ پھر امام علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: (اے جعفرؑ) آپؑ نے باطل بات کہی اور میرے نزدیک گناہ گار ٹھہرے۔ پھر اس نے اپنی مسند کا کپڑا اٹھایا اور ایک خط نکال کر امام علیہ السلام کی طرف پھینکا اور کہنے لگا: یہ خط وہ ہے جو آپؑ نے اہلِ خراسان کو لکھا ہے۔ اس میں آپؑ نے اہلِ خراسان کو میری بیعت توڑ کر اپنی بیعت کی طرف بلایا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے امیر المومنین! خدا کی قسم! میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ میں اسے جائز سمجھتا ہوں اور نہ میرا مذہب ہے۔ (یہاں امام علیہ السلام نے تقیہ کرتے ہوئے کہا): میں تو ہر حال تمہاری اطاعت کو لازم سمجھتا ہوں۔ اگر میں ایسا چاہتا بھی تو میری ضعیفی میرا ساتھ دینے والی نہ تھی اور اس کی پاداش میں تمہارے قید خانے میں بند ہونا پڑتا حتیٰ کہ مجھے موت آجاتی، اور اب تو مجھ سے بہت ہی قریب ہے۔

منصور نے کہا: نہیں، آپؑ کا کوئی لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ پھر اس نے جھک کر تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا اور بالشت برابر اسے میان سے نکال کر اس کے قبضے پر ہاتھ رکھا تو میں نے (اپنے دل میں) کہا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا...... خدا کی قسم! بندہ جان سے گیا۔

پھر اس نے تلوار واپس میان میں رکھ دی اور کہنے لگا: اے جعفرؑ! اس بڑھاپے میں اور اس اعلیٰ نسب سے ہونے کے باوجود بھی آپؑ کو (معاذ اللہ) جھوٹ بولنے سے شرم نہیں آتی؟ آپؑ کیوں مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا چاہتے ہیں؟ کیا آپؑ کی یہ خواہش ہے کہ بے گناہ لوگوں کا خون بہایا جائے اور امام و رعایہ کے مابین فتنہ کھڑا ہو جائے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، خدا کی قسم! اے امیر المومنین! یہ کام میں نے نہیں کیا۔ نہ یہ میری تحریر ہے، نہ میرا (املا کیا ہوا) خط ہے اور نہ ہی یہ میری مہر ہے۔

اس پر منصور نے میان سے تلوار ایک ہاتھ برابر باہر نکال لی تو میں نے (دل میں) کہا:

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا ...... خدا کی قسم! اب بندہ جان سے گیا۔ اس کے ساتھ میں نے دل ہی دل میں یہ فیصلہ کرلیا کہ اگر اس نے اس کے بارے میں مجھے کوئی حکم دیا تو میں نہیں مانوں گا کیونکہ میرا گمان یہ تھا کہ وہ مجھے تلوار دے گا تا کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کو قتل کروں۔ چنانچہ اگر (میرے ہاتھ میں تلوار آ گئی اور) امام علیہ السلام نے مجھے حکم دیا تو میں منصور کو ماردوں گا اگرچہ وہ اس کے بعد مجھے اور میرے بیٹوں کو اپنے غیظ وغضب کا نشانہ بنالے اور اس کے بعد میں (امام علیہ السلام کو مار دینے کے متعلق) اپنی پہلی نیت سے توبہ کرلوں گا۔

بہرکیف منصور امام علیہ السلام پر زبان سے اپنا غصہ نکالتا رہا اور امام علیہ السلام اس سے معذرت کرتے رہے۔ پھر اس نے پوری تلوار میان سے باہر نکال لی اور صرف اس کا سرا ہی میان میں رہ گیا تو میں نے (اپنے دل میں) کہا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا ...... خدا کی قسم! اب تو بندہ اپنی جان سے گیا ہی گیا۔

مگر پھر اس نے تلوار کو میان میں ڈال لیا اور کچھ دیر کے لیے اپنا سر جھکائے بیٹھا رہا، پھر سر اُٹھا کر کہنے لگا: میرے خیال میں آپؑ سچ کہتے ہیں۔ پھر مجھ سے کہا: اے ربیع! فلاں جگہ ایک برتن پڑا ہے۔ وہ تو اُٹھا کر لے آ۔ اس کے حکم پر میں نے وہ برتن اس کے سامنے پیش کیا۔ اس نے کہا: اپنا ہاتھ اس میں ڈالو اور اسے آپؑ کی ڈاڑھی پر لگاؤ۔ جب میں نے ایسا کیا تو آپؑ کی سفید ڈاڑھی سیاہ ہوگئی۔

اس کے بعد منصور نے مجھ سے کہا: آپؑ کو نہایت ہی عمدہ سواری پر سوار کرو۔ اس کے ساتھ دس ہزار درہم بھی آپؑ کو دو اور عزت کے ساتھ گھر تک چھوڑ کر آؤ اور کہا کہ جب آپؑ کو رہائش گاہ تک پہنچا دو تو آپؑ سے کہنا ہے کہ امیرالمومنین نے آپؑ کو اختیار دیا ہے۔ آپؑ چاہیں تو عزت کے ساتھ ہمارے پاس رہیں اور چاہیں تو اپنے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف چلے جائیں۔

اس کے بعد ہم منصور کے دربار سے نکل آئے۔ میں امام علیہ السلام کی جان بچ جانے پر بڑا خوش تھا اور اس کے ساتھ حیران بھی تھا کہ بات کہاں سے شروع ہوئی اور کہاں جا کر ختم ہوئی۔

جب ہم گھر کے صحن میں پہنچے تو میں نے کہا: اے فرزند رسولؐ! مجھے اس بات پر بڑا

تعجب ہو رہا ہے کہ منصور نے پہلے آپؑ کو کس طرح قتل کرنے کے لیے بلایا اور پھر خداوند عالم نے کس طرح آپؑ کی مدد و یاوری کی۔ میں خدا کے کاموں پر تعجب تو نہیں کرتا لیکن میں سن رہا تھا کہ آپؑ نے دو رکعتیں پڑھنے کے بعد ایک لمبی دُعا تلاوت کی تھی اگرچہ میں اسے پوری طرح سمجھ نہ سکا اور پھر میں نے صحن ایوان میں بھی آپؑ کو دیکھا، آپؑ کچھ پڑھ رہے تھے مگر پتہ نہیں آپؑ نے کیا پڑھا۔

میری بات سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: جو کچھ میں نے پہلے پڑھا وہ مصیبتوں اور سختیوں کو دُور کرنے کے لیے پڑھی جانے والی دُعا تھی۔ آج سے پہلے کسی نے بھی اس دُعا کو نہ پڑھا تھا اور میں نے اس دُعا کو اس دُعائے کثیر کا عوض قرار دیا تھا جو میں اپنی نماز کے بعد پڑھتا تھا کیونکہ اس دُعا کو میں نے کبھی نہیں چھوڑا تھا (اور اس رات تمھارے بیٹے کے مہلت نہ دینے کی وجہ سے اسے نہ پڑھ سکا تھا)۔

اور جب میں نے منصور کے ایوان کے صحن میں اپنے ہونٹوں کو حرکت دی تھی تو اس وقت میں نے وہ دُعا پڑھی تھی جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزِ احزاب پڑھی تھی۔ وہ مجھ سے میرے بابا! اپنے بابا! کے واسطے سے بیان کی ہے۔ آپؑ نے اسے اپنے جدِ بزرگوار (امام حسین علیہ السلام) سے، آپؑ نے اسے حضرت امیر المومنینؑ سے اور آپؑ نے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے، آپؑ نے اسے پڑھا تھا جس کا بیان یوں ہے:

"جنگِ احزاب کے دن مدینہ میں مشرکوں کے لشکر موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے جیسا کہ خداوند عالم ان کی کثرت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ (سورۂ احزاب: آیت ۱۰-۱۱)

"جب وہ تمھارے اُوپر اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے اور جب آنکھیں پتھرا گئیں اور (مارے دہشت کے) دل (کلیجے) منہ کو آگئے اور تم لوگ

اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت مومنین خوب آزمائے گئے اور انھیں پوری شدت سے ہلا کر رکھ دیا گیا"۔

تو آپؑ نے اس دُعا کی تلاوت کی تھی۔

اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو بھی جب کوئی مشکل درپیش آتی تھی تو آپ بھی اسی دُعا کو پڑھتے تھے اور وہ دُعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ احْرُسْنِي بِعَيْنِكَ الَّتِي لَا تَنَامُ......... الی آخر الدُعا

ربیع کہتا ہے: اے فرزند رسولؐ! تب منصور مجھے زیادہ بھڑکا تا رہا مگر وہ لمبی سی دُعا پڑھتے رہے۔ ایسا لگتا تھا کہ آپؑ کے دل میں منصور کا ذرا خوف نہیں ہے؟!

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! میں اسے اپنی ہر نماز فجر کے بعد لازماً تلاوت کرتا تھا اور وہ دو رکعتیں جو میں نے پڑھی تھیں وہ "صلاۃ الغداۃ" کی تھیں۔ میں نے انھیں مختصر کر کے پڑھا تھا اور ان کے بعد اس کو تلاوت کیا تھا۔

میں نے پوچھا: کیا آپؑ اس بات پر خوف زدہ نہیں تھے کہ منصور نے آپؑ کے لیے کیسی بھیانک سزا تیار کر رکھی تھی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میرے دل میں صرف خدا موجود تھا اور میرے سینے میں اسی ذات بزرگ و برتر کی ہیبت وجلالت موجود تھی۔

ربیع کہتا ہے: منصور کا امام جعفر صادق علیہ السلام پر غصہ دیکھ کر میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ انسان نہیں، کوئی اور چیز ہے۔ مگر جب اس کا غصہ ختم ہو گیا اور مزاج برابر ہو گیا تو میں نے اس سے کہا: اے امیر المومنین! آج میں نے آپ کا بہت ہی عجیب طرزِ عمل دیکھا ہے۔

منصور نے کہا: بھلا وہ کیا ہے؟

میں نے کہا: اے امیر المومنین! میں نے جس طرح آج آپ کو امام جعفر صادق علیہ السلام پر اتنا غضب ناک پایا ہے، اتنے غصے میں میں نے آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اور ایسا غصہ تو آپ نے عبداللہ بن حسن یا کسی اور پر نہیں کیا تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ آپ نے امام علیہ السلام کو تلوار سے قتل کر دینے کی ٹھان لی اور آپ نے بالشت بھر تلوار کو بے نیام کیا اور پھر

نیام میں بند کر کے امام علیہ السلام کے ساتھ غصے میں باتیں کرنے لگے۔ پھر آپ نے تلوار کو ایک ہاتھ کی لمبائی کے برابر میان سے باہر نکالا اور کچھ دیر بعد دوبارہ اسے نیام میں داخل کر دیا اور امام علیہ السلام کی سرزنش کرنے لگے۔ پھر آپ نے تیسری بار تلوار کو مکمل طور پر باہر نکالا اور صرف اس کے کونے غلاف میں رہ گئے تھے اور اس وقت مجھے یقین ہوگیا تھا کہ آپ اس دفعہ تو امام علیہ السلام کو ضرور قتل کریں گے۔ لیکن آپ نے پھر تلوار کو غلاف میں بند کر لیا اور امام علیہ السلام کے ساتھ راضی ہو گئے حتیٰ کہ آپ نے مجھے امام علیہ السلام کی سفید داڑھی کو اس چیز سے خضاب کرنے کا حکم دیا جس میں خود آپ کی داڑھی کو خضاب کیا جاتا تھا۔ مزید براں اس سے تو آپ کے بیٹے مہدی اور ولی عہد اور دوسرے اقربا کو بھی خضاب کرنے کی اجازت نہ تھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپ نے امام علیہ السلام کو مالِ کثیر سے نوازا اور مجھے حکم دیا کہ میں آپؑ کو عزت کے ساتھ گھر تک چھوڑ آؤں؟!

ربیع نے کہا: اے منصور! تو ہلاک ہو جائے۔ یہ بات بتانے والی نہیں ہے بلکہ اس کا راز میں رہنا ہی بہتر ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ خبر آلِ فاطمہ تک پہنچ جائے اور وہ اس پر اِترانا شروع کر دیں۔ ہم جس حال میں ہیں اسی میں بہتر ہے لیکن میں تجھ سے تو کچھ بھی نہیں چھپا سکتا۔ لہٰذا تم دیکھو اگر گھر میں کوئی اور ہے تو اسے باہر بھیج دو۔

ربیع کہتا ہے: منصور کے کہنے پر مَیں نے گھر میں موجود تمام افراد کو باہر بھیج دیا۔ اس نے پھر مجھ سے کہا: دوبارہ جا کر دیکھ، کہیں کوئی رہ تو نہیں گیا۔ اگر کوئی رہ گیا ہے تو اسے بھی باہر بھیج دو۔ چنانچہ میں نے دوبارہ جا کر دیکھا اور اچھی طرح تسلی کر لی۔

پھر اس نے مجھ سے کہا: اب یہاں صرف ہم دونوں ہیں۔ خدا کی قسم! اگر مجھے پتہ چلا کہ تم نے یہ بات کسی کو بتا دی ہے تو میں تمھیں، تمھارے بیٹوں اور تمام گھر والوں کو قتل کر دوں گا اور تمھارا سارا مال و اسباب ضبط کر لوں گا۔

میں نے کہا: آپ کے غضب سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں، اے امیر المومنین!

منصور نے کہا: میں نے اپنے دل میں یہ طے کر رکھا تھا کہ (آج) مَیں امام علیہ السلام کو قتل کر کے ہی دم لوں گا اور اس سلسلے میں ان کی کوئی بات نہ سنوں گا۔ اور میری نظر میں آپؑ کا

معاملہ عبداللہ بن حسن کے معاملے سے کہیں زیادہ مشکل تھا۔ اور آپؑ کے سیاست سے دُور رہنے کے طرزِ عمل کو مَیں بنی اُمیہ کے دور سے دیکھ رہا تھا۔ پس جب میں نے پہلی بار آپؑ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ کی تصویر میری آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ آپؐ اپنے ہاتھ میری طرف بڑھا رہے تھے۔ آپؐ اپنے کف اُلٹے ہوئے تھے اور مثل قہر الٰہی غضب بھری نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے اپنا منہ دوسری طرف کر لیا۔ پھر جب میں نے دوسری بار امام علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور پہلے کی نسبت زیادہ تلوار کو میان سے باہر نکالا تو میں نے دیکھا کہ رسولِ خدا ﷺ میرے بہت ہی قریب آ گئے ہیں اور یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اگر میں نے امام علیہ السلام پر تلوار چلا دی تو آپؐ مجھ پر چلا دیں گے۔ لہٰذا میں اپنے ارادے سے باز آ گیا۔ پھر میں نے سوچا کہ شاید میرا کوئی باطل خیال ہو، سو مَیں نے تیسری بار پھر تلوار اُٹھانے کی جسارت کی تو رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھوں کو بڑھاتے ہوئے میرے سامنے آ گئے۔ آپؐ کا چہرہ غصے و جلال سے لال تھا اور آپؐ کا ماتھا قہر و غضب کا آئینہ بنا ہوا تھا حتیٰ کہ قریب تھا کہ آپؐ کا بطشِ الٰہی کا پیکر ہاتھ مجھ تک پہنچ جاتا اور اس سے مجھے یہ خوف لاحق ہو گیا کہ اگر مَیں نے امام علیہ السلام کے ساتھ یہ سلوک کیا تو خدا کی قسم! آپؐ میرے ساتھ بھی وہی کر دیں گے۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ تمھاری نظروں کے سامنے تھا کہ میں نے امام علیہ السلام کو کس قدر عزت و شان سے نوازا۔ یہ اولادِ فاطمہؑ ہیں۔ کوئی جاہل ہی ہوگا جو ان کے حق سے بے خبر ہوگا اور یقیناً پھر ایسی صورت میں اس کا دین و شریعت میں کوئی حصّہ نہ ہوگا۔ مگر دھیان رکھنا کہ بات تمھاری زبان سے کوئی دوسرا نہ سنے۔

محمد بن ربیع کہتا ہے: جب تک منصور زندہ رہا میرے باپ نے اس کے خوف سے تب تک یہ بات مجھے نہ بتائی اور میں نے بھی اسے اس وقت تک عام نہیں کیا جب تک مہدی (منصور عباسی کا جانشین)، موسیٰ اور ہارون مر نہ گئے اور جب تک محمد امین کو قتل نہ کر دیا گیا۔ (مہج الدعوات: ص ۱۹۲، بحار الانوار: جلد ۹۴، ص ۲۸۸)

معزز قارئین! منصور ان معجزات اور غیبی اشاروں کو دیکھنے کے باوجود بھی اپنی حرکتوں

سے باز نہ آیا اور حق کو قبول کر کے تائب نہ ہوا۔ اور اگر اس نے کچھ دیر کے لیے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی ظاہر کی تو وہ اپنی جان اور کرسی کو بچانے کی خاطر کی اور پھر اپنے سابقہ طریقے پر پلٹ گیا۔

روایت میں ہے کہ اس نے ساتویں مرتبہ بھی امام جعفر صادق علیہ السلام کو قتل کے ارادے سے اپنے دربار میں بلایا تھا جیسا کہ اس کا بیان درج ذیل حدیث میں آ رہا ہے: محمد بن عبداللہ اسکندری سے مروی ہے، وہ کہتا ہے: میں امیر المومنین ابوجعفر منصور کے من جملہ مصاحبوں اور خاص افراد میں سے تھا اور ان سب میں سے ایک میں ہی جو امیر المومنین کا راز دان تھا۔

ایک دن میں اس کے پاس گیا تو میں نے اسے بڑا غمگین پایا۔ وہ ٹھنڈی آہیں بھر رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا: اے امیر المومنین! یہ اس قدر اداسی کس بات پر ہے؟!

اس نے کہا: اے محمد! آلِ فاطمہؑ میں سے سو، یا اس سے زیادہ افراد قتل کر دیے گئے ہیں مگر ان کا سید اور امام ابھی تک زندہ ہے۔

میں نے پوچھا: وہ کون؟

اس نے کہا: جعفر صادق علیہ السلام۔

میں نے کہا: اے امیر المومنین! امام صادق علیہ السلام کو تو عبادت نے کمزور و لاغر کر رکھا ہے اور آپؑ تو حکومت و خلافت کی طلب سے آزاد ہو کر اپنے خدا کی اطاعت میں مشغول رہتے ہیں۔

اس نے کہا: اے محمد! میں جانتا ہوں کہ تم آپؑ کی امامت کے قائل ہو، مگر یہ بادشاہی بے خیر و برکت ہے اور میں نے قسم کھائی ہے کہ آپؑ کا معاملہ ختم کر کے ہی شام کروں گا!!

محمد کہتا ہے: یہ بات سنتے ہی زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ پڑ گئی۔ پھر منصور نے جلاد کو بلایا اور اسے کہا:

جب میں امام جعفر صادق علیہ السلام کو اپنے پاس بلا کر باتوں میں لگا لوں گا اور اپنی ٹوپی سر سے اُتاروں گا تو آپؑ کی گردن اُڑا دینا۔

پھر اس نے امام علیہ السلام کو اسی وقت بلایا تو دروازے پر امام علیہ السلام مجھ سے ملے۔ اس

وقت آپؑ کے لب ہائے مبارک ہل رہے تھے مگر میں نہ سمجھ سکا کہ آپ کیا پڑھ رہے تھے؟

بہرکیف آپؑ کے ہونٹوں کا ہلنا تھا کہ میں نے دیکھا کہ منصور کا محل اس طرح ہچکولے کھانے لگ گیا جیسے ایک کشتی ٹھاٹھیں مارتے سمندر میں لہروں کے ساتھ تہ و بالا ہو جاتی ہے۔ پھر میں نے منصور کو دیکھا وہ برہنہ پا و برہنہ سر چلتا ہوا امام علیہ السلام کے سامنے آیا (بار بار گرنے کی وجہ سے) اس کے دانت بج رہے تھے۔ اس کے حواس گم ہو گئے تھے اور اس کے چہرے کا ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا۔ پھر اس نے امام علیہ السلام کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے تختِ شاہی پر بٹھایا اور خود ایک غلام کی مانند آپؑ کے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر کہنے لگا:

اے فرزندِ پیغمبرؐ! خیر تو ہے، بتایئے کیسے آنا ہوا؟ میں نے تو آپؑ کو نہیں بلایا، شاید قاصد نے غلطی کی ہو۔ اچھا اپنی ضرورت بتائیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میری عرض یہ ہے کہ بلاوجہ مجھے نہ بلایا کرو۔

اس نے کہا: ٹھیک ہے۔ آپؑ کی یہ بات بھی قبول ہے اور اس کے علاوہ بھی، جو آپؑ چاہیں!

اس کے بعد امام علیہ السلام جلدی جلدی واپس چلے گئے اور میں نے خدا کا بہت شکر ادا کیا۔ پھر منصور نے اپنا بستر منگوایا اور اسی جگہ سو گیا اور آدھی رات تک سویا رہا۔ جب وہ بیدار ہوا تو اس کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا اور کہنے لگا: میری جو نماز قضا ہو گئی ہے میں وہ پڑھتا ہوں اور تم ادھر ہی رہنا، پھر میں تمھیں ایک بات بتاؤں گا؟

چنانچہ میں وہیں ٹھہر گیا اور اس کے نماز پڑھ لینے کا انتظار کرنے لگا۔ پس جب وہ نماز پڑھ چکا تو اس نے مجھے بتایا: جب میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو بلایا اور آپؑ کے ساتھ برائی کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو میں نے ایک بہت بڑا اژدھا دیکھا۔ اس نے اپنی دُم سے میرے پورے گھر اور محل کو گھیرا ہوا تھا۔ اس نے اپنا اُوپر والا ہونٹ محل کے اُوپر اور نچلا ہونٹ اس کے نیچے سے رکھا ہوا تھا اور وہ فصیح عربی زبان میں مجھ سے یہ کہہ رہا تھا:

"اے منصور! خدائے بزرگ و برتر نے مجھے تیری طرف بھیجا ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ اگر تم امام صادق علیہ السلام کے ساتھ کچھ کرو تو میں تمھیں اور

تمھارے گھر کے تمام افراد کو نگل جاؤں گا"۔

یہ سن کر میں حواس باختہ ہوگیا، میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میرے دانت بجنے لگے۔

محمد بن سکندری کہتا ہے: منصور کی بات سن کر میں نے کہا:

اے امیر المومنین! یہ کوئی حیرانگی والی بات نہیں ہے۔ امام صادق علیہ السلام (اپنے نانا) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے دادا حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے علم کے وارث ہیں۔ آپ کے پاس اسماء اور وہ دعائیں ہیں جو آپ رات پر پڑھیں تو وہ اسے روشن کر دیں۔ اگر دن پر پڑھیں تو اسے تاریک کر دیں اور اگر سمندر کی لہروں پر پڑھیں تو وہ انھیں ساکن کر دیں۔

محمد کہتا ہے: اس واقعہ کے کچھ روز بعد میں نے منصور سے کہا: اے امیر المومنین! کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں امام صادق علیہ السلام کی زیارت کو جاؤں؟ اس نے مجھے بلا تامل امام علیہ السلام کی ملاقات کے لیے جانے کی اجازت دے دی۔

اجازت ملنے پر میں امام علیہ السلام کی خدمت میں چلا گیا۔ وہاں جا کر میں نے امام علیہ السلام کو سلام عرض کیا اور کہا: اے میرے مولاؑ! میں آپؑ کو آپؑ کے جدِ بزرگوار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ آپؑ مجھے وہ دعا تعلیم فرمائیں جو آپؑ نے منصور کے دربار میں داخل ہوتے وقت پڑھی تھی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ تمھارے لیے ہی ہے۔

پھر فرمایا: اے محمد! یہ دُعا بہت بڑا حرز اور باعظمت دُعا ہے۔ اسے میں نے اپنے آباءِ کرام علیہم السلام سے سن کر حفظ کیا ہے اور یہ حرز خدا کی اس کتاب عزیز سے لیا گیا ہے جس کے نہ تو سامنے سے باطل کا گزر ہو سکتا ہے اور نہ ہی پیچھے سے۔ اور وہ صاحبِ حکمت اور لائق ستائش (پروردگار) کی طرف سے نازل کی گئی ہے...... الی آخر الحدیث۔ (مہج الدعوات: ص ۲۰۱)

خالد بن عبداللہ قسری کے غلام رزام بن مسلم سے مروی ہے، وہ کہتا ہے:

منصور نے اپنے دربان کو حکم دیا جب امام صادق علیہ السلام میرے دربار میں داخل ہوں تو قبل اس کے کہ وہ میرے پاس پہنچیں تم امام کا کام تمام کر دینا۔ اس کے کچھ دیر بعد امام علیہ السلام

اس کے پاس پہنچ گئے مگر دربان نے آپؑ کو کچھ نہ کہا۔ منصور نے اسے اپنی طرف بلایا۔ جب اس نے آکر دیکھا تو امام علیہ السلام منصور کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر اس نے دربان کو واپس بھیج دیا اور (غصے و مایوسی کے ساتھ) اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر مارنے لگا۔ پھر جب امام علیہ السلام کے پاس سے اُٹھ کر چلے گئے تو اس نے دربان کو بلا کر کہا: میں نے تمھیں کیا حکم دیا تھا؟ (اور تم نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟)

دربان نے کہا: خدا کی قسم! میں نے امام علیہ السلام کو تمھارے پاس آتے دیکھا اور نہ ہی جاتے دیکھا بلکہ میں تو آپ کو صرف اسی وقت دیکھ پایا کہ جب وہ تمھارے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ (کشف الغمہ: جلد ۲، ص ۱۹۱)

علی بن میسر سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: جب امام جعفر صادق علیہ السلام ابوجعفر منصور کے پاس تشریف لانے لگے تو اس نے اپنے ایک غلام کو اپنے سر کے پاس کھڑا کر دیا اور اسے کہا: جب امام علیہ السلام میرے پاس آجائیں تو انھیں قتل کر دینا۔

جب امام علیہ السلام داخل ہوئے تو آپؑ نے منصور کی طرف دیکھا اور اپنے اور اس کے مابین ہونے والے معاملات میں سے کوئی چیز چھپائی جسے وہ نہ سمجھ پایا۔ پھر آپؑ نے اس کے سامنے (دُعا کر کے) یہ بات ظاہر کی: اے اللہ! جو اپنی ساری مخلوق کی مدد کرتا اور کسی سے مدد نہیں لیتا، مجھے عبداللہ بن علی کے شر سے بچا۔

راوی کہتا ہے: جب امام صادق علیہ السلام نے یہ دُعا کی تو منصور کا غلام اس کی نظروں سے اوجھل ہوگیا (حالانکہ وہ وہیں موجود تھا) اور اس کے غلام کی آنکھوں پر بھی پردہ پڑ گیا اور وہ امام علیہ السلام کو نہ دیکھ پایا۔ اس پر منصور نے امام علیہ السلام سے کہا: اے جعفر بن محمدؑ! واپس چلے جائیے۔ میں نے اس گرمی میں آپؑ کو بلا کر خواہ مخواہ کی زحمت دی ہے۔

اُس کے کہنے پر امام علیہ السلام اس کے پاس سے اُٹھ کر چلے گئے۔ اِس کے بعد منصور نے اپنے غلام سے کہا: میں نے تمھیں جس کام کا حکم دیا تھا تُو نے وہ کیوں انجام نہیں دیا؟

اس نے جواب دیا: خدا کی قسم! میں نے تو آپؑ کو یہاں دیکھا ہی نہیں۔

اس کا جواب سن کر منصور نے کہا: خدا کی قسم! اگر تم نے یہ بات کسی اور کو بتائی تو میں

تمھیں مار دوں گا۔ (اُصولِ کافی: جلد ۲، ص ۵۹۹)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے والد گرامی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے نقل کیا ہے، آپؑ نے ارشاد فرمایا: ایک دفعہ ابوجعفر منصور دوانیقی نے امام صادق علیہ السلام کو قتل کے ارادے سے بلایا اور چرمی فرش [1] اور تلوار کو اس کام کے لیے آمادہ کرلیا۔ پھر اس نے ربیع سے کہا: جب میں امام علیہ السلام کو باتوں میں لگا لوں گا اور اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر ماروں تو تم امام علیہ السلام کا کام تمام کر دینا۔

پس جب امام علیہ السلام اس کے پاس آئے تو اسے دُور سے دیکھتے ہی امامؑ نے اپنے ہونٹوں سے کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ اس وقت منصور اپنے بستر پر تھا۔ اس نے امام علیہ السلام کو دیکھ کر کہا: خوش آمدید اے ابوعبداللہؑ! ہم نے آپؑ کی طرف اپنا قاصد اس لیے بھیجا تھا تاکہ آپؑ کا قرض چکائیں اور آپؑ کا حق ادا کریں۔

پھر اس نے امام علیہ السلام سے اپنے اہلِ بیتؑ کے بارے میں ایک لطیف مسئلہ دریافت کیا اور کہا: خدا نے آپؑ کا قرض ادا کرا دیا ہے اور آپؑ کا انعام آپؑ کو عطا کر دیا ہے۔

(پھر مجھے مخاطب کر کے کہا:) اے ربیع! آج سے تیسرا دن گزرنے سے پہلے امام صادق علیہ السلام کو اپنے اہل وعیال میں پہنچ جانا چاہیے۔

اس گفت وشنید کے بعد جب امام علیہ السلام اس کے دربار سے نکلے تو ربیع نے آپؑ سے کہا: اے ابوعبداللہؑ! کیا آپؑ نے تلوار کو دیکھا تھا؟ تلوار اور چرمی فرش آپؑ کے لیے ہی تیار تھے (مگر خدا نے آپؑ کو بچا لیا)۔ اچھا، مجھے یہ بتائیے کہ جب آپؑ منصور کے دربار میں داخل ہوئے تو آپؑ کیا پڑھ رہے تھے؟ (جس کی وجہ سے اتنا بڑا خطرہ آپؑ کے سر سے ٹل گیا)۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! اے ربیع! سنو جب میں نے اس کے چہرے پر شر کو دیکھا تو میں نے یہ کلمات اپنی زبان پر جاری کیے:

حَسْبِيَ الرَّبُّ مِنَ الْمَرْبُوبِيْنَ، وَحَسْبِيَ الْخَالِقُ مِنَ الْمَخْلُوقِيْنَ

وَحَسْبِيَ الرَّازِقُ مِنَ الْمَرْزُوقِيْنَ، وَحَسْبِيَ اللهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ،

---

[1] اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں مجرموں کو سزائے موت دی جاتی تھی۔ (از مترجم)

حَسْبِيَ مَنْ هُوَ حَسْبِي، حَسْبِي مَنْ لَمْ يَزَلْ حَسْبِي، حَسْبِيَ اللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ، وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ

(عیون الاخبار: ص ۳۰۴)

عنبسہ بن مصعب کہتا ہے: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو سنا، آپؑ یہ فرما رہے تھے: میں نے خدا کے حضور اہلِ مدینہ کے مابین اپنی تنہائی و اضطراب کا شکوہ کیا حتیٰ کہ تم آگئے، میں تم لوگوں کو دیکھتا ہوں اور تم سے اُنس پاتا ہوں۔ اے کاش! یہ سرکش مجھے طائف میں ایک محل بنانے کی اجازت دیتا تو میں تمھیں ساتھ لے کر وہاں آباد ہو جاتا اور میں تمھیں اس بات کی ضمانت دیتا کہ ہماری طرف سے تمھیں کسی بھی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا ہوگا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: مجھ سے ایک شخص نے پوچھا کہ جب آپؑ ربذہ میں ابوجعفر منصور کے پاس آئے تو آپؑ نے کیا پڑھا تھا (جس کی وجہ سے آپؑ نے اس کے شر سے نجات پائی)۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں نے منصور کا سامنا کرتے وقت یہ کلمات اپنی زبان پر جاری کیے تھے:

اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَكْفِي مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا يَكْفِي مِنْكَ شَيْءٌ فَاكْفِنِي بِمَا شِئْتَ وَكَيْفَ شِئْتَ وَمِنْ حَيْثُ شِئْتَ وَأَنَّى شِئْتَ

(اصولِ کافی: جلد ۲، ص ۵۵۹)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جب مجھے ابوجعفر منصور کے پاس لے جایا گیا تو مجھے بڑے توہین آمیز لہجے میں سخت اور نازیبا الفاظ کہے، اور اس کے بعد مجھ سے کہنے لگا: ''جس محمد بن عبداللہ کو تم لوگ ''نفسِ زکیہ'' کہتے ہو، میں جانتا ہوں اس نے کیا کیا اور اس کے ساتھ کیا ہوا۔ اور اب میں صرف اس بات کا منتظر ہوں کہ تم میں سے کوئی (میرے خلاف) ذرا سی حرکت کرے تو میں تمھارے بڑوں کو چھوٹوں کے ساتھ ملا دوں۔

امام علیہ السلام فرماتے ہیں: اس کی باتیں سن کر میں نے کہا: اے امیرالمومنین! مجھ سے میرے باباؑ نے اپنے آبائے کرام علیہم السلام کے واسطے سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کے ساتھ پیش آئے اور (اس وقت) اس کی عمر کے تین سال باقی رہتے ہوں تو اس عمل کی برکت سے خداوند عالم اس کی عمر (۳۰ سال بڑھا کر) تینتیس سال کر دیتا ہے اور جو شخص اپنے رشتہ داروں سے قطع رحمی کا مظاہرہ کرے اور اس وقت اس کی عمر کے تینتیس سال باقی رہتے ہوں تو اس کی عمر (۳۰ سال کم کر کے) تین سال کر دیتا ہے''۔

یہ حدیث سن کر اس نے مجھ سے کہا: خدا کی قسم! صحیح صحیح بتائیں کیا یہ حدیث آپؑ نے اپنے والد گرامیؒ سے سنی ہے؟

میں نے جواب دیا: جی ہاں۔ پھر اس نے مجھ سے تین بار یہی سوال کیا اور میں نے بھی یہی جواب دیا۔ پھر اس نے مجھے واپس جانے کی اجازت دے دی۔ (بحار الانوار: جلد ۴۷، ص ۲۰۶)

اعمش سے مروی ہے کہ جب منصور نے اسے اپنے پاس بلایا تو اس نے (شہادت کا) غسل کیا، کفن پہنا اور حنوط کر کے اس کے سامنے آ گیا۔

منصور نے اس سے کہا: مجھے وہ حدیث سناؤ جو میں اور تم دونوں نے امام صادق علیہ السلام سے بنی حمان کے بارے میں سنی ہے۔

میں نے کہا: کون سی حدیث؟

اس نے کہا: ارکانِ جہنم والی حدیث۔

میں نے کہا: اگر آپ مجھے اس کام سے معاف رکھتے تو میرے لیے بہتر تھا۔

اس نے کہا: نہیں! کوئی معافی نہیں۔

میں نے کہا: ہم سے بیان کیا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آبائے کرام علیہم السلام کے واسطے سے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جہنم کے سات دروازے ہیں اور یہ سات فرعونوں کے ارکان (ٹھکانے) ہیں۔

اس کے بعد میں نے درج ذیل فرعونوں کے نام لیے: نمرود بن کنعان (فرعونِ ابراہیمؑ)، مصعب بن ولید (فرعونِ موسیٰؑ)، ابوجہل بن ہشام، اوّل، ثانی اور چھٹا فرعون یزید ہے جو میری

آلِ نبیؐ کا قاتل ہے۔ اس کے بعد میں خاموش ہو گیا۔

اس نے مجھ سے کہا: ساتویں فرعون کا تو تُو نے بتایا ہی نہیں کہ وہ کون ہے؟

میں نے کہا: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ساتواں فرعون۔

بنی عباس میں سے ایک شخص ہوگا جو منصبِ خلافت سنبھالے گا، اس کا لقب "دوانیقی" اور نام "منصور" ہوگا!!

یہ سن کر اس نے کہا: تم سچ کہتے ہو، امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہم سے یہ حدیث اسی طرح ہی بیان کی تھی۔

پھر اس نے اپنا سر اُٹھایا تو اس کے سامنے ایک ایسا لڑکا تھا جس کی ابھی داڑھی نہیں آئی تھی۔ میں نے اس سے زیادہ خوب صورت لڑکا پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اسے دیکھ کر منصور کہنے لگا: اگر میں جہنم کے دروازوں میں سے ایک ہوتا تو کیا ایسے حسین وجمیل لڑکے کو زندہ چھوڑ دیتا؟

وہ لڑکا امام حسین علیہ السلام کی آل سے تھا اور علوی تھا۔ اس نے منصور سے کہا:

اے امیر المومنین! آپ کو میرے آبائے کرام علیہم السلام کا واسطہ، مجھے معاف کیجیے مگر اُس نے اس لڑکے کی عرض کو ٹھکرا دیا اور مرزبان (ایرانی سردار/کمانڈر) کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ مگر جب اس نے لڑکے کو مارنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا تو اس لڑکے نے اپنے ہونٹوں کو حرکت دے کر کچھ پڑھا مگر میں نہ سمجھ سکا کہ اس نے کیا پڑھا تھا۔ بہرحال اس کے ہونٹوں کا ہلنا تھا کہ وہ پرندے کی مانند پرواز کر کے کہیں چلا گیا۔

اعمش کہتا ہے: اس واقعہ کے کچھ دن بعد جب وہ لڑکا میرے پاس سے گزرا تو میں نے اس سے کہا: آپ کو حضرت امیر المومنین (علیؑ) علیہ السلام کے حق کا واسطہ، مجھے وہ کلام تعلیم کیجیے (جو آپؑ نے منصور کے دربار میں پڑھی تھی اور اس کے شر سے بچ گئے تھے)۔

اس لڑکے نے کہا: یہ وہ دُعا تھی جو ہم اہلِ بیتؑ مشکل اوقات میں پڑھتے ہیں اور یہ وہی دُعا تھی جو حضرت علی علیہ السلام نے بسترِ رسولؐ پر سوتے وقت پڑھی تھی۔ پھر اس نے مجھے وہ دُعا بتائی۔

اعمش کہتا ہے کہ منصور نے ایک شخص کے بارے میں ایک سخت حکم سنایا پھر وہ گھر میں بیٹھ گیا تا کہ اُس شخص کے بارے میں اُس کا حکم نافذ کیا جائے مگر جب قید خانے کا دروازہ کھولا گیا تو وہ وہاں موجود نہ تھا۔

اس پر منصور نے پوچھا: کیا تم نے اسے کچھ کہتے ہوئے سنا تھا؟

داروغہ نے جواب دیا: ہاں میں نے سنا، وہ یہ کہہ رہا تھا:

یَامَنْ لَا اِلٰهَ غَیْرُهٗ فَاَدْعُوْهُ. وَلَا رَبَّ سِوَاهُ فَاَرْجُوْهُ لَاَنْجِنِی السَّاعَةَ

یہ سن کر منصور بولا: خدا کی قسم! اس نے خداوند کریم سے استغاثہ کیا تو اس نے اسے نجات دی۔ (بحار الانوار: جلد ۴۷، ص ۲۰۹)

عبداللہ بن فضل بن ربیع نے اپنے والد سے نقل کیا ہے، وہ کہتا ہے:

۱۴۷ ہجری میں منصور نے حج کیا اور مدینہ آ کر ربیع سے کہا: امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف کوئی بندہ بھیجو، جو آپ کو زبردستی ہمارے پاس لے آئے۔ اگر آج میں آپ کا کام تمام نہ کر دوں تو خدا مجھے مار دے۔

ربیع نے اس بات سے اس کی توجہ ہٹانے کے لیے اسے دوسری باتوں میں لگا دیا۔ پھر اس نے ربیع سے کہا:

امام علیہ السلام کی طرف کوئی بندہ بھیجو، جو آپ کو زبردستی ہمارے پاس لے آئے۔

ربیع نے پھر اس کا دھیان دوسری باتوں کی طرف کر دیا (پھر وہ چلا گیا)۔ اور اسے ایک خط لکھا جس میں اسے غلط اور نازیبا الفاظ سے خطاب کیا اور اسے حکم دیا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو اپنے پاس طلب کرے۔ تو اس نے (مجبوراً) منصور کے اس حکم پر عمل کر دیا۔

جب ربیع کا بھیجا ہوا بندہ امام علیہ السلام کو ربیع کے سامنے لایا تو اس نے کہا: اے ابوعبداللہ! خدا کو یاد کر لیں کیونکہ آپ پر ایک ایسی مصیبت ٹوٹنے والی ہے جس سے خدا ہی آپ کو بچا سکتا ہے۔

امام علیہ السلام نے کہا: لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ، یعنی ہر قسم کی قوت و طاقت خداوند عالم کے قبضۂ قدرت میں ہی ہے۔

اس کے بعد ربیع نے منصور کو امام علیہ السلام کے آنے کی اطلاع دی۔ پس جب امام علیہ السلام

داخل ہوئے تو منصور نے امام علیہ السلام کو دھمکیاں دیں اور غصے کے ساتھ کہا: اے دشمن خدا! (مجھے خبر ملی ہے کہ) اہل عراق تمھیں اپنا امامؑ مانتے ہیں اور اپنے اموال کی زکوٰۃ دیتے ہیں اور تو میری حکومت کے بارے میں غلط باتیں کرتے پھرتے ہو اور فتنہ کھڑا کر رہے ہو۔ اگر آج میں تمھیں مار نہ دوں تو خدا مجھے زندہ نہ چھوڑے۔ (معاذ اللہ)

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے امیر! حضرت سلیمان علیہ السلام کو بادشاہی عطا کی گئی تو انھوں نے شکر کیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا امتحان لیا گیا تو انھوں نے صبر سے کام لیا اور حضرت یوسف علیہ السلام پر ظلم کیا گیا تو انھوں نے معاف کیا اور آپ بھی اسی قسم کے انسان ہیں۔

جب منصور نے یہ سنا تو کہنے لگا: ادھر میرے پاس آجائیں، اے ابوعبداللہؑ! آپؑ میں کوئی کمزوری نہیں، آپؑ سیدھی راہ پر اور فتنہ وفساد سے پاک ہیں۔ خدا آپؑ کو اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی کرنے کی جزا آپؑ کے علاوہ لوگوں کی نسبت بہتر دے جو اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کرتے ہیں۔ پھر اس نے آپؑ کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر اپنی مسند پر اپنے پاس بٹھالیا۔

پھر اس نے کہا: خوشبو! ادھر لے آؤ۔ جب اس کے حکم پر خوشبو لائی گئی تو وہ اسے اپنے ہاتھوں سے امام علیہ السلام کی داڑھی مبارک پر ملنا شروع ہوگیا حتیٰ کہ اس کے قطرے نیچے گرنا شروع ہوگئے۔

پھر اس نے کہا: خدا کی حفظ وامان کے ساتھ اُٹھیے۔

پھر ربیع کو مخاطب کر کے کہنے لگا: امام علیہ السلام کو ان کا انعام اور لباس دو اور آپؑ کو میری حفاظت وحراست میں واپس بھیج دو۔

ربیع کہتا ہے: مَیں راستے میں امام علیہ السلام سے ملا اور میں نے آپؑ سے عرض کیا: منصور کے دربار میں آپؑ کے آنے سے پہلے اور آپؑ کے واپس جانے کے بعد جو کچھ ہوا وہ سارا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے (یعنی مَیں نے دیکھا کہ وہ پہلے آپؑ کو قتل کر دینے کے ارادے پر مصر تھا مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ اس نے آپؑ کو بڑی عزت کے ساتھ واپس بھیج دیا)۔

مجھے بتائیے کہ اس کے دربار میں داخل ہوتے وقت آپؑ نے کیا پڑھا تھا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس وقت میں نے یہ دُعا پڑھی تھی:

اَللّٰھُمَّ احْرُسْنِی بِعَیْنِكَ الَّتِی لَا تَنَامُ، وَاکْنُفْنِی بِرُکْنِكَ الَّذِی لَا یُرَامُ، وَاغْفِرْلِی بِقُدْرَتِكَ عَلَیَّ وَلَا اَھْلِكُ وَاَنْتَ رَجَائِی. اَللّٰھُمَّ اَنْتَ اَکْبَرُ وَاَجَلُّ مِمَّا اَخَافُ وَاَحْذَرُ. اَللّٰھُمَّ بِكَ اَدْفَعُ فِی نَحْرِہٖ وَاَسْتَعِیْذُ بِكَ مِنْ شَرِّہٖ

پس جب میں نے یہ دُعا پڑھی تو وہ کچھ ہوا جو تُو نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ (کشف الغمہ: جلد ۲ ص ۱۵۸)

شیخ کراجکی کی کتاب کنز الفوائد میں آیا ہے: ایک دفعہ منصور نے جمعہ کے دن امام صادق علیہ السلام کے ہاتھ کا سہارا لیا ہوا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر خالد بن عبداللہ کے غلام رزام نے کہا: یہ اتنا بلند مقام پانے والا شخص کون ہے جس کے ہاتھ کی ٹیک امیر المومنین منصور نے لی ہوئی ہے؟

اسے بتایا گیا: یہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔

اس شخص نے کہا: خدا کی قسم! میں یہ نہیں مان سکتا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ اس (منصور) کا رخسار امام علیہ السلام کے پائے اقدس کی جوتی ہوتی۔

پھر وہ منصور کے سامنے کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے امیر المومنین! میں آپؑ سے سوال کرنا چاہتا ہوں۔

منصور نے کہا: ان (یعنی امام صادق علیہ السلام) سے پوچھو۔

اس نے کہا: نہیں، میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔

منصور نے کہا: انھی (یعنی امام صادق علیہ السلام) سے پوچھو۔

پھر اس نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا: مجھے نماز اور اس کی حدوں کے بارے میں بتایئے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: نماز کی چار ہزار حدیں ہیں اور تو انھیں نہیں پا سکتا۔

اس نے کہا: مجھے صرف اتنا بتا دیں کہ جس کا نماز میں ترک کرنا جائز نہیں اور جس کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: نماز اسی کی کامل ہوتی ہے جو مکمل طور پر باطہارت، بالغ، غیر منازع اور کجی سے پاک ہو۔ وہ خدا کو پہچان کر (اس کے حضور) کھڑا ہوجاتا ہے، وہ اس کے سامنے عاجزی و انکساری کا اظہار کرتا ہے تو اس پر ثابت قدم ہوجاتا ہے۔ ایسا شخص مایوسی و اُمید اور صبر و بے صبری کے درمیان والی حالت میں ہوتا ہے۔ اس سے کہا گیا وعدہ تیار و آمادہ اور اس کے بارے میں وعید و تہدید واقع ہونے والی ہوتی ہے۔ وہ اپنی عزت و آبرو کو (راہِ خدا میں) صرف کر کے اپنی مراد پالیتا ہے۔

پس جب وہ اس طرح نماز پڑھتا ہے تو یہی وہ طریقہ ہے جس کے مطابق نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسی کے بارے میں خبر دی گی ہے کیونکہ یہی وہ نماز ہوتی ہے جو فحاشی اور برائی سے روکتی ہے۔

جب منصور نے آپؑ کی زبانی نماز کے ان معارف کو سنا تو کہنے لگا: اے ابوعبداللہ! ہم ہمیشہ آپؑ کے علم کے سمندر سے سیراب ہوتے رہیں گے اور ہم آپؑ کی جانب بڑھیں تو اندھی آنکھوں کو روشنی اور اندھیری راتوں کو اُجالا ملتا رہے گا۔ لہٰذا ہم آپؑ کے قدس کی تجلیوں اور معارف سے پُر سمندر میں آرام وسکون کے ساتھ رہیں گے۔ (فلاح السائل: ص ۲۳)

منصور نے اپنے ایک خط میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ سوال کیا: آپؑ بھی ہمیں اس طرح دھوکہ کیوں نہیں دیتے کہ جس طرح دوسرے لوگ دیتے ہیں؟

امام علیہ السلام نے اسے یہ جواب دیا: نہ ہمارے پاس ایسی کوئی چیز ہے جس کی وجہ سے ہمیں تمھاری طرف سے کوئی خطرہ ہو۔ آخرت کا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے کہ جس کی وجہ سے ہم نے تجھ سے کوئی اُمید لگائی ہوئی ہو، نہ تمھارے پاس کوئی ایسی نعمت ہے کہ جس کی ہم تمھیں مبارک باد پیش کریں اور نہ ہی تو ایسی کسی نعمت کو عذاب سمجھتا ہے کہ ہم تمھیں اس سے دھوکہ دے سکیں۔ پس جب سب کچھ واضح ہے تو ہمیں تم سے کیا سروکار ہوسکتا ہے؟

اس کے جواب میں منصور نے کہا: آپؑ نے تو ہمیں نصیحتیں کرنا شروع کردی ہیں۔

اس پر امام علیہ السلام نے فرمایا: جو دنیا کا طالب ہوگا وہ تمھیں نصیحت نہیں کرے گا اور جو آخرت کا طالب ہوگا وہ تمھارا ساتھ نہیں دے گا۔

امام علیہ السلام کا جواب پڑھ کر منصور نے کہا: خدا کی قسم! آپؑ نے مجھے لوگوں کے حقیقی مقام و مرتبے کے بارے میں سمجھا دیا ہے کہ آخرت کے طلب گاروں میں سے دنیا کا طالب کون ہوتا ہے؟ (کشف الغمہ: جلد ۲، ص ۲۰۸)

مَیں کہتا ہوں: اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام اور منصور دوانیقی کے درمیان یہ خط و کتابت اس وقت ہوئی تھی کہ اس کی حکومت کی ابتداء ہو رہی تھی اور اس کی حکومت کا معاملہ ابھی مستحکم نہیں ہوا تھا اور امام علیہ السلام اس کے ساتھ کسی حد تک بلا تقیہ بھی بات کر لیتے تھے۔

ربیع کہتا ہے: ایک دن منصور پر اُوپر سے مکھی گری، اس نے اُسے ہٹایا تو وہ پھر آ گئی۔ اس نے پھر اسے دُور کیا تو وہ پھر آ گئی۔ اس پر اس نے امام صادق علیہ السلام سے پوچھا: اے ابوعبداللہؑ! بتایئے خدا نے مکھی کو کس لیے بنایا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا نے مکھی کو اس لیے بنایا ہے تا کہ اس کے ذریعے جابروں اور متکبروں کو ذلیل و رُسوا کرے۔

منصور نے امام علیہ السلام سے کہا: میں نے مدینہ کو تاراج کرنے کا ارادہ کیا ہوا ہے اور وہاں مَیں کسی کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے امیر! میں آپ کو نصیحت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ آپ کی مرضی ہے خواہ اسے قبول کریں یا نہ کریں۔

اس نے کہا: بولیے، آپ کیا نصیحت کرنا چاہتے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: آپ کے لیے درج ذیل تین نمونے گزر چکے ہیں۔ آپ ان میں سے جسے چاہیں اپنا سکتے ہیں:

① حضرت ایوب علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا گیا تو انھوں نے صبر کیا۔

② حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا کیا گیا تو انھوں نے شکر کیا۔

③ حضرت یوسف علیہ السلام کو تنگی اور مصیبت میں مبتلا کیا گیا تو انھوں نے معاف کیا۔

امام علیہ السلام کی بات سن کر اس نے کہا: جایئے، میں نے آپؑ کو معاف کیا۔

ایک دفعہ امام علیہ السلام سے کہا گیا کہ جب سے منصور دوانیقی بادشاہ بنا ہے تب سے وہ پھٹے

پرانے کپڑے پہنتا ہے اور خراب غذا کھاتا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا اُسے ہلاک کرے۔ خدا نے اسے حکومت دی ہے اور سارے اَموال بھی اس کے ہاتھ میں ہیں، اس کے باوجود بھی وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟!

اس پر کسی نے کہا: وہ محض بخل اور مال جمع کرنے کی خاطر ایسا کرتا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: لائقِ حمد ہے وہ خدا جس نے اسے اس دنیا سے محروم کر رکھا ہے جو اس نے دین کو ترک کر کے حاصل کی ہے۔ (کشف الغمہ: جلد ۲، ص ۲۰۳)

عبداللہ بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں: مَیں ربذہ میں منصور کے ساتھ موجود تھا۔ اس نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف کسی بندے کو بھیج کر آپؑ کو بلوایا اور میری طرف بھی قاصد بھیج کر مجھے اپنی طرف بلا بھیجا۔

جب میں اس کے دروازے کے باہر پہنچا تو مَیں نے سنا، وہ یہ کہہ رہا تھا:

اسے جلدی سے میرے سامنے پیش کرو، خدا مجھے قتل کرے اگر میں اسے قتل نہ کروں۔

اور خدا میرے خون سے زمین کو سیراب کرے اگر مَیں اس کا خون زمین کو نہ پلاؤں۔

دربان نے پوچھا: (اے امیر المومنین!) آپ کی مراد کون ہے؟

اس نے کہا: امام جعفر صادق علیہ السلام۔

کچھ ہی دیر بعد امام علیہ السلام کو چند لوگوں کے ہمراہ منصور کے دربار میں حاضر کیا گیا۔ جب دربار کا پردہ اُٹھایا گیا تو امام علیہ السلام نے اپنے مقدس ہونٹوں کو حرکت دی اور کچھ پڑھ کر دربار میں داخل ہو گئے۔

جونہی منصور نے آپؑ کو دیکھا تو کہنے لگا: مرحبا اے میرے چچا کے بیٹے! مرحبا اے فرزندِ رسولؐ!

پھر وہ آپؑ کو اُوپر لے گیا حتیٰ کہ آپؑ کو اس نے اپنے تخت پر بٹھایا اور آپؑ کی خدمت میں کھانا پیش کیا۔ میں نے اپنا سر اُٹھا کر اُوپر دیکھا۔ اُس نے آپؑ کو بکرے کا گوشت کھلایا۔ آپؑ کی ضروریات پوری کیں اور آپؑ کو واپس جانے کی اجازت دے دی۔

جب امام علیہ السلام منصور کے دربار سے باہر آئے تو میں نے آپؑ سے عرض کیا: آپؑ نے

دیکھا اُس نے آپؑ کی کیسی عزت و خاطر کی؟!

آپؑ کے آنے سے پہلے جب مَیں یہاں آیا تو میں نے بہت غلط بات سنی یعنی میں نے سنا منصور یہ کہہ رہا تھا کہ اگر میں آپؑ کو قتل نہ کروں تو خدا مجھے مار دے۔ مگر جب آپؑ دربار کے دروازے پر آئے اور اپنے ہونٹوں کو حرکت دی اور کچھ پڑھا۔ میں یہ تو نہیں سمجھ سکا کہ آپؑ نے کیا پڑھا مگر اس کا اثر مَیں نے منصور کے عمل میں دیکھا۔ (مولا!) اگر آپؑ مناسب سمجھیں تو مجھے بھی وہ دُعا بتا دیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس وقت مَیں نے یہ دُعا پڑھی تھی:

مَاشَآءَ اللّٰهُ. مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا يَأْتِي بِالْخَيْرِ اِلَّا اللّٰهُ. مَاشَآءَ اللّٰهُ. لَا يَصْرِفُ السُّوْءَ اِلَّا اللّٰهُ. مَاشَآءَ اللّٰهُ. مَاشَآءَ اللّٰهُ. كُلُّ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ. مَاشَآءَ اللّٰهُ. مَاشَآءَ اللّٰهُ. لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

(کشف الغمہ: جلد ۲، ص ۱۹۵)

مناقب آل ابی طالب میں آیا ہے کہ ربیع الحاجب (دربان) کا بیان ہے، وہ کہتا ہے: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو منصور کے بارے میں خبر دی کہ وہ کہتا ہے کہ میں آپؑ اور آپؑ کے گھر کے تمام افراد کو مار ڈالوں گا حتیٰ کہ کوڑے کی لمبائی کے برابر قد والے (چھوٹے بچوں) کو بھی معاف نہیں کروں گا اور مَیں مدینہ کو اس طرح تاراج کروں گا حتیٰ کہ وہاں کوئی بھی کھڑی دیوار نہیں چھوڑوں گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کی باتوں کی پروا نہ کرو اور اُسے اُس کی سرکشی میں غرق رہنے دو۔ پھر جب امام علیہ السلام دو پردوں کے درمیان آئے تو مَیں نے سنا، منصور نے یہ کہا: امام علیہ السلام کو جلدی سے میرے پاس بھیج دو۔ اس کا حکم ملنے پر مَیں نے امام علیہ السلام کو اندر بھیج دیا۔

اس نے جیسے ہی امام علیہ السلام کو دیکھا تو کہنے لگا: مرحبا اے میرے ہم نسب چچازاد! مرحبا اے میرے قریبی سیّد! پھر اس نے آپؑ کا ہاتھ پکڑ کر آپؑ کو اپنے تخت پر بٹھایا۔ پھر آپؑ کی طرف دیکھ کر کہنے لگا: آپؑ جانتے ہیں میں نے آپؑ کو کس لیے بلایا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: مَیں غیب تو نہیں جانتا۔

اس نے کہا: میں نے آپؑ کو اس لیے بلایا ہے تاکہ آپؑ یہ دس ہزار دینار اپنے گھر والوں میں تقسیم کر دیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم یہ کام کسی اور سے کراتے تو بہتر تھا۔

اس نے کہا: اے امامؑ! میں نے قسم کھائی ہے کہ آپؑ انھیں اپنے گھر والوں میں تقسیم کریں گے۔ پھر اس نے امام علیہ السلام کو گلے لگایا اور رخصت کی اجازت دے دی اور ربیع سے کہا: امامؑ کے ساتھ کچھ لوگوں کو بھیج دو جو آپؑ کو مدینہ واپس چھوڑ آئیں۔

ربیع کہتا ہے: جب امام صادق علیہ السلام منصور کے دربار سے چلے گئے تو میں نے اس سے پوچھا: اے امیر المومنین! آپ کو تو امامؑ پر بڑا غصہ تھا پھر آپؑ نے امامؑ کے ساتھ ایسا طرزِ عمل کیونکر اختیار کیا؟

منصور نے جواب دیا: اے ربیع! جب میں (اپنے محل کے) دروازے کے پاس آیا تو میں نے ایک بہت بڑا اژدھا دیکھا جو اپنے دانتوں کو کاٹ کاٹ کر مجھ سے کہہ رہا تھا: اگر تم نے فرزندِ رسولؐ کو ایذا پہنچائی تو میں تمھاری ہڈیوں سے گوشت نوچ لوں گا۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ اور پھر میں نے وہی کیا جو تم نے دیکھا۔ (مناقب آل ابی طالبؑ، جلد ۴، ص ۲۳۱)

بشیر نبال کہتا ہے: میں کوہِ صفا پر تھا اور امام علیہ السلام بھی وہیں پر ہی کھڑے تھے۔ کچھ دیر بعد امام علیہ السلام وہاں سے چلے تو میں بھی آپؑ کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

بشیر کہتا ہے: ہم راستے سے گزر رہے تھے کہ منصور دوانیقی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ہمارے سامنے آ گیا۔ اس کے ساتھ اس کا لشکر بھی تھا اور ان میں بعض گھوڑوں پر سوار تھے اور بعض اُونٹوں پر۔ انھوں نے امام علیہ السلام کے خلاف مزاحمت شروع کر دی حتیٰ کہ مجھے خوف لاحق ہو گیا کہ کہیں امام علیہ السلام اُن کے گھوڑوں کے نیچے ہی نہ آ جائیں، لہٰذا میں اپنی جان داؤ پر لگا کر امام علیہ السلام اور ان لوگوں کے درمیان حائل ہو گیا اور اپنے ہاتھ سے انھیں دُور کرنے لگا۔ پھر میں نے دُعا کی: ''خدایا! یہ تیرا بندہ اور تیری زمین پر تیری مخلوق میں سب سے بہترین ہیں اور یہ لوگ کتوں سے بھی بدتر ہیں اور انھیں ایذا پہنچا رہے ہیں۔

اس پر امام علیہ السلام نے میری طرف دیکھ کر کہا: اے بشیر!

میں نے کہا۔ لبیک۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ذرا اپنی آنکھ اُوپر اُٹھا کر دیکھ۔

جب میں نے دیکھا تو خدا کی جانب سے ایک اتنی بڑی چیز آپؑ کی حفاظت کر رہی تھی جس کا حال میں اپنے لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔

اس پر امام علیہ السلام نے فرمایا: اے بشیر! ہمیں وہ عطا کیا گیا ہے جو تم نے دیکھا مگر ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم صبر کریں، لہٰذا ہم صبر کرتے ہیں۔ (مستدرک الوسائل: ج۹، ص ۴۵۲)

منصور دوانیقی اور آلِ رسولؐ کا قتل

منصور دوانیقی نے حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے سلسلہ سے ہونے والی آلِ رسولؐ کو قتل کرنے اور صفحۂ ہستی سے ان کا وجود مٹانے کے لیے سرتوڑ کوششیں کیں۔ اُس کے اسی سفاکانہ اقدام کے پیشِ نظر علوی حضرات مختلف شہروں میں پھیل گئے اور اپنی جانیں بچانے کی خاطر صحراؤں اور پہاڑوں میں چھپ گئے۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

ابو منصور مطرز کہتا ہے: میں نے حاکم ابو احمد محمد بن محمد بن اسحاق انماطی نیشاپوری سے سنا، وہ محمد کی ذکر کردہ متصل سند کے ساتھ بیان کر رہا تھا کہ منصور نے بغداد میں اینٹوں اور گچ کے (ستون نما) مکانات بنائے اور حضرت علی علیہ السلام کے ماننے والوں کو پکڑ کر ان میں بند کرنے لگا۔

اس دوران منصور نے ایک دن حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک نہایت خوب رو لڑکا گرفتار کیا۔ اس کے بڑے خوب صورت سیاہ بال تھے۔ اس نے اس لڑکے کو مستری کے حوالے کیا اور کہا کہ اس بچے کو ستون میں ڈال کر اُوپر سے چھت کو بند کر دو۔ اس نے اس مستری پر اپنا ایک قابلِ اعتبار نگران مقرر کیا جو اس کے کام پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھا حتیٰ کہ اس مستری نے اس نگران کی آنکھوں کے سامنے اس بچے کو ستون میں بند کر دیا اور اُوپر سے ایک سوراخ کو باقی رہنے دیا تا کہ اس کی سانس بحال رہے۔

پھر اس نے لڑکے سے کہا: تم پریشان نہ ہو، تمھیں کچھ نہیں ہوگا جیسے ہی رات ہوتی ہے میں تمھیں یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا۔

پس جب رات چھا گئی تو وہ مستری اس علوی لڑکے کے پاس آیا اور اسے ستون سے باہر نکال کر کہا: میرے اور میرے ساتھیوں کے خون کے بارے میں خدا سے ڈرنا اور کہیں چھپ جانا اور خود کو ظاہر نہ کرنا۔ میں نے رات کی اس تاریکی میں تمھیں یہاں سے اس لیے

نکالا ہے تاکہ قیامت کے دن آپ کے جد رسولِ خدا ﷺ، خدا کے حضور میری شکایت نہ کریں۔

پھر جہاں تک اس کے لیے ممکن تھا اس نے اپنے تعمیراتی اوزاروں سے اس لڑکے کے بال کاٹے اور اس سے کہا: کہیں چھپ جاؤ تاکہ تمھاری جان بچ جائے اور تم واپس اپنی ماں کے پاس نہ جانا (ورنہ تمھارے سمیت ہم سب کی جان بھی خطرے میں پڑ جائے گی)۔

اس لڑکے نے کہا: اگر مجھے اپنی ماں کے پاس واپس نہیں جانا تو تم میری ماں کو خبر کر دو کہ میں اپنی جان بچا کر بھاگ گیا ہوں تاکہ وہ خوش ہو جائیں اور ان کی آہ و بکا میں کمی آجائے۔

اس کے بعد وہ لڑکا بھاگ گیا۔ اب نہیں معلوم کہ اس نے زمینِ خدا کے کس حصّے کا قصد کیا اور کس جگہ کو اپنی پناہ گاہ قرار دیا۔

وہ مستری کہتا ہے: وہ لڑکا مجھے اپنی ماں کی رہائش گاہ کے بارے میں بتا کر گیا تھا اور اس نے مجھے اس کی نشانی بھی دی تھی۔ چنانچہ جب میں اس کے بتائے ہوئے مقام پر گیا تو مجھے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی مثل رونے کی آوازیں آئیں۔ میں سمجھ گیا کہ یہی اس لڑکے کی ماں ہے۔ پھر میں اس کے قریب گیا، اسے اس کے بیٹے کے بچ جانے کی خبر دی اور اس کے تراشے ہوئے بال اس کے حوالے کیے اور واپس چلا آیا۔ (بحارالانوار: جلد ۴۷، ص ۳۰۶)

معزز قارئین! اس علوی لڑکے کا واقعہ منصور کے آلِ رسولؐ پر ڈھائے گئے مظالم میں سے ایک ہے جن کی فہرست بہت طویل ہے۔ اس بنا پر ہر کلمہ گو یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ رسولِ خدا کی تئیس سالہ تبلیغ کا یہی صلہ بنتا ہے کہ آپؐ کی ذرّیتِ طاہرہ کو یوں درندگی کا نشانہ بنایا جائے؟!

اور کیا اس فرمانِ الٰہی قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کا یہی تقاضا ہے؟!

منصور دوانیقی کا امام صادق علیہ السلام کے گھر کو نذرِ آتش کرنے کا حکم دینا

حضرت مفضل بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ابوجعفر منصور نے حرمین میں اپنے والی حسن بن زید کی طرف حکم نامہ بھیجا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے گھر کو آگ لگا دو۔

اس کا حکم ملنے پر آپؑ کے گھر کو آگ لگا دی گئی اور آگ نے آپؑ کے دروازے کو لپیٹ میں لے لیا تو آپؑ باہر آئے اور آگ پر قدم رکھ کر فرمایا:

اَنَا ابْنُ اَعْرَاقِ الثَّرٰی، اَنَا ابْنُ اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلِ اللهِ

(اصولِ کافی: جلد ا، ص ۴۷۳، حدیث ۲)

معزز قارئین! امام علیہ السلام بھڑکتی آگ میں چلتے تھے اور اس کے شعلوں کو اپنے مقدس قدموں میں روند کر کہتے تھے:

اَنَا ابْنُ اَعْرَاقِ الثَّرٰی، اَنَا ابْنُ اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلِ اللهِ

گویا کہ آپؑ ان طاغیوں سے یہ کہہ رہے تھے کہ میں ان بلند مرتبہ ہستیوںؑ کی نسل سے ہوں کہ جن کی شمعِ حیات کو گل کرنے کی ظالموں نے سرتوڑ کوشش کی، مگر خدا نے سخت آندھیوں کے مقابل بھی اسے نہ بجھنے دیا۔ میں اس ابراہیمؑ کی نسل سے ہوں جسے فرعونِ وقت (نمرود بن کنعان) نے آگ سے جلانا چاہا تو خدا نے آپؑ کے لیے آگ کو گلزار کر دیا۔ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سر بلند رہا اور اہلِ باطل کی تمام تر چالیں بے کار و بے سود ثابت ہوگئیں۔

میں ذُریتِ ابراہیمیؑ میں سے ہوں......

میں تاریخ کی بلند نسب شخصیتوں کی فرع ہوں......

میں زمین پر قرار پانے والی مضبوط جڑوں والے شجر کا ثمر ہوں......

اور میں آسمانِ عظمت و رفعت کی روشن و تاباں شخصیتوں کا فرزند ہوں......

لہٰذا منصور اور اس کے علاوہ فراعنۂ وقت کے بس کی بات نہیں کہ وہ مخلوقِ خدا پر اس کی قائم کی گئی حجتوں کو ختم کر سکیں۔ ایسے لوگوں کے لیے بہت دُور کی بات ہے کہ وہ اس نُورِ خدا کو خاموش کر سکیں جس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لیا ہے بلکہ عظیم لوگ باقی رہتے ہیں اور فنا ہو جانا ظالموں کا مقدر ہوتا ہے اور ابرار باقی رہتے ہیں اور اشرار بے اثر و فانی ہو جاتے ہیں۔

مدینہ میں منصور کے جاسوس

صفوان بن یحییٰ کہتے ہیں کہ مجھ سے جعفر بن محمد بن اشعث نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ ہم نے شیعہ مذہب کیوں اختیار کیا ہے؟ جبکہ اس سے پہلے ہم اس سے غافل تھے۔

صفوان کہتا ہے: میں نے کہا: مجھے تو نہیں معلوم، تم خود ہی اس کی وجہ بتاؤ۔

اس نے کہا: ابوجعفر منصور نے میرے والد (یعنی محمد بن اشعث) سے کہا تھا کہ اے محمد! میرے لیے کوئی عقل مند شخص تلاش کرو جو میرا کام کرے۔

میرے والد نے اسے کہا: میں نے تمھارے لیے بندہ ڈھونڈ لیا ہے اور وہ فلاں بن مہاجر میرا ماموں ہے۔

منصور نے کہا: اچھا، تو اسے میرے پاس لے آؤ، تو میں اپنے ماموں کو اس کے پاس لے گیا۔

منصور نے اس سے کہا: اے فرزندِ مہاجر! یہ مال لو اور مدینہ جا کر عبداللہ بن حسن بن حسنؑ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سمیت اہلِ بیتؑ کے دوسرے افراد کے ساتھ ملو اور ان سے کہو کہ میرا تعلق اہلِ خراسان میں موجود آپؑ کے شیعوں سے ہے۔ انھوں نے مجھے یہ مال دے کر آپؑ کی طرف بھیجا ہے۔

پھر تم ان میں سے ہر ایک کو اس شرط پر یہ مال دے دینا، اور جب وہ تم سے مال لے لیں گے تو ان سے کہنا کہ میں ایک قاصد ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیں تاکہ میں وہاں جا کر ان کے حوالے کر دوں۔

اس کے بعد وہ شخص منصور کی جانب سے ملنے والے اموال اُٹھا کر مدینہ چلا آیا۔ پھر وہ واپس ابو دوانیق کی طرف چلا گیا۔ اس وقت ابو دوانیق کے پاس محمد بن اشعث بھی موجود تھا۔ ابو دوانیق نے اس سے پوچھا: بتاؤ کیا خبر ہے؟

اس نے کہا: میں ان لوگوں کی طرف سے ہی آرہا ہوں۔ سوائے امام جعفر صادق علیہ السلام کے ان سب نے مال قبول کرلیا ہے اور اپنے خطوط میرے حوالے کر دیے ہیں۔ آپؑ کے ساتھ میری ملاقات مسجد نبویؐ میں ہوئی۔ جب مَیں وہاں پہنچا تو آپؑ عبادت میں مصروف تھے۔ لہٰذا مَیں آپؑ کے انتظار میں بیٹھ گیا تاکہ آپؑ نماز ختم کرلیں تو میں آپؑ سے بات کروں۔ پس جب آپؑ نماز سے فارغ ہوئے تو مَیں نے آپؑ سے بھی وہی بات کہی جو آپؑ کے دوسرے دوستوں سے کہی تھی مگر آپؑ نے سن کر فوراً منہ پھیرلیا۔ پھر میری طرف دیکھ کر فرمایا:

اے بندے! خدا سے ڈر اور اہلِ بیت محمدؐ کو دھوکہ نہ دے، کیونکہ بنی مروان کی حکومت کی نسبت وہ زیادہ قریب العہد ہیں اور وہ سب محتاج ہیں۔

میں نے پوچھا: خدا آپؑ کا بھلا کرے، آپؑ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

آپؑ نے اپنا سر میرے قریب کر کے مجھے وہ تمام باتیں بتا دیں جو میرے اور تمہارے درمیان ہوئی تھیں اور آپؑ کی باتوں سے ایسا لگتا تھا جب مَیں اور تم باتیں کر رہے تو وہ ہمارے پاس موجود تھے اور ہماری باتوں کو سن رہے تھے۔

منصور نے اس کی بات سن کر کہا: اے فرزندِ مہاجر! جان لو کہ ہمیشہ اہلِ بیت علیہم السلام میں سے ایک محدث ہوتا ہے اور ہمارے آج کل کے زمانے کے محدث حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔ (اصولِ کافی: جلد ۱، ص ۴۷۵)

صورتِ بالا کے علاوہ یہ روایت ایک اور صورت میں بھی نقل کی گئی ہے اور وہ یہ ہے:

مہاجر بن عمار خزاعی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ابو دوانیق نے مجھے بہت سا مال دے کر مدینہ روانہ کیا اور مجھے حکم دیا کہ مَیں اس مال سے خاندانِ اہلِ بیتؑ کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کروں اور ان کے خطوط لے لوں۔

چنانچہ میں اس ارادے کے ساتھ مدینہ روانہ ہوگیا اور پورے سفر کے دوران میری یہی

کوشش رہی کہ میں قبلہ کے مقابل زاویہ میں سفر کروں اور رات اور دن دونوں کے نماز کے اوقات میں اس سے اِدھر اُدھر نہ ہوں۔ میں قبر کے آس پاس موجود سائلوں کو وقفے وقفے سے تھوڑے درہم (بطور صدقہ و نذرانہ) دیتا گیا۔ حتیٰ کہ مجھے بنی حسنؑ کا ایک جوان اور کچھ بوڑھے افراد مل گئے اور بالآخر میں نے علیحدگی میں ان کے ساتھ ملاقات کی۔ مگر اس کے باوجود میں امام صادق علیہ السلام سے ملاقات نہ کر پایا تھا اور میں جب بھی آپؑ کے قریب جاتا تھا تو آپؑ مجھ سے کوئی کلام نہ کرتے...... پھر ایک دن میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے قریب گیا۔ اس وقت آپؑ نماز میں مشغول تھے۔ جب آپؑ نماز مکمل کر چکے تو آپؑ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا:

اے مہاجر! جا کر اپنے ساتھی (ابودوانیق) کو بتانا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے تجھے پیغام دیا ہے: تمھارے گھر والوں کو اس گھر والوں سے زیادہ اس کی ضرورت ہے۔ جبکہ تم تو محتاج نوجوانوں کے پاس جاتے ہو اور جاسوسی کرتے ہو تاکہ ان کی کوئی ایسی بات تمھیں سننے کو مل جائے جس سے تمھارے لیے ان کا خون بہانا جائز ہو جائے۔ اگر تم ان کے ساتھ نیکی کو صلہ رحمی کرتے اور ان کی مدد اور دادرسی کرتے تو وہ اس کے زیادہ لائق تھے جس کی تجھے ان سے توقع ہے۔

مہاجر کہتا ہے: اس کے بعد جب میں واپس ابودوانیق کے پاس آیا تو میں نے اس سے کہا: میں ایک جادوگر کے پاس سے ہو کر آ رہا ہوں اور اس کا امر ایسے ایسے ہے۔

اس نے جواب میں کہا: آپؑ سچ کہتے ہیں: خدا کی قسم! انھیں اس کے علاوہ کی ضرورت تھی، لیکن خبردار! تمھارے منہ سے یہ بات کوئی دوسرا نہ سنے۔ (الخرائج والجرائح: جلد ۲، ص ۶۴۶، بحارالانوار: جلد ۴۷، ص ۱۷۲)

امام صادق علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش

قیس بن ربیع سے مروی ہے، وہ کہتا ہے: ابوربیع نے مجھ سے بیان کیا، وہ کہتا ہے کہ ایک دن منصور نے مجھے بلا کر کہا: تم اس خبر کے بارے میں کیا کہتے ہو جو مجھے اس حبشی کے بارے میں ملی ہے؟

ابوربیع کہتا ہے: میں نے کہا: میرے آقا! حبشی سے آپ کی مراد کون ہے؟

اس نے کہا: میری مراد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔ خدا کی قسم! میں ضرور آپ کا خاتمہ کر کے ہی رہوں گا۔ پھر اس نے اپنی فوج کے ایک کمانڈر کو بلایا اور اس سے کہا: ایک ہزار آدمی اپنے ساتھ لے کر جاؤ اور امام جعفر صادق علیہ السلام پر حملہ کر دو اور آپؑ کا اور آپؑ کے بیٹے کا سر لیے بغیر واپس میرے پاس نہ آنا۔ وہ سالار منصور کے اس حکم کی تعمیل میں ایک ہزار سپاہیوں کے ہمراہ مدینہ آ گیا۔

جب امام علیہ السلام کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپؑ نے دو اُونٹنیاں منگوا کر انھیں گھر کے دروازے پر باندھ دیا اور پھر اپنے بیٹوں حضرت امام موسیٰؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت محمدؑ اور حضرت عبداللہؑ کو اپنے پاس بلایا اور محراب میں بیٹھ کر دعا اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

ابونصر کہتے ہیں: میرے آقا و مولا حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے مجھ سے بیان کیا ہے: جس وقت ہم اپنے بابا جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ دُعا میں مشغول تھے اس وقت لشکر کے کمانڈر نے ہم پر حملہ کیا لیکن میرے بابا اپنی دُعا میں ہی مشغول رہے۔ آپؑ کی دُعا کے اثر سے اس پورے لشکر کے حواس اپنی جگہ نہ رہے اور وہ دروازے پر موجود اُونٹنیوں کے سروں کو جدا کر کے منصور کے پاس لے گئے۔ جب منصور نے تھیلے کو کھول کر دیکھا تو اس میں دو اُونٹنیوں کے سر تھے۔

منصور نے پوچھا: یہ کیا لے کر آئے ہو؟

اس نے کہا: حضور معاف کیجیے۔ میں نے جلدی سے امام علیہ السلام کے گھر پر حملہ کیا تو میرے حواس خطا ہو گئے اور مجھے اپنے آگے بھی دکھائی نہ دیا۔ پھر میں نے کھڑے ہوئے دو شخصوں کو دیکھا تو میں سمجھا کہ یہ امام صادق علیہ السلام اور آپؑ کے بیٹے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہیں، لہٰذا میں ان کے سرتن سے جدا کر کے لے آیا۔

اس پر منصور نے کہا: اچھا! اس بات کو یہیں دفن کر دو، اور خبردار! یہ بات تمھارے منہ سے کوئی نہ سنے۔ چنانچہ اس کے مرنے تک اس خبر کو اسی طرح پوشیدہ رکھا گیا۔

ربیع کہتا ہے: اس واقعہ کے بعد میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اس وقت آپؑ کے بابا نے کون سی دُعا تلاوت کی تھی؟

آپؑ نے فرمایا: جب میں نے اپنے بابا سے اس دُعا کے بارے میں پوچھا تو آپؑ نے مجھے بتایا کہ وہ دُعائے حجاب ہے جو کہ درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. وَ إِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَسْتُوْرًا. وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوْهُ وَفِيْ آذَانِهِمْ وَقْرًا. وَ إِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَّوْا عَلٰى أَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا. اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ بِالْإِسْمِ الَّذِيْ تُحْيِيْ وَتُمِيْتُ وَتَرْزُقُ وَتُعْطِيْ وَتَمْنَعُ. يَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ! اَللّٰهُمَّ مَنْ أَرَادَنَا بِسُوْءٍ مِنْ جَمِيْعِ خَلْقِكَ، فَأَعْمِ عَنَّا عَيْنَهُ، وَاصْمُمْ عَنَّا سَمْعَهُ، وَاشْغَلْ عَنَّا قَلْبَهُ، وَاغْلُلْ عَنَّا يَدَهُ، وَاصْرِفْ عَنَّا كَيْدَهُ وَخُذْهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ، وَعَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَمِنْ تَحْتِهِ وَمِنْ فَوْقِهِ، يَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ!

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں: میرے بابا امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ ہر قسم کے دشمن سے بچنے کی دُعا ہے۔ (مہج الدعوات: ص ۲۱۳)۔

ابوخدیجہ نے قبیلہ کندہ کے ایک شخص سے نقل کیا ہے (وہ شخص بنی عباس کا جلاد تھا)۔

وہ کہتا ہے: ابودوانیق کے سامنے امام جعفر صادق علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لایا گیا تو اس نے آپؑ دونوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ آپؑ دونوں قید خانے میں قید تھے۔ رات کے وقت پہلے میں امام صادق علیہ السلام کے پاس آیا اور اس نے آپؑ کو باہر نکال کر اپنی تلوار سے قتل کر دیا۔ پھر میں حضرت اسماعیلؑ کے پاس گیا اور کچھ دیر مزاحمت کے بعد میں نے آپؑ کا کام بھی تمام کر دیا۔ پھر میں واپس منصور کے پاس چلا گیا۔

اس نے مجھ سے پوچھا: تُو نے کیا کیا ہے؟

میں نے کہا: میں نے ان دو سے آپ کو راحت پہنچا دی ہے۔

مگر جب صبح ہوئی تو امام جعفر صادق علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام زندہ بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر آپؑ دونوں نے منصور کے پاس حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ یہ دیکھ کر منصور نے اس شخص سے کہا: تُو تو یہ سمجھ رہا تھا کہ تُو نے ان دونوں کو قتل کر دیا ہے؟

میں نے کہا: میں نے بالکل ان دونوں کو قتل کیا تھا اور (اے امیرالمومنین!) میں نے خوب دیکھ بھال کر یہ کام کیا ہے۔ میں ان دونوں کو اسی طرح جانتا ہوں جس طرح آپ کو جانتا ہوں (یعنی جس طرح آپ کو پہچاننا میرے لیے مشکل نہیں۔ اسی طرح ان کو پہچاننا بھی میرے لیے کوئی مشکل نہیں)۔

منصور نے کہا: جس جگہ تُو نے ان دونوں کو قتل کیا تھا، ذرا اس جگہ جا کر دیکھ کہ یہ کیا ماجرا ہے؟

جب میں نے وہاں جا کر دیکھا تو اس جگہ دو اونٹنیوں کے کٹے ہوئے سر پڑے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر میں مبہوت و ہکا بکا رہ گیا اور جب میں نے واپس آ کر یہ بات منصور کو بتائی تو اس نے اپنا سر جھکا لیا (اور اصل بات سمجھ گیا) اور کہنے لگا: یہ بات کسی کو نہ بتانا (ورنہ تمھاری خیر نہیں)۔

اور یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس فرمانِ الٰہی کی مثال تھا:

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (سورۂ نساء: آیت ۱۵۷)

"جبکہ فی الحقیقت انھوں نے نہ انھیں قتل کیا اور نہ سولی چڑھایا بلکہ (دوسرے کو) ان کے لیے شبیہ بنا دیا گیا تھا"۔ (الخرائج والجرائح: جلد ۲، ص ۶۲۶)

واضح رہے کہ اسی سے ملتی جلتی ایک روایت عبدالاعلیٰ بن اعین سے بھی مروی ہے، جو انھوں نے رزام بن مسلم سے نقل کی ہے۔ (بحارالانوار: جلد ۴۷، ص ۲۰۴)

روایت میں ہے کہ ایک دفعہ منصور نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو بھری محفل میں بلایا۔ جب آپ تشریف لے آئے تو اس نے پریشانی سے اپنا سر نیچے کر لیا۔ پھر کچھ دیر کے بعد سر اُٹھا کر کہنے لگا: اے جعفرؑ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز آپؑ کے بابا حضرت علی علیہ السلام سے یہ کہا تھا:

"اگر مجھے اپنی اُمت کے بعض گروہوں کے بارے میں آپؑ کے متعلق وہ باتیں کہہ دینے کا ڈر نہ ہوتا جو نصرانیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں کہی تھیں تو میں آپؑ کی شان میں وہ باتیں کہتا کہ آپؑ جہاں سے بھی گزرتے تو لوگ آپؑ کے قدموں کی مٹی اُٹھا کر اس سے شفا حاصل کرتے"۔

خود حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا تھا: "میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے: ایک محبت میں حد سے نکل جانے والا اور دوسرا نفرت میں حد سے نکل جانے والا"۔

پس آپؑ کے اس (محبت و نفرت میں غلو) برأت کا مطلب یہ ہے کہ آپؑ اپنے بارے میں مبالغہ آرائی کرنے والے کی باتوں کو تسلیم نہ کریں۔ اور میری جان کی قسم! اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بارے میں نصاریٰ کی باتوں پر خاموش رہتے تو خدا (ان کے ساتھ) آپؑ کو بھی عذاب میں مبتلا کرتا۔ حالانکہ ہم بھی جانتے ہیں کہ جو کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا گیا تھا وہ سراسر جھوٹ اور بہتان تھا۔

مگر ہمیں نہیں معلوم کہ آپؑ (جعفر صادق علیہ السلام) کے بارے میں ایسی باتیں کہی جاتی ہیں تو آپؑ خاموش رہتے ہیں۔ آپؑ کی خاموشی اور ایسی باتوں پر رضامندی کا اظہار کرنا خدا کی ناراضگی حاصل کرنے کے برابر ہے۔ شام کے احمق اور عراق کے اوباش سمجھتے ہیں کہ آپؑ اس

زمانے کے سب سے بڑے عالم اسرار کو جاننے والے، خدا کی حجت، اس کے ترجمان، اس کے علم کا خزانہ، اس کے انصاف کا میزان اور ایسا چراغ ہیں جس کے ذریعے تاریکیوں کے پردوں کو چاک کر کے نُور کی فضا تک رسائی حاصل کی جاتی ہے اور جو شخص دنیا میں آپؑ کے حق سے جاہل رہتا ہے تو خدا اس کا کوئی عمل قبول کرتا ہے اور نہ ہی قیامت کے روز اس کے اعمال کا کوئی وزن کیا جائے گا۔

ان لوگوں نے خواہ مخواہ آپؑ کو حد سے بڑھا دیا ہے۔ اگر آپؑ خود کو صحیح راہ پر سمجھتے ہیں تو ان پر یہ بات واضح کر دیں کہ حق وہ ہے جو آپؑ کے جد امجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا اور جس کی تصدیق آپؑ کے بابا حضرت علی امیر المومنین علیہ السلام نے کی اور آپؑ ان دونوں بزرگواروں کے آثار کی پیروی اور ان کی راہ پر چلتے رہنے کے پابند ہیں۔

منصور کی تقریر سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا:

اَنَا فَرْعٌ مِنْ فُرُوْعِ الزَّيْتُوْنَةِ وَقِنْدِيْلٌ مِنْ قَنَادِيْلِ بَيْتِ النُّبُوَّةِ وَسَلِيْلُ الرِّسَالَةِ وَاَدِيْبُ السَّفَرَةِ، وَرَبِيْبُ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَمِصْبَاحٌ مِنْ مَصَابِيْحِ الْمِشْكَاةِ الَّتِي فِيْهَا نُوْرُ النُّوْرِ وَصَفْوَةُ الْكَلِمَةِ الْبَاقِيَةِ فِي عَقِبِ الْمُصْطَفِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْحَشْرِ

"میں شجرۂ زیتونہ کی فروع میں سے ایک فرع، خاندانِ نبوت کی قندیلوں میں سے ایک قندیل، نسلِ رسالتؐ، خدا کے رسولوںؑ کے آداب و اخلاقیات کا حامل، شریف اور نیک لوگوں کا پروردہ، پُرنور فانوس کے چراغوں میں سے ایک چراغ اور تاحشر برگزیدہ لوگوں کی نسل میں باقی رہنے والے کلمے کا خلاصہ ہوں"۔

جب منصور نے امام علیہ السلام کی زبانی یہ کلام معجز بیان سنا تو حاضرین محفل کی طرف دیکھ کر کہنے لگا: آپؑ نے تو مجھے اپنے اس بیان سے ایسے ٹھاٹھیں مارتے سمندر میں جا گرایا ہے جس کے ساحل کا کوئی پتہ ہے نہ گہرائی کا کوئی اندازہ۔ اس بحرِ ذخار میں ماہر تیراک بھی ڈوب جاتے ہیں اور بڑے بڑے ماہرین علم حیران و سرگردان رہتے ہیں اور سننے والے پر فضا تنگ ہوجاتی ہے۔

آپؑ خلفاء کے گلوں میں ہڈی کی مانند اٹکے ہوئے، نہ وہ آپؑ کو جان سے مار سکتے ہیں اور نہ ہی آپؑ کو وطن بدر کر سکتے ہیں۔ اگر میرا اور آپؑ کا شجرۂ مبارکہ ایک نہ ہوتا تو آپؑ کا بہت برا حشر کرتا کیونکہ آپؑ ہماری عیب جوئی کرتے ہیں اور ہمارے بارے میں ناروا باتیں کرتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اپنے قریبی رشتہ دار کے بارے میں ان لوگوں کی باتوں کا ذرا اعتبار نہ کیا کرو جن پر خدا نے جنت حرام قرار دی ہے اور جہنم جن کا ٹھکانہ بنایا ہے۔ بے شک جو چغلی کرتا ہے وہ جھوٹا گواہ اور لوگوں کے درمیان فساد پھیلانے میں شیطان کا شریک و مددگار ہوتا ہے۔ جیسا کہ خداوند بزرگ و برتر کا ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ

"اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمھارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تم تحقیق کر لیا کرو، کہیں (ایسا نہ ہو کہ) نادانی میں تم کسی قوم کو نقصان پہنچا دو، پھر تمھیں اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے۔ (سورۂ حجرات: آیت ۶)

(اے منصور!) جب تک تم نیکی اور احسان کا حکم دیتے رہو گے، لوگوں میں قرآن کے احکام کو نافذ کرتے رہو گے اور اطاعتِ پروردگار کے ذریعے شیطان کی ناک رگڑتے رہو گے تو ہم تیرے ناصر و مددگار اور تیری حکومت کے ستون و ارکان بن کر رہیں گے۔ اگرچہ کہ تیری وسعتِ فہم، حُسنِ تحمل اور تعلیمات و آدابِ الٰہی کی معرفت رکھنے کا تقاضا یہ ہے کہ جو تم سے تعلق جوڑے تم اس سے جوڑو، جو تمھیں نہ دے تم اسے دو اور جو تم پر ظلم کرے تم اس سے درگزر کرو۔ کیونکہ عطا و بخشش کرنے والا صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہوتا۔ صلہ رحمی کرنے والا شخص تو وہ ہوتا ہے کہ جس کے ساتھ قطع رحمی کی جائے اور وہ اس کے باوجود صلہ رحمی کا مظاہرہ کرے۔ پس تو صلہ رحمی کر، اس سے تیری عمر میں اضافہ ہوگا اور بروزِ محشر تمھارا حساب ہلکا ہوگا۔

امام علیہ السلام کا نصیحت بھرا بیان سن کر منصور نے کہا: آپؑ کے سچ کہنے کی وجہ سے میں نے آپؑ کا عذر قبول کیا اور آپؑ کے معزز و محترم ہونے کے پیشِ نظر میں نے آپؑ سے درگزر

کیا۔ اب آپؑ مجھے کوئی ایسی حدیث سنائیں جس سے میں نصیحت حاصل کروں اور جو مجھے ہلاکتوں سے صحیح طور پر متنبہ کردے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم پر لازم ہے کہ تم حلم و برداشت سے کام لو کیونکہ یہ علم کو سنبھالنے کا ذریعہ ہے اور جب غلبے کے تمام اسباب فراہم ہوجائیں تو اپنے آپ پر قابو رکھو کیونکہ اگر تم ہر وہ کام کر جاؤ گے جو تمہارے اختیار میں ہوگا تو تو اس شخص کی مانند ہوجائے گا جس نے اپنا غصہ نکال دیا ہو یا کینہ ظاہر کردیا ہو یا وہ اس بات کو پسند کرتا ہو کہ اس کی شجاعت و بہادری کے تذکرے کیے جائیں۔

اگر تو کسی مستحق (یعنی واقعی گناہ گار) کو سزا دے گا تو تو عدل کرے گا اور میرے نزدیک عدل سے بڑھ کر کوئی اچھی صفت نہیں ہے اور جس حالت (یا صفت) پر شکر کرنا واجب ہوجائے وہ اس حالت سے کہیں زیادہ بہتر ہوتی ہے کہ جس پر صبر کرنا واجب ہوتا ہے۔

منصور نے کہا: آپؑ نے بہت ہی اچھی اور مختصر انداز میں نصیحت کی۔ اب ایسا کریں کہ مجھے اپنے جدِ بزرگوار حضرت علی علیہ السلام کی شان میں کوئی ایسی حدیث سنائیں جو عامہ نے روایت نہ کی ہو۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: مجھ سے بیان کیا میرے باباؑ نے اور آپؑ نے نقل کیا میرے جدِ بزرگوار سے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ”جس رات مجھے معراج پر لے جایا گیا اس رات میری نظر کو تیر کی ایک مار کے برابر کھولا گیا۔ اس طرح جس طرح ایک سوار دیکھتا ہے۔ اس رات خدا نے مجھے (حضرت) علیؑ کے بارے میں تین باتوں کی وصیت کرنے کے لیے پکارا: یا محمدؐ!
>
> میں نے کہا: میرے رب! میں حاضر ہوں۔
>
> اس نے فرمایا:
>
> إِنَّ عَلِيًّا إِمَامُ الْمُتَّقِيْنَ ، وَقَائِدُ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ وَيَعْسُوْبُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَالُ يَعْسُوْبُ الظَّلَمَةِ ، وَهُوَ الْكَلِمَةُ الَّتِي

اَلْزَمْتُهَا الْمُتَّقِيْنَ، وَكَانُوا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا، فَبَشِّرْهُ بِذٰلِكَ

"بے شک حضرت علی علیہ السلام اہلِ تقویٰ کے امام، سفید پیشانیوں والوں کے راہنما اور مومنوں کے سردار ہیں جب کہ مال ظالموں کا سردار ہے۔ اور یہی وہ کلمہ ہے جو میں نے متقی لوگوں کے لیے لازم قرار دیا ہے اور وہی اس کے صحیح حق دار اور اہل تھے۔ لہٰذا آپؐ انھیں اس بات کی بشارت دے دیجیے"۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؑ کو اس کی بشارت دی تو آپؑ نے پوچھا: یارسولؐ اللہ! کیا وہاں بھی ذکر ہوتا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: ہاں! کیوں نہیں، آپؑ کا ذکر "رفیع اعلیٰ" (کی بارگاہ) میں ہوتا ہے۔

یہ حدیث سن کر منصور نے کہا:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

"یہ خدا کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے"۔

حسنی سادات کے بارے میں منصور کا موقف

ہم سابقاً "موتمر الابواء" کے عنوان کے تحت ذکر کر چکے ہیں کہ وہاں بنی عباس اور حسنی سادات نے اجتماع کیا تھا اور محمد بن عبداللہ بن حسن بن الحسن المجتبیٰؑ المعروف نفسِ زکیہ کی اس بات پر بیعت کی تھی کہ بنو اُمیہ کے خلاف قیام کی کامیابی کے بعد وہ خلیفہ قرار پائیں گے مگر اس کارروائی کے کچھ ہی عرصہ بعد حالات یکسر تبدیل ہو گئے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان سچ ثابت ہو گیا، جیسا کہ آپؑ نے فرمایا تھا کہ "حکومت بنی عباس کے حصے میں آئے گی نہ کہ آلِ حسنؑ کے حصے میں"۔

جب حکومت بنی عباس کے ہاتھوں میں آئی اور ابو عباس سفاح نے زمامِ اقتدار کو سنبھالا تو عبداللہ بن حسن کے دونوں بیٹے محمد اور ابراہیم عام لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گئے اور ان کے والد نے بھی ان کے رہنے کی جگہ کو لوگوں سے مخفی رکھا۔

بعض کہتے ہیں کہ عبداللہ نے ابو عباس سفاح کے خوف سے اپنے بیٹوں کو چھپا دیا تھا کہ کہیں وہ ان سے غداری کا مظاہرہ نہ کرے۔ جبکہ بعض کا کہنا یہ ہے کہ عبداللہ بن حسن عباسی انقلاب کے بعد کے وقت کو غیر محفوظ سمجھتا تھا اور وہ اس انتظار میں تھا کہ اس کے بیٹوں کے لیے فضا سازگار ہو جائے۔

اور ایک احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بالا وجوہات کے علاوہ اس کی ایک وجہ (محمد کے لیے) غَیبت ثابت کرنا ہو۔ کیونکہ ان کا مقصد اسے مہدی موعود قرار دینا تھا جبکہ احادیث میں اس بات کا ذکر موجود تھا کہ مہدی موعود پہلے غائب ہوں گے اور بعد میں ان کا ظہور ہوگا۔

بہر حال ابو عباس سفاح نے بھر پور کوشش کی کہ اسے اس جگہ کا کوئی سراغ مل جائے جہاں محمد نفسِ زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم چھپے ہوئے ہیں۔ مگر اس کی ساری کوشش رائیگاں گئی

اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اسے اس بات کا خوف تھا کہ کہیں محمد میرے مقابلے میں نہ آجائے اور میرے خلاف قیام نہ کردے۔

سفاح نے تھوڑا عرصہ ہی حکومت کی اور وہ مر گیا۔ پھر اس کا بھائی منصور دوانیقی برسرِ اقتدار آیا اور اپنے سیاسی حریفوں اور حکومت کے دشمنوں کا خاتمہ کرنے لگ گیا اور محمد وابراہیم کے غائب ہونے نے منصور کی زندگی کا سکون چھین رکھا تھا۔ چنانچہ منصور نے بڑی لشکرکشیاں کیں اور بڑا مال خرچ کیا تاکہ وہ محمد وابراہیم کو تلاش کرے یا اس جگہ کا کوئی پتہ لگا لے کہ جہاں وہ دونوں چھپے ہوئے تھے لیکن اس کی ساری کوششیں بے سود اور تمام تر تدبیریں بے کار ثابت ہوئیں۔

اس موضوع کے تحت مؤرخین نے بہت کچھ ذکر کیا ہے لیکن ہم ان تفصیلات کو یہاں بیان کرنے سے گریز کر رہے ہیں کیونکہ ہم نے انھیں اپنے موسوعہ میں ذکر کردیا ہے۔

اکثر وبیشتر منصور، محمد وابراہیم کے والد عبداللہ بن حسن سے بصد اصرار ان کے رہنے کی جگہ کے بارے میں پوچھتا تھا مگر وہ آگے سے لاعلمی کا اظہار کردیتے تھے۔ پھر منصور نے بغداد میں عقبہ بن مسلم ازدی کو بلایا اور اسے بہت سے تحائف اور ہدایا سمیت ایک خط دے کر مدینہ منورہ بھیجا تاکہ وہ عبداللہ بن حسن کے پاس جاکر انھیں یہ تحفے تحائف اور خط پیش کرے اور خود اہلِ خراسان میں سے بتا کر ان کا شیعہ ظاہر کرے اور ان سے پوچھے کہ ان کا بیٹا کب منصور کے خلاف قیام کر رہا ہے؟

منصور کی خاص منصوبہ بندی کے تحت یہ شخص مدینہ آیا اور اس نے عبداللہ بن حسن کے دل کے بہت سے راز ان کی زبان سے اُگلوا لیے۔ اس کے بعد یہ منصور کی طرف واپس چلا گیا اور ساری باتیں اس کے گوش گزار کردیں۔ چنانچہ اُسی سال منصور نے حج کیا اور مدینہ میں اپنے والی ریاح بن عثمان بن حیان المری کو حکم دیا کہ وہ آلِ امام حسنؑ کو گرفتار کرلے۔

اب ہم اس سلسلے میں بعض مؤرخین کے بیانات کو قلمبند کرتے ہیں۔

تاریخ کامل ابنِ اثیر میں آیا ہے: علی بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی کہتے ہیں: ہمیں مقصورہ میں بابِ ریاح کے پاس حاضر کیا گیا تو آذن نے کہا: یہاں جو جو بھی آلِ حسینؑ کے

افراد موجود ہیں وہ باب المقصورہ سے داخل ہوں اور باب مروان سے نکل جائیں۔

پھر کہا: یہاں جو جو آلِ حسنؑ کے افراد موجود ہیں اب وہ داخل ہو جائیں۔ چنانچہ بابِ مقصورہ سے یہ داخل ہوئے اور باب مروان سے جیل کے کارندے داخل ہو گئے۔ پھر اس (ریاح) نے ہتھکڑیاں منگوا کر آلِ حسنؑ کے ان تمام افراد کو اپنی قید میں لے لیا جو اس وقت وہاں موجود تھے اور ان کے نام درج ذیل ہیں:

عبداللہ بن حسن بن حسنؑ بن علیؑ، حسن و ابراہیم بن حسن بن حسین، جعفر بن حسن بن حسن، داؤد بن حسن بن حسن کے دو بیٹے سلیمان اور عبداللہ، ابراہیم بن حسن بن حسن کے بیٹے محمد، اسماعیل اور اسحاق، عباس بن حسنؑ بن حسنؑ بن علیؑ اور موسیٰؑ بن عبداللہ بن حسنؑ بن حسنؑ جب ریاح نے آلِ حسنؑ کے ان افراد کو قید کر لیا تو ان میں علی بن حسن بن حسن بن علی العابد موجود نہ تھے۔ دوسرے دن صبح کا وقت گزرنے کے بعد جب یہ ریاح کے پاس آئے تو ریاح نے انھیں مرحبا کہہ کر ان کی حاجت کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا: میں اس لیے آیا ہوں تاکہ تو مجھے بھی میری قوم کے دوسرے افراد کے ساتھ قید کر دے۔ چنانچہ اس نے انھیں بھی قید کر لیا۔

اس کے بعد منصور نے ریاح کو خط لکھا کہ وہ ان کے ساتھ محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان المعروف دیباج کو بھی قید کر لے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ شخص عبداللہ بن حسن بن حسنؑ کا بھائی تھا۔ کیونکہ ان سب کی ماں حضرت فاطمہ بنت الحسین بن علی تھیں، لہٰذا ریاح نے اسے بھی ان کے ساتھ قید کر دیا۔

پھر منصور نے جدھر جانا تھا ادھر چلا گیا اور جب حج سے واپس آیا تو مدینہ منورہ میں داخل نہ ہوا بلکہ ربذہ کی طرف چلا گیا لہٰذا ریاح بھی منصور کے پیچھے ربذہ چلا گیا تو منصور نے اسے واپس بھیج دیا اور حکم دیا کہ بنی حسن کو ان کے مادری بھائی محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان کے ساتھ میری طرف بھیج دو۔ منصور کا حکم ملنے پر ریاح واپس چلا گیا اور انھیں لے کر دوبارہ ربذہ کی طرف چل پڑا۔ ان کی کڑیاں اور زنجیریں ان کی گردنوں اور ان کے پیروں میں ڈالی گئی تھیں اور انھیں بغیر کجاوے کے اُونٹوں پر بٹھایا گیا تھا۔

جب ریاح انھیں لے کر مدینہ سے نکلا تو امام جعفر صادق علیہ السلام پردے کے پیچھے کھڑے ہو کر گریہ فرمانے لگے۔ آپؑ انھیں دیکھ رہے تھے مگر وہ آپؑ کو نہ دیکھ رہے تھے۔ آپؑ کی آنکھوں سے آنسو آپؑ کی ریشِ مبارک پر گر رہے تھے اور آپؑ اس حالت میں (ان کے حق میں) دُعا فرما رہے تھے۔ پھر آپؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! ان لوگوں کے بعد خدا اپنے دونوں حرموں کو محفوظ نہ رکھے گا۔

جب یہ لوگ چلے تو محمد و ابراہیم بدوؤں کی صورت میں اپنے باپ کے پاس آئے اور اُنھوں نے خروج کی اجازت طلب کی تو اُس نے کہا: نہیں، جلد بازی سے کام نہ لو بلکہ مناسب وقت اور حالات کے سازگار ہو جانے کا انتظار کرو اور کہا: اگر منصور دوانیقی تمھیں عزت کی زندگی گزارنے سے روک بھی لے تو وہ تمھیں عزت کی موت مرنے سے تو نہیں روک سکتا۔

جب وہ ربذہ پہنچے تو محمد بن عبداللہ عثمانی کو منصور کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے ایک قمیص اور باریک سی چادر پہنی ہوئی تھی۔ جب وہ منصور کے سامنے کھڑا ہوا تو منصور نے اسے دیکھ کر کہا: او بے غیرت! کمینے! محمد نے کہا: سبحان اللہ! میرا تو ہر چھوٹا اور بڑا عمل تمھاری آنکھوں کے سامنے ہے، پھر تم کس وجہ سے مجھے ایسے گندے القابات سے پکار رہے ہو؟

منصور نے کہا: بتا، تیری بیٹی رقیہ کو کس سے حمل ٹھہرا ہے (وہ ابراہیم بن عبداللہ بن حسن کی بیوی تھی)۔ تُو نے مجھ سے وعدہ کیا ہوا ہے کہ تُو مجھے دھوکہ نہ دے گا اور میرے دشمنوں کی مدد نہ کرے گا اور اب تُو دیکھ رہا ہے کہ تیری بیٹی حاملہ ہے اور اس کا شوہر غائب ہے تو اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں کہ یا تو تُو خود گناہ گار ہے یا تو اتنا بے غیرت ہو گیا ہے کہ اپنے گھر کی عورتوں کو اجنبی مردوں کی خدمت میں پیش کرتا ہے جیسا کہ اس کا نمونہ تیری بیٹی کی صورت میں ہم سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اور خدا کی قسم! مَیں سنگسار کروں گا۔

محمد نے کہا: جہاں تک میرے وعدے کی بات ہے تو اگر تجھے اس میں کسی قسم کی وعدہ خلافی کا علم ہے تو مَیں اس کی سزا کے لیے تیار ہوں اور یہ جو تہمت تو نے اس لڑکی پر لگائی ہے تو جان لے کہ خدا نے اسے ولادتِ رسولؐ کے ساتھ عزت دی ہے (یعنی وہ اولادِ رسولؐ کے گھر میں آئی ہے)۔ لیکن میرا گمان یہ ہے کہ اس کے شوہر نے کسی ایسے وقت اس کے ساتھ

مقاربت کی ہے کہ جو ہمارے علم میں نہیں ہے۔

اُس کی باتیں سن کر منصور آگ بگولا ہو گیا اور اس نے حکم دیا کہ اس کے کپڑے پھاڑ دیئے جائیں اور اسے برہنہ کر دیا جائے۔ پھر اس نے حکم دیا کہ اسے ۱۵۰ کوڑے لگائے جائیں۔ جب اسے کوڑے لگائے گئے تو ایک کوڑا اس کے منہ پر لگا۔

اس نے چلا کر کہا: خدا تجھ پر لعنت کرے، تو میرے چہرے کو تو معاف کر، اللہ کے رسولؐ کی خاطر تو اس کا کچھ لحاظ رکھ۔

اس پر منصور کے غضب کی آگ مزید بھڑکی اور اس نے غصے میں آ کر جلاد سے کہا: اسے کوڑے لگا۔ جلاد نے اسے تقریباً تیس کوڑے سر پر لگائے۔ ان میں سے ایک کوڑا اس کی آنکھ پر لگا تو وہ بہنے لگی۔ پھر اسے زخموں سے چور چور کر کے باہر نکال دیا گیا۔ وہ سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت تھا۔ اس کے حُسن و جمال کی وجہ سے اسے دیباج کہا جاتا تھا۔

جب وہ باہر آیا تو اس کا غلام دوڑ کر اس کی طرف گیا اور اس سے کہنے لگا: کیا میں آپ پر اپنی چادر نہ ڈال دوں؟

اس نے کہا: کیوں نہیں! خدا تجھے جزائے خیر دے، باخدا مجھے مار سے زیادہ اپنی بے توقیری اور برہنہ کیے جانے کا دُکھ ہے۔

اس کے پکڑے جانے کا ایک سبب یہ تھا کہ ریاح نے منصور سے کہا تھا: اے امیر المومنین! اہلِ خراسان آپ کے شیعہ ہیں۔ اہلِ عراق آلِ ابی طالب کے شیعہ ہیں اور جہاں تک مسئلہ اہلِ شام کا ہے تو باخدا وہ حضرت علی علیہ السلام کو (معاذ اللہ) کافر سمجھتے ہیں لیکن اگر محمد بن عبداللہ عثمانی اہلِ شام کو اپنی طرف بلائے تو اُن میں سے کوئی بھی اُس کی بات کو نہیں ٹھکرائے گا۔ یہ بات منصور کے دماغ میں بیٹھ گئی۔ چنانچہ اس نے اُسے آلِ حسنؑ کے ہمراہ گرفتار کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ حالانکہ اس سے پہلے منصور کی اُس کے بارے میں بڑی اچھی رائے تھی۔

پھر ابوعون نے منصور کی جانب یہ خط لکھا: اہلِ خراسان نے میرے ساتھ بڑا دھوکہ کیا ہے اور محمد بن عبداللہ کا معاملہ کافی طول پکڑ گیا ہے۔ یہ خط ملنے پر منصور نے محمد بن عبداللہ بن

عمرو عثمانی کے بارے میں حکم صادر کیا تو اُسے قتل کر کے اُس کا سر خراسان بھیج دیا گیا اور اُس کے سر کے ساتھ ایک ایسے شخص کو بھیجا گیا جس نے حلف اُٹھا کر بتایا کہ یہ محمد بن عبداللہ کا سر ہے جس کی ماں فاطمہ بنتِ رسول اللہؐ ہیں۔ جب آپ کو قتل کر دیا گیا تو آپ کے بھائی عبداللہ بن حسن نے یہ کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔

- ہم ان کی سلطنت و بادشاہی کے زمانے میں امن سے تھے۔ پھر انھوں نے ہماری ہی بادشاہت کے زمانے میں ہمیں قتل کر دیا۔

پھر منصور انھیں ربذہ سے لے کر چل پڑا۔ وہ خود زرد رنگ کے خچر پر سوار تھا۔ عبداللہ بن حسن نے اسے دیکھ کر کہا: اے ابوجعفر (منصور) روزِ بدا ہم نے تو تمھارے قیدیوں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا تھا۔ ابوجعفر نے اپنا سر نیچے کر لیا اور بے توجہی کے ساتھ گزر گیا۔

جب عبداللہ اور اس کے ساتھی کوفہ پہنچے تو عبداللہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: کیا اس علاقے میں کوئی ایسا ہے جو ہمیں اس سرکش سے بچا سکے؟ اس کے دو بھتیجے تلواریں اُٹھا کر سامنے آگئے اور کہنے لگے: اے فرزندِ رسولؐ! ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہیں، آپ حکم فرمائیں۔

عبداللہ نے ان سے کہا: شاباش! میرے بیٹو! تم دونوں نے اپنا فرض ادا کر دیا مگر اس کے مقابلے میں تم دونوں ناکافی ہو، لہٰذا واپس پلٹ جاؤ۔

پھر منصور نے کوفہ کے مشرقی حصہ میں ابنِ ہبیرہ کے قصر میں انھیں بلایا اور وہاں محمد بن ابراہیم بن حسن کو طلب کیا۔ محمد بن ابراہیم بڑا خوبصورت تھا۔ منصور نے اسے دیکھ کر کہا: کیا تم دیباج اصغر ہو؟

اس نے کہا: جی ہاں۔

منصور نے کہا: میں تمھیں ایسے عبرتناک طریقے سے قتل کروں گا جیسے میں نے پہلے کبھی کسی کو نہ کیا ہوگا۔ پھر اس نے حکم دیا تو اسی جگہ محمد بن ابراہیم پر ایک ستون نما عمارت بنا دی گئی جس میں اس کا دَم گھٹا اور وہ مر گیا۔

آلِ حسنؑ میں سے سب سے پہلے ابراہیم بن حسن اور ان کے بعد عبداللہ بن حسن کو قتل کر دیا گیا اور جہاں اسے مارا گیا تھا اسی جگہ کے آس پاس ہی کہیں اسے دفن کیا گیا۔ اس کی قبر

یا تو وہی ہے جو لوگ سمجھتے ہیں اور اس کے قریب کہیں واقع ہے اور ان کے بعد علی بن حسن کی وفات ہوئی۔

ان کی وفات کے واقع ہونے کے بارے میں تین طرح کے اقوال ملتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں: ایک قول یہ ہے کہ منصور نے حکم دیا تو ان کو قتل کر دیا گیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ منصور کے حکم پر انھیں زہر پلا دیا گیا اور تیسرا قول یہ ہے کہ منصور نے عبداللہ سے کہا کہ جو بھی تیرے بیٹے کے خروج کا بتائے اسے قتل کر دیا جائے گا۔ یہ سن کر اسے دل کا دورہ پڑا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ واللہ اعلم!

ان لوگوں میں سے صرف داؤد بن حسن بن حسن بن علیؑ کے دو بیٹے سلیمان اور عبداللہ، ابراہیم بن حسن بن حسن کے دو بیٹے اسحاق اور اسماعیل اور جعفر بن حسن ہی زندہ باقی رہے۔ (الکامل فی التاریخ، جلد ۵، ص ۵۲۱)

امام صادق علیہ السلام کا آلِ حسنؑ کے مصائب پر گریہ کرنا

حسین بن زید کا کہنا ہے: میں قبر و منبر (رسولؐ) کے درمیان کھڑا تھا کہ میں نے دیکھا کہ بنی حسنؑ کو ابوالازہر کی ہمراہی میں مروان کے گھر سے باہر نکالا جا رہا تھا۔ وہ انھیں ربذہ کی طرف لے جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس کے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا: بتاؤ کیا دیکھا ہے؟

میں نے کہا: میں نے بنی حسنؑ کو دیکھا ہے، انھیں محملوں پر بٹھا کر کہیں لے جانے کی بات ہو رہی تھی۔

یہ خبر سن کر امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔

امام علیہ السلام کے کہنے پر میں بیٹھ گیا۔ پھر امام علیہ السلام نے اپنے ایک غلام کو بلایا۔ پھر کافی دعا و ذکر الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ پھر اپنے غلام سے فرمایا: جاؤ، دیکھو جب انھیں محملوں پر بٹھا دیا جائے تو مجھے آگاہ کرنا۔

یہ حکم سن کر آپؑ کا غلام چلا گیا اور کچھ دیر کے بعد اس نے آ کر بتایا کہ اب وہ مکمل طور

پر جانے کے لیے تیار ہیں۔

غلام کے اطلاع دینے پر امام علیہ السلام سفید بالوں سے بنے ہوئے ایک پردے کے پیچھے کھڑے ہو کر اس منظر کو دیکھنے لگ گئے۔ آپؑ نے دیکھا کہ عبداللہ بن حسن اور ابراہیم بن حسن اپنے تمام اہل و عیال سمیت اس سفر کے لیے تیار ہو کر سامنے آ گئے۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ایک دشمن (کا سپاہی) تھا۔

یہ منظر دیکھ کر امام عالی مقام علیہ السلام نے اس قدر گریہ فرمایا کہ آپؑ کی ریشِ مبارک بھیگ گئی۔ پھر آپؑ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا: اے ابو عبداللہ! خدا کی قسم! اس کے بعد خدا کی کسی بھی حرمت کا پاس و لحاظ نہیں رکھا جائے گا۔ خدا کی قسم! عقبہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی گئی بیعت کا لحاظ نہ انصار نے رکھا اور نہ ہی ان کی آل اولاد نے۔

پھر امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: مجھ سے بیان کیا میرے باباؑ نے، آپؑ نے نقل کیا اپنے باباؑ سے، آپؑ نے اپنے دادا سے، اور آپؑ نے حضرت علی بن ابی طالب علیہما السلام سے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؑ سے فرمایا تھا کہ عقبہ میں ان سے بیعت لو۔

آپؑ نے پوچھا: میں ان سے کس طرح بیعت لوں؟

آپؐ نے فرمایا: آپؑ ان سے اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے بیعت لیں۔

اس خبر کا ایک راوی ابنِ جعد کہتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: آپ ان سے اس بات پر بیعت لیں کہ وہ خدا کی اطاعت کریں گے اور اس کی نافرمانی کبھی نہیں کریں گے۔

اس خبر کے دوسرے راویوں کے بیان کے مطابق آپؐ نے فرمایا تھا: آپؑ ان سے اس بات پر بیعت لیں وہ جن جن چیزوں سے خود کو اور اپنی آل کو بچائیں گے ان ان چیزوں سے رسول اللہ اور آپؑ کی آل کو بھی بچائیں گے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! انھوں نے اس بیعت کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا اور نہ ہی ان سے کسی نے ظالم کے ہاتھ کو ظلم کرنے سے روکا۔ خدایا! انصار کو ان کی اس کوتاہی کی سزا تو خود ہی دے سکتا ہے۔ (مقاتل الطالبین: ص ۱۴۸)

امام صادق علیہ السلام کا حضرت عبداللہ بن الحسنؒ کے نام ایک خط

عطیہ بن نجیح بن مطہر رازی اور اسحاق بن عمار صیرفی دونوں سے مروی ہے کہ جب عبداللہ بن حسن اور ان کے گھر والوں کو (ربذہ کی طرف) لے جایا گیا تو آپؑ نے انھیں اپنے خط میں اس طرح تعزیت پیش کی:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ، اِلَى الْخَلَفِ الصَّالِحِ وَالذُّرِّيَّةِ الطَّيِّبَةِ مِنْ وُلْدِ اَخِيْهِ وَابْنِ عَمِّهِ:

اَمَّا بَعْدُ! فَلَئِنْ كُنْتَ [قَدْ] تَفَرَّدْتَ اَنْتَ وَاَهْلُ بَيْتِكَ مِمَّنْ حُمِلَ مَعَكَ ، بِمَا اَصَابَكُمْ ، مَا انْفَرَدْتَ ، بِالْحُزْنِ وَالْغَيْظِ وَالْكَآبَةِ ، وَاَلِيْمِ وَجَعِ الْقَلْبِ ، دُوْنِيْ ،

وَلَقَدْ نَالَنِيْ مِنْ ذٰلِكَ ، مِنَ الْجَزَعِ وَالْقَلَقِ وَحَرِّ الْمُصِيْبَةِ ، مِثْلُ مَا نَالَكَ ، وَلٰكِنْ رَجَعْتُ اِلٰى مَا اَمَرَ اللهُ (جَلَّ جَلَالُهٗ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ مِنَ الصَّبْرِ وَحُسْنِ الْعَزَاءِ حِيْنَ يَقُوْلُ ، لِنَبِيِّهٖ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ الطَّيِّبِيْنَ): وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا ،

وَحِيْنَ يَقُوْلُ: فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ،

وَحِيْنَ يَقُوْلُ لنبيه (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ) حين مُثِّلَ بِحَمْزَةَ: وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ، فَصَبَرَ رَسُوْلُ اللهِ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ) وَلَمْ يُعَاقِبْ ،

وَحِيْنَ يَقُوْلُ: وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ،

وَحِيْنَ يَقُوْلُ: الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ○

وَحِيْنَ يَقُوْلُ: اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ،

وَحِيْنَ يَقُوْلُ لقمان لابنه: وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ،

وَحِيْنَ يَقُوْلُ عن موسٰى: قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۝

وَحِيْنَ يَقُوْلُ: الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ،

وَحِيْنَ يَقُوْلُ: ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ،

وَحِيْنَ يَقُوْلُ: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ،

وَحِيْنَ يَقُوْلُ: وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ،

وَحِيْنَ يَقُوْلُ: وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ،

وَحِيْنَ يَقُوْلُ: وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ،

وَاَمْثَالِ ذٰلِكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ كَثِيْرٌ،

وَاعْلَمْ. اَىْ عَمِّ وَابْنَ عَمِّ، اِنَّ اللّٰهَ (جَلَّ جَلَالُهٗ) لَمْ يُبَالِ بِضُرِّ الدُّنْيَا لِوَلِيِّهٖ سَاعَةً قَطُّ وَلَا شَيْءَ أَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الضُّرِّ وَالْجُهْدِ وَالْاَذٰى مَعَ الصَّبْرِ،

وَاَنَّهٗ (تَبَارَكَ وَتَعَالٰى) لَمْ يُبَالِ بِنِعَمِ الدُّنْيَا لِعَدُوِّهٖ سَاعَةً قَطُّ. وَلَوْلَا ذٰلِكَ مَا كَانَ أَعْدَاؤُهٗ يَقْتُلُوْنَ اَوْلِيَآءَهٗ وَيُخَوِّفُوْنَهُمْ

، وَيَمْنَعُوْنَهُمْ ، وَأَعْدَاؤُهُ آمِنُوْنَ، مُطْمَئِنُّوْنَ، عَالُوْنَ ظَاهِرُوْنَ،
وَلَوْلَا ذٰلِكَ مَا قُتِلَ زَكَرِيَّا، وَاحْتَجَبَ يَحْيٰى ظُلْمًا وَعُدْوَانًا، فِي
بَغِيٍّ مِنَ الْبَغَايَا،
وَلَوْلَا ذٰلِكَ مَا قُتِلَ جَدُّكَ: عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ عليه السلام لَمَّا قَامَ بِأَمْرِ
اللهِ (جَلَّ وَعَزَّ) ظُلْمًا ، وَعَمُّكَ الْحُسَيْنُ بْنُ فَاطِمَةَ عليهما السلام
اِضْطِهَادًا وَعُدْوَانًا،
وَلَوْلَا ذٰلِكَ مَا قَالَ اللهُ (عَزَّ وَجَلَّ) فِي كِتَابِهِ: وَلَوْلَا أَنْ يَّكُوْنَ
النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا
مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ۝
وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَمَا قَالَ: فِي كِتَابِهِ: أَيَحْسَبُوْنَ أَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ
مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝
وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَمَا جَاءَ فِي الْحَدِيْثِ: لَوْلَا أَنْ يَحْزَنَ الْمُؤْمِنُ لَجَعَلْتُ
لِلْكَافِرِ عِصَابَةً مِنْ حَدِيْدٍ لَا يَصْدَعُ رَأْسَهُ أَبَدًا،
وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَمَا جَاءَ فِي الْحَدِيْثِ : إِنَّ الدُّنْيَا لَا تُسَاوِي عِنْدَ
اللهِ (جَلَّ وَعَزَّ) جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ،
وَلَوْلَا ذٰلِكَ مَا سَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شُرْبَةً مِنْ مَاءٍ،
وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَمَا جَاءَ فِي الْحَدِيْثِ: لَوْ أَنَّ مُؤْمِنًا عَلٰى قُلَّةِ جَبَلٍ
لَابْتَعَثَ اللهُ لَهُ كَافِرًا أَوْ مُنَافِقًا يُؤْذِيْهِ،
وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَمَا جَاءَ فِي الْحَدِيْثِ : إِنَّهُ إِذَا أَحَبَّ اللهُ قَوْمًا أَوْ
أَحَبَّ عَبْدًا صَبَّ عَلَيْهِ الْبَلَاءَ صَبًّا، فَلَا يَخْرُجُ مِنْ غَمٍّ إِلَّا وَقَعَ
فِي غَمٍّ،
وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَمَا جَاءَ فِي الْحَدِيْثِ: مَا مِنْ جُرْعَتَيْنِ أَحَبَّ إِلَى اللهِ
(عَزَّ وَجَلَّ) أَنْ يَجْرَعَهُمَا عَبْدُهُ الْمُؤْمِنُ فِي الدُّنْيَا ، مِنْ جُرْعَةِ

غَيْظٍ كَظَمَ عَلَيْهَا، وَجُرْعَةِ حُزْنٍ عِنْدَ مُصِيبَةٍ صَبَرَ عَلَيْهَا بِحُسْنِ عَزَاءٍ وَاحْتِسَابٍ،

وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَمَا كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ) يَدْعُوْنَ عَلٰى مَنْ ظَلَمَهُمْ بِطُوْلِ الْعُمُرِ، وَصِحَّةِ الْبَدَنِ، وَكَثْرَةِ الْمَالِ وَالْوَلَدِ،

وَلَوْلَا ذٰلِكَ مَا بَلَغَنَا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ) كَانَ اِذَا خَصَّ رَجُلًا بِالتَّرَحُّمِ عَلَيْهِ، وَالْاِسْتِغْفَارِ، اُسْتُشْهِدَ،

فَعَلَيْكُمْ يَا عَمِّ، وَابْنَ عَمِّ، وَبَنِي عُمُوْمَتِي وَاِخْوَتِي، بِالصَّبْرِ وَالرِّضَا وَالتَّسْلِيْمِ، وَالتَّفْوِيْضِ اِلَى اللهِ (جَلَّ وَعَزَّ) وَالرِّضَا وَالصَّبْرِ عَلٰى قَضَائِهٖ، وَالتَّمَسُّكِ بِطَاعَتِهٖ، وَالنُّزُوْلِ عِنْدَ اَمْرِهٖ،

اَفْرَغَ اللهُ عَلَيْنَا وَعَلَيْكُمْ بِالصَّبْرِ، وَخَتَمَ لَنَا وَلَكُمْ بِالْاَجْرِ وَالسَّعَادَةِ، وَاَنْقَذَكُمْ، وَاِيَّانَا مِنْ كُلِّ هَلَكَةٍ، بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ، اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ، وَصَلَّى اللهُ عَلٰى صَفْوَتِهٖ مِنْ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ (اقبال الاعمال: ص ۵۶۸، بحار الانوار: ج ۴۷، ص ۲۹۸)

آلِ حسنؑ کے خلف صالح اور ذُریت طیبہ کے نام!

"بعد ازاں عرض یہ ہے کہ اگرچہ وہاں (ربذہ) لے جائے جانے کی مصیبت میں آپ اور آپؑ کے گھر والے تنہا ہیں اور میری نسبت آپ لوگوں کو اس سے زیادہ دُکھ اور دلی صدمہ پہنچا ہے۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس سے جس قدر دُکھ و پریشانی آپ کو ہوئی ہے ویسی ہی مجھے بھی ہوئی ہے۔ تاہم میں اس معاملے میں صبر اور حسن عزا کی طرف رجوع کرتا ہوں جس کا خداوند عالم نے متقی لوگوں کو حکم دیا ہے۔

جیسا کہ وہ اپنے نبی ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا (سورۂ طور: آیت ۴۸)

"اور آپؐ اپنے رب کے حکم تک صبر کریں، یقیناً آپؐ ہماری نگاہوں میں ہیں"۔

ایک اور مقام پر وہ ارشاد فرماتا ہے:

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ

"پس اپنے رب کے حکم تک صبر کریں اور مچھلی والے (حضرت یونسؑ) کی طرح نہ ہو جائیں"۔ (سورۂ قلم: آیت ۴۸)

جب حضرت حمزہ علیہ السلام کے اعضاء کاٹے گئے تو درج ذیل آیت نازل ہوئی اور آپؐ نے صبر و برداشت کا مظاہرہ کیا اور اس کا بدلہ نہ لیا۔

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ (سورۂ نحل: آیت ۱۲۶)

"اور اگر تم بدلہ لینا چاہو تو اسی قدر بدلہ لو جس قدر تمھارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ اور اگر تم نے صبر کیا تو یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے"۔

ایک جگہ وہ فرماتا ہے:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَوٰةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى (سورۂ طٰہٰ: آیت ۱۳۲)

"اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور خود بھی اس پر ثابت قدم رہیں، ہم آپؐ سے کوئی رزق نہیں مانگتے بلکہ ہم آپ کو رزق دیتے ہیں اور انجام (اہل) تقویٰ کے لیے ہے"۔

ایک مقام پر ارشادِ قدرت ہوتا ہے:

الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ○ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ○ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۵۶-۱۵۷)

"جو مصیبت میں مبتلا ہونے کی صورت میں کہتے ہیں: ہم تو اللہ ہی کے

ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے درود ہیں اور رحمت بھی، اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں"۔

ایک جگہ وارد ہوا ہے:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (سورۂ زمر: آیت ۱۰)

"یقیناً بے شمار ثواب تو صرف صبر کرنے والوں ہی کو ملے گا"۔

حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا:

وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ

"اور جو مصیبت تجھے پیش آئے اس پر صبر کرو، یہ اُمور یقیناً ہمت طلب ہیں"۔ (سورۂ لقمان: آیت ۱۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ○

"موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ سے مدد طلب کرو اور صبر کرو، بے شک یہ سرزمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے"۔

ایک مقام پر آیا ہے:

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (سورۂ عصر: آیت ۳)

"وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کی"۔

ایک جگہ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ

''پھر یہ شخص ان لوگوں میں شامل نہ ہوا جو ایمان لائے اور جنھوں نے ایک دوسرے کو صبر کرنے کی نصیحت کی اور شفقت کرنے کی تلقین کی''۔ (سورۂ بلد: آیت ۱۷)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۵۵)

''اور ہم تمھیں کچھ خوف، بھوک اور جان و مال اور ثمرات (کے نقصانات) سے ضرور آزمائیں گے اور آپ صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے''۔

ایک مقام پر وارد ہوا ہے:

وَكَأَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ

''اور کتنے ہی ایسے نبیؑ گزرے ہیں جن کی ہمراہی میں بہت سے اللہ والوں نے جنگ لڑی لیکن اللہ کی راہ میں آنے والی مصیبتوں کی وجہ سے نہ وہ بددل ہوئے، نہ انھوں نے کمزوری دکھائی اور نہ وہ خوار ہوئے اور اللہ تو صابروں کو دوست رکھتا ہے''۔ (سورۂ آلِ عمران: آیت ۱۴۶)

ایک اور جگہ ارشادِ خداوندی ہوتا ہے:

وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ (سورۂ احزاب: آیت ۳۵)

''اور صابر مرد اور صابر عورتیں''۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ (سورۂ یونس: آیت ۱۰۹)

''اور صبر کرتے رہیں یہاں تک کہ خدا کوئی فیصلہ کردے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے''۔

اے میرے چچا اور چچازاد! جان لیجیے کہ خداوند بزرگ و برتر نے اپنے

حبیبؑ کے دنیاوی نقصان کی کبھی پرواہ نہیں کی اور نہ ہی اسے صبر کے ساتھ خسارے، محنت اور اذیت سے زیادہ کوئی چیز پسند ہے۔

اور یقیناً اس ذات بزرگ و برتر نے کبھی آپؑ کے دشمنوں کے پاس دنیاوی نعمتوں اور آسائشوں کی (بہتات کی) پرواہ نہیں کی۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کے دشمن، اس کے اولیاء کو قتل نہ کرتے، انھیں خوف زدہ نہ کرتے اور ان کے حقوق کی ادائیگی سے نہ روکتے اور اس کے دشمن ایمان والے، صاحبانِ ایمان اور سربلند و غالب رہتے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت زکریا علیہ السلام قتل نہ کیے جاتے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام زنازادوں میں سے ایک کے ظلم وستم کا نشانہ نہ بنتے۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو جب آپؑ کے جد بزرگوار حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے اَمرِ الٰہی کا نفاذ کیا تھا تو ظلم کے ساتھ شہید نہ کیے جاتے اور آپؑ کے چچا حضرت امام حسین علیہ السلام کو بھی ظلم و بربریت کا نشانہ نہ بنایا جاتا۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو خداوند متعال اپنی کتاب میں یہ نہ فرماتا:

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فَضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ○

"اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ (کافر) لوگ سب ایک ہی جماعت (میں مجتمع) ہو جائیں گے تو ہم خدائے رحمٰن کے منکروں کی چھتوں اور سیڑھیوں کو جن پر وہ چڑھتے ہیں چاندی کا بناتے"۔ (سورۂ زخرف: آیت ۳۳)

اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اپنی کتاب میں یہ نہ فرماتا:

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ○ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ○ (سورۂ مومنون: آیت ۵۵-۵۶)

"کیا ان کا خیال یہ ہے کہ ہم جو کچھ مال اور اولاد دے رہے ہیں یہ ان کی نیکیوں میں عجلت کی جارہی ہے۔ نہیں ہرگز نہیں، انھیں تو حقیقت کا شعور

بھی نہیں ہے"۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو حدیث میں یہ الفاظ وارد نہ ہوتے:

لَوْلَا اَنْ یَحْزَنَ الْمُؤْمِنُ لَجَعَلْتُ لِلْكَافِرِ عِصَابَةً مِنْ حَدِیْدٍ لَا یَصْدَعُ رَأْسَهٗ اَبَدًا

"اگر مجھے مومن کے بہت زیادہ غمگین ہو جانے کا لحاظ نہ ہوتا تو میں کافر کے لیے لوہے کی پگڑی بنا دیتا اور اسے کبھی سر درد (تک) محسوس نہ ہوتا۔ (یعنی میں اس کے حصے کی تمام تر نعمتیں اسے اس دنیا میں ہی دے دیتا تا کہ آخرت میں اس کا کوئی حصہ باقی نہ رہے)"۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو حدیث میں یہ نہ آتا:

اِنَّ الدُّنْیَا لَا تُسَاوِیْ عِنْدَ اللّٰهِ (جَلَّ وَعَزَّ) جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ.

"خدا کے نزدیک دنیا ایک مچھر کے پر کی بھی برابری نہیں کر سکتی"۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو کافر کو (پوری) دنیا سے پانی کا ایک گھونٹ پینا بھی نصیب نہ ہوتا۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو حدیث میں یہ نہ آتا:

لَوْلَا ذٰلِكَ لَمَا جَاءَ فِی الْحَدِیْثِ: لَوْ اَنَّ مُؤْمِنًا عَلٰى قُلَّةِ جَبَلٍ لَاَبْتَعَثَ اللّٰهُ لَهٗ كَافِرًا اَوْ مُنَافِقًا یُؤْذِیْهِ.

"اگر کوئی مومن کسی پہاڑ کی چوٹی پر بھی ہوتا تب بھی خدا اس کی طرف کسی کافر یا منافق کو بھیجتا جو اسے اذیت دیتا"۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو حدیث میں یہ وارد نہ ہوتا:

اِنَّهٗ اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ قَوْمًا اَوْ اَحَبَّ عَبْدًا صَبَّ عَلَیْهِ الْبَلَاءَ صَبًّا، فَلَا یَخْرُجُ مِنْ غَمٍّ اِلَّا وَقَعَ فِیْ غَمٍّ.

"بے شک خدا جب کسی قوم یا بندے سے محبت کرتا ہے تو اس پر مصائب کی بارش برساتا ہے۔ پس وہ جیسے ہی ایک غم سے نجات پاتا ہے دوسرے

میں جتلا ہو جاتا ہے"۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو حدیث میں یہ الفاظ وارد نہ ہوتے:

مَا مِنْ جُرْعَتَيْنِ اَحَبَّ اِلَى اللهِ (عَزَّوَجَلَّ) اَنْ يَجْرَعَهُمَا عَبْدُهُ الْمُؤْمِنُ فِي الدُّنْيَا، مِنْ جُرْعَةِ غَيْظٍ كَظَمَ عَلَيْهَا، وَجُرْعَةِ حُزْنٍ عِنْدَ مُصِيْبَةٍ صَبَرَ عَلَيْهَا بِحُسْنِ عَزَاءٍ وَاحْتِسَابٍ.

"خداوند عالم کی نگاہ میں دو گھونٹ بڑے ہی پسندیدہ ہیں: ایک وہ غصے کا گھونٹ ہے جسے مومن حالتِ غضب میں پیتا ہے اور ایک وہ دُکھ کا گھونٹ ہے، جو مومن مصیبت کے وقت بھرتا ہے اور اس کا سامنا حُسنِ عزا (بلاشکوہ اظہارِ غم) اور احتساب کے ساتھ کرتا ہے۔ (یعنی اس کے اسباب میں غور وفکر کرتا کہ یہ غم کہیں اسے اس کے اپنے اعمال کی وجہ سے ہی تو لاحق نہیں ہوا ہے)"۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو اصحابِ رسولؐ اپنے اُوپر ظلم کرنے والوں کی طول عمر، صحتِ بدن اور کثرتِ مال و اولاد کی دُعا نہ کرتے۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم تک یہ بات نہ پہنچتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس شخص پر بھی رحم ظاہر کرتے اور اس کے لیے استغفار کرتے تو اسے شہید کر دیا جاتا۔

لہٰذا اے میرے چچا، چچازاد اور میری پھوپھی اور بہن کے بیٹو! تم پر لازم ہے کہ تم صبر سے کام لو، خدا کے فیصلے پر راضی رہو، اس کے امر کو تسلیم کرو، اپنا معاملہ اسی ذات بزرگ و برتر کے حوالے کردو۔ اس کی قضا پر صبر و رضا کا مظاہرہ کرو، اس کی اطاعت کے ساتھ تمسک رکھو اور اس کے حکم کے آگے سرنگوں ہو جاؤ۔

خدا سے دُعا ہے کہ وہ ہم پر اور تم پر صبر کے دہانے کھول دے، ہمارا اور تمہارا خاتمہ اجر و سعادت کے ساتھ کرے اور اپنی قوت و طاقت کے ساتھ

ہمیں اور تمہیں ہر قسم کی ہلاکت سے بچائے رکھے اور اپنی قوت و طاقت کے ساتھ ہمیں اور تمہیں ہر قسم کی ہلاکت سے بچائے رکھے۔ بے شک وہ سننے والا ہے اور (ہر دُعا کرنے والے کے) قریب ہے۔ اور خدا کا درود ہو اس کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے اہل بیت علیہم السلام پر کہ جو ساری مخلوق میں سے اس کے برگزیدہ اور منتخب بندے ہیں"۔

نفسِ زکیہ کا قیام

نفسِ زکیہ سے مراد حضرت محمد بن عبداللہ بن حسن بن امام حسن السبط الزکی ہیں۔ آپؑ نے ۲۸ جمادی الثانی ۱۴۵ ہجری میں مدینہ منورہ میں منصور دوانیقی کے خلاف قیام کیا تھا۔ آپؑ نے بڑی سہولت و آسانی کے ساتھ مدینہ کی حکومت حاصل کی۔ پھر مسجد نبویؐ میں گئے اور منبر پر بیٹھ کر اپنی حکومت کا پہلا خطبہ دیا اور لوگوں کو اپنی خلافت کی بیعت کی طرف بلایا۔

جب اہلِ مدینہ نے آپؑ کی بیعت کے متعلق امام مالک بن انس سے دریافت کرتے ہوئے کہا: ہم کیا کریں؟ ہماری گردنوں میں تو ابوجعفر منصور کی بیعت ہے۔

امام صاحب نے کہا: تم نے اس کی بیعت محض مجبوری کے تحت کی ہے اور جو مجبور کیا جائے اس پر کوئی قسم نہیں ہوتی۔

امام صاحب کی یہ بات سن کر لوگ بڑی جلدی و سُرعت کے ساتھ حضرت محمدؑ کی بیعت کرنے لگے اور اسے "یاامیرالمومنین" کہہ کر مخاطب کرنے لگے۔ لوگوں میں سے بہت کم ہی ایسے تھے جنھوں نے آپؑ کی بیعت کی خلاف ورزی کی اور ان میں سے ایک وہی امام مالک تھا جس نے آپؑ کی بیعت کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا تھا؟!

جب یہ خبر منصور دوانیقی کو موصول ہوئی تو اسے خوف و اضطراب نے گھیر لیا اور اس نے مختلف شخصیات کے ساتھ رابطے شروع کر دیے تاکہ کسی نہ کسی طریقے سے نفسِ زکیہ کے اس قیام کی راہ میں رکاوٹیں حائل کر سکے۔ بالآخر دوانیقی نے عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کی زیرِ قیادت ایک لشکر مدینہ منورہ روانہ کر دیا اور اسے محمد بن عبداللہ بن حسن سے جنگ کرنے کی تمام تر سہولتیں مہیا کیں۔

چنانچہ جب یہ لشکر مدینہ پہنچا تو اسی سال ۱۴ ماہِ رمضان کو دونوں فوجوں کے درمیان

جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھے اور اسی روز عصر کے وقت اس جنگ کا خاتمہ حضرت محمد بن عبداللہ بن حسن اور ان کے ساتھ ثابت قدم رہنے والوں کے قتل پر ہوا۔ البتہ کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو جنگ کے چھڑنے سے پہلے ہی راہِ فرار اختیار کر گئے تھے۔

اس جنگ کے نتیجے میں دونوں لشکروں کے سینکڑوں افراد قتل و زخمی ہوئے۔ سارے کا سارا میدانِ جنگ ان کے خون سے لال ہوگیا۔ یعنی اس جنگ کے نتیجے میں بہت سی عورتیں بیوہ ہوئیں اور بہت سے بچوں کے سروں سے باپ کی شفقت کا سایہ اُٹھ گیا۔

معزز قارئین! واضح رہے کہ ہم نے یہاں اس قیام کا خلاصہ ذکر کیا ہے اور اگر کوئی صاحب ہمارے ہی قلم سے اس کی تفصیلات دیکھنے کا خواہشمند ہے تو وہ ہماری علمی کاوش ''موسوعہ امام حسین علیہ السلام'' کی طرف رجوع کرے۔

اس قیام کے بارے میں امام صادق علیہ السلام کا موقف

گذشتہ صفحات میں ہم یہ بات واضح طور پر بیان کر چکے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے نفسِ زکیہ کے والد حضرت عبداللہ بن حسن کو لوگوں سے اپنے بیٹے کی بیعت لینے اور عباسیوں کے خلاف قیام کی تیاری کرنے سے منع فرمایا تھا۔ مگر یہ بھی واضح رہے کہ آپؑ کے اس منع فرمانے کا مقصد آلِ عباس کا دفاع کرنا اور ان کی حکومت کا اعتراف کرنا نہ تھا، بلکہ آپؑ علمِ امامت کے ذریعے سے جانتے تھے کہ خداوند عالم نے بنی حسن کا حکومت میں کوئی حصّہ نہیں رکھا۔ لہٰذا آپؑ کے لیے ایسا کیونکر ممکن تھا کہ آپؑ بلامقصد لوگوں کے خون بہائے جانے کو پسند فرماتے؟!

امام علیہ السلام جانتے تھے کہ جلد ہی میرے چچا کے بیٹے اور کچھ دوسرے لوگ جنگ کی بے رحم چکی میں پس جائیں گے۔ چنانچہ آپؑ انھیں ایسے کاموں سے باز رہنے کی نصیحت فرماتے تھے کہ جن کا نتیجہ سراسر ہلاکت پر مبنی تھا۔ مگر وہ اپنی بات پر اڑے رہے اور امام علیہ السلام کی ان نصیحتوں کو حسد و رقابت کا نتیجہ سمجھتے رہے!!

پھر جب محمد بن عبداللہ بن حسن نے پرچم جہاد بلند کیا تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے مدینہ

منورہ چھوڑ دیا اور مکہ و مدینہ کے درمیان "فُرع" نامی ایک مقام پر چلے گئے اور آپؑ اسی جگہ رہے حتیٰ کہ محمد کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد لوگوں میں پھر سے امن و امان کی فضا قائم ہوگئی اور امام علیہ السلام بھی واپس مدینہ تشریف لے آئے۔

معزز قارئین! اب ہم اختصار کی مکمل رعایت کرتے ہوئے آپ احباب کی خدمت میں بعض ایسی روایات پیش کرتے ہیں کہ جو نفسِ زکیہ اور ان کے قیام اور ان کے اور امام علیہ السلام کے مابین ہونے والی باتوں کو بیان کرتی ہیں:

فضیل بن سکرہ کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؑ نے مجھ سے پوچھا: اے فضیل! کیا تُو جانتا ہے کہ اب سے کچھ دیر پہلے مَیں کس چیز کو دیکھ رہا تھا؟

میں نے کہا: نہیں، مَیں نہیں جانتا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: مَیں کتابِ فاطمہؑ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کتاب میں زمین کے ہر بادشاہ کا نام اس کے باپ کے نام کے ساتھ موجود ہے۔ وہاں مَیں نے آلِ حسنؑ کا کوئی نام نہیں دیکھا۔ (الکافی: جلد۱، ص ۲۴۲)

فضیل بن یسار، برید بن معاویہ اور زرارہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ عبدالملک بن اعین نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا: زیدیہ اور معتزلہ محمد بن عبداللہ کے آس پاس گھوم رہے ہیں تو اسے بھی بادشاہت ملے گی؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! میرے پاس دو کتابیں ہیں اور ان میں ہر نبیؐ اور اس زمین کے ہر بادشاہ کا نام لکھا ہوا ہے اور خدا کی قسم! محمد بن عبداللہ کا ذکر ان میں سے کسی ایک کتاب میں بھی نہیں ہے۔ (الکافی: جلد۱، ص ۲۴۲)

حضرت معلیٰ بن خنیس بیان کرتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا کہ محمد بن عبداللہ آئے اور انھوں نے آپؑ کو سلام عرض کیا۔ پھر واپس چلے گئے۔ امام علیہ السلام کا دل ان پر نرم پڑ گیا اور آپؑ گریہ فرمانے لگے۔

میں نے عرض کیا: آپؑ نے پہلے تو کبھی ایسا نہیں کیا تھا۔

میری بات سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے اس پر اس لیے گریہ کیا کیونکہ اس کی طرف ایک ایسے اَمر کی نسبت دی گئی جو اس میں نہیں ہے۔ میں نے کتابِ علیؑ کو دیکھا وہاں اس کا نام اس اُمت کے خلفاء میں تھا اور نہ ہی اس اُمت کے بادشاہوں میں۔ (الکافی: جلد ۸، ص ۳۹۵)

علی الضائع سے مروی ہے، وہ کہتا ہے: ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو محمد بن عبداللہ بن حسن ملا تو اس نے آپؑ کو اپنے گھر تشریف لانے کی دعوت دی مگر آپؑ نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور (اپنے بیٹے) حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس کے ساتھ بھیج دیا اور اشارہ کر کے کہا کہ اپنا منہ بند رکھنا۔ اس کے بعد وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے کر چلا گیا اور جب اپنے گھر پہنچا تو اس نے دوبارہ آپؑ کی طرف قاصد بھیج کر آپؑ کو بلایا تو آپؑ نے دوبارہ انکار کر دیا۔ قاصد نے آکر اسے بتایا کہ امام علیہ السلام تشریف نہیں لائیں گے۔ یہ بات سن کر محمد ہنسنے لگ گیا اور بولا: آپؑ اس لیے یہاں تشریف نہیں لاتے کیونکہ آپؑ مصاحف پر نظر رکھتے ہیں۔

راوی کہتا ہے: جب حضرت اسماعیل علیہ السلام نے واپس اس کی یہ بات امام علیہ السلام کو بتائی تو آپؑ نے اپنے قاصد کو پیغام دے کر اس کی طرف بھیجا:

"(میرے بیٹے) اسماعیلؑ نے تمھاری بات مجھ تک پہنچائی ہے اور تو نے سچ کہا ہے۔ میں واقعاً حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام (وغیرہ) کے مصاحف میں نظر رکھتا ہوں۔ اب تم خود اپنے آپ سے اور اپنے باپ سے پوچھو کہ کیا ایسا کرنا تمھارے بس میں بھی ہے؟

راوی کہتا ہے: جب امام علیہ السلام کے قاصد نے اس کے پاس جا کر اسے امام علیہ السلام کا یہ پیغام دیا تو وہ خاموش رہ گیا اور جواب میں ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا۔

امام علیہ السلام کے قاصد نے واپس آکر آپؑ کو اس کی خاموشی کے بارے میں بتایا تو آپؑ نے فرمایا: جب جواب صحیح ہوتا ہے تو بات مختصر ہو جاتی ہے۔ (بصائر الدرجات: ص ۱۵۸)

کتاب الواحدہ میں ابنِ جمہور سے منقول ہے کہ محمد بن عبداللہ بن الحسن نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا: خدا کی قسم! میں آپؑ سے زیادہ علم والا، سخی اور شجاع ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر تُو مجھ سے زیادہ علم والا ہے تو مجھے ان ایک ہزار غلاموں کے نام بتا جن کو میرے اور تیرے دادا نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے آزاد کرایا تھا اور اگر تو چاہے تو میں حضرت آدم علیہ السلام تک ان کا سلسلۂ نسب بیان کر دوں گا۔

تُو کہتا ہے کہ تُو مجھ سے زیادہ سخی ہے تو میں نے تو کوئی ایک بھی ایسی رات نہیں گزاری جس میں مجھ پر خدا کا کوئی (واجب الادا) حق رہ گیا ہو کہ جس کا وہ مجھ سے مطالبہ کر سکتا ہو۔اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ تو مجھ سے زیادہ بہادر ہے تو میں تمھیں بتاتا ہوں: ایسا لگتا ہے کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ تمھارا سر کاٹ کر زنابیر کی جھولی میں رکھا جارہا ہے اور اس کی فلاں فلاں جگہ سے خون جاری ہے۔

راوی کہتا ہے: جب اس نے یہ بات اپنے والد کو بتائی تو اس نے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! خدا مجھے تمھاری مصیبت پر ماجور کرے۔ بے شک امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھے (بھی) بتایا ہے کہ تمھارا سر (کٹا ہوا) زنابیر کی گود میں ہوگا۔ (مناقب آلِ ابی طالبؑ)

معزز قارئین! یہاں میں آپ احباب کو ایک بات بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے ایک کتاب کا مطالعہ کیا ہے جس میں صاحبِ کتاب نے محمد بن عبداللہ المعروف نفسِ زکیہ کا ذکر بڑے اچھے الفاظ میں کیا ہے اور اس کے قیام و شجاعانہ کارناموں کو خوب سراہا مگر جاتے جاتے اس نے نفسِ زکیہ کے قیام کو قیامِ امام حسینؑ کے مشابہ قرار دیا اور ایسا کر کے موصوف نے بہت بڑی غلطی کی، کیونکہ یہ دونوں قیام کئی پہلوؤں سے ایک دوسرے سے کافی مختلف ہیں اور ان میں ملاپ کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ ان میں سے چند ایک کو ذیل میں پیش کیا جارہا ہے:

① حضرت امام حسین علیہ السلام معصوم عن الخطا اور عالمِ بالا سے اِرتباط و اِتصال رکھتے تھے اور آپؑ اپنے جد بزرگوار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انھی خطوط و اصولوں پر کاربند تھے جب کہ دوسرا یہ کہ محمد بن عبداللہ نہ تو امام تھے اور نہ ہی معصوم۔ بنابریں ان میں اور حضرت امام حسین علیہ السلام میں بڑا فرق تھا۔

② حضرت امام حسین علیہ السلام نے تو اپنے قیام فرامین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی شکل پیش کی تھی اور آپؑ کا قیام اپنے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت میں تھا جیسا کہ

احادیث میں اس بات کی مکمل صراحت موجود ہے۔ جبکہ محمد نفس زکیہ کے قیام کا کسی بھی معصومؑ نے حکم نہیں دیا تھا بلکہ ہم سابقاً ذکر کر چکے ہیں کہ خود امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان کو اس خروج سے منع فرمایا تھا اور اس کے بارے میں بڑی وعظ و نصیحت کی تھی۔ مگر امام علیہ السلام کی نصیحت سے انھوں نے کچھ فائدہ حاصل نہ کیا۔

٣ اس زمانے میں حق امام جعفر صادق علیہ السلام کی صورت میں موجود تھا۔ لہٰذا اگر محمد بن عبداللہ محض رضائے الٰہی کے لیے بنی عباس کے خلاف قیام کرنا چاہتے تو ان پر واجب تھا کہ وہ امام معصومؑ کے اذن کے بغیر کوئی قدم نہ اُٹھاتے۔ مگر بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس نے امام علیہ السلام کے بجائے لوگوں کو اپنی طرف بلایا، خود کو مہدی موعود کہا اور لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دی اور اس سے بھی بڑھ کر ظلم یہ ہے کہ لوگ اسے امیرالمومنین کہتے تو وہ آگے سے خاموش رہتا اور لوگوں کو اس سے منع نہ کرتا تھا۔ حالانکہ یہ اسم شریف فقط حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام کی ذات کے لیے بولا جاتا ہے جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں وارد ہوا ہے۔

اُوپر گزر چکا ہے کہ اس قیام کے دوران حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مکہ اور مدینہ کے درمیان ''فرع'' نامی مقام کی طرف چلے گئے تھے تاکہ آپؑ فتنوں کے شر سے محفوظ رہیں اور آپؑ کا یہ عمل شاہد ہے کہ یہ قیام آپؑ کی مرضی کے مطابق نہ تھا اور آپؑ اس سے جدا تھے۔

یہاں تک ہم نے جو کچھ نفس زکیہ کی بحث ذکر کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمیں تاریخی حوادث و واقعات کو بڑی عمیق نظر سے دیکھنا چاہیے اور حق و اہلِ حق کی معرفت کے لیے پہلا اور آخری معیار ائمہ طاہرین علیہم السلام کو قرار دینا چاہیے۔

امام علیہ السلام کا اپنی وفات کی خبر دینا

شہاب بن عبد ربہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اس وقت تمھاری حالت کیا ہوگی کہ جب محمد بن سلیمان تجھے میری وفات کی خبر دے گا؟

اس نے کہا: خدا کی قسم! میں محمد بن سلیمان کو نہ جانتا تھا اور نہ ہی مجھے کوئی پتہ تھا کہ وہ

کون ہے؟

پھر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد میرے مال میں اضافہ ہو گیا اور کوفہ و بصرہ میں میری تجارت وسیع ہو گئی۔ چنانچہ ایک دن میں والی بصرہ محمد بن سلیمان کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو اس نے ایک خط مجھے دیا اور کہا: اے شہاب! خدا امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں ہمیں اور تمہیں ماجور کرے۔

جونہی میں نے اس کے منہ سے یہ خبر سنی تو امام علیہ السلام کی بتائی ہوئی بات یاد آ گئی اور میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر میں اپنے گھر واپس آ گیا اور امام علیہ السلام پر گریہ وزاری کرنے میں مشغول ہو گیا۔ (اعلام الوریٰ: جلد ۱، ص ۵۲۲)

ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک روز امام جعفر صادق علیہ السلام منصور دوانیقی کے پاس گئے اور وہاں آپؑ نے کوئی بات کی۔ پھر جب آپؑ اس کے دربار سے نکل آئے تو اس نے ایک بندے کو بھیج کر آپؑ کو واپس بلا بھیجا۔ جب آپؑ واپس آئے تو آپؑ نے اپنے مبارک لبوں کو حرکت دی اور کچھ پڑھا۔

اس پر آپؑ سے پوچھا گیا کہ آپؑ نے کیا پڑھا ہے تو آپؑ نے فرمایا:

میں نے یہ پڑھا ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَكْفِيْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا يَكْفِيْ مِنْكَ شَيْءٌ

اس نے کہا: آپؑ میرے پاس کتنا عرصہ رہیں گے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اسلام میں جتنی لمبی عمر میں نے پائی ہے اتنی میرے آباء میں سے کسی کی بھی نہیں تھی۔ میرے خیال کے مطابق اب میں تمہارے ساتھ زیادہ وقت نہیں گزار پاؤں گا اور میں اپنی زندگی کا یہ سال بھی پورا ہوتے نہیں دیکھ رہا ہوں۔

اس نے کہا: اگر آپؑ (یہ پورا سال) زندہ رہے تو کیا ہو گا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: میرا نہیں خیال کہ میں اسے پورا کر سکوں۔

اس پر اس نے کہا: امامؑ کو قید کر لو تو آپؑ کو قید کر لیا گیا اور ماہ شوال میں آپؑ کی وفات ہو گئی۔ (کشف الغمہ: جلد ۲، ص ۱۶۵)

امام علیہ السلام بستر علالت پر

ہشام بن سالم سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام شدید بیمار ہوئے حتیٰ کہ ہمیں آپؑ کی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا تو آپؑ نے فرمایا: اس بیماری سے مجھے کچھ نہیں ہوگا۔

پھر خدا نے جتنا عرصہ چاہا آپ صحیح وسلامت رہے اور اس کے بعد دوبارہ ہلکی سی بیماری میں مبتلا ہو گئے اور ہمیں وصیتیں کرنے لگے۔ پھر آپؑ نے (اپنے بیٹے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے) فرمایا: اہلِ مدینہ کے چند اشخاص کو میرے پاس لے آؤ تا کہ میں انھیں (اپنی وصیت پر) گواہ قرار دوں۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: بابا جانؑ! یہ تو کوئی ایسی سخت بیماری نہیں جس سے آپؑ کی جان کو خطرہ لاحق ہو۔

آپؑ نے فرمایا: جانِ پدرؑ! جس نے مجھے میری سابقہ سخت بیماری میں بتایا تھا کہ اس میں میری وفات واقع نہیں ہوگی، اسی نے مجھے خبر دی ہے کہ اب اس بیماری میں میری وفات واقع ہو جائے گی۔ (اثبات الہداۃ: ج ۵، ص ۳۹۴)

زندگی کے آخری ایام میں آپؑ کے بدن پر صرف ہڈیاں ہی باقی رہ گئیں تھیں۔ آپ کا جسمِ مبارک بہت نحیف و لاغر ہو گیا تھا اور طرح طرح کے مصائب و شدائد اور پے در پے صدموں نے آپؑ کی طاقت کو ختم کر دیا تھا۔ جیسا کہ محمد بن حسن بن زیاد العطار نے اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے: اس کا باپ (حسن بن زیاد) کہتا ہے: جب امام علیہ السلام بسترِ مرگ پر تھے تو میں آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آپؑ چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے اور آپؑ کے چمڑے اور ہڈیوں کے درمیان گوشت باقی نہیں رہا تھا...... الی آخر الخبر۔ (بحار الانوار: جلد ۴۷، ص ۳۴۸)

جب آپؑ کو زہر پلایا گیا تو آپؑ کی کمزوری اور ضعیفی میں اضافہ ہو گیا۔ آپؑ وقتِ آخر کی سختیوں میں مبتلا ہو گئے اور اپنی وصیتیں فرمانے لگے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ آپؑ کے مرضِ وفات میں آپؑ کا ایک صحابیؓ آپؑ کے

پاس آیا۔ اس وقت آپؑ کے سر کے تمام بال گر چکے تھے۔ آپؑ کی یہ حالت دیکھ کر وہ ضبط نہ کرسکا اور رونے لگ گیا۔

آپؑ نے اس سے پوچھا: تم کس بات پر رو رہے ہو؟

اس نے کہا: میں آپؑ کو اس حال میں دیکھ کر کس طرح اپنے رونے پر قابو رکھ سکتا ہوں؟!

امام علیہ السلام نے فرمایا: ایسا نہ کرو۔ ہر طرح کی بھلائی حقیقت میں مومن کا ہی حصّہ ہوتی ہے۔ اگر اس کے (تمام) اعضاء کاٹ دیے جائیں تو یہ بھی اس کے حق میں اچھا ہے اور اگر وہ مشرق و مغرب کے مابین ہر شے کا مالک بن جائے تو یہ بھی اس کے حق میں اچھا ہے۔ (منتہی الآمال: جلد ۲، ص ۲۴۳)

آپؑ نے اپنے ان سنہری کلمات کے ذریعے بتایا کہ آپؑ ہر خوشی و غمی اور نرمی و سختی میں خدا کے فیصلے پر راضی اور خوش تھے۔

امام علیہ السلام کا وصیتیں کرنا

امامؑ کا اپنی صف عزاء بچھانے اور اپنی مظلومیت پر نوحہ خوانی کرانے کی وصیت کرنا

محمد بن مہران سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے سنا، امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ وصیت کی کہ سات سال آپؑ پر نوحہ کیا جائے اور آپؑ نے ہر سال (اپنی عزاداری پر خرچ کرنے) کے لیے کچھ مال وقف کیا۔

معزز قارئین! میت پر رونا اور میت کے وارثوں کو تعزیت پیش کرنا اسلام کے مستحب اُمور میں سے ہے جیسا کہ رونا انسان کی نرم دلی اور دوسروں کے دُکھوں کا احساس کرنے کی نشانی ہے۔

واضح رہے کہ رونا خواہ جیسے بھی ہو صبر کے خلاف نہیں ہے کیونکہ صبر انسان کے خدا کی قضاو قدر پر راضی ہونے کی دلیل ہے۔ جیسا کہ رونا رحمت و محبت کی دلیل ہے اور ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

اسی لیے جب حضرت ابراہیم بن محمدؐ کی وفات ہوئی تو رسولؐ خدا نے ان پر سخت گریہ فرمایا اور آپؐ کے رخساروں پر بارش کی طرح آنسو گرنے لگے۔ آپؐ کی یہ حالت دیکھ کر بعض اصحاب اسے صبر کے منافی سمجھنے لگے اور جب آپؐ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا:

.... تَدْمَعُ الْعَيْنُ وَيَحْزَنُ الْقَلْبُ وَلَا نَقُوْلُ مَا يُسْخِطُ الرَّبَّ وَإِنَّا بِكَ يَا إِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ

"......آنکھ اشک بہاتی ہے اور دل غم زدہ ہوتا ہے مگر ہم ایسی کوئی بھی بات نہیں کہیں گے جو خدا کو ناراض کرے اور اے ابراہیمؑ! ہم آپؑ (کی

جدائی) کی وجہ سے پریشان ہیں"۔ (الاستیعاب: جلد ۱، ص ۵۷)

حضرت امام علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: ایک دفعہ رسولؐ خدا کے ایک بیٹے کا انتقال ہوا اور آپؐ گریہ فرمانے لگے تو آپؐ سے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ رو رہے ہیں حالانکہ آپؐ تو ہمیں رونے سے منع فرماتے ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: میں نے تمھیں (اس طرح) رونے سے منع نہیں کیا، یہ رونا تو ہمدردی و رحمت ہے اور خدا اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے اس کے دل میں قرار دیتا ہے اور خدا جس پر چاہتا ہے رحم کرتا ہے اور اس کے بندوں میں سے رحم دل افراد ہی رحم کرتے ہیں۔ (بحارالانوار: جلد ۸۲، ص ۱۰۱)

آپؑ سے ہی مروی ہے، آپؑ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصیبت کے وقت رونے کی اجازت دی اور فرمایا:

اَلنَّفْسُ مُصَابَةٌ وَالْعَيْنُ دَامِعَةٌ وَالْعَهْدُ قَرِيْبٌ فَقُوْلُوا مَا اَرْضَى اللهُ وَلَا تَقُوْلُوا الْهُجْرَ

"دل سوگوار ہوتا ہے، آنکھ آنسو بہاتی ہے اور (موت کا) وقت قریب ہے، لہٰذا تم وہی بات کہو جس سے خدا راضی ہو اور غلط بات مت کہو"۔ (حوالہ سابق)

مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ آپؐ نے درج ذیل افراد پر گریہ فرمایا:

① اپنے دادا حضرت عبدالمطلبؑ پر۔ (الطبقات الکبریٰ: جلد ۱، ص ۹۵)
② اپنے چچا حضرت ابوطالبؑ پر۔ (الطبقات الکبریٰ: جلد ۱، ص ۹۹)
③ اپنی والدہ حضرت آمنہ بنت وہبؑ پر۔ (الطبقات الکبریٰ: جلد ۱، ص ۹۴)
④ اپنی چچی حضرت فاطمہ بنت اسدؑ پر۔ (ذخائر العقبیٰ: ص ۵۶)
⑤ اپنی زوجہ حضرت خدیجہ بنت خویلدؑ پر۔ (مناقب خوارزمی: ص ۲۵۳)
⑥ اپنے صحابی حضرت عثمان بن مظعونؓ پر۔ (استیعاب: جلد ۳، ص ۱۰۵۵)
⑦ آپؐ نے حضرت جعفر بن ابی طالبؑ پر روتے ہوئے فرمایا: "جعفر جیسے (مظلوم)

شہید پر رونے والوں کو رونا چاہیے"۔(ذخائر العقبیٰ: ص ۲۱۸، انساب الاشراف: جلد ۲، ص ۵۳)

⑧ آپؐ نے حضرت زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہؓ پر گریہ فرمایا۔ (الاستیعاب: جلد ۲، ص ۵۳۶)

⑨ جب حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو جنگ اُحد میں قتل کیا گیا تو آپؐ ان پر روئے اور جب آپؐ نے عورتوں کے رونے کی آوازیں سنیں تو آپؐ کی آنکھیں مزید برس پڑیں اور آپؐ نے انھیں آہ وزاری سے بالکل منع نہ فرمایا۔ (المغازی: جلد ۱، ص ۳۳۰)

⑩ جنگ اُحد میں ہی جب حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ کو بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا تو آپؐ نہ صرف یہ کہ خود روئے بلکہ جب آپؐ نے سنا کہ عورتیں اپنے اپنے مقتولوں پر رو رہی تھیں تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپؐ نے رو کر کہا:

لَكِنَّ حَمْزَةَ لَا بَوَاكِيَ لَهُ

"سارے اپنے اپنے مقتولوں پر رو رہے ہیں مگر (میرے چچا) حضرت حمزہؓ پر رونے والا کوئی نہیں"۔

اس پر بنی عبدالاشہل کی عورتوں نے آپؐ کے چچا پر رونا شروع کر دیا اور جب آپؐ نے ان کا گریہ سنا تو انھیں یوں دُعا دی:

اِرْجِعْنَ يَرْحَمْكُنَّ اللهُ فَقَدْ آسَيْتُنَّ بِأَنْفُسِكُنَّ

"اب تم واپس چلی جاؤ، خدا تم پر رحم کرے، تم نے بڑی ہمدردی کا مظاہرہ کیا"۔ (السیرۃ النبویہ: جلد ۲، ۹۹)

معزز قارئین! ہم نے بطورِ نمونہ چند ان افراد کے نام ذکر کیے ہیں جن پر آپؐ نے گریہ کیا تھا ورنہ آپؐ تو بہت سے شہدا، صالحین اور نیک مردوں اور عورتوں پر روئے تھے۔

پس جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونے کو پسندیدہ اور محبوب جانتے تھے اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام بھی مظلوم کی حمایت میں رونے کو اچھا سمجھتے تھے۔ اسی لیے آپؑ نے سات سال تک حج کے موسموں پر اپنی صفِ عزا بچھانے اور اپنے اُوپر نوحہ کرنے کی وصیت

فرمائی اور اس مقصد کے لیے اپنے مال کا ایک حصہ مختص فرمایا۔

امام علیہ السلام نے یہ وصیت اس لیے فرمائی تھی کیونکہ آپ کو مظلومیت کے ساتھ زہر سے شہید کیا جانے والا تھا اور اس سے پہلے آپ کے والد بزرگوار امام محمد باقر علیہ السلام کی وصیت بھی گزر چکی ہے کہ جب آپ نے اپنے اُوپر دس سال تک حج کے مواقع پر نوحہ کرنے کی وصیت کی تھی اور اس کے لیے اپنے مال کا ایک حصہ مخصوص کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شیعیانِ اہلِ بیتؑ اپنے ائمہ طاہرین علیہم السلام کی شہادتوں کے ایام میں ماتمی جلوسوں اور مجالسِ عزا کا انعقاد کرتے ہیں اور ان کی عزاداری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور اس سے اس کا مقصد اپنے ائمہ علیہم السلام کی پیروی کرنا، ان کے امر کو زندہ کرنا اور ان کی اور ان کے شعائر کی تعظیم کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے شعائر، شعائر الٰہیہ میں سے ہیں۔

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ

"بات یہ ہے کہ جو اللہ کے شعائر کا احترام کرتا ہے تو یہ دلوں کا تقویٰ ہے"۔ (سورۂ حج: آیت ۳۲)

یہاں ہم اپنے قارئین کے لیے یہ بات بھی واضح کیے دیتے ہیں کہ اگرچہ بعض احادیث میں بہت پر رونے اور گریہ و بکا کرنے کی ممانعت بھی وارد ہوئی ہے لیکن وہ احادیث ضعیف السند ہیں اس لیے ناقابلِ استدلال ہیں، اور یا تو وہ احادیث تقیہ کی صورت میں وارد ہوئی ہیں کیونکہ وہ حق سے منحرف، مذاہب باطلہ کے ساتھ موافقت رکھتی ہیں۔

یہاں ہم نے میت پر گریہ و بکا کرنے کی گفتگو تفصیل کے ساتھ اس لیے ذکر کی ہے تاکہ ہمارا یہ بیان اس فرقہ ضالہ کے خلاف حجت ٹھہرے جو لوگوں کے افکار میں سم پاشی کرتے ہیں اور اپنے گمراہ کن شبہات میں ڈالتے ہیں، اور ان کے باطل و فاسد افکار میں سے ایک میت پر رونے کو حرام قرار دینا بھی ہے۔ لہٰذا آپ احباب سے گزارش ہے کہ ایسے افراد سے ہوشیار رہیں کہ کہیں وہ آپ کو دھوکے یا گمراہی میں مبتلا نہ کردیں، واللہ العالم!

امام علیہ السلام کی اپنے غسل کے بارے میں وصیت کرنا

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: مجھے میرے بابا نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

يَا بُنَيَّ! إِذَا أَنَا مِتُّ فَلَا يُغَسِّلُنِي أَحَدٌ غَيْرُكَ. فَإِنَّ الْإِمَامَ لَا يُغَسِّلُهُ إِلَّا الْإِمَامُ وَاعْلَمْ أَنَّ عَبْدَ اللهِ أَخَاكَ سَيَدْعُوا النَّاسَ إِلَى نَفْسِهِ فَدَعْهُ فَإِنَّ عُمْرَهُ قَصِيرٌ

"اے جانِ پدر! جب میری وفات ہوجائے تو آپؑ کے علاوہ کوئی دوسرا مجھے غسل نہ دے کیونکہ امام کو امامؑ ہی غسل دیتا ہے اور جان لیں کہ کچھ عرصے کے بعد آپؑ کا بھائی عبداللہ لوگوں کو اپنی طرف بلائے گا تو آپؑ اسے چھوڑ دینا (اور اس کی پرواہ نہ کرنا) کیونکہ وہ کچھ زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہے گا۔ (میرے بھائی) عبداللہ نے امامت کا دعویٰ کیا مگر ہوا وہی جو میرے بابا نے فرمایا تھا اور وہ کچھ ہی عرصہ زندہ رہا۔ پھر اس کی وفات ہوگئی"۔ (مناقب آلِ ابی طالبؑ، جلد ۴، ص ۲۲۴)

روایات میں ملتا ہے کہ امام علیہ السلام کے غسل کے وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور اس کے جسد اطہر کے غسل اور تجہیز و تکفین میں بعد والے امامؑ کی مدد کرتے ہیں۔ (بحارالانوار: جلد ۲۷، ص ۲۸۹)

بنابرایں کوئی شک نہیں امام جعفر صادق علیہ السلام کے غسل وغیرہ کے وقت ملائکہ آئے ہوں گے اور انھوں نے اس میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی مدد بھی کی ہوگی۔

امام علیہ السلام کا اپنے بعد امامؑ کے بارے میں وصیت کرنا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہر مناسب موقع پر یہ بتاتے تھے کہ آپؑ کے بعد امامؑ کون ہے۔ چنانچہ آپؑ نے بتایا کہ آپؑ کے بعد آپؑ کی مسند کے حقیقی وارث اور اُمت کے برحق امامؑ آپؑ کے بیٹے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہیں۔

علی بن جعفر روایت کرتے ہیں کہ میں نے سنا، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے خواص اصحاب کی ایک جماعت سے یہ فرما رہے تھے:

اِسْتَوْصُوا بِمُوْسٰی ابْنِی خَیْرًا. فَاِنَّهٗ اَفْضَلُ وُلْدِی وَمَنْ اُخَلِّفُ بَعْدِی وَهُوَ الْقَائِمُ مَقَامِی وَالْحُجَّةُ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰی کَافَّةِ خَلْقِهٖ مِنْ بَعْدِی

"میرے بیٹے (امام) موسیٰ کاظمؑ کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا کیونکہ وہ میرے بیٹوں میں سب سے افضل ہیں اور میں انھیں اپنے بعد خلیفہ بنا رہا ہوں۔ وہ میرے قائم مقام اور میرے بعد خدا کی ساری مخلوق پر اس کی حجت ہیں"۔ (بحار الانوار: جلد ۴۸، ص ۲۰)

ہر امام علیہ السلام کا یہی طریقہ تھا کہ وہ اپنی وفات سے قبل لوگوں کو اپنے بعد ہونے والے امامؑ کے بارے میں مکمل وضاحت کے ساتھ آگاہ کر دیتا تھا تاکہ اُمت کے گمراہی سے بچنے کا سامان ہو جائے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی اسی سلسلے کے تحت عمومی و خصوصی دونوں طریقوں سے اس حقیقت کا اظہار فرمایا۔

جہاں تک خصوصی طریقہ کی بات ہے تو آپؑ اپنی زیارت و ملاقات کو آنے والے افراد کو اپنے فرزند حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت کی تاکید فرماتے تھے، جیسا کہ یزید بن اسباط سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی مرضِ وفات میں آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؑ نے مجھ سے فرمایا: اے یزید! کیا تم اس بچے (امام موسیٰ کاظمؑ) کو دیکھ رہے ہو؟ پس جب تم دیکھو کہ لوگ اس کے بارے میں اختلاف ظاہر کر رہے ہیں تو تُو مجھ پر گواہ رہنا کہ میں نے تمھیں اس سے باخبر کر دیا ہے۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپؑ کو کنویں میں پھینکا تھا تو ان کی نظر میں آپؑ کے ساتھ حسد کے علاوہ آپؑ کا کوئی گناہ نہ تھا کہ آپؑ نے انھیں خبر دی تھی کہ گیارہ ستارے، سورج اور چاند آپؑ کو خواب میں سجدہ کر رہے ہیں۔ پس جس طرح حضرت یوسفؑ کے ساتھ حسد کیا گیا تھا اسی طرح اس بچے کے ساتھ بھی حسد کیا جائے گا۔ پھر امام جعفر

صادق علیہ السلام نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام، حضرت عبداللہ، حضرت محمد اور حضرت اسحاق کو بلایا اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

هٰذَا وَصِيُّ الْاَوْصِيَاءِ، وَعَالِمُ عِلْمِ الْعُلَمَاءِ، وَشَهِيْدٌ عَلَى الْاَمْوَاتِ وَالْاَحْيَاءِ

"یہ اوصیاء علیہم السلام کے وصی، علمائے (ربانی) کے علم کے عالم اور مُردوں اور زندوں (سب) پر گواہ ہیں"۔

پھر فرمایا: اے یزید!

سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ (سورہ زخرف: آیت ۱۹)

"عنقریب ان لوگوں کی گواہی لکھی جائے گی اور ان سے پوچھا جائے گا"۔

جہاں تک مسئلہ عمومی طریقہ کار کا ہے تو آپؑ نے حالات وظرف کے پیشِ نظر اپنے بعد امامؑ کی تعیین کے لیے یہ طریقہ بھی استعمال کیا تھا۔ چنانچہ جب پوچھا گیا کہ امام علیہ السلام نے (اپنے جانشین کے بارے میں) کیا کیا؟ تو جواب دیا گیا کہ آپؑ نے درج ذیل پانچ شخصیات کے بارے میں وصیت فرمائی:

① منصور دوانیقی ② والی مدینہ محمد بن سلیمان ③ عبداللہ بن امام صادقؑ ④ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ ⑤ آپؑ کی زوجہ حمیدہ المصفاۃ۔

اب درجہ بالا شخصیات میں سے پہلے دو افراد کے بارے میں صاحبانِ معرفت جانتے ہیں کہ ان کا نام محض تقیہ کے طور پر شامل کیا گیا ہے اور بس۔

جنابِ حمیدہ خاتون عورت ہیں جبکہ منصبِ امامت مردوں کے لیے ہوتا ہے۔ باقی رہے آپؑ کے فرزند عبداللہ اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تو ان میں سے عبداللہ آفت زدہ تھا اور جو ایسا ہو وہ منصبِ امامت کے اہل نہیں ہوسکتا۔ بنابرایں یہ طے ہوگیا کہ آپؑ کے وصی، آپؑ کے فرزند حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہی تھے نہ کہ کوئی اور۔

اسی لیے روایت کی گئی ہے کہ جب حضرت ابوحمزہ ثمالیؒ نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت کے بارے میں سنا اور آپؑ کے وصی کے متعلق دریافت کیا تو لوگوں نے آپؓ کو اس

کے بارے میں خبر دی۔ اس پر آپؒ نے کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یُضِلَّنَا دَلَّ عَلَی الصَّغِیْرِ، وَمَنَّ عَلَی الْکَبِیْرِ وَسَتَرَ الْاَمْرَ الْعَظِیْمِ

''حمد ہے اس خدا کی جس نے ہمیں گمراہ نہیں چھوڑا، آپ نے چھوٹے کی طرف ہماری رہنمائی کی، بڑے پر احسان کیا اور اَمرِ عظیم کو مخفی رکھا''۔

جیسا کہ اس کی تفصیل حسب ذیل روایت میں آرہی ہے:

داؤد بن کثیر رقی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: اہلِ خراسان میں سے ایک شخص اپنا وفد لے کر کوفہ آیا۔ اس نے امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے حرم کی زیارت کی اور حرم کے ایک کونے میں ایک شخص کو دیکھا جس کے اردگرد لوگ جمع تھے۔ جب وہ زیارت سے فارغ ہوا تو وہ ان کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ وہ شخص ان کا فقیہ تھا اور وہ اس سے دینی مسائل سن رہے تھے۔ اس خراسانی نے ان لوگوں سے اس فقیہ کا نام پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ یہ حضرت ابوحمزہ ثمالیؒ ہیں۔

راوی کہتا ہے: ابھی ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اعرابی ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا: میں مدینہ سے ایک خبر لے کر آیا ہوں، اور وہ خبر یہ ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا انتقال ہوگیا ہے۔

جب حضرت ابوحمزہ ثمالیؒ نے یہ جانکاہ خبر سنی تو آپؒ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور زور سے اپنا ہاتھ زمین پر مارا۔ پھر اس اعرابی سے پوچھا: کیا تم نے آپؑ کی کوئی وصیت سنی ہے؟

اس نے کہا: جی ہاں! آپؑ نے اپنے بیٹے عبداللہ اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور منصور دوانیقی کے بارے میں وصیت فرمائی ہے۔

یہ سن کر حضرت ابوحمزہ نے ان الفاظ میں خدا کا شکر ادا کیا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یُضِلَّنَا دَلَّ عَلَی الصَّغِیْرِ، وَمَنَّ عَلَی الْکَبِیْرِ وَسَتَرَ الْاَمْرَ الْعَظِیْمِ

''حمد ہے اس خدا کی جس نے ہمیں گمراہ نہیں چھوڑا، آپ نے چھوٹے کی طرف ہماری رہنمائی کی، بڑے پر احسان کیا اور اَمرِ عظیم کو مخفی رکھا''۔

پھر آپؑ دوڑ کر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی قبر اطہر کی طرف گئے اور نماز پڑھنے لگے اور ہم بھی آپؑ کے ساتھ نماز میں مشغول ہو گئے۔

داؤد رقی کہتے ہیں: پھر میں حضرت ابوحمزہ ثمالیؒ کے پاس گیا اور میں نے ان سے پوچھا: آپؒ نے ابھی جو بات کہی ہے ذرا اس کی وضاحت کریں۔

آپؒ نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ امام علیہ السلام نے اپنے اس عمل سے یہ واضح کر دیا کہ (آپؑ کے دو بیٹوں میں سے) بڑا آفت زدہ (اور جلد وفات پا جانے والا) ہے۔ یوں آپؑ نے اپنے بڑے بیٹے کو ساتھ ملا کر چھوٹے بیٹے کی طرف رہنمائی کی اور اس فہرست میں منصور کا نام شامل کر کے (امامت و وصایت جیسے) عظیم اَمر کو اس طرح مخفی کیا حتیٰ کہ جب منصور آپؑ کے وصی کے بارے میں پوچھے گا تو اسے کہا جائے گا کہ امام علیہ السلام کا وصی تو ہے۔

خراسانی کہتا ہے کہ مجھے اس کا جواب سمجھ میں نہ آیا اور مَیں مدینہ چلا گیا۔ میرے پاس کچھ شرعی اَموال اور ملبوسات تھے اور چند سوالات کا جواب لے کر آنا بھی میرے ذمے لگایا گیا تھا۔ میرے پاس جو اَموال تھے ان میں شطیطہ نامی عورت کا دیا ہوا ایک درہم اور ایک رومال بھی تھا۔ جب وہ عورت مجھے یہ درہم دینے لگی تھی تو میں نے اس سے کہا تھا کہ اب مَیں تمھارا یہ ایک بھی اپنے ساتھ اُٹھا کر لے جاؤں گا؟! جواب میں اس عورت نے کہا تھا: خدا حق سے نہیں شرماتا۔

اس کی بات سن کر میں نے اس درہم کو ٹیڑھا کر کے ایک تھیلے میں رکھ لیا تھا۔ جب مَیں مدینہ پہنچا اور میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے وصی کے بارے میں دریافت کیا تو مجھے بتایا گیا کہ آپؑ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو اپنا وصی بنایا ہے۔ اس پر مَیں عبداللہ کے گھر چلا گیا۔ جب مَیں اُس کے دروازے پر پہنچا تو وہ محافظوں اور چوکیداروں سے بھرا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑا عجیب سا لگا۔ بہر حال مَیں اجازت لے کر اندر چلا گیا اور جب مَیں نے اسے مسند خلافت پر دیکھا تو یہ مجھے پہلے سے بھی زیادہ تعجب خیز لگا۔ میں نے اس سے پوچھا: کیا تم امام جعفر صادق علیہ السلام کے وصی اور مفترض الطاعۃ امام ہو؟

اس نے کہا: جی ہاں۔

میں نے اس سے پوچھا: دوسو درہم میں کتنی زکوۃ بنتی ہے؟

اس نے کہا: پانچ درہم۔

میں نے پوچھا: اور ایک سو درہم میں؟

اس نے کہا: دو درہم پورے اور ایک آدھا۔

میں نے پوچھا: اگر ایک شخص اپنی عورت سے کہے کہ تجھے آسمان کے ستاروں کی تعداد کے برابر مرتبہ طلاق دیتا ہوں، تو کیا گواہوں کے بغیر اس کی طلاق واقع ہو جائے گی؟

اس نے کہا: ہاں! ہو جائے گی اور ستاروں میں سے جوزاء کا سر تین بار (طلاق کے لیے) کافی ہوگا۔

مَیں اس کے ان جوابات سے اور اس کی محفل سے بہت حیران ہوا۔

پھر اس نے مجھ سے کہا: تم اپنے ساتھ جو اُموال لے کر آئے ہو، وہ میرے حوالے کردو۔

میں نے کہا: میرے پاس (تمھیں دینے کے لیے) کوئی چیز نہیں ہے۔ پھر مَیں رسول اللہ ﷺ کی قبر اَطہر کی زیارت کو چلا گیا۔ اور جب مَیں آپؐ کی قبر مبارک کی زیارت کر کے گھر واپس آیا تو وہاں ایک سیاہ فام غلام کھڑا ہوا تھا۔ اس نے مجھے سلام کیا اور میں نے اس کے سلام کا جواب دیا تو وہ مجھ سے کہنے لگا: آؤ! میں تمھیں وہاں لے چلوں، جہاں تم جانا چاہتے ہو۔ چنانچہ میں اس کے ساتھ چل پڑا اور وہ مجھے لے کر ایک بالکل سادہ سے مکان کے دروازے پر چلا گیا اور جب وہ اس مکان کے اندر لے کر گیا تو میں نے دیکھا کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام مصلی عبادت پر بیٹھے ہوئے تھے۔

امام علیہ السلام نے مجھ سے کہا: اے ابوجعفر! بیٹھو۔ پھر آپؑ نے مجھے اپنے پاس بٹھا لیا تو میں آپؑ (کی وصایت و امامت) کے دلائل، علم و ادب اور گفتگو کے انداز کو دیکھنے لگ گیا۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے مجھ سے کہا: تم جو اُموال اپنے ساتھ لے کر آئے ہو وہ میرے حوالے کرو تو مَیں نے وہ اموال آپؑ کی خدمت میں پیش کر دیے۔ پھر آپؑ نے اپنے دستِ مبارک سے اس تھیلے کی طرف اشارہ کیا، جس میں اس عورت کا دیا ہوا ایک درہم تھا۔

آپؑ نے کہا: اسے کھول کر اُلٹاؤ۔

جب میں نے اسے کھول کر اُلٹایا تو اس سے شطیطہ کا ٹیڑھا کیا ہوا درہم نیچے گرا۔ آپؑ نے اسے اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا: اب ذرا کپڑے کے اس تھیلے کو کھولو۔ جب میں نے اسے کھولا تو آپؑ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس تھیلے سے رومال نکالا اور کہا: یہ مَیں نے قبول کرلیا ہے۔ بے شک خدا حق سے نہیں شرماتا۔ اے ابوجعفر! شطیطہ کو میرا سلام کہنا اور (درھموں کی) یہ تھیلی بھی اسے دینا۔

پھر آپؑ نے فرمایا: اس کے علاوہ تم جتنا بھی مال اپنے ہمراہ لے کر آئے ہو وہ واپس لے جاؤ اور اسے اس کے مالکوں تک پہنچا دو۔ اور ان سے کہنا کہ امام علیہ السلام نے تمھارا مال قبول کرلیا ہے اور تم پر مہربانی کرتے ہوئے اسے واپس تمھارے لیے بھیج دیا ہے۔

پھر میں نے کچھ دیر آپؑ کے پاس قیام کیا اور آپؑ سے علمی معلومات حاصل کیں۔

آپؑ نے مجھ سے فرمایا: کیا جب تم کوفہ میں امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے مزارِ اقدس کی زیارت کررہے تھے تو ابوحمزہ ثمالیؒ نے تم سے یہ نہیں کہا تھا؟

میں نے کہا: جی بالکل! وہ ایسا کہہ رہے تھے۔

آپؑ نے فرمایا: ایک مومن اسی طرح ہی ہوتا ہے کہ جب خدا اس کے دل کو منور کرتا ہے تو اس کا علم اس کے چہرے (کی نُورانیت) سے ظاہر ہوتا ہے۔

پھر آپؑ نے مجھ سے فرمایا: اب اُٹھو اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے قابلِ بھروسہ اصحاب علیہم الرضوان کے پاس جاؤ اور ان سے نصِ امامت کے بارے میں دریافت کرو۔

ابوجعفر خراسانی کہتا ہے: اس پر مَیں امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب کی ایک بہت بڑی جماعت سے ملا جنھوں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پر نصِ (وصایت و امامت) کی شہادت دی۔

اس کے بعد ابوجعفر خراسانی، واپس خراسان چلا گیا۔

داؤد رقی کہتے ہیں: وہاں سے اس نے مجھے خط لکھا کہ اہلِ خراسان میں سے جن جن لوگوں نے اسے اَموال دے کر بھیجے تھے وہ کافی چوڑے ہوگئے تھے اور ایک وہ شطیطہ نامی

عورت ہی تھی جو اس کے واپس آنے کے انتظار میں تھی۔

وہ لکھتا ہے: جب اس عورت نے دیکھا امام علیہ السلام نے اسے سلام بھیجا ہے، صرف اسی کا مال قبول کیا ہے اور اس کی طرف درہموں کی ایک تھیلی بھیجی ہے تو وہ بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی: یہ درہم تم اپنے پاس ہی رکھو، یہ میرا کفن خریدنے کے لیے ہیں۔

اس کے بعد وہ تین دن ہی زندہ رہی اور اپنے خالق حقیقی کی رحمت کی طرف لوٹ گئی۔

(اثبات الہداۃ: جلد ۵، ص ۳۸۷، الخرائج والجرائح: جلد ۱، ص ۳۲۸)

امام علیہ السلام کی اپنے بیٹے امام موسیٰ کاظمؑ کو اخلاقی وصیتیں کرنا

امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابیؓ روایت کرتے ہیں کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام آپؑ کے سامنے موجود تھے اور آپؑ امام موسیٰ کاظمؑ کو یہ وصیت فرما رہے تھے: اس وصیت کا جو حصہ محفوظ ہوا ہے وہ یہ ہے:

يَا بُنَيَّ اَقْبِلْ وَصِيَّتِيْ وَاحْفَظْ مَقَالَتِيْ فَاِنَّكَ اِنْ حَفِظْتَهَا تَعِيْشُ سَعِيْدًا وَتَمُوْتُ حَمِيْدًا.

يَا بُنَيَّ مَنْ رَضِيَ بِمَا قُسِمَ لَهُ اِسْتَغْنٰى، وَمَنْ مَدَّ عَيْنَهُ اِلٰى مَا فِيْ يَدِ غَيْرِهٖ مَاتَ فَقِيْرًا، وَمَنْ لَمْ يَرْضَ بِمَا قَسَمَهُ اللهُ لَهُ اِتَّهَمَ اللهَ فِيْ قَضَائِهٖ، وَمَنْ اِسْتَصْغَرَ زَلَّةَ نَفْسِهٖ اِسْتَعْظَمَ زَلَّةَ غَيْرِهٖ، وَمَنِ اسْتَصْغَرَ زَلَّةَ غَيْرِهٖ اِسْتَعْظَمَ زَلَّةَ نَفْسِهٖ.

يَا بُنَيَّ مَنْ كَشَفَ حِجَابَ غَيْرِهٖ اِنْكَشَفَتْ عَوْرَاتُ بَيْتِهٖ، وَمَنْ سَلَّ سَيْفَ الْبَغْيِ قُتِلَ بِهٖ، وَمَنِ احْتَفَرَ لِاَخِيْهِ بِئْرًا سَقَطَ فِيْهَا، وَمَنْ دَاخَلَ السُّفَهَاءَ حُقِّرَ، وَمَنْ خَالَطَ الْعُلَمَاءَ وُقِّرَ، وَمَنْ دَخَلَ مَدَاخِلَ السُّوْءِ اُتُّهِمَ.

يَا بُنَيَّ اِيَّاكَ اَنْ تُزْرِيَ بِالرِّجَالِ فَيُزْرٰى بِكَ، وَاِيَّاكَ وَالدُّخُوْلَ فِيْمَا لَا يَعْنِيْكَ فَتَذِلَّ لِذٰلِكَ.

يَا بُنَيَّ قُلِ الْحَقَّ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ تُسْتَشَانُ مِنْ بَيْنِ أَقْرَانِكَ،
يَا بُنَيَّ كُنْ لِكِتَابِ اللهِ تَالِيًا، وَالسَّلَامِ فَاشِيًا، وَبِالْمَعْرُوفِ آمِرًا، وَعَنِ الْمُنْكَرِ نَاهِيًا، وَلِمَنْ قَطَعَكَ وَاصِلًا، وَلِمَنْ سَكَتَ عَنْكَ مُبْتَدِئًا، وَلِمَنْ سَأَلَكَ مُعْطِيًا،
وَإِيَّاكَ وَالنَّمِيمَةَ فَإِنَّهَا تَزْرَعُ الشَّحْنَاءَ فِي قُلُوبِ الرِّجَالِ،
وَإِيَّاكَ وَالتَّعَرُّضَ لِعُيُوبِ النَّاسِ فَمَنْزِلَةُ التَّعَرُّضِ لِعُيُوبِ النَّاسِ بِمَنْزِلَةِ الْهَدَفِ،
يَا بُنَيَّ إِذَا طَلَبْتَ الْجُودَ فَعَلَيْكَ بِمَعَادِنِهِ فَإِنَّ لِلْجُودِ مَعَادِنٌ، وَلِلْمَعَادِنِ أُصُولًا وَلِلْأُصُولِ فُرُوعًا، وَلِلْفُرُوعِ ثَمَرًا، وَلَا يَطِيبُ ثَمَرٌ إِلَّا بِأُصُولٍ، وَلَا أَصْلَ ثَابِتٌ إِلَّا بِمَعْدَنٍ طَيِّبٍ،
يَا بُنَيَّ إِنْ زُرْتَ فَزُرِ الْأَخْيَارَ وَلَا تَزُرِ الْفُجَّارَ، فَإِنَّهُمْ صَخْرَةٌ لَا يَتَفَجَّرُ مَاؤُهَا، وَأَرْضٌ لَا يَظْهَرُ عُشْبُهَا،
قَالَ عَلِيُّ بْنُ مُوسَى: فَمَا تَرَكَ هٰذِهِ الْوَصِيَّةَ إِلَى أَنْ تُوُفِّيَ،

"اے میرے بیٹے! میری وصیت قبول کرو اور میری گفتگو کو محفوظ کرلو، اگر آپؑ اس کی حفاظت و رعایت رکھیں گے تو سعادت و خوشی کی زندگی بسر کریں گے اور قابلِ تعریف حال میں اس دُنیا سے جائیں گے۔

اے نُورِ نظر! جو شخص اپنی قسمت پر راضی رہتا ہے، وہ دوسروں سے بے نیاز ہوجاتا ہے اور جس کی نظر دوسرے لوگوں کے ہاتھوں میں موجود چیزوں کی طرف جاتی ہے وہ فقیر ہی مرتا ہے۔ جو خدا کی تقسیم پر راضی نہ ہوا اس نے خدا کے فیصلے میں خدا کو موردِ الزام ٹھہرایا۔ جو اپنی کوتاہی کو چھوٹا سمجھتا ہے وہ دوسرے کی کوتاہی کو بڑا جانتا ہے اور جو دوسرے کی کوتاہی کو چھوٹا سمجھتا ہے وہ اپنی کوتاہی کو بڑا جانتا ہے۔

اے جانِ پدر! جو کسی دوسرے کا پردہ فاش کرتا ہے اس کے اپنے عیبوں

سے پردہ اُٹھ جاتا ہے، جو بغاوت کی تلوار اُٹھاتا ہے وہ خود اس سے مارا جاتا ہے، جو کسی دوسرے کے لیے کنواں کھودتا ہے وہ خود اُسی میں گرتا ہے، جو بے وقوفوں کی محفل میں جاتا ہے وہ اپنی توہین خود کراتا ہے، جو علماء کی صحبت میں جاتا ہے وہ عزت پاتا ہے اور جو برائی کے مقامات پر جاتا ہے وہ تہمتوں کا شکار ہوتا ہے۔

اے نُورِ نظر! لوگوں کی عیب جوئی سے باز رہنا ورنہ وہ آپؑ کی عیب جوئی کریں گے، اور جس چیز سے مطلب نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑنا ورنہ اس کی خاطر ذلیل ہو جاؤ گے۔

اے بیٹا! بات حق ہی کہنا خواہ وہ آپؑ کے حق میں ہو یا آپؑ کے خلاف ہو۔ اس سے آپ کو اپنے زمانے کے لوگوں میں عزت ملے گی۔

اے جانِ پدر! کتابِ خدا کی تلاوت کرنے والے بن جاؤ، سلام کو پھیلانے والے ہو جاؤ، نیکی کا حکم دینے والے بن جاؤ، برائی سے روکنے والے ہو جاؤ، ناطہ توڑنے والے سے تعلق بنانے والے بن جاؤ (ناراضگی کی وجہ سے) بات نہ کرنے والے سے بولنے والے ہو جاؤ، اور مسائل کو عطا کرنے والے بن جاؤ۔

خود کو چغل خوری سے بچائے رکھنا کیونکہ یہ لوگوں کے دلوں میں کینہ وعداوت پیدا کر دیتی ہے۔ خود کو لوگوں کے عیوب کے پیچھے سے روکے رکھنا کیونکہ لوگوں کے عیوب کے پیچھے پڑنا اُن عیوب کا ہدف بننے کے برابر ہے۔

اے بیٹا! جب آپؑ کو سخاوت وفیاضی کی طلب ہو تو آپؑ پر لازم ہے کہ آپؑ اس کے معادن کی طرف رجوع کریں کیونکہ سخاوت کے کچھ معادن ہیں اور ان معادن کے کچھ اصول ہیں اور اُن اصول کی کچھ فروعات ہیں اور اُن فروعات کے کچھ ثمرات ہیں اور ثمر وہ ہی اچھا ہوتا ہے جو اُصول

کے ساتھ ہو اور پاکیزہ معدن کے بغیر کوئی اصل ثابت اور مستحکم نہیں ہوتی۔

اے بیٹا! اگر آپؑ کسی سے ملاقات کرنا چاہیں تو نیک لوگوں کے ساتھ ملاقات کریں اور بدکاروں سے ملاقات نہ کریں کیونکہ وہ ایک ایسی چٹان کی مانند ہیں جس سے پانی کے اُبلنے کی کوئی اُمید نہیں اور ایک ایسی زمین کی مانند ہیں جس کی کھیتی کے نکلنے کی کوئی توقع نہیں۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ میرے والد بزرگوار نے اپنی ساری زندگی اِس وصیت کے مطابق گزاری"۔ (حلیۃ الاولیاء: جلد ۳، ص ۱۹۵)

امام جعفر صادق علیہ السلام کا آخری وقت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی کنیز سالمہ بیان کرتی ہے: جب امام علیہ السلام کا وقتِ وفات قریب آیا تو میں آپؑ کے پاس موجود تھی۔ اس وقت آپؑ پر غشی طاری تھی۔ جب آپؑ کو اس سے افاقہ ہوا تو آپؑ نے فرمایا: حسن بن علی بن حسین افطس کو ستر دینار دو، فلاں کو اتنے دو اور فلاں کو اتنے دو......

میں نے عرض کیا: کیا آپؑ اس شخص کو مال دینے کی وصیت کر رہے ہیں جس نے آپؑ کو شہید کرنے کے لیے آپؑ پر تلوار سے حملہ کیا تھا؟

آپؑ نے فرمایا: خدا تجھ پر رحم کرے، کیا تُو نے قرآن نہیں پڑھا؟

میں نے کہا: کیوں نہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تُو نے یہ فرمانِ الٰہی نہیں پڑھا:

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ (سورۂ رعد: آیت ۲۱)

"اور اللہ نے جن رشتوں کو قائم رکھنے کا حکم دیا ہے انھیں قائم رکھتے ہیں

اور اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں اور بُرے حساب سے بھی خائف رہتے ہیں"۔

پھر آپؑ نے فرمایا: کیا تم یہ نہیں چاہتی کہ میں ان لوگوں میں سے ہو جاؤں جن کے بارے میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ (سورۂ رعد: آیت ۲۱)

ہاں، اے سالمہ! خداوند عالم نے جنّت کو خلق کیا اور اسے پاک و پاکیزہ بنایا اور اس کی خوشبو کو نہایت ہی عمدہ بنایا۔ اس کی خوشبو دو ہزار سال کی مسافت سے بھی محسوس کی جاتی ہے مگر (والدین کا) عاق شدہ اور قطع رحمی کرنے والا اسے نہیں سونگھ سکتا۔ (الکافی: جلد ۷، ص ۵۵)

حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب میں (حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زوجہ) حضرت اُمِ حمیدہ کو آپؑ کی تعزیت کرنے گیا تو آپؑ گریہ فرمانے لگیں۔ آپؑ کا گریہ سن کر مجھ سے بھی ضبط نہ ہو سکا اور میں بھی رونے لگ گیا۔ پھر آپؑ نے مجھ سے فرمایا:

اے ابا محمدؒ! اگر آپؒ امام جعفر صادق علیہ السلام کو وفات کے وقت دیکھتے تو آپؒ کو وہ منظر بڑا ہی عجیب لگتا۔

آپؑ نے اپنی آنکھیں کھولیں اور فرمایا: میرے تمام اقرباء کو جمع کرو۔

ہم نے آپؑ کے تمام قریبی رشتہ داروں کو اپنے گھر اکٹھا کیا۔ آپؑ نے ان سب کی طرف ایک نظر دوڑائی اور فرمایا:

اِنَّ شَفَاعَتَنَا لَا تُنَالُ مُسْتَخِفًّا بِالصَّلٰوةِ

"بے شک ہماری شفاعت اس شخص کو نصیب نہ ہوگی جو نماز کو حقیر جانے گا"۔ (المحاسن: جلد ۱، ص ۱۵۹)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت ہے، آپؑ نے ارشاد فرمایا: جب میرے بابا کا وقتِ وفات قریب آیا تو آپؑ نے مجھ سے فرمایا:

يَابُنَيَّ اِنَّهٗ لَا يَنَالُ شَفَاعَتَنَا مَنِ اسْتَخَفَّ بِالصَّلٰوةِ

"اے میرے بیٹے! جو شخص نماز کو ہلکا اور سبک سمجھے گا اسے ہماری شفاعت نصیب نہ ہوگی"۔ (الکافی: جلد ۳، ص ۲۷۰، حدیث ۱۵)

امام علیہ السلام کا دنیا سے پردہ فرمانا

اے مومنو! خدا تمھیں تمھارے امام علیہ السلام کی شہادت مصیبتِ عظمٰی پر ماجور کرے......

یہ وہ مصیبت ہے جس نے آسمان کے ملائکہ کو بھی رُلا دیا ہے۔ کیونکہ ملائکہ تو ایک عام مومن کی وفات کے غم میں بھی آنسو بہاتے ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ مومنوں کے امام اور عالمین پر خدا کی حجت کی وفات کے سانحۂ عظمٰی اور آفتِ کبریٰ پر خاموش رہیں اور غمِ امامؑ میں ان کی آنکھیں نہ چھلکیں۔

ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ فرشتے خلیفۂ رسولؐ، آپؐ کے نواسے، آپؐ کے علوم کے نشر کرنے والے اور آپؐ کے دینِ مبین کو زندہ کرنے والے پر گریہ کناں نہ ہوں؟!

کس طرح تصور کیا جاسکتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں پر پڑنے والی اس عظیم مصیبت پر وہ نہ روئیں؟!

یہ کیوں کر باور کیا جاسکتا ہے کہ آپؑ کی وفات کی وجہ سے پوری انسانیت کا نقصان ہوجائے اور فرشتے اس پر چپ رہیں اور غم کا اظہار نہ کریں۔ یقیناً ایسا سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ اس امام علیہ السلام پر گریہ و بکا نہ کیا جائے جس نے مظلومیت کی زندگی گزاری ہو اور زہر جفا سے شہادت پائی ہو۔ آپؑ نے اپنی تمام تر حیاتِ مبارکہ خوف و سختی اور ظلم و جلاوطنی میں گزاری۔

کبھی آپؑ کو بغداد بلایا جاتا اور منصور جیسا ظالم و سرکش حکمران آپؑ کو نازیبا کلمات کہتا تھا۔

کبھی آپؑ کو حیرہ و کوفہ بلایا جاتا تھا۔ کبھی آپؑ کے گھر کو جلایا جاتا تھا۔ کبھی آپؑ کے گھر کی دیوار پھلانگ کر آپؑ کو گرفتار کرکے بلا عمامہ و عبا منصور کے دربار میں لے جایا جاتا تھا۔ کبھی آپؑ کی آنکھوں کے سامنے آپؑ کے چچازاد بھائیوں کو قید خانے کی طرف لے جایا جاتا تھا اور ان کی کڑیوں اور بیڑیوں کے بوجھ سے وہ جھکے جارہے تھے۔ کتنی بار اس سرکش نے آپؑ کے خلاف آمرانہ احکام صادر کیے اور آپؑ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ کتنی بار اس نے آپ کو

شہید کرنے کے لیے اپنی تلوار کو بے نیام کیا......؟

جب اس کے تمام تر حربے ناکام ثابت ہو رہے تھے وہ بڑا ہی بے چین تھا اور اسے اس وقت چین آیا کہ اس نے امام علیہ السلام کو زہر دے دیا اور آپؑ کے جگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کر باہر آنے لگے۔

مومنو! اب وہ لمحہ تھا کہ امامت کا چھٹا آفتاب غروب ہونے کو جا رہا تھا۔ آپؑ کی حیاتِ مبارکہ کے بالکل آخری لحات تھے۔ آپؑ بسترِ مرگ پر لیٹے ہوئے تھے اور آپؑ کے اعزہ و اقربا آپؑ کی چارپائی کے گرد جمع ہو کر اپنے کریم و مہربان والد اور وقت کے امامؑ کی زندگی کی آخری گھڑیوں کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور بالآخر جدائی کا لمحہ آن پہنچا اور وقتِ حیات کی گھڑی کی سوئی صفر پر آ گئی۔

ایسا لگتا ہے کہ میں اپنی چشم تصور میں دیکھ رہا ہوں کہ امام علیہ السلام آخری بار اپنی آنکھیں کھولتے ہیں اور باری باری ہر ایک کے چہرے کو شفقت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اور یہ بالکل آخری اور الوداعی نظر ہے۔

الوداع! اے میرے بیٹو اور عزیزو!

الوداع! اے میرے شیعو اور صحابیو!

آج میں تم سے جدا ہو رہا ہوں۔ اب اگلی ملاقات پُلِ صراط پر ہو گی اور میں وہاں تمھاری شفاعت کروں گا۔ گویا کہ وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ آپؑ اپنے نحیف و لاغر اور اُمت کے ستائے ہوئے بدن کو قبلہ رُخ اور ہاتھوں کو سیدھا کرتے ہیں۔ آپؑ کی چمک دار ریشِ مبارک کا رُخ آسمان کی طرف ہوتا ہے۔

آپؑ کے لب ہائے مبارک محوِ حرکت ہیں اور آپؑ کی زبانِ مقدس پر یہ ذکرِ الٰہی جاری ہے:

. اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

آپؑ بڑے آرام و سکون کے ساتھ اپنی آنکھیں بند کرتے ہیں اور آپؑ کے قلبِ مبارک کی حرکات آہستہ آہستہ رُکنا شروع ہوتی ہیں اور ہاتفِ غیبی یہ ندا دیتا ہے:

يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِيٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○
فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ○ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ○ (سورۂ فجر: آیت ۲۷-۳۰)

"اے نفسِ مطمئنہ! اپنے رب کی طرف پلٹ آ، اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہو۔ پھر میرے بندوں میں شامل ہوجا اور میری جنّت میں داخل ہوجا"۔

اس ندا کو سن کر آپؑ کی روح اپنے پروردگار کے حکم کو تسلیم کرتی ہے اور امام علیہ السلام، اپنے آبائے کرام اور اجداد معصومینؑ کے ساتھ ملحق ہونے کے لیے دنیا سے پردہ فرما کر قدرت والے بادشاہ کے پاس راستی وعزت کے مقام کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

امام علیہ السلام کی شہادت کی کیفیت

معزز قارئین! راہِ خدا میں مارا جانا انبیائے کرامؑ اور اوصیاءؑ و اولیاؒ کی آخری تمنا ہوتی ہے۔ کیونکہ جو شخص رُشد وہدایت کا پیغام دوسروں تک پہنچاتا ہے وہ کبھی نہ کبھی ضرور بے وقوفوں یا حرص وطمع کے بندوں کے ظلم کا نشانہ بنتا ہے اور بالآخر اس کی زندگی کا خاتمہ تلوار یا زہر وغیرہ سے ہوتا ہے۔

ائمہ طاہرین علیہم السلام کے بارے میں تو یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ آپؑ کی موت طبیعی طریقے سے واقع نہیں ہوتی بلکہ آپؑ کو تلوار یا زہر وغیرہ سے شہید کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے اپنے والد بزرگوار حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا:

لَقَدْ حَدَّثَنِيْ حَبِيْبِيْ جَدِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَنَّ الْاَمْرَ يَمْلِكُهٗ اِثْنَا عَشَرَ اِمَامًا مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَصِفْوَتِهٖ مَا مِنَّا اِلَّا مَقْتُوْلٌ اَوْ مَسْمُوْمٌ

"میرے پیارے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ

اس اَمر (دین) کے وارث بارہ امامؑ ہوں جو آپؐ کے اہلِ بیتؑ اور چنے ہوئے افراد میں سے ہوں گے اور ہم (محمدؐ و آلِ محمدؐ) میں سے ہر ایک کو یا تو (تلوار سے) قتل کیا جائے گا یا زہر سے (شہید کیا جائے گا"۔

(بحار الانوار: جلد ۲۷، ص ۲۱۷)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

وَاللهِ مَا مِنَّا إِلَّا مَقْتُوْلٌ شَهِيْدٌ

"خدا کی قسم! ہم میں سے ہر ایک کو قتل کر کے شہید کیا جائے گا"۔

(بحار الانوار: جلد ۲۷، ص ۲۰۹)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَا مِنَّا إِلَّا مَقْتُوْلٌ

"ہم میں سے ہر ایک کو قتل کیا جاتا ہے"۔ (بحار: جلد ۲۷، ص ۲۱۴)

بنابرایں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زہر سے شہید ہونے کے بارے میں ہمارے پاس دو طرح کے دلائل موجود ہیں:

پہلی قسم کے دلائل میں تو وہ عمومی احادیث شامل ہیں جو اس بات کی صراحت کرتی ہیں کہ ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام میں سے ہر ایک کو زہر کے ساتھ شہید کیا جاتا ہے جبکہ دوسری قسم میں علماء و مؤرخین کے بیانات اس بات پر شاہد ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات زہر سے ہوئی ہے۔ جیسا کہ ذیل میں چند علماء کے اقوال آپ احباب کی خدمت میں پیش کیا جا رہے ہیں۔

شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَالصَّادِقُ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ علیہ السلام سَمَّهُ أَبُو جَعْفَرٍ وَالْمَنْصُوْرُ فَقَتَلَهُ

"اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو ابوجعفر منصور دوانیقی نے زہر سے شہید کیا"۔ (اعتقادات: ص ۱۰۹)

ابنِ شہر آشوب نے ابوجعفر قمی سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں:

سَمَّهُ الْمَنْصُوْرُ وَدُفِنَ فِي الْبَقِيْعِ

''آپؑ کو منصور دوانیقی نے زہر دی اور آپؑ کو بقیع میں دفن کیا گیا''۔

(مناقب آل ابی طالبؑ: جلد ۴، ص ۲۸۰)

طبری امامی (شیعہ عالم) کا کہنا ہے:

سَمَّهُ الْمَنْصُوْرُ فَقَتَلَهُ وَمَضٰی

''منصور نے آپؑ کو زہر دے کر قتل کیا اور آپؑ اس دنیا سے چلے گئے''۔ (دلائل الامامہ: ص ۱۱۰)

شیخ کفعمی کہتے ہیں:

وَتُوُفِّيَ عَلَيْهِ السَّلَامُ...... مَسْمُوْمًا فِيْ عِنَبٍ

''اور آپؑ کو انگوروں میں زہر ملا کر شہید کیا گیا''۔ (المصباح: ص ۶۹۱)

ابنِ صباغ مالکی کہتا ہے:

يُقَالُ اِنَّهٗ مَاتَ بِالسَّمِّ فِيْ اَيَّامِ الْمَنْصُوْرِ

''کہا جاتا ہے کہ آپؑ کی وفات منصور کے زمانے میں زہر سے ہوئی''۔

(الفصول المہمہ: ص ۲۱۹)

صاحب مفاتیح الجنان خاتم المحدثین شیخ عباس قمی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

...... تُوُفِّيَ الْاِمَامُ الصَّادِقُ علیہ السلام فِيْ شَهْرِ شَوَّالَ (سنہ ۱۴۸ھ) بِالْعِنَبِ الْمَسْمُوْمِ الَّذِيْ اَطْعَمَهُ الْمَنْصُوْرُ

''امام جعفر صادق علیہ السلام ماہِ شوال ۱۴۸ ہجری میں ان زہر آلود انگوروں سے ہوئی جو منصور نے آپؑ کو کھلائے تھے''۔ (منتہی الآمال: جلد ۲، ص ۲۴۳)

شہادت کے بعد کے حالات

امام جعفر صادق علیہ السلام کے گھر سے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں اور لوگوں کو خبر ہوئی کہ امام علیہ السلام دنیا کے دکھوں سے آزاد ہو گئے ہیں تو وہ جوق در جوق امام علیہ السلام کے گھر آئے اور انھوں نے آپؑ کی اولادوں کو آپؑ کی تعزیت پیش کی اور اس دکھ میں ان کے شریک بنے۔

اسی طرح عورتوں نے بھی مصیبت کے اس وقت میں امام علیہ السلام کے گھر والوں کو تعزیت پیش کرنے کے لیے آپؑ کے گھر کا رُخ کیا اور کچھ ہی دیر میں آپؑ کا گھر تعزیت پیش کرنے والے مردوں اور عورتوں سے بھر گیا اور ہر طرف سے گریہ و بکا اور نالہ و شیون کی آوازیں ہی سنائی دیتی تھیں۔

یہ ایک طبیعی اَمر تھا کیونکہ امام جعفر صادق علیہ السلام سب لوگوں کی نظر میں محبوب تھے۔ آپؑ نے لوگوں کے دلوں میں گھر کیا ہوا تھا اور دوست و دشمن، قریبی و دُور کا اور موالف و مخالف ہر ایک آپؑ کے فضل و بزرگی کا اعتراف کرتا تھا۔

لہٰذا جب ایسے عظیم امام علیہ السلام کی شہادت واقع ہوگئی تھی تو لوگوں کا اس پر پھوٹ پھوٹ کر رونا کوئی تعجب والا اَمر نہیں۔ کیونکہ آپؑ کی شہادت سے انھوں نے علم کا سمندر، حلم کا پہاڑ اور فضائل و مواہب کی چٹان گم کردی تھی۔ یقیناً انھوں نے ائمہ فن کے استاد، فقہا کے بزرگ، علماء کے قدوہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے خلیفہ کو کھو دیا تھا جو اپنے اَقوال و اَفعال، اخلاق و سیرت اور حرکات و سکنات میں آپؐ کی تصویر تھے۔

اور جو چیز ان کے دُکھ میں اضافے کا سبب بنی اور جس نے انھیں رونے پر مجبور کیا وہ چیز یہ تھی کہ امام علیہ السلام کی وفات طبیعی طریقے سے نہیں ہوئی تھی بلکہ آپؑ کو منصور سفاک و لعین نے زہر جفا سے شہید کیا تھا اور آپؑ نے زہر سے شہید ہو کر مظلومیت و صبر کے ساتھ اپنا وعدہ وفا کیا تھا۔

فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

امام علیہ السلام کے غسل و کفن کے مراسم

امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت کے بعد آپؑ کے نُورِ نظر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے آپؑ کی وصیتوں کو نافذ کیا اور آپؑ کی تجہیز و تکفین کے اُمور کی ذمہ داری سنبھالی۔ واضح رہے کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے معاویہ بن عمار کو اپنے غسل کے بارے

میں وصیت کی تھی لیکن اوّلاً تو یہ روایت ضعیف السند ہے۔

ثانیاً یہ کہ ایک مسلّمہ اصول کے خلاف ہے کہ امام کو غسل امام ہی دے سکتا ہے۔

ثالثاً یہ کہ یہ روایت اس صحیح روایت کے مقابل ہے جو ابھی گزری ہے جس میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے غسل کے بارے میں اپنے بیٹے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو وصیت کی نہ کہ آپؑ کے غیر کو۔

بنابرایں صحیح بات یہی ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ہی اپنے بابا کی وصیت کے مطابق آپؑ کو غسل دیا تھا اور اس کے بعد آپؑ کو کفن پہنانے کی ذمہ داری بھی آپؑ نے ہی نبھائی تھی۔ چنانچہ آپؑ (یعنی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام) فرماتے ہیں:

مَیں نے اپنے بابا کو دو شطوی چادروں (جنھیں آپؑ احرام کی حالت میں پہنتے تھے) ایک قمیص، امام سجادؑ کے ایک عمامے اور ایک بڑی چادر کا کفن پہنایا جو آپؑ نے خود چالیس دینار کی خریدی تھی۔ (الکافی: جلد ۱، ص ۴۷۵)

اس کے بعد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے آگے بڑھ کر اپنے بابا کی نمازِ جنازہ پڑھائی (کیونکہ امامؑ کا جنازہ بھی امام ہی پڑھا سکتا ہے) اور آپؑ پیچھے امام صادق علیہ السلام کے دوسرے بیٹوں، وہاں پر موجود بنی ہاشم اور دوسرے لوگوں نے صفیں قائم کیں۔

امام علیہ السلام کے جنازہ میں لوگوں کا ہجوم

جب امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت کی خبر عام ہوئی تو دکانیں اور بازار بند ہو گئے اور مدینہ اور اس کے گردونواح کے لوگ اپنے گھروں اور محلات کو تالے لگا کر امام علیہ السلام کے جنازے میں شریک ہونے کے لیے آئے اور کچھ ہی دیر میں مختلف طبقوں، شعبوں اور تمام مذاہب کے افراد ایک جمِ غفیر کی صورت میں آپؑ کے جنازے میں شمولیت کے لیے اکٹھے ہو گئے۔

دوست و دشمن اور موافق و مخالف غرضیکہ اپنے اور پرائے سب لوگ آپؑ کی تشییع جنازہ کے لیے جمع ہو گئے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ امام جعفر صادق علیہ السلام معاشرے میں اتنا بلند مقام رکھتے تھے کہ ہر ایک آپؑ کو تعظیم و تجلیل کی نظر سے دیکھتا تھا۔

شیعہ حضرات آپؑ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ آپؑ امام معصوم ہیں اور آپؑ کی اطاعت فرض ہے اور خدا نے آپؑ کی اطاعت کو اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ ملایا ہے جبکہ غیر شیعہ آپؑ کو بہت بڑا عالم، زاہد، عبادت گزار، مکارمِ اَخلاق کا حامل اور تمام اچھی صفات سے متصف جانتے تھے۔

لہٰذا یہ سب آپؑ کے جنازہ میں شریک ہوئے تھے اور آپؑ کے جنازے میں لوگوں کا بہت بڑا ہجوم آپؑ کی پاکیزگی و عظمت اور ان کے دلوں میں آپؑ کے الٰہی رُعب و ہیبت کے موجود ہونے کا شاہد تھا۔ اور بالآخر وہ قیامت خیز گھڑی بھی آ گئی جب آپؑ کے جسدِ اَطہر کو گھر سے اُٹھایا گیا۔ بس جنازے کا اُٹھنا تھا کہ آپؑ کے گھر سے فلک شگاف چیخیں بلند ہوئیں۔ آپؑ کے بیٹے آپؑ کا جنازہ کندھوں پر اُٹھا کر گھر سے باہر لے آئے۔ رو رو کر ان کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری تھی۔

اَطراف و جوانب کے لوگ آ کر ان سے گلے ملتے تھے اور حُزن و بکا میں ان کے شریک تھے۔ یوں آہوں اور سسکیوں اور نالہ وشیون کے ساتھ آپؑ کا جنازہ اپنی آخری آرام گاہ کی طرف رواں دواں تھا۔

آفتابِ صداقت کی منزلِ غروب

بالآخر چلتے چلتے آپؑ کا جنازہ منتہائے مقصود پر پہنچ گیا اور لوگوں اور بالخصوص آپؑ کے بیٹوں کے بین بڑی شدت کے ساتھ فضا میں بلند ہوئے۔ اب ان کے اپنے اس امام علیہ السلام کے ساتھ چند لمحے رہ گئے تھے جن کے ساتھ انھوں نے اپنی زندگیاں گزاری تھیں اور جن کی محبت و مودت اور علوم و معارف کی بدولت انھوں نے سعادت و خوش بختی حاصل کی تھی۔

امام علیہ السلام کا جسدِ اَطہر ان کی آنکھوں کے سامنے کچھ ہی وقت کا مہمان رہ گیا تھا جو دفن ہونے کے بالکل قریب تھا اور اس کے بعد امامؑ کے جسم نے ہمیشہ کے لیے ان کی نظروں سے اوجھل ہو جانا تھا۔

چنانچہ وہ جنت البقیع میں امام علیہ السلام کے جنازہ کو لے کر بقعہ اہلِ بیتؑ کی طرف بڑھے۔

اس بقعۂ مقدسہ میں انھوں نے امام علیہ السلام کی قبر پہلے سے تیار کر رکھی تھی۔

سبحان اللہ! کیا عظمت و رفعت کا مالک تھا وہ بقعہ!

سبحان اللہ! وہ کیا ہی پاک و پاکیزہ مٹی اور کیسی ہی مقدس زمین تھی۔

سبحان اللہ! وہ کس بلند شان کا مالک روضہ تھا جو چار ایسی ہستیوں کا مسکن تھا جنھیں خدا نے اپنی مخلوق پر حجت بنا کر بھیجا تھا۔ اس مٹی کی قسمت میں چار ائمہ علیہم السلام کا جائے دفن ہونا آیا۔ اس بقعۂ مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار بیٹوں کی مرقدیں ہیں:

① جوانانِ جنت کے سردار حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام

② حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام

③ حضرت امام محمد بن علی باقر علوم اوّلین و آخرین علیہ السلام

④ اور چوتھے امام جعفر صادق علیہ السلام، جو اپنے ان آبائے کرام علیہم السلام کے ساتھ ملحق ہوئے اور ان کے جوارِ مقدس میں سکونت اختیار کرنے جا رہے تھے۔

شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَدُفِنَ بِالْبَقِيعِ فِي الْقَبْرِ الَّذِي دُفِنَ فِيهِ أَبُوهُ وَجَدُّهُ وَالْحَسَنُ ابْنُ عَلِيٍّ علیہم السلام (الکافی: جلد ۱، ص ۴۷۲)

"اور آپؑ کو بقیع میں اس قبر (بقعہ) میں دفن کیا گیا جس میں آپؑ کے والد بزرگوار، آپؑ کے جدِ امجد اور حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام دفن تھے"۔

ابنِ صباغ مالکی کہتا ہے:

وَقَبْرُهُ بِالْبَقِيعِ. دُفِنَ فِي الْقَبْرِ الَّذِي فِيهِ أَبُوهُ وَجَدُّهُ وَعَمُّ جَدِّهِ. فَلِلّٰهِ دَرُّهُ مِنْ قَبْرٍ مَا أَكْرَمَهُ وَأَشْرَفَهُ (فصول المہمہ: ص ۲۱۹)

"آپؑ کی قبر مطہر بقیع میں ہے۔ آپؑ کو اسی قبر (جگہ) میں دفن کیا گیا جس میں آپؑ کے والد گرامی، جدِ بزرگوار اور آپؑ کے جدِ امجد کے چچا دفن تھے۔ سبحان اللہ! وہ قبر کتنی ہی زیادہ عزت و شرف کی مالک ہے"۔

مسعودی لکھتا ہے:

وَكَانَتْ عَلَى الْقَبْرِ رُخَامَةٌ قَدْ كُتِبَتْ عَلَيْهَا اَسْمَاءُ هُمُ الشَّرِيفَةُ عَلَى التَّرْتِيبِ (مروج الذہب: جلد ۳، ص ۲۹۷)

"آپؑ کی قبر پر سنگ مرمر کی ایک تختی تھی جس میں بقیع میں دفن ہونے والے ائمہ علیہم السلام کے اسمائے مبارکہ ترتیب کے ساتھ درج تھے۔

واضح رہے کہ اس بقعۂ مبارکہ میں شیخ بطحاء و مومن قریش و حامی رسولؐ سیدنا حضرت ابوطالبؑ کی زوجہ اور بطلِ اسلام و خلیفۂ رسولؐ و عمید الائمہ و سید العترۃ مولانا امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سیدہ طاہرہ فاطمہ بنت اسد علیہا السلام کی بھی قبر مبارک ہے۔

بعض محققین کا گمان ہے کہ یہ سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی قبر ہے مگر ان کا یہ گمان درست نہیں ہے بلکہ صحیح امر یہ ہے کہ آپؑ نے وصیت فرمائی تھی کہ آپؑ کی جائے دفن کو مخفی رکھا جائے کیونکہ آپ حکمرانوں سے غضب ناک تھیں، اسی لیے آپؑ نے اپنے شوہر نامدار کو وصیت فرمائی کہ آپؑ کے جنازے میں وہ لوگ نہ آئیں جنھوں نے آپؑ کو ستایا تھا۔ اور حضرت علی علیہ السلام نے بھی بلا استثناء آپؑ کی تمام وصیتوں کو پورا کیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ آپؑ کی قبر اَب تک مجہول ہے اور تا ابد مجہول ہی رہے گی (ہاں اگر خدا چاہے تو......) اور یہ آپؑ کی مظلومیت اور اَربابِ خلافت سے آپؑ کی ناراضگی کے بڑے بڑے دلائل میں سے ایک ہے۔

اور محققین جو متعین طور پر آپؑ کی قبر جنت البقیع میں بتاتے ہیں وہ محض آپؑ اس مظلومیت کو ختم کرنے اور اربابِ سلطنت کے آپؑ کے ساتھ کیے گئے ظلم و جور پر پردہ ڈالنے کی ایک ناکام کوشش ہے۔ مگر ان کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی۔

دفن کے بعد

خدا کی ذات ہی بہتر جانتی ہے کہ امام علیہ السلام کی اولاد کو اس واقعۂ ہائلہ سے کتنا بڑا صدمہ پہنچا تھا بالخصوص اس وقت کہ جب آپؑ کے جسد اطہر کو قبر میں اُتارا گیا۔ قبر کی سِلیں رکھی گئیں اور اسے مٹی سے بھر دیا گیا۔

یقیناً وہ بڑی ہی حزن و ملال کی گھڑی تھی اور نہایت افسوس کا مقام تھا کیونکہ اُن سے اُن کا ایسا مہربان باپ بچھڑ رہا تھا جو انھیں ظلم کی دھوپ میں اپنی رحمت کا سایہ فراہم کیے ہوئے تھا۔ ان کی آنکھوں سے ایسا امام غائب ہونے لگا تھا جس نے اپنے علوم و معارف سے پوری دنیا کو بھر دیا تھا۔

وہ ایسے معلّم کے پردہ فرمانے کا وقت تھا جس نے اپنے ہاتھوں سے ہزاروں علماء، فقہا، مفسرین اور محدثین پیدا کیے تھے۔ وہ ایک ایسے مربی کی آنکھوں سے اوجھل ہونے کا لمحہ تھا جس نے ہزاروں لوگوں کو ایمان و اَخلاق اور کمالاتِ نفسانی کی تربیت دی تھی۔ بلاشبہ وہ ایک عظیم پہاڑ کے چھپنے کی گھڑی تھی جو فضائل و کمالات کا مجمع تھا۔ وہ ایک ایسے امامؑ کی جدائی کا موقع تھا جو تقویٰ و نزاہت اور عصمت و طہارت کا ایک کوہِ گراں تھا۔

یقیناً وہ مرحلہ ایک ایسے امامؑ کی غیبت کا تھا جو فقرا و مساکین کی داد رسی کرتا تھا اور ضعیفوں اور محتاجوں کا سہارا بنتا تھا۔ ہاں وہ ایک ایسے مجاہد کے دیدار کے آخری لمحات تھے جس نے عقیدہ و جہاد کی زندگی گزاری تھی اور راہِ خدا میں طرح طرح کی ایذائیں اُٹھائی تھیں۔ بے شک وہ ایسے صابر و محتسب کے غائب ہونے کا وقت تھا جس نے تمام تر مصائب و آلام کا سامنا بڑے صبر و ثبات کے ساتھ کیا تھا۔ اور اب وہ وقت آگیا تھا کہ آپؑ کے بیٹوں کو گھر واپس جانا تھا۔ مگر ان کے دل انھیں گھر کی جانب قدم اُٹھانے سے مانع ہو رہے تھے کیونکہ انھوں نے

اپنے کریم ومہربان والد کو کھویا تھا اور والد کے گھران کے لیے جائے وحشت ہو گیا تھا۔

گھر کا کونہ کونہ انھیں اس شفیق ومہربان باپ کی یاد دلاتا تھا جس کا سایہ اُن کے سروں سے اُٹھ چکا تھا۔ اس گھر میں کہیں آپؑ کا حجرۂ خاص، کہیں آپؑ کی جائے نماز اور کہیں آپؑ کے اپنے اصحاب وشاگردوں کے ساتھ محفل جمانے اور انھیں علوم ومعارف کا فیض پہنچانے کی جگہ تھی۔ آپؑ کی اولاد جوں جوں ان چیزوں کی طرف نظر کرتی تھیں ان کے گریہ وبکا میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔

شیخ کلینیؒ نے اُصولِ کافی میں لکھا ہے کہ جب حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی وفات ہوئی تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے آپؑ کی رہائش گاہ میں چراغ روشن کرنے کا حکم دیا اور امام علیہ السلام کی وفات تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا اور آپؑ کی وفات کے بعد امام ابوالحسن موسیٰ کاظم علیہ السلام نے بھی آپؑ کی جائے سکونت پر چراغ روشن کرنے کا حکم دیا اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا حتیٰ کہ آپؑ کو عراق لے جایا گیا۔ اس کے بعد کی مجھے نہیں خبر کہ کیا ہوا؟ (اُصولِ کافی: جلد ۳، ص ۲۵۱)

خبرِ شہادت کا دوسرے علاقوں کے شیعوں تک پہنچنا

امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت واقع ہوتے ہی یہ خبر ان تمام شہروں اور ریاستوں میں پہنچ گئی جہاں جہاں آپؑ کے شیعہ آباد تھے۔ اور جوں جوں وہ اس خبر کو سنتے گئے ان کی خوشیاں، غم وحزن میں بدلتی گئیں، ان کے دل ڈوب گئے، آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور ساری کی ساری فضا قلق واضطراب سے بھر گئی۔

داؤد بن کثیر رقی روایت کرتے ہیں: کوفہ میں حضرت ابوحمزہ ثمالیؒ کے پاس ایک اعرابی آیا۔ آپؒ نے اس سے مدینہ کی خبر پوچھی تو اس نے کہا: ''امام جعفر صادق علیہ السلام انتقال فرما گئے ہیں''۔

بس اس خبر کا سننا تھا کہ حضرت ابوحمزہؒ کی چیخ بلند ہوئی اور آپؒ بے ہوش ہو گئے۔ پھر جب کچھ دیر کے بعد افاقہ ہوا تو آپؒ نے اس سے پوچھا: کیا امامؑ نے کسی کو اپنا وصی بنایا

ہے۔ یہ ساری روایت سابقاً وصیت کے باب میں گزر چکی ہے۔

امام علیہ السلام کی شہادت کے بارے میں منصور دوانیقی کا موقف

امام علیہ السلام کی شہادت کے موقع پر منصور دوانیقی نے بالکل وہی طریقہ اپنایا جو دوسرے جابر بادشاہوں کا اپنے مخالفوں اور رقیبوں کی موت پر ہوتا تھا۔ ایک طرف تو وہ اس خسارے کو دیکھتا تھا جو امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات سے اُمتِ مسلمہ کو پہنچا تھا اور دوسری طرف وہ اس خوشی وراحت میں تھا کہ اب اس کے آگے سے وہ دیوار ہٹ گئی ہے جو اس کے شیطانی مقاصد کے حصول میں رکاوٹ بنی ہوئی تھی۔

اسی لیے امام علیہ السلام کی شہادت پر وہ مگرمچھ کے آنسو بہا رہا تھا تاکہ ان کے ذریعے سے امام علیہ السلام کو زہر دینے والے اپنے بڑے گناہ کو چھپا سکے۔ (1) حالانکہ اسی وقت وہ مدینہ میں اپنے گورنر کو یہ خط لکھ رہا تھا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے خلیفہ اور اس امامؑ کی گردن اُڑادو جس کی امامت پر امام جعفر صادق علیہ السلام نے نص فرمائی ہے۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھا کہ اس انسان نما شیطان کے اقوال وافعال میں کس قدر تضاد تھا مگر خیر یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ ایسی ابلیسی چالیں سیاسی دنیا میں اور اہلِ سیاست کی زندگی میں روزمرہ اور معمول کی باتیں ہوتی ہیں اور ان کی نظر میں ایسا دوغلہ پن کوئی معیوب اُمر نہیں ہوتا۔

ابوایوب نحوی کہتا ہے: آدھی رات کے وقت ابوجعفر منصور نے مجھے اپنے پاس بلا بھیجا۔ جب میں اس کے پاس گیا تو وہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے آگے ایک شمع رکھی ہوئی تھی اور اس کے ہاتھ میں ایک خط تھا۔ جب میں نے اسے سلام کہا تو اس نے روتے ہوئے وہ خط میری طرف پھینکا اور کہنے لگا: یہ محمد بن سلیمان کا خط ہے۔ اس میں اس نے ہمیں خبر دی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا انتقال ہوگیا ہے۔ پھر اس نے تین مرتبہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھا اور کہا: امام جعفر صادق علیہ السلام کی مثل کون ہوسکتا ہے؟!

---

(1) اور ایسی شیطانی چالیں سیاسی دنیا میں اور اہلِ سیاست کی زندگی میں روزمرہ اور معمول کی باتیں ہوتی ہیں۔

پھر اس نے مجھ سے کہا: اب تم خط لکھو۔

جب میں خط کا ابتدائیہ لکھ چکا تو اس نے کہا: تم یہ لکھو کہ اگر امام علیہ السلام نے کسی کو اپنا وصی بنایا ہے تو تم جلدی سے جاؤ اور اس کی گردن اڑا دو۔

جب منصور نے یہ خط بھیجا تو اسے اس کا یہ جواب موصول ہوا:

"امام علیہ السلام نے پانچ اشخاص کے بارے میں وصیت فرمائی ہے اور اے منصور! ان پانچ میں ایک تُو بھی ہے، اور تیرے علاوہ چار افراد یہ ہیں: محمد بن سلیمان، عبداللہ بن جعفرؒ، حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور حضرت حمیدہ خاتونؒ (زوجۂ امام صادقؑ)۔

یہ جواب پڑھ کر منصور نے کہا: ان لوگوں کو قتل کرنے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ (لہٰذا میں اپنی پہلی بات واپس لیتا ہوں)۔ (اصولِ کافی: جلد ۱، ص ۳۱۰، حدیث ۱۳)

علامہ باقر مجلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: امام جعفر صادق علیہ السلام علمِ امامت سے جانتے تھے کہ آپؑ کے بعد آپؑ کے وصی کو قتل کرنے کا حکم صادر کیا جائے گا لہٰذا آپؑ نے اپنی وصیت میں ان لوگوں کا نام بھی شامل کیا اور پہلے پہل منصور کا نام لکھا لیکن حقیقت میں آپؑ کے وصی اور آپؑ کی اُمت کے امام حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہی تھے اور صاحبانِ علم و معرفت اس کو جانتے تھے۔ جیسا کہ اس کا بیان حضرت ابوحمزہ ثمالیؒ کی روایت کے تحت گزر چکا ہے۔ (جلاء العیون: ص ۵۲۳)

امام علیہ السلام کی تاریخِ شہادت

شیخ کلینی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت ماہِ شوال ۱۴۸ ہجری میں ہوئی اور اس وقت آپؑ کی عمر مبارک ۶۵ برس تھی۔ (الکافی: جلد ۱، ص ۴۷۲)

شیخ طوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: آپؑ کی شہادت ماہِ رجب کے نصف میں ہوئی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپؑ کی شہادت ماہِ شوال ۱۴۸ ہجری میں ہوئی۔ (اعلام الوریٰ: ص ۱۵۹)

کتاب جنات الخلود میں آیا ہے کہ آپؑ کی شہادت بروز اتوار اور بقولے بروز سوموار ۲۵ شوال کو ہوئی۔ (جنات الخلود: ص ۲۹)

میں کہتا ہوں شیعہ امامیہ کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ آپؑ کی شہادت ۲۵ شوال ۱۴۸ ہجری کو ہوئی اور ہر سال اسی دن پوری دنیا میں مسجدوں، امام بارگاہوں، مومنین کے گھروں اور عوامی مقامات پر ماتمی جلوسوں اور مجالسِ عزا کا انعقاد کیا جاتا ہے اور ان مجالس میں بڑے بڑے نامور خطباء، منبر حسینیؑ پر جا کر آپؑ کے فضائل و کمالات، سیرت و اخلاقیات اور معجزات و کرامات کو بیان کرتے ہیں اور اختتامِ مجلس پر آپؑ کے مصائب اور آپؑ کی شہادت کے واقعات مومنین کو سناتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ گلیاں اور سڑکیں ماتمی جلوسوں سے بھر جاتی ہیں۔ ان میں مختلف طبقوں کے لوگ شریک ہوتے ہیں اور وہ سیاہ لباس پہنے اور سیاہ علم اُٹھائے اپنے سینوں پر ماتم کر رہے ہوتے ہیں اور اس دن کی مناسبت سے مرثیہ و نوحہ خوانی کرتے ہیں: (1)

أَعْظَمَ اللهُ أُجُورَنَا وَأُجُورَهُمْ بِمُصَابِنَا بِالْإِمَامِ الصَّادِقِ وَآبَائِهِ وَذُرِّيَّتِهِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامِ

---

(1) واضح رہے کہ بعض علماء نے آپؑ کی تاریخ شہادت ۱۵ شوال بھی ذکر کی ہے۔ (از مترجم)

امام صادق علیہ السلام کی زیارت کا ثواب

اسلام میں زیارتِ قبور کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کے مصادر میں بہت سی احادیث بھی وارد ہوئی ہیں جیسا کہ بعض احادیث میں اہلِ بیت نبویؐ کی زیارت کی تاکید اور ثواب بھی وارد ہوا ہے، خواہ وہ مدینہ منورہ میں ہوں، خواہ عراق میں ہوں یا ایران میں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ فرماتے ہیں:

جب تم میں سے کوئی شخص حج کرے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا حج ہماری زیارت پر ختم کرے، کیونکہ ہماری زیارت کے ساتھ ہی حج کامل ہوتا ہے۔ (عیون اخبار الرضا: جلد ۲، ص ۲۹۲)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

ہر امامؑ کا اس کے اولیاء اور شیعوں کی گردن میں ایک عہد ہوتا ہے اور عہد کی کامل وفا اور اسے اچھے طریقے سے ادا کرنا ان آئمہ علیہم السلام کی زیارت سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ چنانچہ جس جس نے بھی ان کی زیارت میں رغبت اور ان کی پسندیدہ چیزوں کی تصدیق کے ساتھ ان کی زیارت کی تو ان کے وہ آئمہ علیہم السلام قیامت کے روز ان کی شفاعت کرنے والے ہوں گے۔ (الکافی: جلد ۴، ص ۵۶۷)

ابوعبداللہ حرانی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ جو شخص امام حسین علیہ السلام کی قبرِ اطہر کی زیارت کرے، اسے کتنا ثواب ملے گا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جو بھی شخص امام حسین علیہ السلام کے مزار پر جائے، وہاں زیارت کرے اور وہاں دو رکعت نماز ادا کرے تو اس کے نامۂ اعمال میں حجِ مبرور کا ثواب لکھا جاتا ہے اور

جو شخص وہاں چار رکعتیں ادا کرے اس کے نامۂ اعمال میں ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

میں نے پوچھا: قربان جاؤں کیا یہ ثواب ہر اس زائر کو ملے گا جو بارہ ائمہؑ میں سے ہر امامؑ کی اطاعت کو فرض جانتے ہوئے اس کی زیارت کرے گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں! جو بھی کسی امام کی اطاعت کو فرض سمجھتے ہوئے اس کی زیارت کرے گا اسے یہ ثواب ملے گا۔ (تہذیب، جلد ۶، ص ۷۹)

زید شحام سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ جو شخص آپؑ میں سے کسی (بھی امامؑ) کی زیارت کرے اسے کتنا ثواب ملے گا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جس نے بھی ہم (ائمہ علیہم السلام) میں سے کسی کی زیارت کی گویا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ (تہذیب: جلد ۶، ص ۷۹)

علاوہ بریں بعض روایات میں خصوصیت کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت کی فضیلت بھی وارد ہوئی ہے۔ ان میں چند ایک حسب ذیل ہیں:

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ زَارَنِي غُفِرَتْ لَهٗ ذُنُوْبُهٗ وَلَمْ يَمُتْ فَقِيْرًا

"جو میری زیارت کرے گا اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور وہ فقر و تنگدستی کے عالم میں نہ مرے گا"۔ (تہذیب: جلد ۶، ص ۷۹، حدیث ۱۵۷)

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

مَنْ زَارَ جَعْفَرًا وَّاَبَاهُ لَمْ يَشْتَكِ عَيْنَهٗ وَلَمْ يُصِبْهُ سُقْمٌ وَلَمْ يَمُتْ مُبْتَلًى

"جس نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور آپؑ کے بابا کی زیارت کی اس کی آنکھیں نہ دُکھیں گی، اسے کوئی بیماری نہ چھوئے گی اور اسے کسی تکلیف میں موت نہ آئے گی"۔ (تہذیب: جلد ۶، ص ۷۸، حدیث ۱۵۳)

یہی وجہ ہے آپؑ کی شہادت کے دن سے آج تک آپؑ کی زیارت کے لیے جانا شیعہ مومنوں کا معمول ہے۔ ہم نیچے ایک زیارت پیش کر رہے ہیں جو سب ائمہ بقیعؑ کے لیے پڑھی جا سکتی ہے:

اَلسَّلَامُ عَلٰی اَئِمَّۃِ الْھُدٰی، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ التَّقْوٰی، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمُ الْحُجَّۃُ عَلٰی اَھْلِ الدُّنْیَا، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمُ الْقُوَّامُ فِی الْبَرِیَّۃِ بِالْقِسْطِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الصِّفْوَۃِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ النَّجْوٰی، اَشْھَدُ اَنَّکُمْ قَدْ بَلَّغْتُمْ وَنَصَحْتُمْ وَصَبَرْتُمْ فِیْ ذَاتِ اللّٰہِ، وَکُذِّبْتُمْ وَاُسِیْءَ اِلَیْکُمْ فَغَفَرْتُمْ، وَاَشْھَدُ اَنَّکُمُ الْاَئِمَّۃُ الرَّاشِدُوْنَ الْمُھْتَدُوْنَ، وَاَنَّ طَاعَتَکُمْ مَفْرُوْضَۃٌ، وَاَنَّ قَوْلَکُمُ الصِّدْقُ، وَاَنَّکُمْ دَعَوْتُمْ فَلَمْ تُجَابُوْا، وَاَمَرْتُمْ فَلَمْ تُطَاعُوْا، وَاَنَّکُمْ دَعَائِمُ الدِّیْنِ وَاَرْکَانُ الْاَرْضِ، لَمْ تَزَالُوْا بِعَیْنِ اللّٰہِ یَنْسَخُکُمْ فِیْ اَصْلَابِ کُلِّ مُطَھَّرٍ، وَیَنْقُلُکُمْ مِنْ اَرْحَامِ الْمُطَھَّرَاتِ، لَمْ تُدَنِّسْکُمُ الْجَاھِلِیَّۃُ الْجَھْلَاءُ، وَلَمْ تَشْرَکْ فِیْکُمْ فِتَنُ الْاَھْوَاءِ، طِبْتُمْ وَطَابَ مَنْبَتُکُمْ،

مَنَّ بِکُمْ عَلَیْنَا دَیَّانُ الدِّیْنِ، فَجَعَلَکُمْ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا، وَجَعَلَ صَلَوَاتَنَا وَطِیْبَ خَلْقِنَا بِمَا مَنَّ عَلَیْنَا بِہٖ مِنْ وَلَایَتِکُمْ، وَکُنَّا عِنْدَہٗ مُسَمِّیْنَ، بِعِلْمِکُمْ، مُعْتَرِفِیْنَ بِتَصْدِیْقِنَا اِیَّاکُمْ، وَھٰذَا مَقَامُ مَنْ اَسْرَفَ وَاَخْطَاَ وَاسْتَکَانَ وَاَقَرَّ بِمَا جَنٰی، وَرَجَا بِمَقَامِہِ الْخَلَاصَ، وَاَنْ یَسْتَنْقِذَہٗ بِکُمْ مُسْتَنْقِذُ الْھَلْکٰی مِنَ الرَّدٰی، فَکُوْنُوْا لِیْ شُفَعَاءَ، وَفَدْتُ اِلَیْکُمْ اِذْ رَغِبَ عَنْکُمْ اَھْلُ الدُّنْیَا وَاتَّخَذُوْا آیَاتِ اللّٰہِ ھُزُوًا وَاسْتَکْبَرُوْا،

يَامَنْ هُوَ ذَاكِرٌ لَا يَسهو ، وَدَائِمٌ لَا يَلهو وَمُحِيطٌ بِكُلِّ شَيْءٍ ، لَكَ الْمَنُّ بِمَا وَفَّقتَنِي وَعَرَّفْتَنِي بِمَا ثَبَّتَنِي عَلَيْهِ إِذْ صَدَّ عَنْهُ عِبَادُكَ ، وَجَحَدُوا مَعرِفَتَهُمْ ، وَاسْتَخَفُّوا بِحَقِّهِم ، وَمَالُوا إِلَى سِوَاهِمْ ، وَكَانَتِ الْمِنَّةُ لَكَ وَمِنْكَ عَلَيَّ مَعَ أَقْوَامٍ خَصَصْتَهُمْ بِمَا خَصَصْتَنِي بِهِ ، فَلَكَ الْحَمْدُ إِذْ كُنْتُ عِنْدَكَ مَذْكُورًا مَكْتُوبًا ، فَلَا تحرمنِي مَا رَجَوتُ وَلَا تُخَيِّبنِي فِي مَا دَعوتُ ،

ثُمَّ ادعُ لِنَفْسِكَ بِمَا أَحببت

پھر اس زیارت کے بعد جو دُعا دل میں آئے ، کرے۔

قبر منہدم

ماضی میں ائمہ بقیع علیہم السلام کا روضہ شیعیانِ اہل بیتؑ اور حُب دارانِ آلِ رسولؐ کی توجہ کا مرکز تھا اور طول و عرض اور مشرق و مغرب سے شیعہ یہاں تشریف لاتے تھے اور اس مقدس مقام کی زیارت سے فیض یاب ہوتے تھے۔ وہ اپنے اس عمل سے خدا و رسولؐ کا قرب حاصل کرتے تھے اور آلِ رسولؐ کی محبت کا واجب فرض ادا کرتے تھے جو خداوند عالم نے اپنے اس فرمان میں ان پر واجب کیا تھا:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى

''میں اس (تبلیغ رسالتؐ) پر تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا سوائے قریب ترین رشتہ داروں کی محبت کے''۔ (سورۂ شوریٰ: آیت ۲۳)

اور حج کے موقعوں پر تو اس کی رونق میں مزید اضافہ ہو جاتا تھا۔ پس وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس بقعۂ طاہرہ کی تعمیر مکمل ہوگئی اور وہاں ایک خوبصورت قبہ، حرم شریف کی شاندار عمارت اور عظمتِ الٰہیہ کا جلوہ پیش کرنے والی فضا قائم ہوگئی۔

اور ایسا کیونکر نہ ہوتا جب کہ یہ جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ اور ان گھروں میں سے ایک گھر تھا جنھیں بلند کرنے اور جن میں اپنا نام لینے کا خدا نے حکم دیا تھا؟!

مسلمانوں کے مذاہب و مشارب کے اختلاف کے باوجود بھی ان کی نظر میں انبیاءؑ واولیاءؒ کی قبور پر قبے بنانا اور ان میں سجاوٹ کرنا ایک اچھی بات ہے اور وہ اسے شعائر الٰہیہ کی تعظیم کی ایک نوع سمجھتے ہیں جس کے بارے میں خداوند متعال ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ

"بات یہ ہے کہ جو اللہ کے شعائر کا احترام کرتا ہے تو یہ دلوں کا تقویٰ ہے"۔ (سورۂ حج: آیت ۳۲)

اسلامی ممالک بالخصوص عراق، حجاز، اُردن، مصر، شام، فلسطین، ایران اور مغرب اقصیٰ وغیرہ میں انبیاءؑ و اولیاءؒ کے بہت سے مزارات ہیں اور ان پر عالی شان قبے، بلند وبالا مینار اور شاندار عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔

اور ائمہ اربعہ میں سے کوئی انھیں برا جانتا ہے اور نہ ہی علمائے مسلمین وفقہائے شریعت میں سے کوئی ان کی طرف انگشت نمائی کرتا ہے۔

حنابلہ کا امام احمد بن حنبل بغداد میں رہتا تھا اور اس کی آنکھوں کے سامنے ابوحنیفہ کا عالی شان مزار تھا اور وہ اس سے نہیں روکتا تھا بلکہ امام شافعی، ابوحنیفہ کی قبر کی زیارت کو بھی جاتا تھا جیسا کہ ائمہ اہلبیت علیہم السلام میں سے بھی کوئی قبروں پر ضریحیں اور گنبد وغیرہ کو ناپسند اور برا جانتا۔ مثلاً حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر پر روضہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام یا آپؑ سے بھی پہلے کے زمانے سے موجود ہے اور نہ آپؑ نے اسے ناپسند کیا اور نہ ہی اسے برا جانا اور اسی طرح آپؑ کے علاوہ بھی کسی امام علیہ السلام نے اس سے منع نہ کیا۔

چنانچہ جب کبھی اس روضہ کو دشمنوں کی جانب سے منہدم کرایا گیا تو جلد ہی مخلص مومنوں نے نئے طرز تعمیر کے مطابق اسے پھر سے تعمیر کرا دیا اور ہارون عباسی کے دور میں خلیفہ رسولؐ حضرت علی امیرالمومنین کی مرقد منورہ پر قبہ بنایا گیا۔

الغرض مسلمانوں کا شروع سے ہی یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ وہ اولیائے الٰہی کی قبر پر شاندار عمارتیں اور قبے وغیرہ بناتے ہیں تاکہ ان کی قبریں عام گناہ گار لوگوں کی قبروں سے ممتاز ہو جائیں۔

لیکن بڑے دُکھ و افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جیسے ہی حجاز میں حرمین پر وہابیوں نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو وہ اولیائے الٰہی کی قبروں پر موجود قبوں کو گرانے کے درپے ہوگئے اور یہ گمان کرنے لگے کہ قبروں پر قبے وغیرہ تعمیر کرنا حرام ہے۔اب ہمیں حق پہنچتا ہے کہ ہم یہ سوال اُٹھائیں کہ کیا یہ حکم مذاہب اربعہ کے ائمہ کو معلوم نہ تھا اور اب انھیں معلوم ہو گیا ہے؟!

اتنی صدیاں گزرنے کے باوجود مسلمان اس حکم سے کیوں غافل رہے؟

کیا خداوند عالم نے کسی خاص طریقے سے وہابیوں کو سمجھایا ہے کہ قبروں پر قبے بنانا حرام ہے؟ کیا حلالِ محمدؐ ان لوگوں کے ہاتھوں منسوخ ہو گیا ہے؟!

اور اگر جواب نہ میں ہے تو حلالِ محمدؐ کے قیامت تک حلال رہنے کا کیا مطلب ہے؟!

معزز قارئین! بڑے دُکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آٹھ شوال ۱۳۴۴ھ کو بقیع میں موجود چار ائمہ علیہم السلام کی قبور پر بنا ہوا قبہ گرا کر اسے زمین کے ساتھ برابر کر دیا گیا، ان کی حُرمت کو پامال کر دیا گیا اور ان کا لحاظ نہ رکھا گیا۔ اور اب وہاں کوئی چھت موجود نہیں جو آلِ رسولؐ کے زائر کو سایہ دے اور انھیں گرمی و سردی سے بچا سکے۔

کیا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محنتوں کے پیشِ نظر آپؐ کی آل سے اسی قسم کا ہی سلوک ہونا چاہیے تھا؟!

اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا یہی اجر بنتا ہے؟! کیا جو دُکھ آلِ رسولؐ نے اپنی زندگی میں اُٹھائے تھے، وہی ان کے لیے کافی نہ تھے کہ ان کی وفات کے بعد بھی ان پر ہونے والے مظالم کا سلسلہ نہ رُکا؟!

ہم یہاں پورے عالمِ اسلام کو دعوتِ فکر دیتے ہیں اور ان سب کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ سارے کے سارے متحد ہو کر ان ظالم حکومتوں سے اس ظلم کے بارے میں پوچھ گچھ کریں اور ان جگہوں پر دوبارہ شاندار قبے تعمیر کرائیں، تاکہ ان مقامات کی دسیوں سال سے گم شدہ شان و شوکت واپس آجائے اور یقیناً اگر خدا ہی اس کی توفیق دے اور اپنی مدد شاملِ حال کرے تو یہ کام ممکن ہو سکتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی اَزواج

امام جعفر صادق علیہ السلام نے چند آزاد عورتوں کے ساتھ شادی کی اور بعض کنیزوں کو بھی خریدا، جیسا کہ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

① سیّدہ فاطمہ بنت الحسین بن امام علی بن حسین زین العابدین علیہما السلام ۔ یہ آپؑ کی چچازاد تھیں اور بقولے فاطمہ بنت حسین اثرم بن امام حسن بن امام علی بن ابی طالب تھیں۔

② اُمِ حمیدہ، یا حمیدہ مصفاۃ بربریہ علیہا السلام

③ اُمِ وہب بن وہب ابی بختری علیہا السلام

④ اُمِ سالمہؒ وغیرہ۔

جنابِ حمیدہ المصفاۃ البربریہ علیہا السلام

آپؑ صاعد بربری کی دختر تھیں اور کہا جاتا ہے کہ آپؑ اندلسی اور اُمِ ولد تھیں اور آپؑ کو لولوہ (گوہر) کہا جاتا تھا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

حمیدہ علیہا السلام خالص سونے کی مانند ہر قسم کی برائی و کثافت سے پاک تھیں۔ فرشتے ہمیشہ ان کی حفاظت کرتے رہے حتیٰ کہ یہ خدا کا مجھ پر اور میرے ہونے والی حجت پر احسان کی صورت میں میرے حصّے میں آگئیں۔ (مناقب آلِ ابی طالبؑ، جلد ۴، ص ۳۲۳)

عیسیٰ بن عبدالرحمٰن نے اپنے والد سے نقل کیا ہے، وہ کہتا ہے: عکاشہ بن محصن اسدی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت امام جعفر صادق علیہ السلام آپؑ کے پاس کھڑے ہوئے تھے تو امام علیہ السلام نے ہمیں انگور پیش کیے اور فرمایا: بچے اور بوڑھے اس کا ایک ایک دانہ کر کے کھاتے ہیں اور جسے بھوک لگی ہوتی ہے وہ اس کے تین تین، اور چار چار دانے کھاتا ہے مگر تم اسے دو، دو دانے کر کے کھاؤ، کیونکہ اسے اس طرح کھانا مستحب ہے۔

محصن اسدی نے کہا: آپؑ امام جعفر صادق علیہ السلام کی شادی کیوں نہیں کرا دیتے،

حالانکہ یہ شادی کی عمر کو پہنچے ہوئے ہیں؟

اس وقت امام محمد باقر علیہ السلام کے سامنے ایک مہر لگی ہوئی تھیلی پڑی ہوئی تھی۔

آپؑ نے فرمایا: جلد ہی اہلِ بربر کے غلام فروش آئیں گے اور میمون کے گھر ٹھہریں گے تو ہم اُن سے اس تھیلی کے عوض امام جعفر صادق علیہ السلام کے لیے ایک کنیز خریدیں گے۔

محسن کہتا ہے: اس کے کچھ عرصے کے بعد اہلِ بربر کے غلام فروش آ گئے۔ چنانچہ ایک دن ہم امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس گئے تو آپؑ نے ہمیں فرمایا: وہ غلام فروش آ گئے ہیں جن کا میں نے تم سے ذکر کیا تھا، لہٰذا تم جاؤ اور اس تھیلی کے عوض ان سے ایک کنیز خرید کر لے آؤ۔

محسن کہتا ہے: جب ہم وہ تھیلی لے کر اس بربری عبد فروش کے پاس گئے تو اس نے ہم سے کہا کہ میں تو سارے غلام اور کنیزیں فروخت کر چکا ہوں اور اب میرے پاس دو ہی کنیزیں باقی رہ گئی ہیں جو بیمار ہیں، مگر ان میں سے ایک کی صحت قدر بہتر ہو رہی ہے۔

ہم نے اس سے کہا: ذرا ہمیں دکھاؤ تاکہ کچھ سوچ بچار کر لیں۔

اس پر اس عبد فروش نے ہمیں وہ دو بیمار کنیزیں دکھائیں۔

ہم نے اس سے کہا: یہ جس کی صحت کچھ بہتر ہو رہی ہے ہمیں کتنے کی دے گا؟

اس نے کہا: اس کی قیمت ستر دینار ہے۔

ہم نے کہا: کچھ رعایت نہیں کرو گے؟

اس نے کہا: نہیں، ستر سے کم نہیں۔

ہم نے کہا: ہم تمھیں اس کی قیمت وہی دیں گے جو کچھ اس تھیلی سے نکلے گا اور ہمیں نہیں خبر کہ اس میں کتنے دینار ہیں؟

اس کے پاس ایک سفید ریش بزرگ کھڑا تھا۔ اس نے کہا: تم اس تھیلی کو کھولو اور وزن کرو۔

غلام فروش نے کہا: نہیں، اسے مت کھولو۔ ایک ستر دینار سے ایک دانہ بھی کم ہو تو میں اسے تمھارے آگے نہیں بیچوں گا۔

اس سفید ریش بوڑھے نے کہا: اِدھر آؤ، اسے کھولو۔ جب ہم نے اس تھیلی کو کھولا تو اس سے پورے ستر دینار برآمد ہوئے۔ نہ ایک کم نہ ایک زیادہ۔ پس ہم نے وہ دینار اس

عبد فروش کو دیے اور وہ کنیز لے کر امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس آگئے۔ اس وقت آپؑ کے پاس امام جعفر صادق علیہ السلام کھڑے تھے۔ ہم نے اپنا سارا ماجرا امام محمد باقر علیہ السلام کو سنایا تو آپؑ نے خدا کی حمد وثنا کے بعد اس کنیز سے کہا: تمھارا کیا نام ہے؟

اس نے کہا: حمیدہ۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

حَمِيدَةٌ فِي الدُّنْيَا وَمَحْمُودَةٌ فِي الْآخِرَةِ

"تو دنیا میں حمیدہ ہے اور آخرت میں محمودہ ہوگی"۔

بتاؤ! تمھاری پہلے کہیں شادی ہوئی ہے یا نہیں؟

اس نے کہا: جی نہیں، میری پہلے کہیں بھی شادی نہیں ہوئی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جعفر صادق! اسے لے لیں۔

یوں وہ حمیدہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے حصے میں آئیں اور ان سے تمام اہلِ زمین میں سے بہتر شخصیت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ (الکافی: جلد ۱، ص ۴۷۶)

امام صادق علیہ السلام کے بیٹے اور بیٹیاں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سات بیٹے تھے اور ان کے نام درج ذیل ہیں:

① اسماعیل الامینؒ ② عبداللہ الافطح ③ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ

④ حضرت اسحاقؒ ⑤ محمد الدیباجؒ ⑥ العباسؒ ⑦ علی العریضیؒ

صاحبِ کتاب کشف الغمہ کے نزدیک آپؑ کے بیٹوں کی تعداد آٹھ ہے اور ان میں سے آٹھویں حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں۔

آپؑ کی تین بیٹیاں تھیں اور ان کے اسماء یہ ہیں:

① حضرت اُمِ فروہؒ: امام علیہ السلام نے ان کی شادی اپنے بھتیجے کے ساتھ کی تھی جنھوں نے حضرت زید شہیدؒ کے ہمراہ خروج کیا تھا۔

② حضرت اسماءؒ ③ حضرت فاطمہ صغریٰؒ

اب ہم آپ احباب کی خدمت میں امام علیہ السلام کے بعض بیٹوں کے حالات اور ان سے مربوط اُمور کو پیش کرتے ہیں۔

حضرت اسماعیل بن امام جعفر صادق علیہ السلام

آپؑ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بڑے بیٹے تھے۔ آپؑ بڑے سخی و مہربان اور شجاع و بہادر تھے۔ آپؑ کے فضائل و کرامات کی وجہ سے امام جعفر صادق علیہ السلام بھی آپؑ کو بے حد چاہتے تھے اور آپؑ کی ہدایت و رہنمائی فرماتے رہتے تھے۔

بعض شیعہ یہ سمجھتے تھے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی امام ہوں گے کیونکہ ان میں مشہور تھا کہ اگر بڑے بیٹے میں کوئی عیب نہ ہو تو اپنے باپ کے بعد وہی امام ہوتا ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ ان کے پیار کو بھی انھی معنوں میں لیتے تھے مگر جب وہ اس مسئلے میں امام علیہ السلام کی طرف رجوع کرتے تو امام علیہ السلام اس کی نفی کر دیتے تھے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ اسماعیل بن عمار نے اپنا دین امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے یوں پیش کیا:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَّكُمْ......

یہاں پر اس نے امام جعفر صادق علیہ السلام تک یکے بعد دیگرے ائمہ طاہرین علیہم السلام کے نام لیے۔ پھر جب اس نے کہا اور آپؑ کے حضرت اسماعیلؑ تو امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، حضرت اسماعیلؑ امام نہیں ہوں گے۔ (بحارالانوار: جلد ۴۷، ص ۲۶۱)

عمرو بن ابان کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اوصیاء کا ذکر کر رہے تھے تو میں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نام لیا۔ اس پر آپؑ نے ارشاد فرمایا: نہیں، اے ابا محمد! خدا کی قسم! یہ (وصی مقرر کرنا) ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ اس کا سارا اختیار خدا کے پاس ہے اور وہ ایک کے بعد دوسرے وصی کو بھیجتا ہے۔ (بصائر الدرجات: ص ۴۹۱)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ میں ہی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت پر نص فرما دی تھی۔ اسی لیے امام جعفر صادق علیہ السلام کے فاضل

اصحاب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو امام سمجھتے تھے اور نہ ہی ان کے بھائی حضرت عبداللہ افطح کو۔

ہم یہاں پر بطورِ عبرت و نصیحت ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ایک دوسرے شخص کے درمیان پیش آیا تھا۔

حماد بن عیسیٰ نے حریز سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس چند دینار تھے اور ایک شخص یمن جا رہا تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام چاہتے تھے کہ وہ شخص آپؑ کے لیے یمن سے دیناروں کے بدلے کوئی چیز لیتا آئے۔

آپؑ نے امام علیہ السلام سے عرض کیا: بابا جان! فلاں شخص یمن جا رہا ہے اور میرے پاس چند دینار ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ ان دیناروں کے بدلے وہاں سے میرے لیے کوئی چیز خرید کر لائے۔ اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جانِ پدر! کیا آپؑ نہیں جانتے کہ وہ شراب نوشی کرتا ہے؟

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا: جی بابا! لوگ اس کے بارے میں یہی کہتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: بیٹا! آپؑ اپنے دینار اس کے حوالے نہ کرنا۔ لیکن حضرت اسماعیلؑ نے اپنے باباؑ کی نافرمانی کرتے ہوئے وہ دینار اس شرابی کے حوالے کر دیے اور وہ ان دیناروں کو ضائع کر کے واپس آ گیا اور حضرت اسماعیلؑ کے لیے کوئی چیز نہ لایا۔

حضرت اسماعیل اور امام جعفر صادق علیہما السلام نے اس سال حج کیا تو حضرت اسماعیلؑ بیت اللہ کا طواف کر کے یہ دُعا کرنے لگے: ''خدایا! مجھے اپنی پناہ دے اور میرا مال مجھے واپس دلا''۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے آپ کو پیچھے سے پکڑ کر فرمایا: خاموش ہو جاؤ، اے بیٹے! خدا کی قسم! نہ تمھاری خدا پر اب کوئی حجت باقی ہے، نہ اب اس پر تمھیں امان دینا فرض رہا اور نہ ہی تمھارا ضائع شدہ مال پلٹانا اس کے ذمہ رہا کیونکہ تجھے علم تھا کہ وہ شرابی ہے اور تُو نے اس کے باوجود بھی اسے امین بنایا۔

حضرت اسماعیلؑ نے عرض کیا: بابا جانؑ! مَیں نے اسے اپنی آنکھوں سے تو شراب پیتے نہیں دیکھا تھا بلکہ میں نے تو صرف اس کے بارے میں لوگوں کی باتیں ہی سنی تھیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: بیٹا! قرآن مجید میں خداوند ارشاد فرماتا ہے:

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ (سورۂ توبہ: آیت ۶۱)

"اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور مومنوں کی تصدیق کرتا ہے"۔

یعنی وہ اللہ کی بھی تصدیق کرتا ہے اور مومنوں کی باتوں کو بھی سچ کہتا ہے۔ پس جب تمھارے پاس مومنوں کی گواہی آ گئی تھی تو تیرا کام بنتا تھا کہ تو ان کی باتوں کو سچ سمجھتا اور شرابی کو امانت دار نہ بناتا۔

خدائے بزرگ و برتر اپنی کتاب میں ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمْ (سورۂ نساء: آیت ۵)

"اور اپنے مال بے وقوفوں کے حوالے نہ کرو"۔

لہٰذا اب مجھے بتاؤ کہ شرابی سے بڑھ کر بھی کوئی بے وقوف ہو سکتا ہے؟! کیونکہ شرابی اگر کسی عورت کی خواستگاری کرے تو اسے رشتہ نہیں دیا جاتا۔ جب کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش کو قبول نہیں کیا جاتا اور نہ ہی اسے امانت پر امین بنایا جاتا ہے۔ چنانچہ جو بھی اسے کسی امانت پر امین بناتا ہے گویا وہ اس امانت کو اپنے ہاتھوں سے ضائع کر دیتا ہے اور ایسی صورت میں خدا پر کچھ واجب نہیں رہتا کہ وہ امین بنانے والے کو بچائے یا اس کی امانت اسے واپس دلائے۔ (الکافی: جلد ۵، ص ۲۹۹)

حضرت اسماعیلؑ کی وفات

امام جعفر صادق علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ میں ہی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات ہو گئی تھی اور آپؑ کی وفات بعض ضعیف العقیدہ لوگوں کے لیے ایک عقائدی فتنہ ثابت ہوئی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے علمِ امامت سے جانتے تھے کہ عنقریب مریض دلوں والے شیطانی اور گمراہ کن اعمال انجام دیں گے اس لیے آپؑ نے کچھ ایسے کام کیے جو اس زمانے کے اعتبار سے ذرا عجیب تھے۔

آپؑ نے لوگوں کے سامنے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے چہرے سے کپڑا ہٹایا

اور انھیں دکھایا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے۔ پھر آپؑ نے انھیں بقیع میں دفن کر دیا۔ یہ سارا کچھ ان پر حجت تمام کرنے کے لیے اور ان کے شبہ کو دُور کرنے کے لیے تھا۔ اور جو جو افراد تشییع جنازہ میں موجود تھے وہ سب آپؑ کے ان اعمال کے شاہد تھے۔

حضرت زرارہ بن اعینؒ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپؑ کی دائیں جانب آپؑ کے تمام بیٹوں کے سردار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تشریف فرما تھے اور آپؑ کے سامنے ایک کپڑے میں ڈھکی ہوئی میت پڑی تھی۔

آپؑ نے مجھ سے فرمایا: اے زرارہ! داؤد بن کثیر رقی، حمران اور ابوبصیرؒ کو میرے پاس لے آؤ۔ اسی اثناء میں حضرت مفضل بن عمرؒ بھی امام علیہ السلام کے پاس آ گئے تھے۔ پس امام علیہ السلام کا حکم ملتے ہی میں ان تینوں کو بلا کر لے آیا۔ پھر ایک ایک کر کے اور بھی لوگ امام علیہ السلام کی محفل میں آتے گئے حتیٰ کہ امام علیہ السلام کے گھر میں ہم تیس افراد جمع ہو گئے۔

جب امام علیہ السلام کی محفل لوگوں سے بھر گئی تو آپؑ نے فرمایا: اے داؤد! حضرت اسماعیلؒ کے چہرے سے کپڑا اٹھاؤ۔ جب میں نے حضرت اسماعیلؒ کے چہرے سے کپڑا اٹھایا تو امام علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا: اے داؤدؒ! بتاؤ کیا حضرت اسماعیلؒ زندہ نہیں ہیں۔ پھر امام علیہ السلام نے اپنی محفل میں موجود تمام لوگوں کو باری باری حضرت اسماعیلؒ کی میت دکھائی اور سب نے یہی کہا: مولا! حضرت اسماعیلؒ زندہ نہیں ہیں۔ پھر امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: خدایا! گواہ رہنا۔ اس کے بعد آپؑ نے انھیں غسل وحنوط اور کفن پہنانے کا حکم صادر فرمایا۔

پھر جب انھیں کفن پہنا دیا گیا تو امام علیہ السلام نے حضرت مفضلؒ سے فرمایا: اے مفضلؒ! ذرا اسماعیلؒ کے چہرے سے کپڑا اٹھاؤ۔

جب حضرت مفضلؒ نے کپڑا اٹھایا تو آپؑ نے پوچھا: کیا اسماعیل زندہ ہے؟

حضرت مفضلؒ نے جواب دیا: نہیں۔

ان کا جواب سن کر امام علیہ السلام نے کہا: خدایا! ان پر گواہ رہنا۔

پھر ان کی میت کو اُٹھا کر قبرستان لے جایا گیا اور پھر جب انھیں قبر میں لٹا دیا گیا تو

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے مفضلؒ! ذرا اسماعیل کے چہرے سے کپڑا ہٹاؤ۔ پھر آپؑ نے چند لوگوں سے کہا: ذرا دیکھو، اسماعیلؒ زندہ ہے یا نہیں؟

انھوں نے کہا: نہیں، اسماعیل زندہ نہیں ہے۔

اس پر آپؑ نے فرمایا: خدایا! تو گواہ رہنا اور اے لوگو! تم بھی گواہ رہو، عنقریب اہلِ باطل شک میں پڑیں گے اور نُورِ خدا کو پھونکوں سے بجھانے کی کوشش کریں گے۔ پھر آپؑ نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اور خدا اپنے نُور کو کامل کرنے والا ہے، خواہ یہ بات مشرکوں کو ناگوار ہی گزرے۔

پھر جب ہم حضرت اسماعیلؒ پر مٹی ڈال چکے تو امام علیہ السلام نے دوبارہ ہم سے اقرار لیا: اس قبر میں کس میت کو حنوط و کفن دے کر دفن کیا گیا ہے؟

لوگوں نے جواب دیا: حضرت اسماعیلؒ کو۔

اس پر امام علیہ السلام نے فرمایا: خدایا گواہ رہنا۔ پھر آپؑ نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: یہ حق ہیں اور جب تک خدا زمین اور اس پر موجود چیزوں کا (بعد والے امامؑ کو) وارث نہیں بنا دیتا، حق اِن کے ساتھ ہے اور ان سے ہے۔ (بحارالانوار: جلد ۴۸، ص ۲۱)

سعید بن عبداللہ اعرج کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جب (میرے بیٹے) حضرت اسماعیلؒ کی وفات ہوئی اور ان کے اُوپر کپڑا دے دیا گیا تو میں نے حکم دیا کہ ذرا ان کے منہ سے کپڑا ہٹایا جائے۔ پس جب ان کے منہ سے کپڑا ہٹا دیا گیا تو میں نے ان کی پیشانی، ٹھوڑی اور گلے کا بوسہ لیا۔ پھر ان پر کپڑا ڈال دیا گیا۔ پھر میں نے کہا: ان کے منہ سے پھر کپڑا اُٹھاؤ۔ جب کپڑا ہٹایا گیا تو مَیں نے دوبارہ ان کی پیشانی، ٹھوڑی اور گلے کو چوما اور اُوپر کپڑا ڈلوا دیا۔ پھر میں نے ان کو غسل دینے کا کہا، اور جب انھیں غسل و کفن مکمل طور پر دے دیا گیا تو میں نے کہا: اب کی بار پھر ان کے چہرے سے کپڑا ہٹاؤ۔ پس جب ان کے منہ سے کپڑا ہٹا دیا گیا تو میں نے تیسری بار پھر ان کے ماتھے، ٹھوڑی اور گلے پر پیار کیا اور انھیں پناہ میں دے کر قبر میں اُتارنے کا حکم دیا۔

راوی کہتا ہے: میں نے پوچھا: آپؑ نے انھیں کس کی پناہ میں دیا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: قرآن مجید کی پناہ میں۔ (اکمال الدین: ص ۷۱)

اسماعیل بن جابر کہتے ہیں: جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؒ کی وفات ہوئی تو آپؑ ان کی میت کو بوسے دینے لگ گئے۔

میں نے پوچھا: قربان جاؤں کیا ایسا نہیں ہے کہ مرنے کے بعد میت کو مَس نہیں کرنا چاہیے، اور جو مَس کرتا ہے اس پر غسلِ مَسِ میت واجب ہو جاتا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میت جب تک گرم رہے اسے چھونے میں کوئی حرج نہیں اور یہ (غسلِ مَس میت والا) حکم اس صورت میں کہ جب میت ٹھنڈی ہو جائے۔ (تہذیب الاحکام: جلد ا، ص ۴۲۹، حدیث ۱۳۶۶)

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت اسماعیلؒ کی وفات کے وقت امام جعفر صادق علیہ السلام بڑے غم زدہ اور پریشان تھے اور برہنہ پا اور بغیر ردا کے جنازے کے آگے چل رہے تھے اور جب لوگوں نے حضرت اسماعیلؒ کی میت کو قبر میں اُتارا تو آپؑ نے قبر کے پاس بیٹھ کر فرمایا:

رَحِمَكَ اللهُ وَصَلّٰى عَلَيْكَ

"خدا تم پر رحم کرے اور تم پر درود بھیجے"۔

اس کے بعد آپؑ قبر میں نہ اُترے اور فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی (اپنے بیٹے) حضرت ابراہیم علیہ السلام (کی میت) کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔ (الکافی: جلد ۳، ص ۱۹۳)

نعمانی کی کتاب "الغیبہ" میں آیا ہے۔ یہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک مشہور کلام ہے جو آپؑ نے حضرت اسماعیلؒ کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا تھا:

"میرے دل میں تمھارے لیے دُکھ، تمھارے اُوپر دُکھ (ناراضگی) پر غالب آ گیا ہے۔ اے اسماعیل! میرے حق میں تجھ سے جو بھی کوتاہی ہوئی ہے میں نے وہ تمھیں بخش دی ہے، پس اگر مجھ سے تیرے حق میں کوئی کمی رہ گئی ہو تو مجھے معاف کر دینا"۔ (الغیبہ: ص ۳۲۷)

عنبسہ بن بجاد العابد کہتے ہیں: جب امام جعفر صادق علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسماعیلؒ کی وفات ہوئی اور ہم ان کی نماز جنازہ سے فارغ ہوئے تو امام جعفر صادق علیہ السلام بیٹھے اور ان کے

ساتھ ہم بھی بیٹھ گئے۔ اس وقت امام علیہ السلام نے (غم کی وجہ سے) اپنا سر نیچے کیا ہوا تھا۔ پھر آپؑ نے اپنا سر مبارک اُوپر اُٹھایا اور فرمایا:

"اے لوگو! یہ دنیا جدائی اور دشواری کا گھر ہے، نہ کہ امن وسکون کا۔ اس طرح کہ اس کی جدائی کی سوزش کو دُور نہیں کیا جاسکتا اور اس کی تڑپ کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ لوگ حُسنِ تعزیت اور صحیح فکر کی بہ دولت فضیلت پالیتے ہیں۔ پس جو اپنے بھائی کو جدائی کا صدمہ نہ پہنچائے گا تو اس کا بھائی اسے جدائی کا صدمہ دے جائے گا اور جس کا بیٹا پہلے نہ مرے گا تو وہ خود مرنے میں پہل کر جائے گا"۔

پھر آپؑ نے بطورِ مثال ابوخراش ہذلی کا وہ شعر پڑھا جو اس نے اپنے بھائی کے مرثیہ میں کہا تھا:

وَلَا تَحْسَبِي اَنِّي تَنَاسَيْتُ عَهْدَهُ وَلٰكِنَّ صَبْرِي يَا اُمَيْمُ جَمِيْلُ

"اے اُمیم! تو یہ نہ سمجھ کہ میں نے اپنے بھائی کا عہد (مہر و وفا) بھلا دیا ہے بلکہ مَیں تو صرف اپنے صبر جمیل کا مظاہرہ کر رہا ہوں"۔

اس کے علاوہ بھی بہت کچھ مصادر اہلِ بیتؑ میں حضرت اسماعیلؒ کے بارے میں احادیث وارد ہوئی ہیں جنھیں ہم نے اپنے موسوعہ میں ذکر کر دیا ہے۔

فتنۂ عقائدیہ

معزز قارئین! حضرت اسماعیلؒ کی وفات کے وقت امام جعفر صادق علیہ السلام نے جو تدبیریں اختیار کی تھیں، ان سب تدبیروں اور حضرت اسماعیلؒ کی وفات پر واضح شواہد موجود ہونے کے باوجود بھی بعض لوگوں نے حضرت اسماعیلؒ کی وفات میں شبہ ظاہر کیا اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد ان کی امامت کے قائل ہوگئے اور اس سے انھوں نے ایک نیا عقائدی فتنہ کھڑا کیا اور مسلمانوں اور مومنوں کی صفوں میں مزید انتشار پیدا کیا اور اس کے نتیجے میں ایک نیا مذہب تشکیل پایا جو مذہبِ شیعہ سے کٹ کر بنا تھا اور وہ اسماعیلیہ مذہب کہلایا اور آگے وہ بھی

دو قسموں میں تقسیم ہوا:

① ظاہریہ: یہ بُہرہ کے نام سے معروف ہیں۔

② باطنیہ: انھیں آغا خانی کہا جاتا ہے۔

یہ ہندوستان، پاکستان، مشرقی افریقہ اور دوسرے ممالک میں پائے جاتے ہیں۔ یہ پہلے چھے اماموں کو تسلیم کرتے ہیں اور باقی چھے کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے احکام بے دلیل اور ان کی فقہ، شیعہ امامیہ کی فقہ سے بہت مختلف ہے۔ اگر ہم اس کی تفصیل میں جائیں تو بات طویل ہوجائے گی۔

عبداللہ بن امام صادق علیہ السلام

ان کا لقب "الافطح" تھا اور ان کا یہ لقب ان کے سر یا پاؤں کے چوڑے ہونے کی وجہ سے تھا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام علمِ امامت سے جانتے تھے کہ منصور دوانیقی آپؑ کے بعد ہونے والے امام کو قتل کرنے کی کوشش کرے گا لہٰذا آپؑ وقت کے تقاضوں کے پیش نظر کسی کو یہ نہ بتا سکے کہ آپ کے امام حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ اس حکمت عملی کا سب سے بڑا ثبوت آپؑ کا اپنے بیٹے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی جان کا تحفظ کرنا تھا۔

لیکن آپؑ نے اس کام (یعنی اپنے بعد وصی کے تقرر) کے لیے ضروری تدبیروں سے بھی بے اعتنائی نہ برتی تاکہ یہ معاملہ آپؑ کے شیعوں پر بالکل ہی مخفی نہ رہ جائے۔ لہٰذا آپؑ نے اپنے بعض خواص اور معتبر شیعوں کے سامنے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت و ولایت پر نص فرمائی جیسا کہ ان نصوص کو ہم عنقریب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے حالات میں درج کریں گے۔

اس وقت شیعوں میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ فرمان بڑا مشہور تھا کہ جب تک بڑے بیٹے میں کوئی عیب نہ ہو تو اپنے باپ کے بعد وہ امام ہوتا ہے۔ جس وقت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت واقع ہوئی تھی اس وقت آپؑ کے بیٹوں میں عبداللہ افطح سب سے بڑا تھا۔ چنانچہ بعض شیعہ شبہے میں پڑ گئے اور وہ اسے امام سمجھنے لگے۔ مگر وہ اس بات کو بھول گئے کہ بڑے

بیٹے کو اس وقت امام مانا جاتا ہے کہ جب اس (کی خلقت وغیرہ) میں کوئی عیب نہ ہو اور عبداللہ کی کمزوریوں میں سے ایک یہ بھی تھی کیونکہ اس کا سر یا اس کے پاؤں کافی چوڑے تھے جیسا کہ سابقاً اس کا بیان گزر چکا ہے۔

مزید برآں اس کی طرف بہت سے انحرافات بھی منسوب ہیں جیسا کہ شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ الارشاد میں اِن کے حالات میں لکھتے ہیں:

عبداللہ بن جعفر، حضرت اسماعیلؑ کے بعد اپنے بھائیوں میں سب سے بڑا تھا لیکن اسے اپنے والد کے ہاں وہ مقام حاصل نہ تھا جو اس کے دوسرے بھائیوں کو حاصل تھا۔ وہ متہم تھا کہ وہ اعتقاد میں اپنے والد گرامیؑ کا مخالف تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا اُٹھنا بیٹھنا حشویہ کے ساتھ تھا اور وہ مرجیہ کی طرف بھی مائل تھا۔ اس نے اپنے والد بزرگوار کے بعد امامت کا دعویٰ کیا اور اس نے اپنے دعوے کی دلیل یہ پیش کی تھی کہ وہ اپنے باقی بھائیوں سے بڑا ہے۔ لہٰذا امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب کے ایک گروہ نے اس کی پیروی کرنا شروع کر دی۔ پھر جب ان پر عبداللہ کے دعوے کی کمزوری اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے دعوے کی مضبوطی ظاہر ہوئی تو وہ اس سے پھر کر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت کے قائل ہو گئے اور تھوڑے ہی لوگ اس کی امامت کے عقیدے پر قائم رہے اور یہ وہی لوگ تھے جنھیں "فطحیہ" کہا جاتا تھا۔ انھیں یہ لقب اس لیے دیا گیا کیونکہ وہ عبداللہ کی امامت کے قائل تھے اور عبداللہ افطح الرجلین (چوڑے پاؤں والا) تھا۔ (الارشاد: ص ۴۳۷)

شیخ کشی کہتے ہیں: "فطحیہ، عبداللہ بن جعفرؑ کی امامت کے قائل تھے۔ اور جو لوگ اس کی امامت کے قائل تھے وہ بڑے بڑے مشائخ وفقہاء تھے اور وہ ائمہ علیہم السلام سے مروی ایک احادیث کی وجہ سے شبہے میں پڑ گئے تھے اور وہ حدیث یہ تھی:

جب ایک امامؑ فوت ہو جائے تو اس کے بعد اس کا بڑا بیٹا امام ہوتا ہے۔ پھر جب انھوں نے بعض حلال وحرام کے مسائل دریافت کیے اور وہ ان کے جوابات نہ دے سکا اور اس کے علاوہ اس نے کچھ ایسے اُمور سرانجام دیے جو ایک امامؑ کی شان کے خلاف ہوتے ہیں تو انھوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ پھر امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت کے ستر دن بعد

عبداللہ بھی مر گیا تو سوائے چند لوگوں کے سب نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی طرف رجوع کر لیا اور اس خبر کو اپنا لیا جس میں آیا ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے بعد کبھی بھی امامت دو بھائیوں میں نہ ہوگی۔ (اختیار معرفۃ الرجال: جلد ۲، ص ۵۲۴)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

آپؑ ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام میں سے ساتویں امامؑ ہیں جن کی امامت پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نص فرمائی تھی۔

آپؑ کی ولادت باسعادت

حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جس سال حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی اس سال ہم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ حج کیا۔ وہاں جب ہم نے مقام ابواء میں پڑاؤ کیا تو ہمارے لیے دن کا کھانا رکھا گیا۔ یہ بات معمول میں شامل تھی کہ جب بھی آپؑ کے اصحابؓ کے لیے کھانا بنایا جاتا تھا وہ زیادہ اور لذیذ ہوتا تھا۔

ابوبصیرؓ کہتے ہیں: ہم بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ حضرت حمیدہ کے قاصد نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو ان کا یہ پیغام دیا:

> "جنابِ حمیدہ کہتی ہیں: میری طبیعت کافی ناساز ہے اور مَیں وہ تکلیف محسوس کر رہی ہوں جو مجھے بچے کو جنم دینے میں ہوتی تھی اور کہیں ایسا نہ ہو کہ آپؑ کے بچے سے پہلے میری جان چلی جائے"۔

یہ خبر سنتے ہی امام جعفر صادق علیہ السلام اُٹھ کر قاصد کے ساتھ چل پڑے اور جب آپؑ واپس آئے تو آپؑ کے اصحاب علیہم الرضوان نے کہا: خدا آپؑ کو خوش رکھے اور ہمیں آپؑ کا فدیہ قرار دے۔ سنائیے جنابِ حمیدہ کا اب کیا حال ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا نے انھیں بچا لیا ہے اور مجھے ایک فرزند عطا کیا ہے۔ حمیدہ نے مجھے اس لیے خبر دی تھی کیونکہ ان کے خیال میں یہ خبر میرے علم میں نہیں ہے حالانکہ وہ خبر میرے علم میں تھی۔

میں نے کہا: قربان جاؤں! بتایئے جنابِ حُمیدہ نے آپؑ کو کیا خبر دی ہے؟

حمیدہ نے مجھے بتایا کہ جب اس بچے کی ولادت ہوئی تو اس نے اپنے ہاتھ زمین پر رکھے اور اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھایا تو میں نے انھیں بتایا کہ یہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے بعد آپؐ کے وصی کی نشانی ہے۔

میں نے پوچھا: قربان جاؤں! یہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے بعد آپؐ کے وصی کی نشانی کیسے ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جس رات میرے داداؑ کا نطفہ مستقر ہوا اس رات میرے دادا کے والدؑ کے پاس ایک آنے والا ایک برتن لے کر آیا اور اس برتن میں ایک شربت تھا جو پانی سے زیادہ پتلا، مکھن سے زیادہ ملائم، شہد سے زیادہ میٹھا، برف سے زیادہ ٹھنڈا اور دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ اس نے وہ شربت میرے جدِ بزرگوار کے والد کو پلایا اور جماع کرنے کا حکم سنایا تو آپؑ نے اُٹھ کر جماع کیا اور میرے دادا کا نطفہ مستقر ہوگیا۔ پھر جس رات میرے باباؑ کا نطفہ مستقر ہوتا تھا اس رات بھی ایک آنے والا آیا اور اس نے میرے دادا کو بھی وہی شربت پلایا اور آپؑ کو بھی وہی حکم سنایا جو آپؑ کے باباؑ کو سنایا تھا۔ تو آپؑ نے اُٹھ کر جماع کیا اور میرے باباؑ کا نطفہ مستقر ہوگیا۔ پھر جس رات میرا نطفہ رکھا گیا تو اس رات میرے باباؑ کے پاس بھی ویسا ہی شربت لایا گیا اور آپؑ کو وہ شربت پلا کر جماع کا حکم سنایا گیا۔ میرے بابا نے اُٹھ کر جماع کیا اور میرا نطفہ مستقر ہوگیا۔ پھر جس رات میرے اس بیٹے کا نطفہ ٹھہرا تو اس رات میرے پاس بھی وہی آنے والا آیا اور اس نے میرے ساتھ بھی وہی کیا جو مجھ سے پہلے آئمہؑ کے ساتھ کرچکا تھا۔ میں خدا کے علم سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ میں خدا کی نوازش پر اس کا شکر گزار تھا۔ میں نے جماع کیا اور میرے اس بیٹے کا نطفہ مستقر ہوگیا جس کی ابھی ابھی ولادت ہوئی ہے اور جو تمھارے سامنے ہے۔ خدا کی قسم! میرا یہ بیٹا میرے بعد تمھارا امامؑ ہوگا۔

پس امام علیہ السلام کا نطفہ اسی چیز سے تیار ہوتا ہے جو میں نے تمھیں بتائی ہے اور جب نطفے کو رحمِ مادر میں چار مہینے گزر جاتے ہیں اور اس میں روح ڈال دی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف ''حیوان'' نامی ایک فرشتے کو بھیجتا ہے جو اس کے دائیں کندھے پر یہ آیت لکھ دیتا ہے:

وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (سورۂ انعام: آیت ۱۱۵)

''اور آپؐ کے رب کا کلمہ سچائی اور عدل کے اعتبار سے کامل ہے، اس کے کلمات کو تبدیل کرنے والا کوئی نہیں اور وہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے''۔

جب وہ شکمِ مادر سے باہر آتا ہے تو وہ اپنے ہاتھ زمین پر رکھتا ہے اور سر آسمان کی طرف اُٹھاتا ہے اور ولادت کے بعد امامؑ جو اپنے ہاتھ زمین پر رکھتا ہے تو وہ خدا کے آسمان سے زمین کی طرف نازل کردہ سارے علم کو اپنے قبضے میں لے رہا ہوتا ہے اور جب وہ اپنا سر اُوپر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتا ہے تو وہ ایک منادی کی ندا سن رہا ہوتا ہے جو اسے اُفقِ اعلیٰ سے رب العزت کی جانب سے وسطِ عرش سے اس کے اور اس کے والدؑ کے نام سے یہ ندا دیتا ہے:

''اے فلاں بن فلاں! ثابت رہو، تجھے ثابت رکھا جائے گا۔ تیری عظمتِ تخلیق کی قسم! تو میری مخلوق میں سے میرا انتخاب، میرے راز کا مقام، میرے علم کا خزانہ، میرے وحی پر میرا امین اور میری زمین پر میرا خلیفہ ہے۔ جو تجھ سے اور تیرے لیے محبت کرے گا میں اس پر اپنی رحمت واجب کردوں گا، اسے اپنی جنت سے نوازوں گا اور اسے اپنے جوار میں جگہ عطا کروں گا۔

پھر میری عزت وجلالت کی قسم! میں تیرے دشمن کو اپنا دردناک عذاب دوں گا، خواہ دنیا میں مَیں نے اسے رزقِ وسیع ہی دے رکھا ہو''۔

جب اس منادی کی ندا ختم ہوجاتی ہے تو وہ (نبیؐ یا وصیؑ) اپنا ہاتھ زمین پر رکھ کر اور اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھا کر اسے یہ جواب دیتا ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (سورہ آلِ عمران: آیت ۱۸)

''اللہ نے خود شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں

اور اہلِ علم نے بھی یہی شہادت دی، وہ عدل قائم کرنے والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بڑا غالب آنے والا حکمت والا ہے"۔

پس جب وہ یہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے اوّل و آخر کا علم عطا کرتا ہے اور وہ شب قدر میں روح کی زیارت و ملاقات کا بھی مستحق ہوتا ہے۔

میں نے پوچھا: قربان جاؤں! کیا روح سے مراد حضرت جبرائیلؑ نہیں ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: روح، حضرت جبرائیلؑ سے بزرگ تر ہے۔ کیونکہ حضرت جبرائیلؑ فرشتوں میں سے ہیں جبکہ "روح" فرشتوں سے عظیم تر ایک مخلوق ہے۔ کیا خداوند بزرگ و برتر یہ نہیں فرماتا:

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ (سورۂ قدر: آیت ۴)

"فرشتے اور روح نازل ہوتے ہیں"۔ (الکافی: جلد ا، ص ۳۸۵)

ایک دوسری روایت میں حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپؒ کہتے ہیں: جس سال حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ولادت ہوئی اس سال میں سفرِ حج میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ تھا۔ جب ہم نے ابواء میں قیام کیا تو امام علیہ السلام نے ہمارے لیے کھانا تیار کرایا۔ اس روز کھانا بہت زیادہ اور بڑا لذیذ تھا۔ ہم کھانا کھا رہے تھے کہ جنابِ حمیدہ کا قاصد امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس آ کر کہنے لگا: جنابِ حمیدہ کہہ رہی ہیں کہ دردِ ولادت مجھے کھائے جا رہا ہے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ آپؑ کے بیٹے کے دنیا میں آنے سے پہلے میں دنیا سے چلی جاؤں۔

یہ پیغام سن کر آپؑ مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس قاصد کے ہمراہ چل پڑے۔ بس کچھ دیر ہی گزری تھی کہ آپؑ اپنے بازو پھیلائے مسکراتے ہوئے واپس آ گئے۔ ہم نے کہا: خدا آپؑ کو خوش اور آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا رکھے، سنائیے جنابِ حمیدہ کا کیا حال ہے؟

امام نے فرمایا: خدا نے مجھے ایک لڑکا عطا کیا ہے جو ساری مخلوقِ خدا سے بہتر ہے......

(اس کے بعد سارا وہی ہے جو سابقہ خبر میں گزر چکا ہے)۔ (بصائر الدرجات: ص ۴۶۰)

منہال قصاب کہتا ہے: میں مکہ سے مدینہ جا رہا تھا، راستے میں میرا گزر ابواء سے ہوا۔ اس روز امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرزند حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔ میں

امام علیہ السلام سے ایک دن پہلے مدینہ پہنچا اور امام علیہ السلام مجھ سے ایک روز بعد مدینہ آئے۔ امام علیہ السلام نے تین روز تک لوگوں کو لنگر کھلایا اور ان کھانے والوں میں سے ایک مَیں بھی تھا۔ پس مَیں جو بھی (ایک بار) کھاتا تھا اسے دوبارہ کھانے پر جی کرتا تھا۔ میں نے تین بار ایسا ہی کیا حتیٰ کہ میرا پیٹ بھر گیا اور پھر میں نے کچھ نہ کھایا۔ (المحاسن: جلد ۲، ص ۱۹۲)

یعقوب سراج کہتا ہے: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپؑ اپنے بیٹے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے گہوارے کے سرہانے کھڑے تھے۔ وہاں آپؑ کافی دیر کھڑے رہے اور میں آپؑ کے فارغ ہونے کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ پھر مَیں اُٹھ کر آپؑ کی طرف گیا تو آپؑ نے مجھ سے فرمایا:

اپنے مولاؑ کے قریب جاؤ اور انھیں سلام کرو تو میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے قریب گیا اور میں نے آپؑ کو سلام کیا تو آپؑ نے مجھے فصیح زبان میں میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر مجھ سے فرمایا: ”جاؤ اور اپنی اُس بیٹی کا نام بدل دو، جس کا نام تُو نے کل رکھا تھا کیونکہ وہ نام خدا کو بالکل ناپسند ہے“۔ (ان دنوں اس کی ایک بیٹی پیدا ہوئی تھی اور اس نے اس کا نام حمیرا رکھا تھا)۔

اس پر امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جاؤ اور وہ کام کرو جو امام علیہ السلام نے تجھے کہا ہے۔ چنانچہ میں نے جا کر اس کا نام بدل دیا۔ (الکافی: جلد ۱، ص ۳۱۰)

آپؑ کی والدہ

ہشام بن احمر کہتے ہیں: ایک سخت گرمی والے دن امام جعفر صادق علیہ السلام نے میری طرف یہ پیغام بھیجا کہ تم فلاں افریقی کے پاس جاؤ اور فلاں فلاں حالات و صفات والی جاریہ کو تلاش کرو۔

امام علیہ السلام کے حکم پر میں اس افریقی کے پاس گیا اور امام علیہ السلام کی بتائی ہوئی صفات کی حامل کنیز کو وہاں تلاش کیا مگر مجھے ایسی کنیز نہیں ملی اور مَیں واپس آ گیا اور مَیں نے امام علیہ السلام کو بتایا تو آپؑ نے فرمایا: تم دوبارہ اس کے پاس جاؤ، اس کے پاس ویسی کنیز موجود ہے۔

امام علیہ السلام کے فرمانے پر مَیں دوبارہ اس افریقی کے پاس چلا گیا تو اس نے قسم کھا کر مجھ

سے کہا: میرے پاس جو کچھ تھا وہ میں نے تمھیں دکھا دیا ہے۔ پھر وہ مجھ سے کہنے لگا: میرے پاس ایک بیمار کنیز ہے جس کا سر منڈا ہوا ہے اور وہ ایسی نہیں جیسی تمھاری طلب ہے۔

میں نے اس سے کہا: مجھے دکھاؤ تو سہی۔

پھر اس کنیز کو دو اور کنیزوں کے سہارے میرے سامنے لایا گیا۔ اس کے پاؤں زمین پر خط کھینچ رہے تھے اور میں نے اسے دیکھتے ہی امام علیہ السلام کی بتائی ہوئی صفات اس میں پا لیں۔

میں نے اس سے پوچھا: اس کی قیمت کیا ہے؟

اس نے کہا: تم اسے لے جاؤ اور امام علیہ السلام اس کی جو بھی قیمت مجھے دیں گے وہ میں قبول کرلوں گا کیونکہ خدا کی قسم! جب سے میں اس کا مالک بنا ہوں میں نے اس کے پاس جانے کا ارادہ کیا مگر میرا ارادہ کبھی پورا نہ ہوا اور جس شخص سے میں نے اسے خریدا تھا اس نے بھی مجھے بتایا ہے کہ وہ بھی اس کے پاس نہیں گیا اور اس کنیز نے قسم اُٹھائی کہ اس نے چاند کو اپنی جھولی میں اُترتے ہوئے دیکھا ہے۔

میں نے اس کی یہ بات امام جعفر صادق علیہ السلام کو بتائی تو امام علیہ السلام نے مجھے دو سو دینار دیے۔ جب میں وہ دینار لے کر اس شخص کے پاس گیا تو اس نے کہا: مجھے اس کی قیمت مغرب سے نہ بھیجی جاتی تو یہ بھی میں اسے راہِ خدا میں آزاد کر دیتا۔

پھر جب میں نے واپس آ کر اس کی یہ بات امام جعفر صادق علیہ السلام کو بتائی تو آپؑ نے فرمایا: اے فرزند احمر! یہ ایک ایسے بچّے کو جنم دے جس کے اور خدا کے مابین کوئی حجاب نہ ہوگا۔ (اعلام الوریٰ: ص ۳۰۹)

معزز قارئین! یہاں ہم اسی بیان پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ اس کا مختصر سے بیان امام جعفر صادق علیہ السلام کی اُزواج کے ذیل میں بھی ہو چکا ہے۔

آپؑ کی امامت پر نص

فیض بن مختار سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے جہنم سے نکالیے (اور بتایئے کہ) آپؑ کے بعد ہمارا

امام کون ہے؟

ہماری بات ہو رہی تھی کہ حضرت ابوابراہیم (امام موسیٰ کاظمؑ) واردِ محفل ہوئے (اس وقت آپؑ تو عمر لڑکے تھے) تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: (میرے بعد) تمھارے صاحب (الامر) یہ ہیں، لہٰذا تم ان کا دامن تھام لو۔ (الکافی: جلد ۱، ص ۳۰۷)

معاذ بن کثیر کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا:

میں اس خدا کی بارگاہ میں سوال کرتا ہوں جس نے آپؑ کو اپنے باباؑ سے یہ منزلت عطا کی ہے کہ وہ آپؑ کی وفات سے پہلے آپؑ کو بھی ایسا فرزند عطا کرے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا نے ایسا کر دیا ہے۔

میں نے کہا: قربان جاؤں بتایئے تو وہ کون ہیں؟

امام علیہ السلام نے عبد صالح (امام موسیٰ کاظمؑ) کی طرف اشارہ کیا (اس وقت امام موسیٰ کاظمؑ سو رہے تھے) اور فرمایا: یہ سونے والا وہ لڑکا ہے (جو تمھارا امامؑ ہوگا)۔ (الکافی: جلد ۱، ص ۳۰۸)

عبدالرحمٰن بن حجاج سے ایک حدیث میں آیا ہے، وہ کہتا ہے: ایک دن میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے گھر گیا اور میں نے دیکھا کہ آپؑ اپنی جائے نماز پر بیٹھ کر دُعا فرما رہے تھے اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام آپؑ کی دُعا پر "آمین" کہہ رہے تھے۔

میں نے عرض کیا: قربان جاؤں! آپؑ جانتے ہی کہ میں دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر آپؑ کے ساتھ ملا ہوا ہوں اور میں نے آپؑ کی خدمت بھی کی ہے، لہٰذا مجھے بتایئے کہ آپؑ کے بعد لوگوں کے ولی (امر) کون ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: بے شک امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے یہ قمیص پہنی اور آپؑ کو پوری آ گئی۔ تو میں نے امام علیہ السلام سے کہا: اب اس کے بعد مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ (الکافی: جلد ۱، ص ۳۰۸)

حضرت مفضل بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت ابوالحسن (امام کاظمؑ) کا ذکر فرما رہے تھے اور اس وقت (ظاہراً) امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا بچپن تھا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہم میں اس مولود سے بڑھ کر ہمارے شیعوں کے لیے کوئی بھی صاحب خیر و برکت پیدا نہیں ہوا۔

امام علیہ السلام نے پھر مجھ سے فرمایا: مگر تم اسماعیلؑ کے ساتھ بھی جفا نہ کرنا (یعنی اگرچہ وہ تمھارا امام نہیں مگر تمھارے امام کا بیٹا ضرور ہے، لہٰذا تم اس کے ساتھ حُسنِ سلوک کا مظاہرہ کرنا اور اس کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آنا۔ (مرآۃ العقول، الکافی: جلد۱، ص ۳۰۹)

مَیں کہتا ہوں: ممکن ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے زیادہ صاحبِ برکت سے آپؑ کے کثیر النسل ہونے کی طرف اشارہ ہو کیونکہ ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام میں سے آپؑ کی ہی نسل سب سے زیادہ تھی اور بعض تاریخ کی کتب میں آیا ہے کہ آپؑ کے بیٹوں اور بیٹیوں کی تعداد ۶۰ سے زائد تھی۔ اور ان سب نے اسلامی ممالک میں پھیل کر صحیح مذہب اہلِ بیتؑ کی ترویج کی تھی اور ظاہر ہے کہ یہ سعادت کسی اور امام علیہ السلام کو نصیب نہ ہوئی۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپؑ سے صاحبِ برکت ہونے کا اشارہ اس کے علاوہ کچھ ایسی برکات کی طرف ہو جو ہم پر مخفی ہیں یا جنھیں ظالموں نے مخفی کر دیا ہے۔ واللہ العالم!

ابراہیم کرخی کہتے ہیں: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں ابھی وہاں بیٹھا ہی ہوا تھا کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام واردِ محفل ہوئے۔ اس وقت آپؑ (ظاہری سن کے اعتبار سے) ابھی بچے تھے۔ میں نے اُٹھ کر آپؑ کا بوسہ لیا اور بیٹھ گیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اے ابراہیم! میرے بعد یہ آپ لوگوں کے صاحب (الامر) ہوں گے۔ آپؑ کے بارے میں بہت سی اقوام ہلاک ہوں گی اور بہت سے سعادت و خوش بختی حاصل کریں گے۔ خدا آپؑ کے قاتل پر لعنت کرے اور اس کی روح کو سخت عذاب میں مبتلا کرے۔

جان لو کہ آپؑ کی صلبِ مبارک سے ایک ایسی ہستی کا ظہور ہوگا جو اپنے میں تمام زمین والوں سے بہتر ہوگی۔ وہ ہستی اپنے جد بزرگوار (حضرت علی علیہ السلام) کی ہم نام، ان کے علم اور احکام و فضائل کی وارث اور امامت کی معدن و حکمت کا سرچشمہ ہوگی۔ اس ہستی کو اس عجائبات دیکھنے کے بعد بنی فلاں (عباس) کا جبار و سرکش حکمران حسد کی بنا پر شہید کر دے گا۔ لیکن خدا

اپنے اُمر کو پورا کرنے والا ہے خواہ مشرکوں کو یہ ناگوار ہی گزرے۔ پھر خدا اس ہستی کی صلب سے کچھ ایسی ہستیوں کو ظاہر کرے گا جو بارہ اماموں اور بارہ ہادیوں کا عدد مکمل کریں گے۔ خدا انھیں اپنی کرامت کے ساتھ خاص کرے گا اور انھیں اپنے مقدس گھر میں ٹھہرائے گا اور ان میں سے بارھویں امام علیہ السلام کا انتظار کرنے والا رسولؐ خدا کے سامنے اپنی تلوار سے جہاد کرنے اور آپؐ کا دفاع کرنے والے کی مثل ہوگا۔

راوی کہتا ہے: امام علیہ السلام یہ بات کر رہے تھے کہ بنی اُمیہ کا ایک چاہنے والا ہماری محفل میں آ گیا تو آپؑ نے اپنی بات روک لی۔ اس واقعہ کے بعد میں گیارہ مرتبہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس گیا تاکہ جہاں آپؑ نے اپنی بات چھوڑی تھی وہاں سے آگے سنوں مگر میں اس سعادت کو نہ پاسکا۔ پھر جب دوسرا سال آیا اور میں آپؑ کے پاس گیا تو آپؑ (اپنی اس بات کو مکمل کرتے ہوئے) فرمایا:

"اے ابراہیم! وہ (بارھویں امام عجل اللہ فرجہُ الشریف) شدید تنگی اور طویل آزمائش اور غم و خوف سے اپنے شیعوں کو نجات دلائیں گے۔ پس خوش بختی ہے اُس شخص کی جو اس زمانے کو پالے"۔

اے ابراہیم! اتنا ہی تمھارے لیے کافی ہے۔

ابراہیم کہتے ہیں: میں (امام علیہ السلام کی بارگاہ سے) اس حدیث سے بڑھ کر کوئی چیز اپنے دل کو خوش کرنے والی اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے والی لے کر نہیں لوٹا۔ (اکمال الدین: ص ۳۳۴)

ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک روز حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنے باباؑ کے سامنے بڑی عمدہ گفتگو فرمائی تو آپؑ نے فرمایا:

اے جانِ پدرؑ! حمد ہے اس خدا کی جس نے آپؑ کو اپنے آبائے کرام علیہم السلام کا جانشین، اپنی اولاد کا سرور اور دوستوں کا عوض قرار دیا۔

معزز قارئین! امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت کے باب میں مروی روایات کافی تعداد میں موجود ہیں اور ہم نے انھیں اپنے موسوعہ میں ذکر کیا ہے۔

مذہب واقفیہ کا فتنہ

واقفیہ سے مراد وہ بدعقیدہ لوگ ہیں جو حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام (تک ائمہ علیہم السلام) کی امامت پر رُک گئے ہیں اور وہ آپؑ کے بعد کے امامؑ کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ یہ عقیدہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے قید خانے میں شہید ہوجانے کے بعد معرضِ وجود میں آیا اور اس فکر کی ایجاد کے پیچھے کچھ مادی اسباب بھی موجود تھے۔ مگر الحمدللہ! اب یہ عقیدہ اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس فرقہ کے ایجاد ہونے سے پہلے ہی اپنے اصحاب علیہم الرضوان کو باخبر کردیا تھا اور اس کی گمراہی وانحراف کو واضح کرکے بیان کرنے کے بعد اس سے اظہارِ برأت بھی فرمادیا تھا اور اس موضوع سے مربوط بعض احادیث کو ہم نے اپنے موسوعہ میں درج کردیا ہے جیسا کہ اس پر تفصیلی تبصرہ ہماری کتاب الامام الجوادمن المھدالی اللحد میں بھی موجود ہے۔

حضرت اسحاق بن جعفر علیہما السلام

شیخ مفید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: حضرت اسحاق بن جعفر اہلِ فضل وصلاح اور صاحبانِ ورع واجتہاد میں سے تھے۔ لوگوں نے آپؑ سے بہت سی احادیث وآثار کو نقل کیا ہے اور ابنِ کاسب جب آپؑ سے کوئی حدیث بیان کرتے تو (یوں) کہتے: مجھ سے بیان کیا ثقہ ورضی اسحاق بن جعفرؑ نے۔ (الارشاد: ص ۲۸۶)

آپؑ نے اپنے بابا جعفر صادق علیہ السلام سے اپنے بھائی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت کے بارے میں ایک نص بھی روایت کی ہے اور آپؑ وصیت کے بھی شاہد تھے جو حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے لیے فرمائی تھی۔

شیخ طوسیؒ نے آپؑ کو امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے شمار کیا جب کہ برقیؒ نے آپؑ کو امام محمد باقر، امام جعفر صادق اور امام موسیٰ کاظم علیہم السلام کا صحابی کہا ہے۔ آپؑ سیّدہ نفیسہ بنت الحسن بن زید بن امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے شوہر تھے کہ جن کا مزارِ اقدس مصر کے شہر قاہرہ میں ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے خبر دی تھی آپؑ کا انتقال اپنے بھائی محمد بن جعفر صادق علیہ السلام سے پہلے ہو جائے گا جیسا کہ یہ حسن بن علی الخذاء سے روایت کیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں:

یحیٰ بن محمد بن جعفر نے مجھ سے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں: جب میرے بابا سخت بیمار ہوئے تو امام ابوالحسن علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام ان کی عیادت کو آئے اور وہاں میرے چچا حضرت اسحاقؒ بیٹھے دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔

یحیٰ کہتے ہیں: امام علی رضا علیہ السلام نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا: تم کس لیے رو رہے ہو؟

میں نے کہا: مجھے خوف ہے کہ کہیں میرے بابا ہمیں چھوڑ ہی نہ جائیں۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: غم نہ کرو (انھیں کچھ نہیں ہوگا) اور عنقریب حضرت اسحاقؒ ان سے پہلے انتقال کر جائیں گے۔

یحیٰ کہتا ہے: پس جیسا امام علیہ السلام نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا، یعنی میرے بابا محمد بن جعفرؒ صحت یاب ہو گئے اور حضرت اسحاقؒ کی وفات ہو گئی۔

حضرت محمد دیباج بن امام صادق علیہ السلام

حضرت محمد بن امام جعفر صادق علیہ السلام بڑے سخی اور بہادر انسان تھے۔ آپؒ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ آپؒ زیدیہ کی مانند تلوار سے خروج کرنے کی رائے کے حامل تھے۔ آپؒ کی زوجہ حضرت خدیجہ بنت عبداللہ بن حسین کہتی ہیں کہ آپؒ جو لباس بھی ایک دن پہن کر باہر جاتے واپس آ کر وہ لباس کسی (ضرورت مند) کو پہنا دیتے اور آپؒ ہر روز اپنے مہمانوں کے لیے ایک دنبہ ذبح کرتے تھے۔

آپؒ نے ۱۹۹ ہجری میں مکہ میں مامون عباسی کے خلاف خروج کیا اور اس خروج میں زیدیہ اور جارودیہ نے آپؒ کا ساتھ دیا مگر دوسری طرف سے عیسیٰ جلودی آپؒ کے مقابلے میں آیا اور آپؒ کی جماعت کو منتشر کر کے آپؒ کو گرفتار کیا اور آپؒ کو مامون کے حوالے کر دیا۔

جب آپؒ مامون کے پاس پہنچے تو اس نے آپؒ کا احترام کرتے ہوئے آپؒ کو اپنے پاس بٹھایا اور آپؒ کے صلہ رحمی اور حُسنِ سلوک کا مظاہرہ کیا۔ آپؒ مامون کے ساتھ خراسان

میں مقیم رہے اور اس کے پاس جانے کے لیے اسی کی سواری استعمال کرتے تھے۔ اور مامون آپؑ کی وہ (تلخ) باتیں بھی برداشت کرتا تھا جو دوسرے بادشاہ اپنی رعایا کی زبان سے سن کر برداشت نہ کر سکتے تھے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ مامون اس بات کو ناپسند کرتا تھا کہ آپؑ مامون کے پاس اپنے ان چاہنے والوں کے ساتھ سوار ہو کر آئیں جنھوں نے ۲۰۰ ہجری میں مامون کے خلاف خروج کیا تھا اور مامون نے انھیں امان دی تھی۔ لہٰذا مامون کی طرف سے انھیں خط گیا کہ تم عبداللہ بن حسین کے ساتھ آیا کرو، نہ کہ محمد بن جعفرؑ کے ساتھ۔ اس پر انھوں نے آنے سے ہی انکار کر دیا اور اپنے گھروں میں بیٹھ گئے۔ جب اس نے ان کا یہ رویہ دیکھا تو انھیں یہ خط لکھا کہ تم جس کے ساتھ چاہو سوار ہو کر آجایا کرو۔ چنانچہ وہ حضرت محمد بن جعفر علیہ السلام کے ساتھ ہی سوار ہو کر آتے تھے اور آپؑ ہی کے ساتھ واپس جاتے تھے۔

موسیٰ بن سلمہ سے ذکر ہوا ہے، وہ کہتے ہیں: محمد بن جعفرؑ کے پاس خبر پہنچی جس میں کہا گیا کہ ذوالریاستین (مامون کے وزیر) کے غلاموں نے آپؑ کے غلاموں کو ان لکڑیوں کی وجہ سے مارا پیٹا ہے جو انھوں نے خریدی ہوئی تھیں۔ یہ خبر سن کر محمد بن جعفرؑ دو یمنی چادریں پہنے ہوئے نکلے اور ان کے ہاتھ میں موٹا سا ڈنڈا تھا اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

اَلْمَوْتُ خَيْرٌ لَكَ مِنْ عَيْشٍ بِذُلٍّ

”(عزت کے ساتھ) مرجانا تیرے لیے ذلت کی زندگی سے بہتر ہے“۔

اس پر کچھ لوگ ان کے ساتھ ہو گئے۔ یہاں تک کہ انھوں نے مامون کے وزیر کے غلاموں کی خوب پٹائی کی اور ان سے جلانے والی لکڑیاں واپس لے لیں۔

جب یہ خبر مامون کو ملی تو اس نے ذوالریاستین (اپنے وزیر) کو یہ پیغام بھیجا کہ حضرت محمد بن جعفر علیہ السلام کے پاس آکر ان سے معذرت کرو اور اپنے غلاموں کے معاملے میں ان سے فیصلہ لو (یعنی جو فیصلہ محمد بن جعفرؑ فرما دیں تم اسے نافذ کرو)۔

راوی کہتا ہے: مامون کا حکم ملنے پر ذوالریاستین حضرت محمد بن جعفر علیہ السلام کے پاس آیا۔ جب اس کے آنے کی اطلاع جنابِ محمدؑ کو کی گئی اس وقت میں آپؑ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ آپؑ

نے فرمایا: اسے کہو کہ تم زمین پر بیٹھو (یعنی تمھیں کسی فرش یا مسند پر بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے)۔

پھر آپؑ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر وہاں سے سارے فرش (قالین) اُٹھا لیے اور ایک وہی قالین بچ گیا جس پر حضرت محمد بن جعفرؒ تشریف فرما تھے۔ چنانچہ جب ذوالریاستین آیا اور آپؒ نے اپنے ذاتی قالین پر اس کے لیے جگہ کشادہ کی تو اس نے وہاں بیٹھنے سے انکار کر دیا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے جنابِ محمدؒ سے معذرت کی اور اپنے غلاموں کے بارے میں ان کا فیصلہ طلب کیا (اور اس کو نافذ کرنے کی یقین دہانی کرائی)۔

آپؒ کی وفات خراسان میں مامون کے پاس ہوئی۔ وہ اپنی سواری پر سوار ہو کر آپؒ کے جنازے میں اس وقت شامل ہوا جب آپؒ کا جنازہ گھر سے اُٹھایا جا چکا تھا۔ جونہی مامون نے آپؒ کا تابوت دیکھا تو سواری سے اُتر کر پیدل ہو گیا اور آپؒ کے تابوت کو کندھا دے کر جنازہ گاہ تک لے گیا۔ پھر اس نے آگے ہو کر آپؒ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپؒ کو اُٹھا کر قبر تک لے گیا اور جب تک قبر مکمل طور پر تیار نہ ہوئی وہ اس میں ہی رہا۔ پھر وہ قبر سے باہر آیا اور دفن کے مراحل کے مکمل ہونے تک وہیں کھڑا رہا حتیٰ کہ عبیداللہ بن حسین نے اُسے دُعا دیتے ہوئے کہا: اے امیرالمومنین! آج تو آپ بہت زیادہ تھکے ہوئے ہیں، اب سوار ہو جایئے۔

اس پر مامون نے کہا: یہ ایک ایسا رشتہ ہے جو دو سال سے کٹ چکا تھا۔ (الارشاد: ص ۲۷۶)

اسحاق بن موسیٰ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: جب میرے چچا محمد بن جعفرؒ نے مکہ میں خروج کیا، آپ نے لوگوں کو اپنی طرف بلایا تو آپؒ کو امیرالمومنین کہا گیا اور آپؒ کی خلافت کی بیعت کی گئی تو حضرت امام علی رضا علیہ السلام ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت مَیں بھی آپؑ کے ہمراہ تھا۔ امام علیہ السلام نے میرے چچا کو مخاطب کر کے فرمایا: اے چچا! اپنے باپ اور بھائی کو نہ جھٹلاؤ کیونکہ (تیرے لیے) یہ اَمر تمام نہ ہوگا۔

پھر آپؑ مدینہ چلے گئے اور مَیں بھی آپؑ کے ساتھ چلا گیا۔ اس کے بعد وہ مکہ میں تھوڑا ہی عرصہ رہا حتیٰ کہ جلودی نے اسے شکست دے دی۔ پھر اس نے جلودی سے امان طلب کی اور سیاہ لباس پہن کر منبر پر آیا اور اَمرِ خلافت سے اپنی بے زاری کا اعلان کر کے کہنے لگا: اس

اَمرِ خلافت کا اصل مالک مامون ہے اور اس میں میرا کوئی حصّہ نہیں ہے۔

پھر اسے خراسان کی طرف نکال دیا گیا اور جرجان میں اس کی وفات واقع ہوئی۔

(عیون اخبار الرضا: جلد ۲، ص ۲۰۷)

معزز قارئین! حضرت محمد بن جعفر علیہما السلام کی مفصل تاریخ کتاب مقاتل الطالبیین اور تراجم وغیرہ کی دوسری کتابوں میں موجود ہے اور ہم یہاں پر اسی مختصر بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

حضرت عباس بن امام صادق علیہ السلام

شیخ مفید علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: آپؒ بہت بڑے صاحب فضل و شرف انسان تھے۔

(الارشاد: ص ۲۸۷)

حضرت علی العُریضی بن امام صادق علیہ السلام

شیخ مفید علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: آپؒ حدیث کے بہت بڑے راوی، درست راہ کے پیرو، بڑے پارسا اور بہت فضل و کرم کے مالک تھے۔ آپؒ اپنے بھائی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو دل و جان سے چاہنے والے تھے اور آپؒ نے ان سے بہت سی احادیث بھی روایت کی ہیں۔

شیخ طوسی رحمۃ اللہ علیہ نے آپؒ کا ذکر امام باقر، امام صادق، امام کاظم اور امام علی رضا علیہم السلام کے اصحاب علیہم الرضوان میں بھی کیا ہے۔ آپؒ کے بارے میں بات کرتے ہوئے شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپؒ بہت ہی جلیل القدر اور معتبر انسان تھے۔ آپؒ کی ''المناسک'' نامی ایک کتاب کا ذکر بھی ملتا ہے اور آپؒ نے اپنے بھائی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے سن کر کچھ مسائل بھی جمع کیے تھے۔

شیخ نجاشی کہتے ہیں: حضرت علی بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین علیہم السلام مدینہ کے نواح میں ایک علاقے عُریض سے تعلق رکھتے تھے۔ حلال و حرام کے مسائل میں آپؒ کی طرف ایک کتاب بھی منسوب ہے۔ اس میں بعض مقامات پر ابواب قائم کیے گئے ہیں اور بعض جگہ ابواب قائم کیے بغیر اَحکام درج کیے گئے ہیں۔

معزز قارئین! ہم نے آپؒ کے بعض احوال اپنی کتاب الامام الجواد من المهد إلى اللحد

میں درج کیے ہیں۔ وہاں پر بعض احادیث ذکر کی ہیں جو آپؑ کی جلالت قدر، لہوولعب کی مخالفت اور تسلیم حق کو بیان کرتی ہیں۔

بہرحال آپؑ کی مدح وتوثیق کے بارے میں محدثین وعلمائے رجال سارے متفق ہیں جیسے خزرجی نے تذھیب التھذیب میں، ابنِ حجر نے تہذیب التھذیب میں اور ذہبی نے میزان الاعتدال میں آپؑ کی ثنا ذکر کی ہے۔ مزید برآں درج ذیل حدیث آپؑ کے ایمان وتقویٰ اور خشیت وتواضع کو بیان کرتی ہے۔

حضرت ابوعبداللہ بن حسن بن موسیٰ بن جعفر علیہم السلام سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں مدینہ میں امام محمد تقی جواد علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا۔ وہاں حضرت علی بن جعفر علیہما السلام اور اہلِ مدینہ میں سے ایک اعرابی بھی آپؑ کے پاس موجود تھا۔ اس اعرابی نے امام ابوجعفر محمد تقیؑ کی طرف اشارہ کرکے مجھ سے پوچھا: یہ جوان کون ہے؟

میں نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی ہیں۔

میری بات سن کر وہ اعرابی کہنے لگا: سبحان اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو دنیا سے پردہ کیے ہوئے اتنا عرصہ گزر چکا ہے اور یہ اب آپؑ کے وصی کیسے ہو سکتے ہیں؟!

میں نے کہا: یہ حضرت علی رضا علیہ السلام کے وصی ہیں، آپؑ حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کے وصی ہیں، آپؑ حضرت جعفر صادق علیہ السلام کے وصی ہیں، آپؑ حضرت محمد باقر علیہ السلام کے وصی ہیں، آپؑ حضرت علی بن حسین علیہما السلام کے وصی ہیں، آپؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کے وصی ہیں، آپ حضرت امام حسن علیہ السلام کے وصی ہیں، آپؑ حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہم السلام کے وصی ہیں اور آپؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی ہیں۔

راوی کہتا ہے: اس کے بعد طبیب آپؑ کی رگ کو کاٹنے کے لیے کھڑا ہوا تو حضرت علی بن جعفر علیہما السلام نے اُٹھ کر کہا: میرے آقا! اس کی ابتداء مجھ سے کیجیے تاکہ آپؑ سے پہلے اس کی گرمی میں چکھ لوں۔

راوی کہتا ہے: میں نے کہا: آپ کو ایسا چچازاد بھائی مبارک ہو۔

چنانچہ پہلے آپ (علی بن جعفرؑ) کی رگ کاٹی گئی۔ پھر امام محمد تقی علیہ السلام نے اُٹھنا چاہا تو

حضرت علی بن جعفرؒ نے اُٹھ کر آپؑ کے جوتے سیدھے کر کے پہنا دیئے (رجال کشی: جلد ۲، ص ۷۲۸)

علی بن اسباط وغیرہ سے روایت کیا گیا ہے: انھوں نے حضرت علی بن جعفرؒ سے روایت کیا ہے، آپؒ فرماتے ہیں:

میں ایک شخص کو واقفیہ میں سے سمجھتا تھا، اس نے مجھ سے پوچھا: تمھارے بھائی حضرت ابوالحسن امام علی رضا علیہ السلام کا کیا بنا؟

میں نے کہا: آپؑ کا انتقال ہوگیا ہے۔

اس نے کہا: تمھارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟

میں نے کہا: آپؑ کے اموال تقسیم کردیے گئے ہیں، آپؑ کی عورتوں سے آگے نکاح کرلیا گیا ہے اور آپؑ کے بعد ایک (حق کے ساتھ) ایک بولنے والا انسان آگیا ہے؟

اس نے پوچھا: امام علی رضا علیہ السلام کے بعد ناطق (بعد والا امامؑ) کون ہے؟

میں نے کہا: آپؑ کے فرزند حضرت ابوجعفرؑ (ثانی امام محمد تقی جوادؑ)۔

اس واقفی نے کہا: آپؒ سن و سال کے اعتبار سے اتنے بڑے ہیں اور اس کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرزند بھی ہیں، پھر بھی اس لڑکے کی امامت کے قائل ہیں؟

میں نے اس سے کہا: مجھے تو شیطان دکھائی دیتا ہے۔

پھر آپؒ نے اس کو ڈاڑھی سے پکڑ کر آسمان کی طرف اُٹھایا اور کہا: اگر خدا اس ہستیؑ کو امامت کا اہل سمجھے اور مجھ بوڑھے کو اس سے محروم رکھے تو میں کر ہی کیا سکتا ہوں؟! (یعنی میں تو اس کے حکم کا پابند ہوں)۔ (رجال کشی: جلد ۲، ص ۷۲۸)

اختتامیہ

معزز قارئین! ہم نے آپؑ کے ہمراہ سادس الائمہ، محی سننِ پیغمبر، ناشر علوم باب العلم، مربی رجال ابطال، معلّم اجیال، بحر زاخر، بدرِ منیر، علمِ ناطق، یعنی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے آستانہ فیض پر چند ایام گزارے۔ اس کتاب کے ذریعے ہم نے صادقِ آلِ محمدؐ کے بعض احوالِ زندگی سے آشنائی حاصل کی۔

ہم صمیم قلب کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی ذاتِ اقدس ان ذواتِ طاہرہ اور کلماتِ الٰہیہ میں سے ہے جن کی گہرائی و گیرائی تک پہنچنے سے اور جن کا احاطہ کرنے سے قلم اور صاحبانِ قلم دونوں عاجز ہیں۔

اور ایسا ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ ایک ہستی حجتِ خدا اور نائب پیغمبرؐ ہو اور وہ مکمل طور پر اپنی رعایا کی فکر کی دسترس میں آجائے؟!

بہرحال بندۂ ناچیز اس امر کا اُمیدوار ہے کہ یہ مختصر سی کاوش سرکار صادق آلِ محمدؐ کی اَحوال شناسی میں ایک مفید اور اہم قدم ثابت ہوگی۔ اور اگر کوئی برادرِ ایمانی اس سے زیادہ تفصیل و وضاحت کا خواہش مند ہے تو ہمارے موسوعہ کی طرف رجوع کرے۔

جس امام جعفر صادق علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ کو مختلف پہلوؤں اور زاویوں سے بیان کیا گیا ہے اور جس کی مجلدات ایک اندازے کے مطابق ساٹھ تک پہنچیں گی۔ اور یہ کتاب تو اس موسوعہ کا ایک مختصر و جامع سا خلاصہ ہے۔

اب مَیں خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ میں دُعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے فضل و کرم کے ساتھ میری اس محنت کو قبولیت سے سرفراز فرمائے اور ان صفحات کو میرے لیے سرمایۂ آخرت قرار دے۔ یقیناً وہ بڑا ہی مہربان اور فضلِ عظیم کا مالک ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ

وَآلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاہِرِیْنَ الْمَعْصُوْمِیْنَ

مرثیہ حضرتِ صادقِ آلِ محمدؑ

وارثِ علمِ پیمبرؐ ضامنِ دینِ رسولؐ
جو خراجِ صدق کرتا ہے زمانے سے وصول
دَرگذر ہے جس کے سارے خانوادے کا اُصول
جس کا نام ہے اہلِ توبہ کے لئے بابِ قبول
جعفرِ صادقؑ خدا کے رحم کی تصویر ہے
یہ رسولِ ہاشمیؐ کے خواب کی تعبیر ہے

جس کے علمی معجزوں کا ہے جہاں کو اعتراف
صدق اب بھی کر رہا ہے جس کی چوکھٹ کا طواف
جس کے کہنے سے خطائے اہلِ دنیا ہو معاف
جو سنبھالے دینِ حق کو دہر میں مثلِ غلاف
جو شعاعِ نورِ ربانی، امامِ دَہر ہے
جس کے ہاتھوں میں قیامت تک زمامِ دَہر ہے

جس کے علم و فیض کا دریا ہے جاری آج بھی
جس کی چوکھٹ پر جبینیں خم ہیں ساری آج بھی
ڈھونڈتی ہے جس کا دَر بادِ بہاری آج بھی
چل رہی ہے جس کی حکمت کی سواری آج بھی
ایک دروازہ ہے اب بھی سب جہاں کا رہنما
جس نے بھی اِس دَر کو چھوڑا وہ کہاں کا رہنما

جعفرِ صادقؑ کے در کے سنگریزے آفتاب
جو چکائیں ظلمتوں سے چند لمحوں میں حساب
لڑ رہے ہیں ہر خزاں سے جس کے گلشن کے گلاب
دانشِ اہلِ جہاں ہے سب عطائے بوترابؑ
نام جس کا اہلِ دانش کو حوالہ ہو گیا
اِک رُخِ صادقؑ سے دنیا میں اُجالا ہو گیا

پیرو اَسلافِ صادقؑ رہنمائے دین ہے
جس کے سینے میں نہاں ہر بِرِ ما و طین ہے
جس کے آبا کے لہو سے کربلا رنگین ہے
اُس کے اپنے غم میں بھی سارا جہاں غمگین ہے
جو مثالِ انبیاء اِک مہرباں انسان ہے
ہائے افسوس اُس کے در پہ آگ کا طوفان ہے

کربلا کے بعد بھی ہے کربلا کا اِک سماں
چار جانب آگ پھیلی آلِ صادقؑ درمیاں
ہائے زہراؑ کے قبیلے پر وغا کی بجلیاں
صدمہ و حیرت میں گم ہیں سبھی سیّد زادیاں
جعفرِ صادقؑ کے گھر پہ ظلم کی یلغار ہے
یہ مدینہ شہر ہے یا شام کا دربار ہے

خانۂ رحمت سہ بارہ آگ میں جھلسا دیا
گلشنِ خیر البشرؐ کے پھول کا کملا دیا
عترتِ آلِ نبیؐ کو دین کا بدلہ دیا
کیا دیا اس گھر نے تم کو؟ تم نے اِس کو کیا دیا؟
کس خطا میں جعفرِ صادقؑ پہ ظلم و جور ہے
کیا یہی اجرِ رسالتؐ کے اُدا کا طور

گھر جلا کر بھی نہ بخشا صاحبِ دربار نے
سازشوں پہ سازشیں کیں مل کے اہلِ نار نے
زہر انگوروں میں ڈالی دین کے اغیار نے
آگئے ہیں وارثِ دینِ نبیؐ کو مارنے

ہائے قسمت وارثانِ سیدِ ابرار کی
پائی جعفرؑ نے وراثت عابدِؑ بیمار کی

زہر ہے یا تیغ ہے جس نے جگر ٹکڑے کیا
قلبِ حیدرؑ اور دلِ خیرالبشرؐ ٹکڑے کیا
پاک زہراؑ کی دعاؤں کا اثر ٹکڑے کیا
شبرؑ و شبیرؑ کا شیریں ثمر ٹکڑے کیا

عابدؑ و باقرؑ نے دیکھا بے اماں اولاد کو
جعفرِ صادقؑ کا غم تڑپا گیا اجداد کو

جعفرِ صادقؑ کے بیٹے غم بٹانے آگئے
حضرتِ موسیٰ کاظمؑ بھی سرہانے آگئے
حضرتِ عباسؑ قسمت آزمانے آگئے
پانی لے کر زہر کی آتش بجھانے آگئے

کہہ رہے تھے گھونٹ بھر پانی پئیں بابا حضور
شاید حدت کم ہو اس سے اور تھوڑا دکھ ہو دور

رو کے حضرتؑ نے کہا اُس لاڈلے سے، حق شناس!
اس گھڑی یاد آرہی ہے کربلا والے کی پیاس
کوئی بیٹا اور نہ بھائی تھا وہاں مولاؑ کے پاس
اِک سکینہؑ، وہ بھی کم سن، خستہ دل خستہ لباس

اے خدا پیاسی شہادت تو مری مقبول کر
کس طرح پانی پیوں اُس تشنہ لب کو بھول کر

جعفرِ صادقؑ کے غم میں ہیں فرشتے نوحہ خواں
پُرسہ داری کر رہے ہیں سب زمین و آسماں
لگ رہا ہے غم کدہ حوروں کو گلگشتِ جناں
تیری کیا اوقات باریؔ تو کہاں یہ غم کہاں

یہ دعائے سیّدہؑ دہر کی تاثیر ہے
مرثیہ خوانی عطائے مادرِ شبیرؑ ہے

(ابرار حسین باریؔ)

